تفسیر سورۃ البقرہ

www.KitaboSunnat.com

سوال و جواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

آیاتھا ۷ ﴿۱ سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ ۵﴾ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (2) الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (3) مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (4) اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (5)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (6) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (7)

سورہ فاتحہ مکی ہے اس میں سات آیات اور ایک رکوع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے۔(1)

سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔(2) وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے۔(3)

بدلے کے دن کا مالک ہے۔(4) ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی

سے مدد مانگتے ہیں۔(5) ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔(6) ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام

فرمایا جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔(7)

سوال 1: فاتحہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: فاتحہ اسے کہتے ہیں جس سے کوئی چیز شروع کی جائے۔قرآن پاک کا آغاز اس سورت سے ہوتا ہے اس لیے اس کو سورۃ الفاتحہ کہتے ہیں۔قرآن مجید کی تلاوت، کتابت اور نماز کی قرأت اسی سے شروع کی جاتی ہے۔

سوال 2: سورہ الفاتحہ کے اور کون سے نام ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے فرمایا: الحمدللہ ہی ام القرآن، ام الکتاب، سبع مثانی، قرآن عظیم، الحمد اور الصلوۃ ہے۔ ﴿2﴾ الفاتحہ کے دیگر ناموں میں الشفاء، الکنز اور الرّقیۃ بھی ہیں۔

سوال 3: یہ سورت کب نازل ہوئی؟ اور اس سورت کی کتنی آیات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ ﴿2﴾ مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے پہلے نمبر پر اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے پانچویں نمبر پر ہے۔ ﴿3﴾ اس سورت کی سات آیات ہیں۔

سوال 4: سورۃ الفاتحہ کی کیا فضیلت ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ سیدنا ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ آج میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں گا جو قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جب آپ ﷺ باہر نکلنے لگے تو میں نے یاد دلایا کہ آپ ﷺ نے مجھے قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت بتانے کا وعدہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔'' (بخاری:4474)﴿2﴾ ابوسعید مولیٰ عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے قبل ایک ایسی سورت بتاؤں گا کہ اس جیسی تورات و انجیل میں نہیں اتاری گئی اور نہ ہی قرآن میں ویسی کوئی دوسری سورت ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ جب نماز کی ابتداء کرتے ہو تو کیا پڑھتے ہو؟ انہوں نے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ پڑھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی وہ سورت ہے۔'' (موطا امام مالک :182)﴿3﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس جیسی سورت نہ تو تورات میں اتری ہے نہ انجیل میں اور نہ فرقان میں، یہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔'' (ترمذی)﴿4﴾ سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان پورا پورا تقسیم کر دیا ہے، نصف اپنے لیے اور نصف بندے کے لیے اور میرے بندے کے لیے وہ سب کچھ ہے جو وہ طلب کرے'' جب بندہ کہتا ہے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری حمد اور تعریف کی'' جب وہ ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری ثناء کی'' جب وہ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی'' جب وہ کہتا ہے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جو اس نے طلب کیا'' جب وہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ سے ﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ میرے بندے کے لیے ہے اور اس کے لیے وہ کچھ ہے جو اس نے مانگا۔'' (مسلم)

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾

''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے۔''

سوال1:﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ﴾ ''میں پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی'' قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا کیوں ضروری ہے؟

جواب:﴿1﴾ قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ پس جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں۔ (النحل:98) اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہونا واجب ہے۔ نبی ﷺ نے بھی ہمیشہ اعوذ باللہ پڑھی۔﴿2﴾ یہ کتاب ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا راستہ بتاتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے،شیطان ہمیں اس راستے سے روکنا چاہتا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہمیں اس کے شر سے بچا سکتا ہے۔شیطان کے شر کو دور کرنا واجب ہے۔

سوال2:﴿الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ ''شیطان مردود سے'' شیطان کون ہے؟

جواب:﴿1﴾ شیطان ایک جن ہے جو انسان کا دشمن ہے۔رب العزت نے ارشاد فرمایا:﴿ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا،وہ جنوں میں سے تھا چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی،تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو،حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے۔(الکھف:50)﴿2﴾ شیطان کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے لئے کہا گیا تھا تو اس نے حسد کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔﴿3﴾ شیطان نے انسان کو گمراہ کرنے،فریب دینے اور وعدوں کے جال میں الجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی تھی۔﴿4﴾ شیطان انسان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹانے اور برائی پر آمادہ کرنے کے لئے مسلسل دشمنی جاری رکھتا ہے۔

سوال3: شیطان کو اللہ تعالیٰ نے ﴿رجيم﴾ ''مردود'' کیوں کہا ہے؟

جواب: شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنے سے انکار کیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے رجیم قرار دیا۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ(1)﴾

''اللہ تعالیٰ کے نام سے جو وسیع رحمت والا،نہایت رحم والا ہے۔''(1)

سوال1:﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے نام سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ میں اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے ابتداء کرتا ہوں۔(تفسیر سعدی:70/1)﴿2﴾ **بسم** ''نام سے'' اسم مفرد ہے جو تمام اسمائے حسنہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔﴿3﴾ **اللّٰه:** وہ جو ساری کائنات کا خالق اور مالک ہے،جو تصرف کرتا ہے،جس کے فیصلے نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ وہ واحد معبود ہے۔وہ تمام صفات کمال رکھتا ہے۔اس لیے وہ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے۔

سوال2:﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ ''وسیع رحمت والا،نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان لانا واجب ہے۔مثلاً ہمارا ایمان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ رحمٰن ہے،رحیم ہے اور رحمت کا مالک ہے۔رحمت اس کی صفت ہے جس سے وہ مخلوق پر رحم کرتا ہے۔تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہیں۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔فرمایا:﴿ وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾اور میری رحمت نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔(الاعراف:156)《4》اللہ تعالیٰ نے انبیاء وصالحین کے لیے اپنی رحمت کو لازم کر دیا ہے۔

سوال 3: بسم اللہ کے فضائل بیان کریں؟

جواب:《1》جو کام بسم اللہ کے بغیر شروع کیا جاتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی۔(ابوداؤد)《2》جو شخص وضو سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتا اس کا وضو نہیں ہوتا۔(مسند احمد)《3》ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔《4》نبی ﷺ نے کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا۔ ہر سورت سے پہلے یہ نازل ہوئی۔ صحابہ کہتے ہیں: ہم سورتوں کو جدا نہ سمجھتے جب تک بسم اللہ نازل نہ ہوتی۔(ابوداؤد)《5》صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسی آیت سے تحریر قرآن مجید کا آغاز کیا۔《6》آپ ﷺ نے نماز میں فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھی اور اس کو ایک آیت شمار کیا۔(ابن خزیمہ)《7》تمام کاموں سے پہلے برکت، مدد اور قبولیت کی امید پر بسم اللہ پڑھنا اسلامی طریقہ ہے۔

《اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ(2)》

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔''(2)

سوال 1:《اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ》''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی صفات کامل ہیں اور اس کے افعال عدل پر مبنی ہیں اور فضیلت والے ہیں۔《2》《اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ》''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' اللہ تعالیٰ کامل حمد کا مالک ہے اس لیے سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جیسا کہ اس کی ذات کے لائق ہے۔ یَـا رَبِّ لَکَ الۡحَمۡدُ کَمَا یَنۡبَغِی لِجَلَالِ وَجۡھِکَ وَعَظِیمِ سُلۡطٰنِکَ۔《3》''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ تَمۡلَأُ الۡمِیزَانَ'' اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے۔''(مسلم:534)

سوال 2:《رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ》''جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《رَبِّ》معبود، آقا، مالک اور مختار کل جو اپنی ملکیت کی تمام چیزوں میں تصرف کا اختیار رکھتا ہو۔ وہ تمام جہانوں کا مربی ہے۔《2》《الۡعٰلَمِیۡنَ》''سارے جہانوں کا'' اللہ تعالیٰ کے سوا ساری مخلوق عالم ہے اور عالمین اس کی جمع ہے۔《3》مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی تربیت کی دو قسمیں ہیں۔ تربیت عامہ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اس نے رزق عطا کیا اور ان مصالح کی طرف راہ نمائی کی جن میں ان کی دنیاوی زندگی کی بقا ہے اور تربیت خاصہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے لیے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعے تربیت کرتا ہے اور ان تمام چیزوں کو دور کرتا ہے جو حق کے راستے پر چلنے نہیں دیتیں۔ اسی تربیت سے ہر نیکی کی توفیق ملتی ہے اور برائی سے بچنے کی توفیق ملتی ہے۔《4》صرف اللہ تعالیٰ ہی نے ساری مخلوق کو پیدا کیا وہ اکیلا ہی تدبیر کرتا ہے اور سارا عالم اس کا محتاج ہے۔《5》《قَالَ فِرۡعَوۡنُ وَمَا رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّوۡقِنِیۡنَ》فرعون نے کہا: ''اور رب العالمین کیا ہے؟'' موسیٰ نے کہا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کا بھی رب جو ان کے درمیان ہے، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔'' (الشعراء:23,24)《6》《فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ》سو بلاشبہ وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے ایک رب العالمین کے۔ جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری راہ نمائی کرتا ہے۔ اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ اور جو مجھے موت دے گا پھر وہ مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے میں طمع رکھتا ہوں کہ جزا کے دن وہ میری خطا بخش دے گا۔ (الشعراء:77-82)

《الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ(3)》

''وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے۔''(3)

سوال:《الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ》''وسیع رحمت والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہے۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔ فرمایا:《كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ》اس نے رحمت کرنا اپنے اوپر لکھ دیا ہے۔ (الانعام:12)《2》《اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ》اور کیا انھوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمان کے سوا انہیں کوئی نہیں تھامتا۔ (الملک:19)《3》《فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ》تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ (الرحمٰن:21)《4》عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ ''رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا''۔ (ترمذی:1924)

《مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ(4)》

''بدلے کے دن کا مالک ہے۔''(4)

سوال1:《مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ》''بدلے کے دن کا مالک ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《مٰلِكِ》اللہ تعالیٰ مالک ہے۔ مالک وہ ہوتا ہے جو حکم دے، روک لے، جو نیکیوں کا بہترین ثواب عطا کرے، جو گناہوں پر سزا دے اور جو ہر قسم کا تصرف کرے۔《2》اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے سے مراد ہے کہ اس دن ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہوگی، کوئی فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر نہیں ہو سکے گا، اس دن کوئی سفارش، کوئی دوستی، کوئی تجارت کام نہیں آئے گی۔《3》《يَوْمِ الدِّيْنِ》''بدلے کے دن کا'' اللہ تعالیٰ جزا کے دن کا یعنی قیامت کے دن کا مالک ہے۔《4》جزا کے دن سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے۔《5》سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

لپیٹ لے گا، پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زوروالے (جابر) بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر زمینوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زوروالے (جابر) بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر والے کہاں ہیں؟'' (مسلم:7051) ﴿6﴾ جزا کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ ﴿7﴾ جزا کے دن اللہ تعالیٰ کی کامل ملکیت ،کمال حکمت اور کمال عدل مخلوق پر ظاہر ہو جائے گا۔ ﴿8﴾ جزا کے دن جبرائیل اور دیگر فرشتے صفیں باندھے کھڑے ہوں گے۔ ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ جس دن جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔ (النباء:38) ﴿9﴾ جزا کے دن وہی بات کرے گا جس کو رحمٰن کی طرف سے اجازت دی گئی ہوگی۔ ﴿يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ﴾ جس دن وہ آئے گا، کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا، چنانچہ ان میں کچھ بدبخت اور کچھ نیک بخت ہیں۔ (ھود:105) ﴿10﴾ جزا کے دن سب جزا و سزا کے فیصلے کا انتظار کر رہے ہوں گے اس کے ثواب کی امید رکھیں گے اور عذاب سے خوف کھائیں گے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿**مالک**﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: مالک حقیقی صاحب اختیار کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: ﴿1﴾ وہ ایک ہی ساری کائنات اور تمام انسانوں کا مالک ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی چیز کا کوئی اور اصلی مالک نہیں کہ اپنی ذاتی خواہشات کے مطابق اسے استعمال کرے۔ وہ مالک آخرت میں ایسے تمام افراد سے حساب لے لے گا۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ ﴿**الرَّحْمٰنِ**﴾ ہے پھر وہ سزا کیوں دے گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ ﴿**الرَّحْمٰنِ**﴾ ہے پھر وہ سزا دے گا اس لیے کہ ﴿1﴾ دنیا میں تمام اعمال کا بدلہ نہیں مل سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ انصاف اور عدل بھی کرے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ الرَّحْمٰنِ ہے لیکن بے انصاف نہیں ہے اس لیے جن کو برے اعمال اور زیادتیوں کی سزا دنیا میں نہیں ملتی ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ ﴿3﴾ وہ قدر کرنے والا ہے اس لیے اس نے نیک کام کرنے والوں کے لیے جنت تیار کر رکھی ہے۔

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ(5)﴾

''ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''(5)

سوال 1: ﴿**اِيَّاكَ نَعْبُدُ**﴾ ''ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی ہم ایک اللہ تعالیٰ کو عبادت کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ عبادت کی تعریف یوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں: عبادت ان تمام کاموں کے لیے جامع اسم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔ وہ اقوال ہوں یا ظاہری وباطنی اعمال ہوں۔ (رسالۃ العبودیۃ:149/10) ﴿3﴾ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کسی اور کا یہ حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی عبادت کی جائے۔ ﴿4﴾ اس کی الوہیت اس کی عبادت کا تقاضا کرتی ہے، یہی اس کی توحید الوہیت کا ثبوت ہے۔ آیت کے اس حصے میں شرک سے نفرت کا اظہار ہے۔ ﴿5﴾ عبادت کو عبادت نہیں کہا جا سکتا جب تک محمد رسول اللہ ﷺ کی متابعت میں نہ ہو اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو۔

سوال 2: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کی کیا بنیادیں ہیں؟

جواب: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اِيَّاكَ نَعْبُدُ کی دو عظیم بنیادیں ہیں: ﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ کی متابعت۔ ﴿2﴾ معبود کے لیے اخلاص۔ (الضوء المنیر:91/1) معبود کے لیے اخلاص یہ ہے کہ سارے اقوال اور اعمال اس کے لیے ہوں اور عطا کرنا اور روک لینا اس کے لیے ہو اور محبت اور نفرت اس کے لیے ہو، ظاہری اور باطنی معاملات اس کے لیے ہوں۔ کسی معاملے کی جزا انسانوں سے طلب نہ کی جائے، نہ ان سے عزت چاہی جائے، نہ تعریف اور نہ ان کی مذمت کا خوف رکھا جائے۔ جو لوگ سارے اعمال اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کا رب العزت نے مطالبہ کیا ہے: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ﴾ اور انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس حال میں کہ وہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے والے، یک سو ہونے والے ہوں۔ (البینۃ:5)

سوال 3: ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کریں؟

جواب: ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، تمام نعمتیں اس نے عطا کی ہیں، زندگی اور موت کے سارے اختیارات اس کے قبضے میں ہیں اس لیے اس کا حق ہے کہ زندگی کو اس کی مرضی کے مطابق گزارا جائے، توہمات، غلط طور طریقوں اور رسوم ورواج سے بچا جائے اور لوگوں کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مانی جائے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ (البقرۃ:21) نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں۔ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کریں تب وہ انہیں عذاب نہ دے۔ (بخاری:6500)

سوال 4: ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ ''اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی ہم ایک اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتے ہیں، استعانت کو اسی کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ استعانت کا مطلب جلب منفعت اور دفع ضرر کے حصول میں پورے وثوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ہے۔ (تفسیر سعدی:72/1) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادت کے قیام اور منافع کے حصول میں اور نقصان کے ازالے میں صرف اسی سے مدد کا طلب گار ہونا ابدی سعادت کا وسیلہ اور تمام برائیوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔پس نجات کا راستہ یہی ہے کہ عبادت بھی صرف ایک اللہ تعالیٰ کی کی جائے اور مدد بھی صرف اسی سے مانگی جائے۔﴿4﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ سے یہ مراد ہے کہ ہم تیری اطاعت اور اپنے تمام کاموں میں تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔(ابن ابی حاتم:29/1)﴿5﴾اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنا درست نہیں۔صحیح حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا:جب تم مدد مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔(روح المعانی:151/1)﴿6﴾اللہ تعالیٰ نے استعانت کو عبادت کے بعد ذکر کیا ہے حالانکہ استعانت عبادت میں داخل ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے۔اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد نہ فرمائے تو بندہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور اس کے منہیات سے اجتناب نہیں کر سکتا۔(تفسیر سعدی:72/1)﴿7﴾عبادت کا وسیلہ استعانت ہے۔اللہ تعالیٰ پر توکل کے بغیر اور اس سے مدد مانگے بغیر عبادت ممکن نہیں۔عبادت اور استعانت کو کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا۔جیسا کہ ارشاد فرمایا:﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور آپ کا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔(ہود:123)﴿8﴾نبی ﷺ نے اس کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:''اے میرے اللہ!اپنا ذکر کرنے،شکر کرنے اور اچھی عبادت کرنے میں میری مدد فرما۔''(سنن ابی داوٗد:1522)

سوال 5: استعانت کسے کہتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾نفع کے حصول اور ضرر کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور یہ یقین رکھنا استعانت ہے کہ وہ ضرور اسے پورا کرے گا۔﴿2﴾استعانت میں اس کی ساری قسمیں آجاتی ہیں مثلاً توکل،تفویض اور تسلیم وغیرہ۔(الضوء المنیر)﴿3﴾شریعت کی اصطلاح میں استعانت کا مطلب ہر طرح کی عبادت اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد مانگنا ہے۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ(6)﴾

''ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔''(6)

سوال 1:﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾''ہمیں سیدھے راستے پر چلا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یعنی سیدھے راستے کی جانب ہماری راہ نمائی فرمائیے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیے۔﴿2﴾﴿الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾وہ راستہ جو جنت تک پہنچاتا ہے۔حق کی معرفت اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے۔﴿3﴾صراط مستقیم وہ شریعت ہے جس کو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔بندے کے لیے اپنی سعادت کا کوئی راستہ صراط مستقیم پر استقامت کے سوا نہیں اور استقامت کے لیے کوئی راستہ رب العزت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی ہدایت کے بغیر نہیں۔ جیسے عبادت استعانت کے بغیر ممکن نہیں ایسے ہی صراط مستقیم پر استقامت اس کی ہدایت کے بغیر ممکن نہیں۔ ﴿4﴾ نبی ﷺ دعا مانگتے تھے: اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ اے اللہ! میرے دل میں میری ہدایت ڈال دیجیے اور مجھے میرے نفس کی برائی سے بچا لیجیے۔ (احمد:3/444) صراط مستقیم سے مراد ''اسلام'' ہے یعنی وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے کھولا، جس پر چلنے کی دعوت اس کے رسولوں نے دی، جس پر اس کے نیک بندے چلتے رہے، جو ہمیں اس کی رضا اور جنت تک لے جا سکتا ہے۔ سیدھا راستہ صرف اللہ تعالیٰ ہی دکھا سکتا ہے اور اس پر وہی چلا سکتا ہے۔ ہمیں صراط مستقیم کا علم دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام بھیجے اور آخر میں محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا۔ انہوں نے علم بھی دیا اور اس پر عمل پیرا ہو کر بھی دکھایا۔ ان کی ذات اور ان کے قائم کردہ نظام میں صراط مستقیم کا بہترین نمونہ ہے۔ ﴿5﴾ صراط مستقیم کے لیے راہ نمائی کرنے سے مراد یہ ہے کہ تمام دینی معاملات میں علم و عمل کے اعتبار سے ہماری صحیح اور مکمل راہ نمائی فرمائیے۔ ﴿6﴾ یہ دعا سب سے زیادہ جامع ہے۔ ﴿7﴾ انسان پر واجب ہے کہ اپنی ہر رکعت میں اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کیونکہ وہ اس کا ضرورت مند ہے۔ ﴿8﴾ ﴿وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو یقیناً وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیا گیا۔ (آل عمران:101) صراط مستقیم پر تو مسلمانوں کا صرف وہی فرقہ ہے جس کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِی'' جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (ترمذی: کتاب الایمان) ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں انسان یہ دعا کرتا ہے کہ ہمیں نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق عطا فرما دے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (7)﴾

''ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔'' (7)

سوال1: ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ ''ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جن لوگوں پر تو نے انعام فرمایا، یا اللہ ان کے راستے پر ہمیں چلانا۔ ﴿2﴾ صراط مستقیم انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کا راستہ ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ کا انعام کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کے لیے ہدایت انعام ہے۔

سوال3: انعام یافتہ لوگوں سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ انعام یافتہ لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل ہدایت اور استقامت ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں، اس کے احکامات کو بجا لاتے ہیں اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے باز رہتے ہیں۔ یہ وہ راستہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جس پر وہ لوگ چلے جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے! اور یہی بہترین ساتھی ہیں۔(النساء:69) انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلنے کے لیے ان کی زندگیوں کے بارے میں جاننا اور ان کے طریقوں پر چلنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نبی ﷺ کی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

سوال 4:﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ ''جن پر نہ غصہ کیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ جن لوگوں نے حق کو پہچان کر اسے ترک کر دیا مثلاً یہود وغیرہ۔(تفسیر سعدی:73/1)﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا:﴿ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ ﴾ وہ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور جن پر غصے ہوا اور ان میں سے جن کو اس نے بندر اور سؤر بنا دیا۔(المائدہ:60)

سوال 5: اللہ تعالیٰ کے غضب سے کیا مراد ہے؟

جواب: غضب: اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عقوبت یا سزا دینے کا ارادہ ہے۔ غضب اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔ اس بارے میں حدیث ہے: بے شک صدقہ رب کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔ یہ اس کی فعلی صفت ہے۔(تفسیر فتح القدیر:31/1)

سوال 6: اللہ تعالیٰ کا غضب کن لوگوں پر ہوا؟

جواب: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا یہ غضب ابلیس پر ہوا جس نے نافرمانی کی اور تکبر کیا۔ اکثر مفسرین کے خیال میں مغضوب لوگوں سے مراد یہودی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر بنا دیا۔

سوال 7:﴿ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ کے ساتھ ہمارا رویہ کیسا ہو؟

جواب: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ مومنوں پر یہ حق ہے کہ وہ ان پر غضب ناک ہوں۔﴿ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ میں غضب کا فاعل ذکر نہیں کیا گیا اس میں یہ نکتہ بدیع ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں کا غضب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اہل غضب سے دشمنی کا حکم دیا ہے تاکہ مومن اپنے رب کے غضب کی موافقت کریں اور اس سے راضی ہو جائیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور یہی عبودیت کی حقیقت ہے۔(الضوء المنیر:122/1)

سوال 8:﴿ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ ''اور نہ وہ گمراہ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ الضَّآلِّيْنَ ﴾ جنھوں نے نصاریٰ کی مانند حق کو ترک کر کے جہالت اور گمراہی کو اختیار کیا۔(تفسیر سعدی:73/1) نبی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کریم ﷺ نے فرمایا: یہود ﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ اورنصاریٰ ﴿الضَّآلِّيْنَ﴾ ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ یہود نے حق کو پہچانا اس کی پیروی نہیں کی اورنصاریٰ نے بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔(ابن تیمیہ،مجموع الفتاویٰ:127/3)سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ علماء میں سے جو فساد کرے تو وہ یہود کے مشابہ ہے اور عبادت گزاروں میں سے جو فساد کرے وہ نصاریٰ کے مشابہ ہے اور اسلاف کہتے تھے کہ فاجر عالم اور جاہل عبادت گزار کے فتنے سے بچو۔ان دونوں کا فتنہ ہر فتنے میں مبتلا ہونے والے کے لئے فتنہ ہے۔(مجموع الفتاویٰ:190/19)﴿2﴾

﴿الضَّآلِّيْنَ﴾:الضلال گمراہی''ضلالة''ہدایت کی ضد ہے۔صراط مستقیم سے ہٹ جانے کو ضلالت یا گمراہی کہتے ہیں خواہ کوئی جان بوجھ کر اس راستے کو چھوڑ دے یا جہالت سے اس پر نہ چلے۔

سوال 9: عیسائی کیسے گمراہ ہوئے؟

جواب: عیسائی صراط مستقیم کا علم نہیں رکھتے اسی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے۔عیسائی اگرچہ عمل کرنے والے ہیں مگر ان کا طریقۂ عمل غلط ہے۔(مختصرابن کثیر:8/1)عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام اور صالحین کے معاملے میں غلو کیا،عبادات میں بدعات نکالیں جیسے رہبانیت۔عیسائیوں کا فساد، عبادت گزاروں کا فساد ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی خواہشات کے تقاضوں کے مطابق کرتے ہیں نہ کہ اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا ہے۔انہوں نے اپنے شیوخ (علماء اور درویشوں) کو ربوبیت کی منزل تک پہنچا دیا اور وہ حلول اور اتحاد کے نظریے تک پہنچ گئے۔اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''مجھے میرے مقام سے نہ بڑھاؤ جیسے عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا مقام بڑھا دیا تھا۔''(تفسیر ابن تیمیہ:121/1)

سوال 10: ہم گمراہی سے کیسے بچ سکتے ہیں؟

جواب: سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:سنو!میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں،ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو اللہ تعالیٰ کی رسی ہے۔جو اس کی پیروی کرے گا ہدایت پر ہوگا اور جو اسے چھوڑے گا گمراہ ہو جائے گا۔(مسلم:6228)

آیاتها ۲۸۶ — ۲ سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷ — رکوعاتها ۴۰

سوال 1: سورہ البقرہ کب اور کہاں نازل ہوئی؟

جواب: سورہ البقرہ مدینہ میں نازل ہوئی۔یہ سورت ہجرت کے بعد شروع میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے مگر ایک آیت ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ﴾ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔(مختصرابن کثیر:10/1)

سوال 2: اس سورت میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: اس سورت میں 286 آیات اور چالیس رکوع ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ 87 نمبر پر نازل ہوئی اور مصحف میں یہ دوسری سورت ہے۔

سوال 4: سورہ البقرہ کا نام البقرہ کیوں ہے؟

جواب: اس سورۃ میں ایک خاص گائے کا ذکر آیا ہے۔

سوال 5: سورۃ البقرہ پڑھنے کی کیا فضیلت کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ عنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَاتَجعَلُوا بُیُوتَکُمْ مَقَابِرَ، اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِی تُقْرَأُ فِیهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبر نہ بناؤ جس گھر میں سورہ البقرہ پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ (مسلم:1824) ﴿2﴾ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن کا کوہان سورہ البقرہ ہے۔ شیطان جب سورہ البقرہ کی آواز سنتا ہے تو اس گھر سے نکل جاتا ہے جس گھر میں سورت البقرہ کی تلاوت کی جارہی ہو۔ (سلسلہ احادیث صحیحہ:588) ﴿3﴾ ایک دفعہ رات کو سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ شروع کردی۔ گھوڑا بدکنے لگا۔ انہوں نے قرأت بند کردی تو اس کا بدکنا بھی بند ہوگیا۔ پھر قرأت کی پھر وہ بدکنے لگا۔ بند کرنے پر بدکنا بھی بند ہوگیا۔ تیسری بار بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ میرا بچہ سورہا ہے کہیں گھوڑا اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے قرأت بند کرکے اسے اٹھا لیا۔ اوپر جو نگاہ اٹھائی تو چراغوں سے جگمگاتا ہوا ایک بادل دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اوپر کو اٹھ کر غائب ہوگیا۔ صبح کو یہ واقعہ اللہ کے نبی ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہاری قرأت سن کر تمہارے پاس آگئے تھے۔ اگر تم قرأت بند نہ کرتے تو یہ صبح تک رہتے اور مدینہ کا ہر شخص انہیں دیکھتا۔ (صحیح بخاری)

رکوع نمبر 1

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿الٓمٓ (1)﴾

سوال 1: ﴿الٓمٓ﴾ ''الم'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ حروف مقطعات ہیں یعنی کٹے ہوئے حروف۔ اس کی مراد کے بارے میں اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔ ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ ان کے معانی کی کھوج میں نہیں پڑنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان حروف کی کوئی تفسیر بیان نہیں کی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: سورتوں کی ابتدا میں حروف مقطعات کے لائے جانے کی کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اوائل سورہ میں ان حروف کے لائے جانے کی حکمت یہی بیان کی ہے کہ ان کا مقصد قرآن کریم کا اعجاز ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تمہاری گفتگو کے کلمات بنتے ہیں۔ لیکن پھر بھی تم اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہو۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ (تیسیر الرحمٰن: 16/1) ﴿2﴾ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ جن سورتوں کی ابتدا ان حروف سے ہوئی ہے ان میں قرآن مجید کی عظمت اور اس کے اعجازی کلام ہونے پر زور دیا گیا ہے۔ (ابن کثیر: 67/1)

سوال 3: سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطعات کے بارے میں محتاط اور محفوظ مسلک کیا ہے؟

جواب: بعض سورتوں کی ابتداء میں جو حروف مقطعات آئے ہیں ان کے بارے میں محتاط اور محفوظ مسلک یہ ہے کہ ﴿1﴾ بغیر کسی شرعی دلیل کے ان کے معانی معلوم کرنے کے لیے تعرض نہ کیا جائے۔ ﴿2﴾ یہ عقیدہ بھی رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کو بے فائدہ نازل نہیں فرمایا۔ ﴿3﴾ ان کے نازل کرنے میں کوئی حکمت پنہاں ہے۔ جو ہمارے علم کی دسترس سے باہر ہے۔ (تفسیر سعدی: 74/1)

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (2) ﴾

”یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔“ (2)

سوال 1: ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ﴾ ”یہ کتاب ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ الْكِتٰبُ ﴾ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ جسے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں پر پڑھا۔ (ایسر التفاسیر: 16) ﴿2﴾ یعنی یہ کتاب عظیم ہی درحقیقت کتاب کہلانے کے مستحق ہے جو بہت بڑے علم اور واضح حق جیسے امور پر مشتمل ہے جو پہلے انبیاء کی کتابوں میں نہیں ہیں۔ (تفسیر سعدی: 74/1)

سوال 2: ﴿ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ﴾ ”جس میں کوئی شک نہیں“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿ لَا رَيْبَ ﴾ سے مراد ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا کلام ہے جسے اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی کیا۔ (ایسر التفاسیر: 16)

سوال 3: قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں، اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شک نہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اس کتاب کا نازل کرنا، جس میں کوئی شک نہیں، جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔ (السجدہ: 2) ﴿2﴾ قرآن مجید اپنی ذات

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے جو کہ مخلوق نہیں ہے، نہ نئی بات ہے، کافروں کے لیے اس میں شک پیدا ہوتا ہے۔ (قرطبی:145/1) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے شک میں مبتلا ہونے والوں کو چیلنج کیا ہے کہ اس جیسا کلام بنا لاؤ۔ فرمایا: ﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ ﴾ اور اگر تم اس کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔ (البقرہ:23) ﴿4﴾ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اس عظیم کتاب کے بارے میں شکوک وشبہات کی نفی رب العالمین نے کی ہے جو اس کی ضد یعنی یقین کو لازم کرتی ہے یہ کتاب ایسے عظیم یقین پر مشتمل ہے جو شکوک وشبہات کو باقی نہیں رہنے دیتا۔ یہ ہدایت صرف یقین سے حاصل ہوتی ہے۔ ﴿5﴾ یہ یقین انسان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتا ہے کہ ''اس کتاب میں کوئی شک نہیں'' اس یقین کی وجہ سے مومن قرآن مجید کے علم کو قبول کرتا ہے۔ وہ قرآن مجید کی ہدایت کو سمجھنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ مومن قرآن مجید کے دیئے ہوئے طریقۂ زندگی 'اسلام' کو سچا اور اپنے لئے ناگزیر سمجھتا ہے۔

سوال 4: ﴿ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ﴾ ''متقیوں کے لیے ہدایت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس میں دو چیزوں کی وضاحت ضروری ہے۔ هُدًى اور لِلْمُتَّقِينَ ﴿1﴾ الھدی وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے گمراہی اور شبہات کی تاریکیوں میں راہ نمائی حاصل ہو اور جو فائدہ مند راستے پر گامزن ہونے میں راہ نمائی کرے۔ (تفسیر سعدی:23) ﴿2﴾ ہدایت سے مراد نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق ہے۔ ﴿3﴾ ﴿ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ﴾ کیونکہ یہ فی نفسہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے لیکن چونکہ بد بخت لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی قبول نہیں کرتے، اس لیے اس کے ذریعے سے ان پر حجت قائم ہوگئی ہے کہ انہوں نے اپنی بدبختی کے سبب اس ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ رہے متقی لوگ تو انہوں نے حصول ہدایت کے لیے سب سے بڑا سبب پیش کیا ہے اور وہ ہے تقویٰ اور تقویٰ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور اس کی منہیات سے اجتناب کرتے ہوئے ایسے امور کو اختیار کرنا جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے بچاتے ہیں۔ پس اہل تقویٰ نے اس کتاب کے ذریعے سے راہ پائی اور اس سے بے انتہا فائدہ اٹھایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے حق اور باطل میں فرق کرنے والی قوت بنا دے گا اور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے گا، اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (سورہ الانفال:29) (تفسیر سعدی:75/1) ﴿4﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن مجید مومنوں کے لیے ہدایت ہے جو شرک سے بچتے ہیں اور میری اطاعت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ (الدر المنثور:57/1) ﴿5﴾ ابو سلیمان نے کہا: متقی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں سے اللہ تعالیٰ شہوات کی محبت چھین لے۔

سوال 5: قرآن حکیم کے ہدایت ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: قرآن حکیم کے ہدایت ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ایسے راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو دونوں جہانوں کی سعادت اور کمال تک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہنچا تا ہے۔(ایسر التفاسیر:16)

سوال 6: متقی کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر اس کی ہدایت کو مضبوطی سے پکڑنے والا ہو۔ ﴿2﴾ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ایمان لا کر حرام کاموں سے بچنے والا اور فرائض کو ادا کرنے والا ہو۔ ﴿3﴾ جو توحید پر کار بند ہو، شرک سے بے زار اور اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو۔ سیدنا عطیہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بندہ متقیوں میں شامل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ حرج کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑ نہ دے جس میں کوئی حرج نہیں۔'' (ترمذی:2451) ﴿4﴾ ابو یزید نے کہا متقی وہ ہے جب کہے تو کہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب عمل کرے تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔ (تفسیر قرطبی:146/1)

سوال 7: تقویٰ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے تقویٰ کا معنی پوچھا تو کہا کہ کبھی خاردار راستہ پر چلے ہو؟ اس نے کہا ہاں! تو انہوں نے پوچھا کہ تم نے کس طرح راستہ طے کیا؟ اس نے کہا جب کانٹا دیکھتا تو اس سے الگ ہو جاتا تو انہوں نے کہا یہی تقویٰ ہے۔ (الدر المنثور:61/1) ﴿2﴾ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے: ''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاک دامنی اور غنا کا سوال کرتا ہوں۔'' (مسلم:6904)

﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ(3)﴾

''وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''(3)

سوال 1: ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ ''وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والے متقیوں کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں یعنی وہ اپنے قلب و ذہن پر اللہ تعالیٰ کا حق تسلیم کرتے ہیں اور دل میں آنے والے افکار کے بارے میں یقین رکھتے ہیں کہ یہ حق کے مطابق ہوں تو انہیں قلب و ذہن میں جگہ دی جا سکتی ہے وگرنہ نہیں۔ ﴿2﴾ ایمان تصدیق، خوف اور عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں اور آخرت کے دن کو مان لینا اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرنا ایمان ہے۔ ﴿3﴾ ایمان کی حقیقت ان امور کی کامل تصدیق کا نام ہے جن کی خبر انبیاء و رسل نے دی ہے۔ یہ تصدیق جوارح کی اطاعت کو متضمن ہے۔ اشیاء کے حسی مشاہدے سے ایمان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کے ذریعے سے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان کا تعلق تو اس غیب سے ہے جسے ہم دیکھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سکتے ہیں نہ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خبر دینے سے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جس کے ذریعے سے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ایمان مجرد اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء ومرسلین کی تصدیق ہے۔ پس مومن وہ ہے جو ہر اس چیز پر ایمان لاتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے خبر دی ہے خواہ اس نے اس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو خواہ اس نے اسے سمجھا ہو یا اس کی عقل وفہم کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی ہو۔ زنادقہ اور امور غیب کی تکذیب کرنے والوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ ان کی عقل ان امور کو سمجھنے سے قاصر رہی اور وہ ان امور تک نہ پہنچ سکے بنا بریں انہوں نے ان امور کو جھٹلا دیا جن کا احاطہ ان کا علم نہ کر سکا پس ان کی عقل فاسد ہو گئی اور ان کا فہم خرابی کا شکار ہو گیا اور امور غیب کی تصدیق کرنے والے اہل ایمان کی عقل اور بڑھ گئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو راہ نما بنا لیا۔ ایمان بالغیب سے مراد ان تمام امور غیب پر ایمان لانا ہے جن کا تعلق ماضی، حال، مستقبل، احوال آخرت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کی کیفیات سے ہے اور جن کی خبر اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء ومرسلین نے دی ہے۔ پس اہل ایمان نہایت یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ وہ ان کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ (تفسیر سعدی 75,76:) ﴿4﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ رسول ایمان لایا ہے اس پر جو اس کے رب کی جناب سے اس کی طرف نازل کیا گیا ہے اور مومن بھی، سب ہی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، اس کے رسولوں میں سے ہم کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا: ''ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی جانب لوٹ کر جانا ہے۔'' (البقرۃ:285) ﴿5﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آدھی رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرماتے: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَقَوْلُکَ الْحَقُّ وَلِقَآءُکَ حَقٌّ وَّالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَّالنَّارُ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَاَخَّرْتُ وَاَسْرَرْتُ وَاَعْلَنْتُ اَنْتَ اِلٰھِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اور ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو آسمانوں اور زمین کا قائم رکھنے والا ہے، اور ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے۔ تو حق ہے اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تیرا فرمان حق ہے اور تجھ سے ملاقات حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ! میں تیرا ہی فرماں بردار ہوں اور تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تجھ ہی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور میں تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور میں تیری خاطر اوروں سے جھگڑتا ہوں اور تجھ ہی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔ پس تو میرے اگلے پچھلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور باطنی اور ظاہری گناہ بخش دے۔ تو ہی میرا معبود ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ (مسلم:1808) ابو محیریز رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جمعہ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث بیان کریں جسے آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں تمہیں ایک بہت اچھی حدیث سناتا ہوں۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم سے بھی کوئی بہتر ہوسکتا ہے؟ (اس کے باوجود کہ) ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے اور ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا۔ فرمایا: ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد ہوں گے اور مجھ پر ایمان رکھتے ہوں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔ (مسند احمد:17102)

سوال 2: ﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ﴾ ''اور نماز قائم کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والے متقیوں کی دوسری صفت ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں یعنی وہ اپنے اوقات پر اور اپنے قلب و ذہن پر اللہ تعالیٰ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ ﴿1﴾ عربی میں صلوٰۃ دعا کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں اس عبادت کو کہتے ہیں جس میں قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، تشہد وغیرہ پائے جاتے ہیں اور جسے روزانہ پنج گانہ مخصوص اوقات میں تمام شروط وصفات واقسام کے ساتھ پابندی سے پڑھا جاتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:11/1) ﴿2﴾ اقامت صلوٰۃ سے مراد وقت کی پابندی، وضو کی تکمیل، ارکان کے اعتدال، ترتیل قرأت، خشوع وخضوع، توجہ قائم کر کے دل لگا کر نماز قائم کرنا ہے۔ ﴿3﴾ یعنی یہ نہیں کہ وہ نماز کا فعل بجالاتے ہیں یا وہ نماز کو ادا کرتے ہیں کیونکہ ظاہری صورت وہیئت کے ساتھ نماز پڑھنا ہی کافی نہیں ہے۔ ﴿4﴾ بلکہ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو جہاں ظاہری شکل وصورت اور اس کے تمام ارکان کی کامل ادائیگی اور اس کی شرائط وواجبات کے ساتھ قائم کیا جائے وہاں اس کی باطنی صورت سے اس کی روح کے ساتھ یعنی اس کے اندر حضور قلب اور اپنے قول وفعل میں کامل تدبر کے ساتھ بھی قائم کرنا ضروری ہے۔ ﴿5﴾ یہی وہ نماز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت:45) ﴿6﴾ یہی وہ نماز ہے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ ﴿7﴾ پس بندہ مومن کو اس نماز پر ثواب ملتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ ﴿8﴾ اور نماز میں فرائض اور نوافل سب داخل ہیں۔ (تفسیر سعدی:76/1) ﴿9﴾ اللہ تعالیٰ نے نماز کی اقامت کا حکم دیا ہے اور نماز پر ہمیشہ پابندی اور اس کی حفاظت کا حکم دیا ہے ﴿الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ﴾ (المعارج:23) وقت کی پابندی کا حکم دیا ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ (النساء:103) جماعت کے ساتھ ادائیگی کا حکم دیا ﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ (البقرہ:43) اس میں خشوع کا حکم دیا ﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ (المومنون:2) یہ تنبیہ ہے کہ نماز پڑھنے والے بہت ہیں قائم کرنے والے بہت کم ہیں۔ ﴿10﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: **جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ** میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ (نسائی) ﴿11﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک آدمی اور شرک اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے۔'' (مسلم:246) ﴿12﴾ رسول اللہ ﷺ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: اَلْعَهْدُ الَّذِی بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ تَرَکَهَا فَقَدْ کَفَرَ ہمارے اور کافروں کے درمیان معاہدہ نماز کا ہے۔ جس نے نماز چھوڑ دی اس نے (معاہدہ توڑ کر) کفر کیا۔ (مسند احمد:346/5) ﴿13﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَمَنْ لَّمْ یُحَافِظْ عَلَیْهَا لَمْ یَکُنْ لَّهٗ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاۃٌ وَّکَانَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَیِّ بْنِ خَلَفٍ اور جو کوئی نماز کی حفاظت نہیں کرے گا اس کے لیے نماز نہ روشنی بنے گی، نہ ایمان کی دلیل بنے گی اور نہ نجات کا سبب ہوگی اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (مسند احمد:169/2) ﴿14﴾ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میرا جی چاہتا ہے کہ لکڑیاں جمع کراؤں، پھر نماز کا حکم دوں۔ جب اذان دی جائے تو کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دے کر خود (ان) لوگوں کی طرف چلا جاؤں (جو باجماعت نماز میں حاضر نہیں ہوتے) اور ان کو ان کے گھروں سمیت جلا دوں۔'' (بخاری) ﴿15﴾ صحیحین میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنی دیر تک قیام کرتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں پھٹ گئے۔ آپ ﷺ سے طویل قیام کی بابت عرض کیا گیا: کیا آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف نہیں کر دیے گئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں!'' (بخاری ومسلم)

سوال 3: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ ''اور جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والوں کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مال پر اللہ تعالیٰ کے حق کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ ﴿1﴾ رزق سے مراد ہے ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے مثلاً مال ومتاع، زندگی، وقت، صلاحیت، اولاد اور روابط وغیرہ۔ ﴿2﴾ خرچ یعنی انفاق سے مراد ہے اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا۔ اس میں زکوٰۃ وصدقات دونوں شامل ہیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی، اہل وعیال کا نان ونفقہ اور اپنی حیثیت کے مطابق نیک کاموں پر مال خرچ کرنا انفاق ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿رَزَقْنٰهُمْ﴾ میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ مال ومتاع جو تمہارے قبضہ میں ہے تمہاری اپنی قوت اور ملکیت کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اسی نے تم کو عطا کیا ہے اور اسی نے تم کو اس نعمت سے نوازا ہے۔ (تفسیر سعدی:76) ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے سارا مال خرچ کرنے کو نہیں کہا بلکہ ﴿مِمَّا﴾ یعنی اس مال میں سے کچھ حصہ یعنی تھوڑا سا حصہ خرچ کرنا مطلوب ہے اور وہ بھی استعمال ہوگا تو اپنے ہی بھائیوں کو فائدہ پہنچے گا۔ ﴿5﴾ جن لوگوں پر خرچ کرنا چاہیے ان کا ذکر یہاں نہیں آیا۔ ان کی بہت سی قسمیں ہیں اور بہت سے اسباب ہیں لیکن جہاں کہیں بھی خرچ ہو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو تو قرب الٰہی کا ذریعہ ہوگا۔ ﴿6﴾ غزوۂ حنین میں چھ ہزار قیدی اور 24 ہزار اونٹ اور چالیس بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت میں حاصل ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے ان میں سے ایک چیز کو بھی نہیں چھوا۔ سب کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کر دیا اور خود خالی واپس تشریف لائے۔ (بخاری:4337) ﴿7﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریاں مانگیں تو آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اسے اتنی ہی بکریاں عطا فرما دیں۔ وہ آدمی اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے قوم! اسلام قبول کرلو۔ اللہ کی قسم! محمد ﷺ اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ پھر محتاجی کا خوف ہی نہیں رہتا۔ (مسلم:6021) ﴿8﴾ ایک دفعہ بحرین سے خراج کا مال آیا اور مسجد کے صحن میں زر وسیم کا انبار لگ گیا۔ نبی ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس ڈھیر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اس انبار کی طرف آ بیٹھے اور تقسیم فرمانے لگے۔ جو آتا اسے بے حساب دیتے۔ تھوڑی دیر میں سب ختم ہو گیا اور دامن جھاڑ کر خالی ہاتھ تشریف لے گئے۔ (بخاری:421) ﴿9﴾ ایک دفعہ نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تکبیر ہو چکی تھی لیکن آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہیں چھوڑ کر گھر تشریف لے گئے، تھوڑی دیر کے بعد آئے اور نماز پڑھائی۔ کسی نے اس بے وقت گھر جانے کی وجہ پوچھی تو نبی ﷺ نے فرمایا: گھر میں ایک سونے کا ٹکڑا پڑا رہ گیا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو وہ گھر میں پڑا رہے اور میں چل بسوں۔ (بخاری:851)

سوال 4: نبی ﷺ نے انفاق کی ترغیب کیسے دلائی؟

جواب: ﴿1﴾ وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : قَالَ اللهُ تَعَالَى : اَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے آدم کے بیٹے! تو خرچ کر تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم:2308) ﴿2﴾ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: خرچ کرتی رہو گن گن کر نہ دو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر دے گا۔ ہاتھ نہ روکو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے ہاتھ روک لے گا۔ (بخاری:2591)

سوال 5: نماز اور انفاق کے اکٹھے ذکر آنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کثیر مقامات پر نماز اور انفاق کو اکٹھا کیا ہے کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کا حق ہے جو کہ توحید، تمجید اور ثنا پر مشتمل ہے اور انفاق مخلوق کے ساتھ احسان ہے اور وہ بندوں کا حق ہے۔ (صفوۃ التفاسیر:26/1) ﴿2﴾ نماز معبود کے لیے اخلاص کو متضمن ہے۔ (تفسیر سعدی:77/1) ﴿3﴾ کسی نے کہا: ایمان میں نجات، نماز میں مناجات اور انفاق میں درجات کی زیادتی ہے۔ کسی دوسرے نے کہا: ایمان میں خوش خبری، نماز میں گناہوں کا کفارہ اور انفاق میں طہارت ہے۔ (تفسیر مراغی:44,45/1)

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ(4)﴾

''اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور آخرت پر وہی یقین رکھتے ہیں۔'' (4)

سوال 1: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والے متقیوں کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو رسولوں پر نازل کی گئیں۔ یہاں نازل کرنے سے مراد قرآن اور سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:﴿ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت کو نازل کیا۔(النساء:113)﴿2﴾﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ پس اصحاب تقویٰ ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی میں تفریق نہیں کرتے کہ اس کے کسی حصے پر تو ایمان لے آئیں اور کسی حصے پر اپنے انکار یا ایسی تاویل کے ذریعے سے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد نہ ہو ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ اہل بدعت کا وتیرہ ہے جو قرآن وسنت کی ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں جو ان کے قول کے خلاف ہوتی ہیں جو کہ درحقیقت ان نصوص کے معانی کی تصدیق نہیں ہے۔ وہ اگرچہ ان نصوص کے ظاہری الفاظ کی تصدیق کرتے ہیں مگر ان پر حقیقی طور پر ایمان نہیں لاتے۔(تفسیر سعدی:77/1)﴿3﴾﴿ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ ''اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا'' یہ آیت کریمہ گزشتہ تمام کتابوں پر ایمان رکھنے پر مشتمل ہے اور گزشتہ کتابوں پر ایمان لانا اس بات پر متضمن ہے کہ انبیائے سابقین پر ایمان لایا جائے نیز ان حقائق پر ایمان لایا جائے جن پر یہ الہامی کتابیں خاص طور پر تورات، انجیل اور زبور مشتمل ہیں۔ یہ اہل ایمان کی خصوصیت ہے کہ وہ کتب سماویہ اور تمام انبیاء ومرسلین پر ایمان لاتے ہیں ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔(تفسیر سعدی:77/1)

سوال 2: قرآن مجید نے جہاں ایمان کا ذکر کیا تو نبی ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور پہلے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا، بعد میں آنے والی کسی وحی یا نبی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: قرآن مجید نے جہاں ایمان کا ذکر کیا تو نبی ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور پہلے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا، بعد میں آنے والی کسی وحی یا نبی کا کہیں قطعاً ذکر نہیں کیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ پھر صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں یہ مضمون اول سے آخر تک مختلف مقامات میں چالیس پچاس آیتوں میں آیا ہے۔﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجے۔(النحل:43)﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ اور بلاشبہ یقیناً آپ کی طرف اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی کی گئی۔(الزمر:65)﴿ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ جیسے ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے۔(البقرۃ:183)﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا ﴾ ان کا طریقہ تھا جو آپ سے پہلے ہم اپنے رسولوں میں سے بھیج چکے ہیں۔(بنی اسرائیل:77)(معارف القرآن:113/1)

سوال 3:﴿ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴾ ''اور آخرت پر وہی یقین رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے والوں کی پانچویں اہم خصوصیت آخرت پر یقین کرنا ہے۔﴿1﴾ آخرت ان تمام امور کا نام ہے جو موت کے بعد انسان کو پیش آئیں گے۔﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿يَعْلَمُوْنَ﴾ اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصلی زندگی ہے، کاش وہ جانتے ہوتے۔ (العنکبوت:64) ﴿3﴾ ﴿وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾ یعنی بعث اور نشور کا وہ علم رکھتے ہیں اور یقین شک کے مقابلے میں علم ہے۔ (قرطبی:163/1) ﴿4﴾ یقین ایسے علم کامل کو کہتے ہیں جس میں ذرہ برابر شک نہ ہو۔ یقین عمل کا موجب بنتا ہے۔

سوال 4: عمومی ایمان کے ذکر کے بعد آخرت پر ایمان کا ذکر کیا گیا، حکمت واضح کریں؟

جواب: عمومی ایمان کے ذکر کے بعد آخرت پر ایمان کو خاص طور پر ذکر کیا گیا کیونکہ آخرت پر ایمان لانا ارکان ایمان میں سے اہم رکن ہے نیز آخرت پر ایمان رغبت، خوف اور اعمال صالحہ کا باعث ہے۔ (تفسیر سعدی:78/1)

سوال 5: اس آیت میں آخرت پر ایمان ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ نہیں بلکہ یقین ﴿يُوْقِنُوْنَ﴾ کیوں فرمایا گیا؟

جواب: اس آیت میں ﴿بِالْاٰخِرَةِ﴾ کے ساتھ لفظ ﴿يُؤْمِنُوْنَ﴾ نہیں بلکہ ﴿يُوْقِنُوْنَ﴾ فرمایا گیا ہے، کیونکہ ایمان کا مقابل تکذیب ہے اور ایقان کا مقابل شک وتردد، اس میں اشارہ ہے کہ آخرت کی زندگی کی محض تصدیق کرنا مقصد کو پورا نہیں کرتا، بلکہ اس کا ایسا یقین ضروری ہے جیسے کوئی چیز آنکھوں کے سامنے ہو، متقین کی یہی صفت ہے کہ آخرت میں حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب، پھر جزاء وسزا کا نقشہ ہر وقت ان کے سامنے رہتا ہے۔ (معارف القرآن:115,114/1)

سوال 6: رسول اللہ ﷺ آخرت کے نقشے کو کیسے ہر وقت سامنے رکھتے تھے؟

جواب: صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بالا خانے میں آئے۔ دیکھا تو اس میں "قرظ" درخت کے پتوں اور جو کے ایک ڈھیر اور معلق سامان کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے اور خود رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے بانوں کے نشانات آپ ﷺ کے پہلو پر نمایاں ہیں۔ یہ فقیرانہ منظر دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اشک بار ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ پوری کائنات سے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور ممتاز ہیں۔ (اور اس پراگندہ حالت میں ہیں) کسریٰ اور قیصر بے انداز ناز ونعمت سے متمتع ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور بیٹھ کر فرمایا: اے ابن خطاب رضی اللہ عنہ! تو شک وشبہ میں مبتلا ہے؟ کسریٰ اور قیصر ایسے لوگ ہیں جن کو ان کی "حیات طیبہ" دنیا میں ہی دے دی گئی ہے۔ (مسلم کی ایک روایت میں ہے) کیا تمہیں پسند نہیں کہ یہ ناز ونعمت ان کو دنیا میں مل جائیں اور ہمیں آخرت میں؟ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیوں نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش اور اس کا شکر کر۔ (سیرت النبی ﷺ ابن کثیر:348/3)

﴿اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(5)﴾

"یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔" (5)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1: ﴿ أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ﴾ ''یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿أُولَٰٓئِكَ﴾ یعنی وہ لوگ جو ان پانچ صفات کے حامل ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿هُدًى﴾ یہاں ھدًی سے مراد نور بصیرت، اللہ تعالیٰ کے دین پر استقامت اور عمل صالح کی توفیق ہے۔ یعنی جو لوگ یہ صفات رکھتے ہیں انہی کو اللہ تعالیٰ نور بصیرت اور دین حق پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ (فتح القدیر:48/1) ابن جریر نے کہا کہ وہ اپنے رب کی طرف سے نور، برہان، استقامت اور توفیق پاتے ہیں۔ (فتح القدیر:48/1) ﴿3﴾ ہدایت سے روشنی، ثابت قدمی، دلیل، صداقت اور توفیق حق مراد ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:12/1) ﴿4﴾ ﴿عَلَىٰ هُدًى﴾ ہدایت پر ہونے سے مراد دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے پر ہونا ہے۔ ﴿5﴾ ﴿عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ﴾ یعنی اپنے رب کی طرف سے عظیم ہدایت پر ہیں۔

سوال2: صاحب ہدایت ہدایت کی بنا پر کیا مقام رکھتا ہے؟

جواب: صاحب ہدایت بر بنائے ہدایت بلند اور غالب ہوتا ہے اور صاحب ضلالت اپنی گمراہی میں ڈوبا ہوا نہایت حقیر ہے۔ (تفسیر سعدی:78/1)

سوال3: ﴿ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں'' ﴿1﴾ فلاح اپنے مطلوب کے حصول میں کامیابی اور خوف سے نجات کا نام ہے۔ ﴿2﴾ فلاح سے مراد حصول رضائے رب، حصول نجات وثواب، برائیوں سے اجتناب اور دائمی نعمتوں کا اور جنت کا مل جانا ہے۔ (مختصر ابن کثیر:12/1) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے فلاح کو اہل ایمان میں محصور اور محدود کر دیا کیونکہ اہل ایمان کے راستے پر گامزن ہوئے بغیر فلاح کی منزل کو نہیں پایا جا سکتا۔ (تفسیر سعدی:78/1) ﴿4﴾ اس راستے کے سوا دیگر راستے بدبختی، ہلاکت اور خسارے کے راستے ہیں جو اپنے پر چلنے والوں کو ہلاکت کے گڑھوں میں جا گراتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:78/1) ﴿5﴾ یہی لوگ دنیا میں طہارت اور طمانیت اور آخرت میں آگ سے نجات کے بعد جنت میں داخلے کی وجہ سے کامیاب ہوں گے۔ (ایسر التفاسیر:17)

سوال4: اصل کامیابی کیا ہے؟

جواب: اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور انسان دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کر لیا جائے۔ اگر آخرت میں دوزخ مقدر ہوگئی تو انسان مکمل طور پر ناکام ہے خواہ دنیا میں کتنا ہی کامیاب کیوں نہ ہو۔ ﴿فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ چنانچہ جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب ہو گیا۔ (آل عمران:185)

سوال5: اگر کوئی آخرت میں کامیاب نہ ہوا تو اس کا کیا انجام ہوگا؟

جواب: اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے اور اس کا انجام ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم، عذاب، ذلت اور رسوائی ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (6) ﴾

''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا، ان پر برابر ہے کہ آپ نے انہیں ڈرایا ہو یا نہ ڈرایا ہو، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' (6)

سوال 1: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ دو آیات رؤسائے یہود حیی بن اخطب، کعب بن اشرف اور ان جیسے دوسروں کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ (تفسیر طبری: 84/1) ﴿2﴾ حقیقت میں کفر اس تعلیم یا اس کے کچھ حصے کے انکار کا نام ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ ﴿3﴾ علماء نے کفر کی چار قسمیں بیان کی ہیں۔ (i) ایک کفر جیسا فرعون کا کفر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا ہی دل و زبان دونوں سے منکر تھا۔ (ii) دوسرا کفر اللہ تعالیٰ کو دل سے ماننا زبان سے اقرار نہ کرنا جیسے ابلیس کا کفر۔ (iii) تیسرا دل و زبان دونوں سے اللہ تعالیٰ کو ماننا لیکن اس کا حکم نہ ماننا جیسے ابو طالب اور اہل کتاب کا کفر۔ (iv) چوتھا کفر منافقوں کا کہ زبان سے سب کچھ کہنا اور دل میں کچھ نہیں۔ (احسن التفاسیر: 71/1) ﴿4﴾ ﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ جنھوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا یعنی کافرانہ طرز عمل اپنایا اور اس رنگ میں اس طرح رنگے کہ یہ ان کی پہچان بن گئی اور وہ اپنے کفر میں راسخ ہو گئے۔

سوال 2: ﴿ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ ''ان پر برابر ہے کہ آپ نے انہیں ڈرایا ہو یا نہ ڈرایا ہو، وہ ایمان نہیں لائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے جو کفر پر جمے ہوئے ہیں اس طرح کہ کفر ان کا لازمی وصف بن گیا ہے۔ اب انہیں کوئی کفر سے نہیں ہٹا سکتا۔ لہٰذا آپ انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿2﴾ ان کفار کو دعوت کوئی فائدہ نہیں دیتی لیکن حجت قائم ہو جاتی ہے۔ ﴿3﴾ انذار سے مراد ہے کفر، ظلم اور فساد کے انجام سے ڈرانا۔ (ایسر التفاسیر: 18,17) ﴿4﴾ مسلسل کفر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں سے حق کو قبول کرنے کی استعداد ختم ہو گئی ہے، اس لئے وہ ایمان نہیں لاتے۔ ﴿5﴾ نبی ﷺ کی شدید تمنا تھی کہ سب لوگ ایمان لے آئیں۔ اس مقصد کے لئے آپ ﷺ شدید کوششیں کرتے تھے، اپنے آپ کو گھلاتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ پر واضح کر دیا گیا کہ ایمان ایسے لوگوں کے نصیب میں نہیں ہے۔ ﴿6﴾ اس آیت میں نبی ﷺ کو ان کی قوم کے جھٹلانے پر تسلی دی گئی ہے کہ آپ ﷺ ان پر حسرت نہ کریں، نہ ان کے ایمان کی امید اور نہ ان پر ملامت کریں۔ (تفسیر منیر: 83/1) ﴿7﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ تمام لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ ایمان وہی لائے گا جس کے لیے نیک بختی لکھ دی گئی ہے اور جس کے لیے بدبختی لکھ دی گئی ہے وہ گمراہ ہو کر رہے گا۔ (تیسیر الرحمٰن: 19/1)

سوال 3: کیا انذار چھوڑ دینے کا حکم ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:《1》اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ (کافروں کے لیے) انذار بالکل فضول ہے۔نہیں بلکہ منذر کو تو تبلیغ کا حق ادا کرنے کا ضرور ثواب ملتا رہے گا اس لیے《سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ》فرمایا کہ ان کے حق میں انذار اور عدم انذار برابر ہے۔(اشرف الحواشی:4)《2》نصیحت ناصح کے لئے ہر حال میں مفید ہے،مخاطب قبول کرے یا نہ کرے۔《3》اس آیت میں ازلی کافروں کے لیے رسول اللہ ﷺ کا وعظ ونصیحت کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر قرار دیئے گئے ہیں،مگر ان کے ساتھ《عَلَيۡهِمۡ》کی قید لگا کر بتلا دیا کہ یہ برابری کفار کے حق میں ہے،رسول اللہ ﷺ کے حق میں نہیں،بلکہ ان کو تو تبلیغ وتعلیم اور اصلاح خلق کی کوشش کا ثواب بہر حال ملے گا۔(معارف القرآن:119/1)

《خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ‌ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ‌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ(7)》

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''(7)

سوال1:《خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ》''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اب ایمان ان میں داخل نہیں ہوسکتا۔《2》ان کے دلوں پر مہر ہے۔دل کسی نفع مند چیز کو یاد نہیں کر سکتے۔《3》ان کے کانوں پر مہر ہے۔کان کسی نفع مند کلام کو سن نہیں سکتے۔اس طرح اللہ تعالیٰ کا کلام سننے سے اور یاد رکھنے سے قاصر ہو گئے ہیں۔《4》《خَتَمَ》مہر کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دل پر مہر لگا دیتا ہے۔اس طرح دل کے اندر ایمان کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے اور کفر جڑیں پھیلا لیتا ہے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:《بَلۡ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيۡهَا بِكُفۡرِهِمۡ》بلکہ ان کے کفر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔(النساء:155)《5》سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:بندہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے اور جب وہ گناہ سے باز آ جاتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔اور یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (اس آیت میں کیا ہے)《كَلَّا‌ بَلۡ‌ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ》ہرگز نہیں!بلکہ ان کے دلوں پر ان اعمال نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کماتے تھے۔(المطففین:14)(ترمذی:3334)

سوال2: کسی چیز پر مہر لگا دینے کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: کسی چیز پر مہر لگا دینے کا مفہوم ہوتا ہے اس بات کا یقین کر لینا کہ اب اس کے اندر کوئی چیز باہر سے داخل نہیں ہوسکتی۔یہی حال کافروں کا ہے کہ کفر وضلالت پر اصرار،تقلید آباء میں انہماک اور غور وفکر کے صحیح راستوں سے اعراض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسی حالت بنادی کہ وعظ ونصیحت ان پراثر انداز نہیں ہوتی اور حق بات اس میں داخل نہیں ہوتی اور ان کی آنکھوں میں پردہ پڑا ہوا ہے جو ہر نفع بخش چیز کے دیکھنے میں مانع ہے۔ دل، کان، آنکھ یہی راستے ہیں علم حاصل کرنے کے۔ جب یہ بند کر دیئے گئے تو ان سے ایمان لانے کی توقع نہیں کی جاسکتی اور نہ ان سے کسی خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔ (تیسیر الرحمن:19/1)

سوال 3: اللہ تعالیٰ دلوں اور کانوں پر مہر کیوں لگاتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے تمام افعال کے خالق ہونے کی حیثیت سے اس جگہ مہر لگانے کو اپنی طرف نسبت کر کے یہ بتلا دیا کہ جب ان لوگوں نے قبول حق کی صلاحیت واستعداد کو اپنے اختیار سے تباہ کرنا چاہا تو سنت الہیہ کے مطابق ہم نے وہ بد استعداد کی کیفیت ان کے قلوب اور حواس میں پیدا کردی۔ اِنَّ جَزَاءِ السَّيِّئَةِ السَّيِّئَةُ بَعْدَهَا وَاِنَّ مِنْ جَزَاءِ الْحَسَنَةِ الْحَسَنَةُ بَعْدَهَا یعنی گناہ کی ایک سزا یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کو کھینچ لاتا ہے جس طرح نیکی کا نقد بدلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچ لاتی ہے۔ (معارف القرآن:118،119/1)

سوال 4: دلوں اور کانوں پر مہر کب لگتی ہے؟

جواب: آخرت کی کامیابی کے لیے جن خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے ان کو ماننے سے انسان جب انکار کرتا ہے تو سوچنے سمجھنے کے تمام ذرائع یعنی آنکھیں، کان، دل سب مخالف سمتوں میں چل نکلتے ہیں۔ پھر کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔ پھر آنکھیں حق نہیں دیکھتیں، کان حق نہیں سنتے، دل میں حق بات سمجھنے کے لیے گنجائش ختم ہوجاتی ہے پھر انسان مسلسل برے اعمال کرتا ہے۔

سوال 5: ﴿وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ ''اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی ان کی آنکھوں کے سامنے ایسا پردہ ہے جو انہیں فائدہ مند چیزیں دیکھنے سے روکتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿غِشَاوَةٌ﴾ سے مراد پردہ ہے۔ حق کا انکار کرنے کے لیے دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے راستے کی رکاوٹ بن جاتی ہیں: (i) تکبر (ii) دنیا کی محبت۔ انہی کی وجہ سے انسان کے اندر مخالفانہ جذبات جاگ اٹھتے ہیں اور انسان حق بات سمجھ نہیں پاتا خواہ اس کے لیے کتنے ہی دل رکھتے دلائل دیئے جائیں۔ اسی چیز کو قرآن میں ﴿غِشَاوَةٌ﴾ کہا گیا ہے یعنی ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ ﴿3﴾ سماعت، بصارت اور قلب ہی وہ ذرائع ہیں جن سے علم اور بھلائی کے حصول میں مدد لی جاسکتی ہے۔ ان ذرائع سے فائدہ اٹھانے پر پابندی عائد کردی گئی ہے لہٰذا ان سے کسی بھلائی کی امید نہیں رکھی جاسکتی۔ ان پر ایمان کے دروازے بند کر دیے گئے کیونکہ انہوں نے کفر کا رویہ اختیار کرلیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے۔ (الانعام:110) یہ دنیا کا عذاب ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 6: ایمان قبول نہ کرنے کی کیفیت کو کیسے بیان کیا گیا ہے؟

جواب: ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے انسان مسلسل انکار کرتا ہے، نافرمانی کے کام کرتا ہے جس کی وجہ سے حق قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔ پھر کان حق بات سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ پھر آنکھیں کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھنے سے محروم رہتی ہیں۔ یوں دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں جیسے قرآن حکیم میں رب العزت نے فرمایا:﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان اعمال نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کماتے تھے۔(المطففین:14)﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴾ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ بنا دیتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر کئی پردے بنا دیے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کا، اسی ایک کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اپنی پیٹھوں پر بدکتے ہوئے پھر جاتے ہیں۔(بنی اسرائیل:45-46)

سوال 7: ایمان کن لوگوں کے حصے میں آتا ہے؟

جواب: ایمان ان لوگوں کے حصّے میں آتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں مثلاً آنکھیں کائنات میں رب کی نشانیاں دیکھیں، کان حق بات سننے کے لئے آمادہ ہوں اور دل سچائی کو قبول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا راستہ آسان کر دیا ہے۔ اب اگر یہ مشقت اٹھائیں تو اللہ تعالیٰ تو انہیں توفیق دے گا۔ جیسا کہ فرمایا:﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ اور جنہوں نے ہماری خاطر پوری کوشش کی، انہیں ہم ضرور اپنے راستے دکھائیں گے اور بلاشبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے ساتھ ہے۔ (العنکبوت:69)

سوال 8: ﴿ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ آخرت کا عذاب، جہنم کا عذاب ہے جو اللہ رب العزت کی ناراضگی کی وجہ سے کافروں کو دیا جائے گا۔ یا ارحم الراحمین ہمیں ایسے لوگوں میں شامل نہ فرمانا جو آپ کے غضب کو آواز دیں اور آپ کے عذاب کے مستحق بن جائیں۔

رکوع نمبر 2

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (8) ﴾

''اور لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ہرگز ایمان لانے والے نہیں۔''(8)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور لوگوں میں سے کچھ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ ہرگز ایمان لانے والے نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَمِنَ النَّاسِ ﴾ لوگوں میں سے کچھ ہیں۔ زمانہ نزول قرآن میں منافق عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی اور ان میں سے اکثر یہودی تھے۔ ان جیسی مثالیں ہر دور اور ہر علاقے میں پائی جاتی ہیں۔ (تفسیر مراغی:49/1) ﴿2﴾ ﴿ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ جو کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور الٰہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ کہ اس کے سوا کوئی رب اور الٰہ نہیں۔ ﴿3﴾ ﴿ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ اور کہتے ہیں کہ بعث، جزا اور قیامت کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:19) ﴿4﴾ ﴿ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ حالانکہ وہ حقیقتاً مومن نہیں بلکہ وہ جھوٹے فاجر ہیں (واضح المیسر:11) ﴿5﴾ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔ (3) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔'' (بخاری:33) ایک اور روایت میں آتا ہے۔ جب لڑے تو بے ہودہ گوئی کرے۔ (بخاری:34)

سوال2: نفاق کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ بھلائی ظاہر کرنے اور دل میں برائی چھپانے کو نفاق کہتے ہیں۔ ﴿2﴾ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی نفاق اور عملی نفاق۔ **(i)** اعتقادی نفاق دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور یہ نفاق آگ میں لے جانے والا ہے۔ **(ii)** عملی نفاق بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ منافق کا قول اس کے فعل کے اور اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہوتا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر:29/1)

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (9) ﴾

''وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے حالانکہ وہ اپنی جانوں کے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دے رہے، اور وہ شعور نہیں رکھتے۔'' (9)

سوال1: ﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے'' منافقوں کا دھوکہ کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ **المخادعة** دھوکہ یہ ہے کہ دھوکہ دینے والا شخص جس کو دھوکہ دیتا ہے اس کے سامنے جو کچھ زبان سے ظاہر کرتا ہے اس کے خلاف دل میں چھپاتا ہے تاکہ اس شخص سے اپنا مقصد حاصل کر سکے جسے وہ دھوکہ دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی:80/1) ﴿2﴾ ابو جعفر نے کہا ہے کہ منافق کا دھوکہ اپنے رب سے اور مومنوں سے ہوتا ہے۔ زبان کی بات سے اظہار کرتا اور تصدیق کرتا ہے لیکن اس کے برخلاف اس کے دل میں شک اور تکذیب ہوتی ہے۔ (جامع البیان:183/1) ﴿3﴾ منافق ایمان کا اظہار کرتے اور اپنے دل میں کفر چھپاتے تھے اس طرح اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کرتے تھے۔ (ایسر التفاسیر:19) ﴿4﴾ جب کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ بلا شبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔(النساء:142)

سوال 2: منافق کو کس چیز سے تحفظ چاہیے؟

جواب: منافق کو قتل، قید اور دنیاوی سزاؤں سے تحفظ چاہیے۔

سوال 3: ﴿ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ ''حالانکہ وہ اپنی جانوں کے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دے رہے، اور وہ شعور نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: منافقین نے اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کی مخالفت دل میں بٹھائی اور زبان سے اظہار کیا کہ وہ بھی ایمان والے ہیں۔ان دھوکہ دینے والوں کا دھوکہ ان کی طرف پلٹ آیا۔جو چال بازیاں دوسروں کی مخالفت میں کر رہے ہیں وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے کر رہے ہیں۔نہ وہ اللہ تعالیٰ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ اہل، ایمان کو۔ہاں ایمان کے اظہار سے وہ اپنی جان اور مال بچا لیتے ہیں لیکن ان کا مکر و فریب ان کے دلوں میں رہ گیا۔آخرت میں ان کے کفر و فجور کی وجہ سے انہیں سخت عذاب ہوگا۔

سوال 4: آج کے دور میں منافق اللہ تعالیٰ اور ایمان والوں کے ساتھ کیسے دھوکے بازی کرتا ہے؟ حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالتا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: منافق دین کے ساتھ ظاہری رشتہ قائم رکھتا ہے جب کہ اس کی حقیقی وفاداریاں دنیاوی مفادات کے ساتھ ہوتی ہیں۔اس طرح وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا بھی محفوظ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دین داری کی شہرت بھی ہے۔مثلاً ایک انسان اپنا وقت، اپنی ساری صلاحیتیں، اپنا مال دنیا کی خاطر لگا رہا ہو اور کبھی کبھار کسی غریب کی خدمت کر کے یا کوئی دینی محفل منعقد کر کے یا کسی دینی محفل میں شرکت کر کے لوگوں کی نظروں میں مقام حاصل کر لے کہ یہ بڑے دین دار ہیں، انہیں دین سے بڑی محبت ہے۔یوں دنیا تو محفوظ رہتی ہے لیکن دین داری میں شہرت ہو جاتی ہے جب کہ درحقیقت ایمان ان کے دل کے اندر نہیں ہوتا۔اللہ تعالیٰ نے اسے دھوکہ قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کو تو کوئی دھوکہ دے نہیں سکتا۔ہاں ایمان والوں کی نظروں میں جو مقام بنتا ہے یہ ایمان والوں کو دھوکہ دینا ہے۔اللہ تعالیٰ اسے خود فریبی قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ ایک خوش فہمی ہے جو خود انسان کے اپنے اندر ہوتی ہے۔انسان ایسی دین داری پر دنیا میں خوش ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں اسے دھوکہ بازی ہی کہتے ہیں۔

سوال 5: اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا کرنے سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: اپنے آپ کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھنا کہ دنیا بھی محفوظ رہے اور ظاہری نیک اعمال کی وجہ سے لوگوں کی نظروں میں دین دار بھی بنے رہیں۔ یہ ایسی خوش فہمی ہے جو انسانوں کے اپنے دماغ کے علاوہ کہیں اور نہیں ہوتی۔ دنیا میں بھی منافق کا دھوکہ چند دن کے لیے چلتا ہے۔ پھر حقیقت کھل جانے پر معاشرے میں اس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی اور آخرت میں تو زبانی دعوؤں کی کوئی اہمیت ہے ہی نہیں۔

سوال 6: ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ وہ سمجھتے نہیں۔ اس سے مراد ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ ان کے دھوکے کا انجام ان ہی پر عائد ہونے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کا قہر۔

﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (10)﴾

''ان کے دلوں میں ہی ایک بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیماری میں زیادہ کر دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔'' (10)

سوال 1: ﴿فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ﴾ ''ان کے دلوں میں ہی ایک بیماری ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: عبدالرحمٰن بن زید کا قول ہے کہ یہ دین کا مرض ہے جسم کا مرض نہیں۔ وہ منافق ہیں جن کے دلوں میں شک کی بیماری ہے جسے انہوں نے اسلام میں داخل کیا ہے۔ (جامع البیان: 187/1)

سوال 2: دل کی بیماری سے کیا مراد ہے؟

جواب: دل کی بیماری سے مراد دینی بیماری ہے یعنی شک، ریا کاری، نفاق، دنیا کی محبت اور مفاد پرستی وغیرہ۔

سوال 3: دل کو کتنی قسم کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں؟

جواب: دل کو دو قسم کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں جو اسے صحت واعتدال سے محروم کر دیتی ہیں: ﴿1﴾ شبہات باطلہ کی بیماریاں۔ ﴿2﴾ ہلاکت میں ڈالنے والی شہوت کی بیماری۔ پس کفر و نفاق اور شکوک و بدعات یہ سب شبہات کی بیماریاں ہیں۔ زنا، فواحش و معاصی سے محبت اور ان کا ارتکاب یہ سب شہوات کی بیماریاں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ جس کے دل میں بیماری ہے وہ لالچ میں پڑ جائے۔ (الاحزاب: 32) اس مرض سے مراد شہوت زنا ہے۔ برائی سے صرف وہی بچے گا جو ان دو بیماریوں سے محفوظ ہوگا۔ اسی کو ایمان و یقین حاصل ہوتا ہے اور معاصی کی بیماریوں کے مقابلے میں صبر کی ڈھال عطا کر دی جاتی ہے اور وہ عافیت میں آ جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 81/1)

سوال 4: ﴿فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیماری میں زیادہ کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق کہ برائی کا پیچھا برائی کرتی ہے ان کا شک نفاق اور خوف بڑھ جائے گا۔(ایسر التفاسیر)﴿2﴾اللہ تعالیٰ منافق کو فوراً سزا نہیں دیتے۔اسے مہلت دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اور زیادہ کھوٹے ہو جاتے ہیں اور آخر کار مکمل منافق بن جاتے ہیں۔﴿ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ ﴾ لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو گندگی میں اور گندگی کے ساتھ زیادہ کر دیا۔(التوبہ:125)﴿ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔(الانعام:110)﴿ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ﴾ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔(الصف:5)

سوال5:﴿ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے'' اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں فرمایا کہ وہ تحریف اور تبدیلی کرتے ہیں۔(ابن ابی حاتم:44/1)

﴿2﴾اپنے دنیا کے معاملات میں ہوشیار رہنا اور آخرت کے معاملات میں توقعات کو کافی سمجھنا، یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولنا ہے اور جھوٹی زندگی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔

سوال6: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کس حکمت کا بیان ہے؟

جواب: اس میں گناہ گاروں کے گناہوں کی تقدیر کی بابت اللہ تعالیٰ کی حکمت کا بیان ہے کہ یہ روگ نفاق ان کے سابقہ گناہوں کا نتیجہ ہے نیز اللہ تعالیٰ انہیں اس کے سبب سے مزید گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے جو ان کے لیے مزید سزا کے موجب بنتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔(الانعام:110)(تفسیر سعدی:81,82/1)

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (11) ﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ یقیناً ہم اصلاح کرنے والے ہیں۔''(11)

سوال1:﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ رب العزت نے منافقوں کے رویے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب انہیں زمین میں فساد پھیلانے سے روکا جاتا ہے اور فساد سے مراد کفر، شرک اور معاصی ہیں۔فساد سے مراد دشمنوں کے پاس مسلمانوں کے راز پہنچانا اور کافروں سے دوستی رکھنا بھی ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔﴿2﴾انہوں نے دو باتوں کو اکٹھا کر دیا:(i) فساد فی الارض کا ارتکاب۔(ii) اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بات کا اظہار کہ یہ فساد پھیلانا نہیں، بلکہ اصلاح ہے۔یوں گویا ایک تو انہوں نے حقائق کو بدل دیا (فساد کا نام اصلاح رکھا) دوسرے، فعل باطل اور اس کے حق ہونے کے اعتقاد کو جمع کر دیا۔ یہ لوگ ان لوگوں سے زیادہ بڑے مجرم ہیں جو گناہ کو حرام سمجھتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ لوگ سلامتی کے زیادہ قریب ہیں اور ان کی بابت ارتکاب گناہ سے باز آجانے کی زیادہ امید ہے۔(تفسیر سعدی:82/1)

سوال2: زمین میں فساد کیسے پھیلایا جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرکے،فرائض اور واجبات چھوڑ کر، سچے دین میں شک کرکے،دشمنان اسلام کی مدد کرکے،کافروں کی حمایت،اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق کو درست کرنے کے لیے جو انفرادی یا اجتماعی کام کیے جارہے ہوں اس کے راستے میں روڑے اٹکا کر فساد پھیلایا جاتا ہے۔مثلاً (i) کتاب اللہ کی تعلیم کے راستے میں رکاوٹ ڈال کر۔(ii) مساجد کی آبادکاری کے راستے میں رکاوٹ ڈال کر جیسے لوگوں کو وہ سرگرمیاں دے دی جاتی ہیں کہ ان کو مسجد میں جانے کا ہوش نہیں رہتا۔

سوال3: ﴿قَالُوٓا إِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُونَ﴾ ''وہ کہتے ہیں کہ یقیناً ہم اصلاح کرنے والے ہیں'' منافقوں کو جب فساد سے روکا جاتا ہے تو وہ یہ جواب کیوں دیتے ہیں کہ ہم اصلاح کرنے والے ہیں؟

جواب: وہ خود کو زیادہ باشعور سمجھتے ہیں حالانکہ وہ شعور نہیں رکھتے۔یہ ان کی جہالت ہے،جس کو وہ صلح کہتے ہیں وہ فساد ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصلاح کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ انسان وہی کام کرے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے۔

سوال5: زمین کے اندر اصلاح کیسے ہوتی ہے؟

جواب:﴿1﴾ صحیح ایمان،عمل صالح کو اختیار کرکے،شرک اور نافرمانیوں کو چھوڑ کر زمین کے اندر اصلاح ہوتی ہے۔(ایسرالتفاسیر:20)

﴿2﴾ زمین کے اندر اصلاح یہ ہے کہ اسے ایمان اور اطاعت الٰہی سے معمور رکھا جائے۔اسی اطاعت و ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرکے اس زمین پر آباد کیا اور ان پر رزق کے دروازے کھول دیے تاکہ اس رزق کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کرے لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے خلاف عمل کیا جائے گا تو یہ عمل زمین میں فساد برپا کرنا اور اس کو اجاڑنا ہوگا۔(تفسیر سعدی:83/1)

سوال6: صلح کے پردے میں فساد کیسے ہوتا ہے؟

جواب: منافق سازشیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا طریقہ صلح کا ہے۔ہم کسی سے بگاڑ نہیں چاہتے۔ہم سب کے خیر خواہ ہیں اور صلح کروانا چاہتے ہیں۔ان کا ظاہری برتاؤ اچھا ہوتا ہے جب کہ ان کی کافروں سے دوستی کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔یہ ان کی محض جہالت ہے جس کو وہ صلح کہتے وہ عین فساد ہے لیکن انہیں احساس نہیں ہوتا۔(تفسیر ابن کثیر:17،16)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (12) ﴾

''سن لو! درحقیقت وہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے۔'' (12)

سوال 1: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴾ ''سن لو! درحقیقت وہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ نہیں سمجھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ منافقین کے یہ کہنے سے کہ ہم اصلاح کرنے والے ہیں ضمناً یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ اہل ایمان اصلاح کرنے والے نہیں ہیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا یہ دعویٰ ان پر پلٹ دیا ہے۔ ﴿2﴾ کافروں سے دوستیاں گانٹھنا ملک میں فساد پھیلانا ہے۔رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بہت بڑا فساد ہوگا۔(الانفال:73) ﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کے لیے ایک واضح حجت بنالو؟ یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔(سورۃ النساء:144-145) ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کے باوجود وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ اصلاح کرنے والے ہیں۔کیا اس فساد کے بعد بھی کوئی اور فساد رہ جاتا ہے لیکن وہ اپنے فساد کے بارے میں ایسا علم نہیں رکھتے جو اس کا فائدہ پہنچا سکے اگرچہ وہ اس کے بارے میں ایسا علم ضرور رکھتے ہیں جو ان کے خلاف حجت قائم کرے گا اور صرف ان کے اعمال ہی زمین کے اندر فساد کا باعث ہیں کیونکہ برے اعمال اور گناہوں کے سبب سے روئے زمین پر آفتیں اور مصائب نازل ہوتے ہیں جو غلے، پھلوں، درختوں اور نباتات کو بھی خراب کردیتے ہیں۔(تفسیر سعدی:82/1)

سوال 2: منافق کو کس بات کا شعور نہیں ہوتا؟

جواب: منافق کو اس بات کا شعور نہیں ہوتا کہ وہ فساد پھیلانے والا ہے۔

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ (13) ﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اسی طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ سن لو! بے وقوف تو درحقیقت وہی لوگ ہیں لیکن وہ نہیں جانتے۔'' (13)

سوال 1: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح لوگ ایمان لائے'' کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ یعنی محمد ﷺ اور جو کچھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کرو جیسے لوگوں نے تصدیق کی ہے۔(جامع البیان:193/1)﴿2﴾﴿ النَّاسُ ﴾ یعنی لوگوں سے مراد رسول اللہ اور آپ ﷺ کے زمانہ کے مومنین وصادقین ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:22/1)﴿3﴾ یعنی جیسے صحابہ کرام ایمان لائے ہیں جو کہ دل اور زبان کا ایمان ہے۔

سوال 2:﴿ قَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ﴾'' تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اسی طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ منافق جھوٹے گمان میں جیتے ہیں اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ کیا ہم ویسا ایمان لائیں جیسے بے وقوف ایمان لائے ہیں!﴿2﴾ منافقین نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے وقوف کہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان اور مال قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔﴿3﴾ منافقوں کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے وقوفی اور حماقت ہی ان کے ایمان، ترک وطن اور کفار سے دشمنی مول لینے کی موجب ہے۔ان کے نزدیک عقل اس کے متضاد اور اس کے برعکس رویے کا تقاضا کرتی ہے۔انہوں نے صحابہ کرام کو سفاہت وحماقت سے منسوب کیا۔ضمنی طور پر اس کے لیے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ صرف وہی عقل مند اور اصحاب دانش وبینش ہیں۔(تفسیر سعدی:83/1)

سوال 3: منافقوں کو صحابہ کرام کی طرح ایمان لانے کو کیوں کہا گیا؟

جواب: منافقوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ایمان لانے کی دعوت دی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایمان معیار اور کسوٹی ہے اسی لئے سورۃ البقرہ کی آیت 137 میں فرمایا:﴿ فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَآ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوْا ﴾ پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے۔

سوال 4: منافقوں نے صحابہ کرام کو بے وقوف کیوں کہا؟

جواب: صحابہ رضی اللہ عنہم نے دنیوی مفادات کو قربان کر کے محمد ﷺ کا اور اسلام کا ساتھ دیا اس لئے منافقین نے انہیں بے وقوف کہا حالانکہ یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ کسی کو اعلیٰ ترین مقصد کے لئے قربانی دینے کا موقع ملے۔

سوال 5: منافقین اہل ایمان کو بے وقوف کیوں کہتے ہیں؟

جواب: سچا مومن اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔جو لوگ فائدوں اور مصلحتوں کو اہمیت دیتے ہیں، ایسے لوگوں کی وفاداریاں دنیا کے فائدوں کے ساتھ ہوتی ہیں اور دین سے بھی ایک ظاہری تعلق قائم کر لیتے ہیں۔وہ اسی کو اپنی عقل مندی سمجھتے ہیں اور اہل ایمان کو اس لیے بے وقوف کہتے ہیں کہ وہ خواہ مخواہ سچائی کی خاطر خود کو برباد کر رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 6: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''سن لو! بے وقوف تو درحقیقت وہی لوگ ہیں لیکن وہ نہیں جانتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں واضح کیا ہے کہ وہ خود بے وقوف اور احمق ہیں۔ ﴿2﴾ احمق ایسے بے عقل کو کہتے جو اپنے مصالح سے بے خبر ہو اور ایسے کاموں میں مصروف رہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوں۔ ﴿3﴾ عقل کا تقاضہ ہے کہ انسان اپنے مصالح کی فکر کرے۔ نفع کے حصول کی کوشش کرے اور ضرر سے بچے۔ یہ صفت صحابہ کرام پر صادق آتی ہے۔ ﴿4﴾ ﴿ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴾ مقاتل نے کہا: وہ نہیں جانتے کہ وہ احمق ہیں۔ (زادالمسیر :26/1)

سوال 7: کیا اعلیٰ مقاصد کے لئے دنیوی مفادات کو قربان کرنا بے وقوفی ہے؟

جواب: اعلیٰ مقاصد کے لئے دنیوی مفادات کو قربان کرنا خوش بختی اور عقل مندی کی علامت ہے۔

سوال 8: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی اللہ تعالیٰ نے کیسے قدر کی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو معیار قرار دیا۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 137 میں فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ پھر جائیں تو یقیناً اب وہ مخالفت میں ہیں، چنانچہ عنقریب ان سے اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہو جائے گا اور وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (14) ﴾

''اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے سرداروں کی طرف اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو محض مذاق اُڑانے والے ہیں۔'' (14)

سوال 1: ﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ﴾ ''اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی سرگرمیوں کی وضاحت کی ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں۔

سوال 2: منافق اہل ایمان سے ملنے پر کیوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے؟

جواب: ﴿1﴾ ظاہری طور پر دینداری کا بھرم قائم رکھنے کے لیے۔ ﴿2﴾ اپنے مال اور اپنی جانوں کے تحفظ کے لیے دھوکے کے طور پر کہتے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تھے۔

سوال 3: ﴿ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴾ ''اور جب اپنے سرداروں کی طرف اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو محض مذاق اڑانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ منافق جب اپنے شریر سرداروں سے تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو درحقیقت تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔ ﴿2﴾ ﴿ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ ﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی ہم اس دین پر قائم ہیں جس پر آپ ہو۔ (ابن ابی حاتم: 48/1) منافق کہتے تھے کہ ہم تمہارے عقیدے پر ہیں اور ہم تمہاری موافقت کرتے ہیں۔ (تفسیر مراغی: 55/1) ﴿3﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کو سب سے بدتر پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے سامنے ایک رخ سے آتا ہے اور دوسروں کے سامنے دوسرے رخ سے جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری: 6058)

سوال 4: اس آیت میں شیاطین سے کون مراد ہیں؟

جواب: کافروں، منافقوں، مشرکوں اور گمراہ کرنے والوں کے سرداروں اور سرکشوں کو شیطان کہتے ہیں خواہ انسان ہوں یا جن۔ برائی کے سردار یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد قریش اور یہود کے سردار ہیں جن کی وجہ سے تمام لوگ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو خیر سے دور اور شر سے قریب ہے اور جو اصلاح نہیں چاہتا۔

سوال 5: منافق اپنے سرداروں کو اپنی وفاداریوں کا یقین کیوں دلاتے ہیں؟

جواب: جب یہ اپنے شیطانوں سے اکیلے میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مومنوں سے محض مذاق کرتے ہیں۔ منافقین یقین دلاتے ہیں کہ ہم کوئی دلی طور پر ان کے ساتھ نہیں ہیں، ہم تو بس ایسے ہی ذرا دل کے بہلاوے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے ان کے ساتھ ہیں۔ ہمارے دل ان کے ساتھ جڑے ہوئے نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ تو ایک ظاہری سلسلہ قائم ہے تاکہ ان سے دنیا کا فائدہ حاصل کرسکیں۔

﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (15) ﴾

''اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرتا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے ہیں۔'' (15)

سوال 1: ﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرتا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ﴾ ''اللہ تعالیٰ ان سے مذاق کرتا ہے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی استہزاء ان کے استہزاء کی جزا ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بندوں کے ساتھ کرتے ہیں۔﴿2﴾ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا استہزاء یہ ہے کہ وہ ان کے بدبختی کے اعمال اور خبیث احوال کو ان کے سامنے مزین اور آراستہ کر دیتا ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان پر مسلط نہیں کیا اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ ہیں۔﴿4﴾قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کا استہزاء یہ ہوگا کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ انہیں ظاہری روشنی عطا کرے گا۔جب اہل ایمان روشنی میں چلیں گے تو منافقین کی روشنی بجھ جائے گی۔وہ روشنی بجھ جانے کے بعد تاریکی میں متحیر کھڑے رہ جائیں گے۔پس امید کے بعد مایوسی کتنی بری چیز ہے۔(تفسیر سعدی:84/1)﴿5﴾رب العزت نے قیامت کے دن اس استہزاء کی خبر دی ہے﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ ﴾جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے:''ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔'' کہا جائے گا:''اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کچھ نور تلاش کرو'' چنانچہ ان کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا،اس کے اندرونی حصّے میں رحمت ہوگی اور اس کے بیرونی حصے میں اس کی طرف عذاب ہوگا۔وہ ان کو آوازیں دیں گے:''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' وہ کہیں گے:''کیوں نہیں لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم انتظار ہی کرتے رہے اور تم نے شک کیا اور فضول تمناؤں نے تمہیں دھوکہ دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا اور اس دھوکے باز نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں دھوکہ دیا۔(الحدید:13,14)﴿6﴾﴿ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ ﴾''اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں'' اللہ تعالیٰ ان کے فسق وفجور کے کاموں کو اور بڑھا دیتا ہے۔﴿7﴾﴿ يَعْمَهُوْنَ ﴾''اندھے بنے ہوئے ہیں'' یہ اللہ تعالیٰ کا استہزاء ہے۔﴿8﴾عمہ دل کے اندھے پن کو کہتے ہیں۔رب العزت نے فرمایا:﴿ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾پس یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔(الحج:46)﴿9﴾رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ یقیناً ہم انہیں جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے ہم انہیں اسی لئے مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں اور ان کے لئے رسواکن عذاب ہے۔(آل عمران:178) یہی استدراج ہے۔﴿10﴾﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾بلاشبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہوکر کھڑے ہوتے ہیں۔وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔(النساء:142)﴿11﴾﴿ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾سو وہ ان سے مذاق کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان سے مذاق کیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(التوبہ:79)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: اللہ تعالیٰ منافقین سے کیسے مذاق کرتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ان سے نیکی کی توفیق چھین لیتا ہے۔ پھر نہ ان کے کان سچ سننا چاہتے ہیں، نہ سچی بات ان کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے، نہ ان کی آنکھ سچائی کو دیکھ سکتی ہے۔ پھر وہ اندھا دھند اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے چلے جاتے ہیں۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ منافقوں کو ان کی سرکشی میں کیسے ڈھیل دیتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ منافقوں کو اپنی مرضی کی زندگی گذارتے ہوئے فوراً نہیں پکڑتے بلکہ مہلت دیتے ہیں۔ یوں ابتدا کی سرکشی بغاوت میں بدل جاتی ہے۔

سوال 4: منافق اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح کیسے بھٹکتے ہیں؟

جواب: منافق جب اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشی کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دینے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتے ہیں۔ اس طرح ان کے گناہ بڑھتے جاتے ہیں پھر وہ اور سرکش ہو جاتے ہیں اور سیدھے راستے سے بھٹکتے بھٹکتے دور نکل جاتے ہیں اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴾ اور ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے۔ (الانعام:110)

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ (16) ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے تو نہ ان کی تجارت ان کے لیے نفع مند ہوئی اور نہ ہی وہ ہدایت پانے والے ہیں۔'' (16)

سوال 1: ﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی منافق گمراہی کی طرف اتنی رغبت سے مائل ہوتے ہیں جیسے خریدار کسی ایسے سامان تجارت کی طرف لپکتا ہے جس کی اسے سخت ضرورت ہو یا اس کی دلی چاہت ہو۔ وہ اپنی رغبت کی وجہ سے اپنا قیمتی مال خرچ کرتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو جو کہ شر کی انتہا ہے سامان تجارت سے تشبیہ دی ہے اور ہدایت کو جو خیر کی انتہا ہے، اس کو سامان تجارت کی قیمت سے تشبیہ دی ہے۔ ﴿3﴾ منافقوں نے ہدایت یعنی نفع مند علم اور عمل صالح سے بے رغبتی کی وجہ سے اور گمراہی کی طرف رغبت کی وجہ سے ہدایت کو گمراہی کے بدلے میں خرچ کر دیا۔ یہ تھی ان کی تجارت اور یہ تھا ان کا سامان تجارت۔ کتنی بری تجارت اور کتنا برا سامان تجارت ہے!

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ ﴾ ''تو نہ ان کی تجارت ان کے لیے نفع مند ہوئی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو نہ ان کی تجارت ان کے لیے نفع مند ہوئی'' دنیا میں جو شخص ایک ہزار روپے کے بدلے میں ایک سو روپیہ لیتا ہے تو غائب وحاضر کہتا ہے کہ اس نے بڑا خسارہ، بڑا نقصان اٹھایا۔ ﴿2﴾ اس شخص کا خسارہ جو ہیرے جواہرات کو دے کر ایک روپیہ حاصل کرے زیادہ بڑا ہے۔ ﴿3﴾ اس شخص کا خسارہ کتنا بڑا ہے جو ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتا ہے۔ خوش نصیبی کے بدلے میں بدنصیبی اختیار کرتا ہے۔ اعلیٰ مقاصد کو چھوڑ کر گھٹیا کاموں کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ اس کی تجارت نے اسے کوئی نفع نہیں دیا۔ وہ سب سے بڑے خسارے میں ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلْ إِنَّ الْخَٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ ۗ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴾ کہہ دو کہ یقیناً نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا۔ سن لو! یہی کھلا نقصان ہے۔ (الزمر: 15)

سوال 3: منافق کی تجارت نفع مند کیوں نہیں ہوتی؟

جواب: منافق جنت یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے سکون اور خوشیوں کے بدلے عارضی زندگی کی عارضی خوشیاں خریدنے کی کوشش کرتا ہے جو مستقل انسان کے ساتھ نہیں رہتیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس تبادلے یعنی تجارت کو نفع مند قرار نہیں دیا۔

سوال 4: ﴿ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴾ ''اور نہ ہی وہ ہدایت پانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی وہ ہدایت پانے والے نہیں۔ انہیں ہدایت سے کوئی حصہ نہیں ملا یعنی نفاق خرید کر وہ خسارے میں رہے۔

سوال 5: منافق ہدایت کیوں نہیں پا سکتے؟

جواب: ﴿1﴾ وہ ہدایت کو بے وقوفی خیال کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ وہ ہدایت حاصل نہیں کرنا چاہتے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ منافق کو ہدایت نہیں دیتے۔

﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُۥ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِى ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ (17) ﴾

''ان کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے آگ بھڑکائی، تو جب اس نے اس کے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھتے۔'' (17)

سوال 1: ﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ﴾ ''ان کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے آگ بھڑکائی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مثال دی ہے جو ان کے حالات کی وضاحت کرنے والی ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی یہ وضاحت کی ہے کہ جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو کچھ لوگ مسلمان ہو گئے لیکن جلد ہی وہ منافق ہو گئے۔ ایسے لوگوں کی مثال اس طرح ہے جیسے وہ اندھیرے میں ہوں تو ایک شخص نے روشنی جلائی ہو جس سے ماحول روشن ہو گیا یعنی فائدہ مند اور نقصان دہ چیزیں واضح ہو گئیں تو روشنی بجھ گئی اور سب پھر اندھیرے میں چلے گئے یعنی منافق پہلے شرک کے اندھیرے میں تھے پھر مسلمان ہو کر روشنی میں آ گئے، حلال وحرام اور خیر وشر کو پہچان گئے پھر دوبارہ کفر اور نفاق کی طرف لوٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (فتح القدیر)

سوال 2: ﴿ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَھُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴾ ”تو جب اس نے اس کے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ ان کے نور کو لے گیا اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ نہیں دیکھتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مجاہد نے اس آیت کے بارے میں کہا: ﴿ اَضَاۗءَتْ مَا حَوْلَهٗ ﴾ ”اس نے اس کے اردگرد کی چیزوں کو روشن کر دیا“ سے مراد ان کا مومنوں اور ہدایت کی طرف بڑھنا ہے۔ (جامع البیان: 209/1) ﴿2﴾ ﴿ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ ﴾ ”اللہ تعالیٰ ان کے نور کو لے گیا“ سے مراد ان کا کافروں اور گمراہی کی طرف بڑھنا ہے۔ (جامع البیان: 209/1) ﴿3﴾ منافقوں نے اہل ایمان کی آگ سے یعنی ان کے ایمان سے روشنی حاصل کی کیونکہ ان کے پاس ایمان نہیں تھا۔ وقتی طور پر انہوں نے اپنے حالات کو محفوظ کر لیا۔ دنیا میں انہیں امن مل گیا لیکن اچانک ان کو موت آ گئی یوں اللہ تعالیٰ ان سے روشنی لے گیا۔ ﴿4﴾ موت نے ان پر اندھیرا یعنی عذاب اور غم مسلط کر دیا۔ ﴿5﴾ کفر، نفاق اور گناہوں کے اندھیروں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے بعد انہیں جہنم کے اندھیروں میں رہنا ہو گا۔

﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (18) ﴾

”وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں پلٹتے۔“ (18)

سوال 1: ﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ ”وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں پلٹتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے منافق کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ ﴿ صُمٌّ ﴾ وہ بھلائی کی بات سننے سے بہرا ہے ﴿ بُكْمٌ ﴾ وہ بھلائی کی بات کہنے سے گونگا ہے ﴿ عُمْىٌ ﴾ وہ بھلائی کو دیکھنے سے اندھا ہے۔ دراصل اس نے بھلائی کی، خیر کی، حق کی پہچان کھو دی ہے ﴿ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾ اس لیے وہ اب واپس نہیں لوٹیں گے۔

سوال 2: قرآن مجید کن انسانوں کو بہرا، گونگا اور اندھا کہتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید اس انسان کو بہرا کہتا ہے جو کان رکھتے ہوئے بھی بہرا ہے جو حق کو، سچی بات کو نہیں سنتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بات، اس کا کلام قرآن مجید سب سے سچا ہے اور اس کے رسول کی بات یعنی حدیث سچی بات ہے، بہترین طریقہ ہے۔ اس نفع مند علم کے معاملے میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

منافق بہرا بن جاتا ہے ان میں سے کچھ اسے اپنے لیے ضروری خیال نہیں کرتے۔ کچھ ایسے ہیں جو قرآن وحدیث کے علم کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں یا اپنے دنیا کے مفادات پر ضرب سمجھتے ہیں اور اس سے بچنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خود محروم ہو جاتے ہیں جب کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ اصلاً منافق کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ نہیں فرماتے۔ اسی لیے وہ حق سننے سے بہرے، کہنے سے گونگے اور دیکھنے سے اندھے بن جاتے ہیں: ﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ﴾ ان کے لیے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور ان کے لیے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، یہ لوگ جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔ (الاعراف:179) ﴿2﴾ قرآن مجید اس انسان کو اندھا کہتا ہے جو آنکھیں رکھنے کے باوجود حق اور سچ کو، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روشنی اور ہدایت کو نہیں دیکھتا۔ ﴿3﴾ قرآن مجید اس انسان کو گونگا کہتا ہے جو زبان رکھنے کے باوجود گونگا ہے۔ جو حق کو، اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی کو جانتا ہے پھر بھی خاموش رہتا ہے اور یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ ابھی کہنے کا وقت نہیں آیا اور وہ وقت کبھی نہیں آتا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ان چیزوں میں بھی انہیں قدرت دے رکھی تھی جس میں ہم نے تمہیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان کے کان، آنکھیں اور دل بنائے تھے چنانچہ نہ ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل ہی ان کے کسی کام آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر رہے تھے اور انہیں اسی (عذاب) نے آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ (الاحقاف:26)

سوال 3: ﴿فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''سو وہ نہیں پلٹتے'' سے مراد یہ ہے کہ یہ وہ افراد ہیں جنہوں نے ہدایت یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی پر چلنے کی بجائے گمراہی یعنی دل کی ماننے اور اپنی مرضی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس لیے اب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی اس کے دین اسلام کی طرف نہیں پلٹیں گے بلکہ ہمیشہ اپنے نفس، اپنی مرضی کی طرف پلٹیں گے۔

سوال 4: نفاق کی یہ پہلی مثال کس طرح کے منافقوں کے بارے میں ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نفاق کی پہلی مثال ان منافقوں کے بارے میں ہے جو دل سے اسلام کے احکامات پر عمل کرنے سے انکار کرنے والے ہیں۔ جو یا تو مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے مسلمان ہیں، لیکن انہوں نے شعوری طور پر اسلام قبول نہیں کیا یعنی اسلام کے احکامات کو نہیں سیکھا، یا انہوں نے کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے اسلام قبول کر لیا لیکن دل اب اسلام پر مطمئن نہیں۔ ایسے لوگوں کا دل اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار کرتا ہے۔ انہیں توبہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ خود جاہل ہوتے ہیں اور لوگوں کی نصیحت نہیں سنتے۔ ﴿2﴾ وہ اسلام کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرف نہیں لوٹیں گے۔﴿3﴾اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرتد ہو گئے تھے۔

﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (19) ﴾

''یا جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش، جس میں تاریکیاں ہیں، گرج اور چمک ہے، وہ موت کے ڈر سے کڑ کنے والی بجلیوں سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔''(19)

سوال1:﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴾''یا جیسے آسمان سے موسلا دھار بارش، جس میں تاریکیاں ہیں، گرج اور چمک ہے، وہ موت کے ڈر سے کڑ کنے والی بجلیوں سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾اللہ تعالیٰ نے مثال دی ہے کہ وہ اس شخص کی طرح ہیں جس پر موسلا دھار بارش ہو رہی ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی جو موسلا دھار بارش کی طرح آسمان سے نازل ہو رہی ہے۔﴿2﴾منافق اس میں سے اللہ تعالیٰ کے احکامات، وعدے اور وعیدیں سنتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں﴿ رَعْدٌ ﴾بادل کی کڑک کی طرح﴿ وَّبَرْقٌ ﴾اور بجلی کی طرح گھبراہٹ میں مبتلا کرتے ہیں۔﴿3﴾وعدے اسے پریشان کرتے ہیں۔اس لیے کہ وحی کی موسلا دھار بارش دراصل کفر اور نفاق کے﴿ ظُلُمٰتٌ ﴾اندھیروں میں اترنے والی بارش ہے۔﴿4﴾ کفر اور نفاق کی وجہ سے حقیقت سمجھ نہیں آتی۔﴿5﴾﴿ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴾''وہ موت کے ڈر سے کڑ کنے والی بجلیوں سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہیں''موت کے ڈر سے وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتا ہے۔منافق کو اس طرح وقتی طور پر سلامتی مل جاتی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں بھاگ سکتے۔منافق اپنی ذات اور مفادات کا تحفظ چاہتا ہے۔جب کبھی حق کی دعوت اٹھتی ہے تو جہاں ایک طرف انسانوں کے لیے یہ دعوت کامیابی کے دروازے کھولتی ہے، وہیں دوسری طرف کچھ انسان خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔حق کو جان لینے کی صورت میں خاص طور پر اونچے طبقے کے لوگوں کو اپنی بڑائی کا خاتمہ ہوتے نظر آنے لگتا ہے۔پھر ہر ایک کو اپنے رسم و رواج چھوڑنے سے ڈر لگتا ہے۔یہیں سے وہ حق پر عمل پیرا ہونے سے ڈر جاتے ہیں۔ایک طرف وہ قرآن مجید کی بات سنتے ہیں تو دل میں تھوڑی سی گنجائش پیدا ہوتی ہے، دوسری طرف اپنے دوستوں سے ملتے ہیں تو گھبرا اٹھتے ہیں۔اس گھبراہٹ میں ایک ہی حل نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو، حق کی دعوت کو نہ سنیں کیونکہ ان کے خیال میں اگر سنیں گے تو عمل کرنا پڑے گا اور عمل کرنے سے ہی تو ڈر لگتا ہے، اس لیے سننا چھوڑ دیتے ہیں۔

سوال2:﴿ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴾''اور اللہ تعالیٰ کافروں کو گھیرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم نے منافق کو ہر طرف سے گھیرے میں لے رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کون بھاگ سکتا ہے۔کون ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عاجز کر سکے؟ اللہ تعالیٰ منافقوں کے اعمال کو ان کے اعمال ناموں میں محفوظ کر دیتا ہے۔﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝ ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی ان ہی کی مثل۔ان کے درمیان حکم اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے علم میں یقیناً ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔(الطلاق:12) اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔وہ اپنی قوتوں اور قدرتوں سے کافروں کو گھیرے میں لینے والا ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہر بات، ہر سوچ اور ہر کام ریکارڈ کر رہے ہیں جس کا اس نے حساب لینا ہے اور انجام تک پہنچانا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کی محدود زندگی کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ہر آنے والے لمحے میں موت قریب آ رہی ہے۔

﴿ یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙۗ وَ اِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (20) ﴾

”قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہیں اچک لے، جب کبھی ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو وہ اس میں چل پڑتے ہیں اور جب ان کے لیے اندھیرا کرتی ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور ان کی سماعت اور ان کی بصارت کو لے جاتا، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“(20)

سوال 1: ﴿ **یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ** ﴾ ”قریب ہے کہ بجلی ان کی نگاہیں اچک لے“ یہاں بصارت کے اچکنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ **یَكَادُ الْبَرْقُ** ﴾ ”قریب ہے کہ بجلی کی چمک“ یعنی منافق اللہ تعالیٰ کے احکامات، اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں جو قرآن مجید میں آئے ہیں انہیں سنتے ہیں تو اسلام پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتے ہیں گھر والوں اور معاشرے کی طرف سے مخالفت ہوتی ہے تو وہ رک جاتے ہیں۔﴿2﴾ ﴿ **یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ** ﴾ ”ان کی نگاہیں اچک لے“ بصارت سے مراد ایمان کا نور ہے جو منافق میں کم ہوتا ہے۔ بصارت کے اچکنے سے مراد یہ ہے کہ مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی سمجھ ختم ہو جائے اور گھر والوں اور معاشرے کے افراد کے ذہن سے ہی سوچنے لگ جائے۔

سوال 2: ﴿ **كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ** ﴾ ”جب کبھی (بجلی) ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو وہ اس میں چل پڑتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: جب کبھی وہ قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو سنتے ہیں تو ایمان والوں کے ساتھ مل کر عمل صالح کرتے ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال3: ﴿وَإِذَآ أَظۡلَمَ عَلَيۡهِمۡ قَامُواْ﴾ ''اور جب (بجلی) ان کے لیے اندھیرا کرتی ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں'' وضاحت کریں؟

جواب: منافق کے دل میں ایمان نہیں ہوتا۔ وہ اہل ایمان کے ایمان سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے جب وہ قرآن وحدیث میں سے کچھ سنتے ہیں انہیں تھوڑی سی روشنی ملتی ہے تو کچھ نیک اعمال کر لیتے ہیں اور جب وہ قرآن وحدیث کی مجالس میں نہیں جاتے اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو نہیں سنتے تو اندھیرا ہو جاتا ہے اور ان کے اعمال صالح بھی رک جاتے ہیں۔

سوال4: منافق پر روشنی ہونے اور اندھیرا چھا جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: منافق پر روشنی ہونے سے مراد ہے قرآن حکیم کی تعلیمات سنتے ہوئے، پڑھتے ہوئے دین کی کسی بات کا سمجھ آجانا اور اندھیرا چھا جانے سے مراد یہ ہے کہ اگر دین کا حکم دل کی مرضی کے خلاف ہے یا گھر والوں کی یا معاشرے کے افراد کی پسند کے مطابق نہیں اور انسان ان کی مخالفت یا اپنے نفس کی مخالفت برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس حکم کو سمجھنے کے باوجود نظر انداز کر دے، اس پر عمل پیرا ہونا اپنے لیے ضروری نہ سمجھے۔ یوں انسان کی سمجھ پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

سوال5: ﴿وَلَوۡ شَآءَ ٱللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمۡعِهِمۡ وَأَبۡصَٰرِهِمۡ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور ان کی سماعت اور ان کی بصارت کو لے جاتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نفع مند علم یعنی قرآن وحدیث سننے سے بہرے بننے والوں، حق دیکھنے سے اندھے بننے والوں، جنہوں نے اپنے ایمان کے راستے بند کر دیے ہیں کو تنبیہ کی ہے کہ وہ جب چاہے اپنی دی ہوئی صلاحیتوں کو واپس لے سکتا ہے۔ اس لئے اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جاؤ اور شر اور نفاق سے باز آجاؤ۔

سوال6: سماعت سلب کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: سماعت سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب کو سننا ہے اور سماعت سلب کرنے سے مراد ہے کتاب سننے سے روک دینا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے احکامات کو نظر انداز کرنے والے کو کتاب سننے سے بھی روک دیتا لیکن وہ سن کر عمل نہ کرنے والے کو سننے سے نہیں روکتا۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ کوئی جتنا کام کرنا چاہتا ہے اسے اتنا ہی کام کرنے کی توفیق دیتا ہے۔

سوال7: بصارت سلب کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: بصارت سے مراد نور ایمان ہے جو قرآن وحدیث کے علم اور اس پر عمل کے ساتھ بڑھتا ہے۔ انسان جب دین کو سمجھ کر اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو پھر بھی موقع دیتا ہے کہ وہ سنتا رہے، سمجھتا رہے۔ اس سے سننے اور سمجھنے کی صلاحیت کو بالکل ختم نہیں کرتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 8: اسلام پر عمل پیرا ہونے کے راستے میں کون سی رکاوٹیں سامنے آتی ہیں؟

جواب: اسلام پر عمل پیرا ہونے کے راستے میں یوں تو بہت سی رکاوٹیں سامنے آتی ہیں جیسے گھر والوں کی مخالفت، معاشرے کے افراد کی مخالفت لیکن سب سے بڑی رکاوٹیں خود انسان کے اپنے اندر سے سامنے آتی ہیں۔ مثال کے طور پر: ﴿1﴾ **خوف:** اس بات کا خوف کہ کہیں میں لوگوں کی نظروں سے گر نہ جاؤں۔ منافق کو یہ اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ پھر جب رسم و رواج سے اسلام کے احکامات ٹکراتے ہیں تو اہل خاندان اور معاشرے کے افراد میں عزت کم ہو جانے کا خوف رکاوٹ بنتا ہے۔ ﴿2﴾ **تعصب:** جب ایک انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کو، اس کے دین کو کسی انسان سے سنتا ہے تو وہ اس کو انسان کی بات سمجھ لیتا ہے۔ پھر اندر چھپا ہوا تکبر اور حسد زندہ ہو جاتا ہے اور انسان کان رکھتے ہوئے بہرہ، آنکھیں رکھتے ہوئے اندھا اور زبان رکھتے ہوئے گونگا بن جاتا ہے۔ یوں یہ تعصب اسلام پر عمل پیرا ہونے کے راستے کی رکاوٹ بن جاتا ہے۔

سوال 9: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا۔ اس کے ارادوں کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اس کے فیصلے نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کر گزرتا ہے، کوئی اس کو روکنے والا نہیں، کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں اور کوئی اس کی مخالفت کرنے والا نہیں۔

سوال 10: اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیر ہونے کا یقین کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے حس بصارت اور حس سماعت سلب کر لینے سے اپنی قدرت کا یقین دلایا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے دلوں پر اپنی قدرت اور اپنے اختیار کو واضح کیا ہے کہ اگر ان میں حق کو قبول کرنے کی طلب نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے حالات کے حوالے کر دیتا ہے اور وہ اپنے تردد میں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے کانوں اور آنکھوں کو بے کار کر دینے کی قوت سے اپنے قدیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

رکوع نمبر 3

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (21)﴾

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔'' (21)

سوال 1: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ﴾ ''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے یہ ایسا حکم ہے جس کے لیے اس نے بندوں کو تخلیق فرمایا۔ فرمایا: ﴿ وَمَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿2﴾ خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔ (الذاریات:56)
﴿رَبَّكُمْ﴾ ''تمہارا رب'' تمہارا خالق اور تمہارے امور کا مالک اور تمہارا حقیقی معبود ہے۔ (ایسر التفاسیر:23/1) ﴿3﴾ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ عبادت کی تعریف یوں کرتے ہیں: ''عبادت ان تمام کاموں کے لیے جامع اسم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے وہ اقوال ہوں یا ظاہری و باطنی اعمال ہوں۔'' (رسالۃ العبودیۃ:149/10) ﴿4﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن مجید میں ہر عبادت سے مراد توحید ہے۔ (الاساس:94/1) ﴿5﴾ توحید کو معرفت الٰہی کے بغیر نہیں اپنایا جا سکتا اور معرفت معبود کے حقوق کو قائم کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ (الاساس:95,94/1) عبادت یعنی اطاعت اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے لیے پیدا کیا اور ہماری زندگی کا مقصد عبادت ٹھہرایا تاکہ ہمارے دل اللہ تعالیٰ سے جڑ جائیں اور ہم قلب اور قالب کے اعتبار سے اپنے خالق کے بن کے رہیں۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ نے عبادت کو واجب قرار دیا ہے۔ جن اقوال و افعال کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ان کے ساتھ صرف اسی ایک کی عبادت کرنا واجب ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، دعا، نذر، خشیت، توکل اور دیگر ساری عبادات۔ (العثیمین، شرح عقیدہ واسطیہ:22) ﴿8﴾ ہر نبی نے اپنی دعوت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کیا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ (النحل:36)

سوال 2: ﴿رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''تمہارا رب جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ وہ تمہارا رب ہے۔ اس نے تمہیں بہت سی نعمتوں سے نواز کر تمہاری تربیت اور پرورش کی۔ وہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا، اس نے ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے، اس نے تمہیں ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کیں، اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا جہاں تم اپنا ٹھکانہ بناتے ہو، جہاں تم عمارات تعمیر کرکے، زراعت اور کاشت کاری کرکے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرکے مختلف فوائد حاصل کرتے ہو، اس کے علاوہ تم زمین کے بعض دیگر فوائد سے استفادہ کرتے ہو۔ اس نے تمہارے اس مسکن کے لئے آسمان کو چھت بنایا۔ اس نے تمہاری ضروریات اور حاجات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس چھت میں بھی بہت سی نفع بخش چیزیں مثلاً سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے۔ (تفسیر سعدی:88/1) ﴿2﴾ ﴿الَّذِيْ خَلَقَكُمْ﴾ ''جس نے تمہیں پیدا کیا'' یعنی جو تمہیں عدم سے وجود میں لے کر آیا۔ اس بات کا اعتراف تو مشرک بھی کرتے تھے، رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ اور یقیناً اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ (الزخرف:87) ﴿3﴾ ﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾ موسیٰ نے کہا: ''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی، پھر اسے راستہ دکھایا۔'' (طٰہٰ:50) ﴿4﴾ اقبال نے کہا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون　　کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحَاب
کون لایا کھینچ کر پچھّم سے بادِ سازگار　　خاک یہ کس کی ہے؟ کس کا ہے یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی خوئے انقلاب　　(بالِ جبریل)

﴿5﴾ ﴿وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے'' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ تم سے پہلے گزرے ہوئے تمہارے آباؤ اجداد اور ساری مخلوقات کا وہی رب ہے۔ ﴿6﴾ جیسے انسانوں کی تخلیق خالق کے وجود پر دلیل ہے اسی طرح دوسری مخلوقات بھی اس کے وجود پر دلیل ہیں۔ زمین کو بچھانا، آسمان کو چھت بنانا، پہاڑوں سے زمین کو ٹھہرانا، تاروں سے آسمان کو سجانا، پہاڑوں میں کشادہ گھاٹیاں بنانا، بنانے والے کے وجود پر دلیل ہیں۔ آسمان سے ضرورت کے مطابق پانی برسانا، طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں کا پیدا کرنا۔ اس لیے اس کی عبادت کرو۔

سوال 3: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ اس سے مراد ہے کہ تم دنیا میں غلط رویے سے بچ جاؤ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ۔ ﴿2﴾ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس سے مراد ہے تا کہ تم فرماں بردار بن جاؤ۔ (جامع البیان: 233/1) ﴿3﴾ جب تم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جاؤ گے کیونکہ عبادت ایسا سبب ہے جو اس کی ناراضگی کو دور کرتا ہے۔

﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (22)﴾

''وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس سے تمہارے رزق کے لئے کئی طرح کے پھل پیدا کیے، چنانچہ جب تم یہ جانتے ہو تو اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہ بناؤ۔'' (22)

سوال 1: ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا﴾ ''وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا'' زمین کیسا فرش ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ زمین ایسا فرش ہے جس پر چلا جاتا ہے۔ وہی بچھونا اور وہی جائے قرار ہے۔ (تفسیر جامع البیان: 234/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین میں وہ ساری قوتیں رکھیں جو انسان کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس نے زمین کو ہمارے لیے ہموار بنایا۔ اسی لیے زمین انسان کو لے کر ڈھلکتی نہیں اور انسان سکون کے ساتھ اس پر زندگی گزار سکتا ہے۔ ﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا﴾ دونوں باغ اپنا پورا پھل لائے اور اس میں کوئی کمی نہ کی اور ہم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کر دی تھی۔ (الکھف:33)

سوال 2: ﴿ وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ﴾ ''اور آسمان کو چھت بنایا'' آسمان کیسی چھت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ہر چیز جو ہمارے اوپر بلند ہے آسمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو بغیر ستونوں کے بنایا جس کے نیچے ساری کہکشائیں ہیں، سارے سیارے ہیں جو اپنے مدار میں تیر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتے۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے۔ (المومن:57) ﴿3﴾ ﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴾ کیا تم تخلیق میں زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا۔ (النازعات:27)

سوال 3: ﴿ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ ''اور آسمان سے پانی نازل کیا'' اللہ تعالیٰ نے اوپر سے پانی برسانے کے لیے کیسا انتظام کیا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سورج کی حرارت کی وجہ سے سمندروں کا پانی بھاپ بن کر اوپر جاتا ہے۔ وہ ٹھنڈا ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بادلوں کو ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اڑا کر لے جاتی ہیں اور پھر جس علاقے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے وہاں یہ پانی بارش کی صورت برسا دیا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت سے آگے آگے خوش خبری بنا کر بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب وہ بھاری بادل اٹھا لیتی ہیں، ہم اسے کسی مردہ زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر ہم اس سے پانی اتارتے ہیں پھر اس سے ہر قسم کے کچھ پھل نکالتے ہیں، اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ (الاعراف:57) ﴿3﴾ ﴿ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴾ اور وہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور ایسے ہی تم بھی نکالے جاؤ گے۔ (الروم:19)

سوال 4: ﴿ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ﴾ ''پھر اس سے تمہارے رزق کے لئے کئی طرح کے پھل پیدا کیے'' اللہ تعالیٰ نے انسان کو کیسے رزق بہم پہنچایا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر اگانے کی قوت رکھی، آسمان سے بارش برسائی اور اس کے ذریعے ہر طرح کی پیداوار نکال کر رزق بہم پہنچایا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ایسی قوتیں رکھیں جو انسان کے لیے مفید ہیں۔ انسان ان قوتوں سے فائدہ اٹھا کر رزق حاصل کرتا ہے، زندگی بسر کرنے کا سامان کرتا ہے اور لذت بھی حاصل کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ بلاشبہ آپ زمین کو بنجر دیکھتے ہیں پھر جب ہم اس پر پانی نازل کرتے ہیں تو وہ لہلہاتی اور پھولتی ہے، بے شک جس نے اس کو زندہ کیا، یقیناً وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، یقیناً وہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔ (فصلت:39)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 5: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ ”تو اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہ بناؤ“ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ عبادت کی مختلف اقسام میں سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے کیونکہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت شرک ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسروں کے آگے بھی ہاتھ پھیلائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ ہو تو اوروں کے لیے بھی سجدے کیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانیاں دی جائیں تو اوروں کے لیے بھی دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مال خرچ کیا جائے تو اوروں کے لیے بھی مالی قربانیاں پیش کی جائیں۔ ﴿2﴾ جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو ویسی محبت کسی اور سے نہ کرو۔ ﴿3﴾ جیسے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہو ویسا بھروسہ کسی اور پر نہ کرو۔ ﴿4﴾ جیسے اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہو ویسا خوف کسی اور سے نہ کھاؤ۔ ﴿5﴾ جیسے اللہ تعالیٰ سے امید باندھتے ہو ویسی امید کسی اور سے نہ باندھو۔ ﴿6﴾ جیسے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہو اسی طرح کسی اور کو راضی کرنے کی فکر نہ کرو۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ کے ماسوا سب کچھ ہماری طرح مخلوق ہے جیسے ہمیں رزق دیا جاتا ہے انہیں بھی دیا جاتا ہے، جیسے ہمارے لیے زندگی کی تدبیر کی جاتی ہے ان کے لیے بھی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی بھی زمین و آسمان کے ایک ذرے کا بھی مالک نہیں۔ نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ ﴿8﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ (بخاری:6001) ﴿9﴾ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، خواہ تجھے مار ڈالا جائے یا جلا دیا جائے۔ (مسند احمد:22425)

سوال 6: ﴿وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ”جب تم یہ جانتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارا خالق ہے۔ ﴿2﴾ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ﴿3﴾ تم سمجھتے ہو تو اپنے علم سے سمجھنے میں مدد لو۔ (تفسیر ماوردی:84/1) ﴿4﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ اور یقیناً اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے، پھر وہ کہاں سے بہکائے جاتے ہیں؟ (الزخرف:87) ﴿5﴾ ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ آپ کہہ دیں کہ کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو جلد ہی وہ کہیں گے ”اللہ تعالیٰ“ کہو: ”تو کیا تم ڈرتے نہیں؟“ (یونس:31) ﴿6﴾ جب تم جانتے ہو کہ وہ خالق ہے، رازق ہے پھر کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿صٰدِقِيْنَ (23)﴾

''اور اگر تم اس بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلالاؤ اگر تم سچے ہو۔'' (23)

سوال 1: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا﴾ ''اور اگر تم اس بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اگر تمہیں قرآن کی صداقت کے بارے میں شک ہے جو کہ اپنے بیان میں، اپنے نظم میں اور اپنی تشریح میں معجزہ ہے۔ جس کو ہم نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر: 35/1) ﴿2﴾ ﴿عَلٰى عَبْدِنَا﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ عبدیت نبی ﷺ کی صفت ہے جس مقام بلند تک کوئی اور نہیں پہنچ سکا۔ معراج کے موقع پر بھی آپ ﷺ کی عبدیت کو بیان فرمایا: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا﴾ پاک ہے وہ (اللہ تعالیٰ) جو اپنے بندے کو ایک رات لے گیا۔ (بنی اسرائیل: 1) نزول قرآن کے وقت بھی آپ ﷺ کی عبدیت کو بیان فرمایا: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ بہت برکت والا ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا تا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔ (الفرقان: 1)

سوال 2: ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ ''تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ رب العزت نے محمد ﷺ سے دشمنی رکھنے والوں اور قرآن مجید کو جھٹلانے والوں سے کہا ہے کہ اگر تمہیں اس وحی کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے کہ وہ حق ہے یا نہیں تو دیکھو وہ تمہارے درمیان پیدا ہوا، لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اور اس نے تمہارے سامنے کتاب پیش کر کے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور آپ یہ کہتے ہو کہ اس نے خود گھڑا ہے، اسے کسی نے لکھوایا ہے، اس نے کسی سے مدد لی ہے۔ اگر یہی معاملہ ہے تو ایسا کرو اس جیسی ایک سورت بنالاؤ۔ ﴿مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ مثل سے مراد مثل فی البلاغت ہے۔ (تفسیر کبیر، کشاف، ثنائی)

سوال 3: ﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلالاؤ اگر تم سچے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی اپنے شاعروں، خطیبوں، مددگاروں اور حامیوں سے مدد لے سکتے ہو۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ یا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود یہ (قرآن) گھڑ رکھا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سورتیں لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جسے بھی تم بلا سکتے ہو بلا لاؤ اگر واقعی تم سچے ہو؟ چنانچہ اگر وہ آپ کی بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا ہے۔ اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر کیا تم فرماں بردار ہو؟ (ہود:13,14)﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ یا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیں تو اس جیسی ایک سورت تم لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم استطاعت رکھتے ہو ان کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (یونس:38)﴿2﴾ تین آیتوں کی ایک سورت رواج کے مطابق کعبۃ اللہ کے دروازے پر آویزاں کر دی گئی۔ ایک بڑے شاعر نے اس کے نیچے صرف یہ لکھا کہ ''یقیناً یہ انسان کا کلام نہیں۔'' (تعارف الفرقان:57/1)﴿3﴾ اگر تم ایک سورت بنا کر لے آئے تو اس قرآن کو جھوٹ اور بہتان کہنے میں حق بجانب ہو اور اگر ایسی سورت نہ پیش کر سکے، عاجز آ گئے تو تمہاری بے بسی قرآن حکیم کے اللہ تعالیٰ کی وحی ہونے اور محمد ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کی واضح دلیل ہوگی۔ پھر تم پر لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرو اور اللہ تعالیٰ کی آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس لیے جب تمہارے علم میں آ گیا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو ایمان لے آؤ۔﴿4﴾ رب العزت نے ایک مقام پر فرمایا: ﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾ آپ کہہ دیں یقیناً اگر تمام انسان اور تمام جن اس پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسی کوئی چیز لے آئیں تو وہ اس جیسی نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔ (بنی اسرائیل:88)﴿5﴾ اس آیت میں دلیل ہے کہ شک میں مبتلا شخص کے لیے ہدایت کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر اس کی طلب سچی ہوگی تو حق معلوم ہونے کے بعد وہ اس کی پیروی کرنے تک پہنچ جائے گا۔﴿6﴾ جس کی طلب سچی نہیں ہوگی وہ حق قبول کرنے کی توفیق سے محروم رہ جائے گا۔

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ښ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (24)﴾

''پھر اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''(24)

سوال1: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ﴾ ''پھر اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہ کر سکو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: قتادہ نے کہا کہ اگر تم اس کی قدرت اور طاقت نہیں رکھتے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تو تمہارے لیے حق واضح ہو گیا۔ (جامع البیان:243/1)

سوال2: ﴿ فَاتَّقُوا النَّارَ ﴾ ''تو اس آگ سے ڈرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی اگر تم قرآن حکیم کے مقابلے کا کلام نہیں بنا سکتے اور تم ہرگز اس کی استطاعت نہیں رکھتے کیونکہ یہ کلام حکیم وخبیر ہے تو اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر ایمان لاکر اپنی جانوں پر رحم کرو تا کہ تمہیں وہ اس آگ سے نجات دے جو شعلے مارنے والی ہے۔اس کے عذاب سے اتباع رسول ﷺ کے ماسوا ہرگز کوئی چیز بچانے والی نہیں۔(تفسیر المیسر :11/1)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے یہ چیلنج کرنے کے بعد کہ تم اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے، انسانوں کو آگ سے کیوں ڈرایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس شک سے نکالنے کے لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ انسان کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے، انسان کو آگ سے ڈرایا ہے، آخری چارۂ کار کے طور پر تا کہ انسان باز آجائے۔

سوال 4: ﴿ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾ ''جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق گندھک کے پتھر ہیں اور دوسروں کے نزدیک وہ بت دوزخ کا ایندھن ہوں گے جن کو لوگ دنیا میں پوجتے رہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ﴾ بلاشبہ تم اور وہ جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا تم عبادت کیا کرتے تھے سب جہنم کا ایندھن ہیں۔(الانبیاء:98)

سوال 5: ﴿ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: آگ ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرنے والوں اور اس کے رسول اور اس کی شریعت کو جھٹلانے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔(ایسر التفاسیر:24/1)

سوال 6: کیا آج بھی جہنم تیار ہے؟

جواب: جہنم کے وجود پر بہت سے دلائل ہیں۔﴿1﴾ اس آیت کی رو سے جہنم آج بھی موجود ہے۔﴿2﴾ نماز کسوف والی حدیث میں ہے مجھے جنت اور جہنم دکھائی گئیں۔﴿3﴾ ایک طویل حدیث میں ہے کہ جنت اور جہنم میں جھگڑا ہوا جو اس پر دلیل ہے کہ وہ موجود ہیں۔﴿4﴾ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم نے ایک زوردار دھماکہ سنا۔آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پتھر کی آواز ہے یہ اب سے ستر سال پہلے جہنم کے بالائی کنارے سے پھینکا گیا تھا اور اب جہنم کی تہ میں گرا ہے جس کی یہ آواز ہے۔(مسلم)

﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (25) ﴾

''اور ان لوگوں کو خوش خبری دے دو جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ یقیناً ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں جب کبھی ان میں سے کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے:''یہ وہی پھل ہیں جو اس سے پہلے بھی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہمیں دیئے گئے تھے'' اورانہیں ایک دوسرے سے ملتا جلتا دیا جائے گا اوران کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''(25)

سوال1:﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''اوران لوگوں کوخوش خبری دے دو جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے کہ یقیناً ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے طریقہ کار کے مطابق جب کافروں کی جزا کا ذکر کیا تو اہل ایمان کی جزا بھی بتادی تا کہ مومن اس کے عذاب کا خوف بھی رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی رغبت بھی رکھیں۔﴿2﴾﴿ وَبَشِّرِ ﴾: اے رسول آپ خوش خبری دے دیں۔﴿3﴾﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ جن لوگوں نے دل سے ایمان قبول کیا اور اس کی تصدیق کی۔﴿4﴾﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور جنہوں نے نیک اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کو صالحت قرار دیا ہے کیونکہ ان کے ذریعے دنیا اور آخرت کی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے۔اسی کے ذریعے فساد دور ہوتا ہے۔﴿6﴾ جنت تک ایمان پہنچانے والا ہے اور اعمال صالحہ درجات کا مستحق بناتے ہیں۔﴿7﴾ عمل صالح کے بغیر ایمان اور ایمان کے بغیر عمل صالح کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔عمل صالح وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جائے۔کوئی عمل جو سنت کے خلاف ہو عمل صالح نہیں ہوسکتا۔ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کسی اور نیت سے کیا گیا ہو وہ بھی عمل صالح نہیں ہوسکتا۔﴿8﴾﴿ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''کہ یقیناً ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں'' جنت میں دودھ، صاف پانی، شہد اور عمدہ شراب کی نہریں بہتی ہوں گی۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ﴾ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ تبدیل نہیں ہوا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہیں اور خوب صاف کیے ہوئے شہد کی نہریں ہیں۔(محمد:15)

سوال2:﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ﴾ ''جب کبھی ان میں سے کوئی پھل انہیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: ''یہ وہی پھل ہیں جو اس سے پہلے بھی ہمیں دیئے گئے تھے اور انہیں ایک دوسرے سے ملتا جلتا دیا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اہل جنت کو جب بھی پھل کھلائے جائیں گے تو وہ پہچان جائیں گے کیونکہ وہ یاد کریں گے کہ ایسے ہی پھل دنیا میں بھی ہمیں دیئے گئے۔جنت کے پھلوں کی مشابہت نام یا رنگ میں ہوگی، ذائقے میں مختلف ہوں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: جنت میں کس چیز کا رزق دیا جائے گا؟

جواب: یوں تو اہل جنت جو چاہیں گے انہیں ملے گا لیکن یہاں خاص طور پر پھلوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال 4: ﴿ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ﴾ ''اوران کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فلاں عیب سے پاک ہوں گی کیونکہ یہ تطہیر طہارت کی تمام اقسام پر مشتمل ہوگی۔ ﴿2﴾ ان کے اخلاق پاک ہوں گے، ان کی تخلیق پاکیزگی پر مبنی ہوگی، ان کی زبان پاک ہوگی اور ان کی نظر پاک ہوگی۔ ﴿3﴾ ان کے اخلاق کی پاکیزگی یہ ہے کہ وہ دلکش ہوں گی اور اپنے اخلاق حسنہ، حسن اطاعت اور قولی وفعلی آداب کے ساتھ اپنے شوہروں سے محبت کریں گی۔ ﴿4﴾ وہ حیض ونفاس، بول وبراز، تھوک، بلغم اور بدبو سے پاک ہوں گی۔ ﴿5﴾ وہ اپنی جسمانی تخلیق میں بھی پاک ہوں گی، وہ کامل حسن وجمال سے بہرہ ور ہوں گی۔ ﴿6﴾ ان کے اندر کسی قسم کا عیب اور کسی قسم کی جسمانی بدصورتی نہ ہوگی۔ ﴿7﴾ وہ نیک سیرت اور خوب صورت ہوں گی۔ وہ نیچی نگاہوں والی ہوں گی اور ان کی نگاہیں اپنے شوہروں سے آگے نہ بڑھیں گی۔ ان کی زبانیں ہر گندی بات سے محفوظ اور پاک ہوں گی۔ (تفسیر سعدی:93/1)

سوال 5: ﴿ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ ''اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد ہے کہ جو لوگ جنت میں بسائے جائیں گے ان سے جنت کبھی واپس نہیں لی جائے گی۔ ﴿2﴾ وہاں وہ ہمیشہ کی زندگی گزاریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا: اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے۔ جو فریق جس حالت میں ہے اسی حالت میں رہے گا۔'' (صحیح مسلم 7184، صحیح بخاری:6545) ﴿ رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ ﴾ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دے۔ (التحریم:11) یا ارحم الراحمین ہم سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائیے اور ہم سے راضی ہو جائیے۔ آمین

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (26) ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی اوپر کسی چیز کی مثال بیان کرے، پس جو لوگ ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یقیناً وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ کیا ہے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔'' (26)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سوال1:﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی اوپر کسی چیز کی مثال بیان کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے منافق کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں انہیں سن کر منافق بولے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں بیان فرمائے۔اس پر یا جب حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں مکھی اور مکڑی کا بیان فرمایا تو مشرک کہنے لگے یہ مکھی اور مکڑی کیوں بیان کی جاتی ہے۔بھلا قرآن میں ان حقیر چیزوں کے لانے کی کیا ضرورت ہے۔اس پر یہ آیت اتری: فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔(مختصر ابن کثیر:25/1)﴿2﴾ مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو دنیا میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملتا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بات کی وضاحت کے لئے مثالیں دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔﴿3﴾ مثال حکمت اور وضاحت پر مبنی ہوتی ہے۔وہ وضاحت کسی بھی حوالے سے ہوسکتی ہے۔﴿4﴾ چھوٹی مثالیں دینے میں کوئی حیا کی بات نہیں۔﴿5﴾ یہ اعتراض کا مقام نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیم اور اس کی سکھائی ہوئی حکمت ہے جس کو شکر کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

سوال2:﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''پس جو لوگ ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یقیناً وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے'' ایمان والے کیسے جان لیتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے؟

جواب:﴿1﴾ ایمان والے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کے مطابق یہ جان لیتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔وہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور غور کرتے ہیں اگر نہیں سمجھ آجائے تو ان کے علم اور ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔﴿2﴾ ایمان والوں کو یقین ہوتا ہے کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴾ اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے ہی بیان کرتے ہیں اور انہیں علم رکھنے والوں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا۔(العنکبوت:43)﴿3﴾ ایمان والے اگر نہ بھی سمجھ پائیں تب بھی انہیں یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بات کو بے فائدہ بیان نہیں کیا۔یقیناً اس میں کوئی حکمت ہے یا ان کے لیے کوئی خیر اور بھلائی ہے، جو پوشیدہ ہے۔اس طرح اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

سوال3:﴿ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ﴾ ''لیکن جن لوگوں نے کفر کیا تو وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ کیا ہے؟'' کفر کرنے والے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مثالوں کے بارے میں شک میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ کفر کرنے والے حیرت سے انکار کرکے اپنے دل کے دروازے بند کرلیتے ہیں۔پھر حق کے بارے میں ان کے دلوں میں گھٹن پیدا ہوتی ہے۔اسی وجہ سے وہ شک میں مبتلا ہوتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں۔﴿2﴾ کفر کرنے والے حیات بخش کلام سے اپنی زندگی بدلنا نہیں چاہتے۔اس لئے انہیں کلام کے مطالبات پر یقین نہیں آتا اور وہ شک کی کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں۔اسی شک میں وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعتراض کرتے ہیں اور اپنے کفر میں اضافہ کر لیتے ہیں۔

سوال 4: ﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ﴾ ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے'' سچی بات ایک ہی ہوتی ہے، کچھ لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور کچھ ہدایت قبول کر لیتے ہیں، ایسا کس وجہ سے ہوتا ہے؟

جواب: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے'' نزول قرآن کے دور میں یہ مومنوں اور کافروں کا حال تھا۔ ﴿1﴾ ﴿ يُضِلُّ بِهٖ ﴾ اس کلام سے، اس دعوت سے وہ گمراہ کر دیتا ہے۔۔رب العزت نے ایک اور جگہ اس کو واضح فرمایا: ﴿ وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو گندگی میں اور گندگی کے ساتھ زیادہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔(التوبہ:124,125) قرآنی آیات کچھ لوگوں کے لیے آزمائش بن جاتی ہیں اور ان کی گمراہی میں اضافہ کرتی ہیں اور کچھ لوگوں کے لیے انعام بن جاتی ہیں، ان کے لیے ہدایت کا سبب بن جاتی ہیں۔ ہر طرح کے نقص سے پاک ہے وہ جو جس کے لیے چاہتا ہے ہدایت کا فیصلہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے گمراہی کا فیصلہ کرتا ہے۔ ﴿2﴾ کچھ لوگ جو سچی بات کی تلاش اور جستجو میں ہوتے ہیں انہیں جب ''سچ'' مل جاتا ہے، جب وہ حقیقت کو پا لیتے ہیں تو ان کا دل جھک جاتا ہے، سچ کو قبول کر لیتا ہے اور یوں وہ ہدایت پا جاتے ہیں۔ کچھ لوگ جو سچائی کی تلاش میں نہیں ہوتے، ان کی نظریں الفاظ میں اور کان اس آواز میں اٹک جاتے ہیں اور وہ کلام سے الٹے نتائج نکالتے ہیں، باتوں کے غلط معانی لیتے ہیں اور یوں حقیقت سے بہت دور چلے جاتے ہیں۔ یوں وہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔اس طرح سچی بات کے ساتھ ان دو رویوں کے دو مختلف طرح کے نتائج سامنے آتے ہیں۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کی مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اور کافروں کے کفر میں اضافہ کیسے ہوتا ہے؟

جواب: سورہ النساء کی آیت نمبر 115 میں ہے: ﴿ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ﴾ تو ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرے گا۔ ان مثالوں سے کثیر کافروں کے کفر میں اور کثیر مومنوں کی ہدایت میں ان کی تصدیق کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے۔اس طرح کافروں کی گمراہی اور مومنوں کی ہدایت میں اضافہ ہوتا ہے۔(صفوۃ التفاسیر:38/1)

سوال 6: حق کی دعوت کو قبول کرنے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ کون سی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دلیل اور نصیحت کو تعصب کی وجہ سے قبول نہ کرنا۔ ﴿2﴾ حق کے معاملے میں غیر سنجیدگی اختیار کرنا۔

سوال 7: ﴿ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''اور وہ اس کے ساتھ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کسے گمراہ کرتا ہے،اس کی وضاحت ہے کہ وہ صرف ان ہی کو گمراہ کرتا ہے جو اس کی اطاعت کے دائرے سے نکل جاتے ہیں اور ان کے اندر ہدایت یعنی نفع مند علم اور عمل صالح کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی۔﴿2﴾ فاسق اللہ تعالیٰ کے حکم، ایمان اور عمل صالح سے نکل جاتے ہیں۔فسق اطاعت سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:21/1)﴿3﴾ رب العزت کا فرمان ہے:﴿ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ یقیناً منافق ہی نافرمان ہیں۔(التوبہ:67)

﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (27) ﴾

”وہ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اسے کاٹ دیتے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں،یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔“(27)

سوال1:﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ﴾”وہ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ عَهْدَ اللّٰهِ ﴾ عہد سے مراد (i) اللہ تعالیٰ کی وصیت ہے جو اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے تمام انسانوں کو کی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات بجالائیں اور اس کے روکے سے رک جائیں۔(ii) اس سے مراد اہل کتاب سے لیا گیا عہد ہے جو نبی ﷺ کے بارے میں تھا کہ وہ آئیں تو ان کی نبوت پر ایمان لائیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔(iii) اس سے مراد عہد الست بھی ہوسکتا ہے جو آدم علیہ السلام کی صلب سے نکالنے کے بعد ان کی اولاد سے لیا گیا۔﴿2﴾ نقض عہد سے مراد ہے:اس عہد کی پرواہ نہ کرنا اور عہد کو توڑ ڈالنا۔﴿3﴾ ان اہل فسق کی صفت یہ ہوتی ہے کہ یہ اپنے رب سے اور دوسرے انسانوں سے کئے گئے عہد و مواثیق کی پرواہ نہیں کرتے۔اللہ تعالیٰ کے اوامر کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور نواہی کا ارتکاب کرتے ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:29/1)﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے عہد کو پورا کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔کافر عہد کی پرواہ نہیں کرتے۔ان کو توڑ ڈالتے ہیں،وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کرتے ہیں،اس کے نواہی کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ ان معاہدوں کا بھی پاس نہیں کرتے جو ان کے درمیان آپس میں ہوتے ہیں۔﴿5﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهُ اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت کی پاسداری نہیں کرتا اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا۔(مسند احمد)

سوال2:﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ﴾”اور وہ اسے کاٹ دیتے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اسے ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس رشتے کو جوڑنے کا حکم دیا ہے جو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے(اس کی صورت یہ ہے کہ)ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کی عبادت کریں۔﴿2﴾ہمارے اور اس کے رسول کے درمیان جو تعلق ہے اسے قائم کریں یعنی ان پر ایمان لائیں،ان سے محبت رکھیں،ان کی مدد کریں اور ان کے تمام حقوق ادا کریں۔﴿3﴾وہ تعلق جو ہمارے اور ہمارے والدین،عزیز و اقارب اور دوست احباب اور تمام مخلوق کے درمیان ہے،ان سب کے حقوق کی ادائیگی بھی اس تعلق کے جوڑنے میں شامل ہے جس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔﴿4﴾اہل ایمان ان تمام رشتوں اور تعلقات کو جوڑے رکھتے ہیں جن کو جوڑنے کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا اور ان حقوق کو بہترین طریقے سے ادا کرتے ہیں۔سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''رشتہ داری عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے اور کہتی ہے کہ جس نے مجھے جوڑا اللہ تعالیٰ اسے جوڑے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ تعالیٰ اس سے دور ہوگا۔'' (مسلم:6519)﴿5﴾اہل فسق ان رشتوں کو توڑتے ہیں اور اپنی پیٹھ پیچھے پھینک کر ان کے تقدس کا پاس نہیں کرتے،اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں،قطع رحمی سے کام لیتے ہیں اور گناہوں کے کام کرتے ہیں۔اور یہی زمین میں فساد کرنا ہے۔(تفسیر سعدی:96/1)سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''رشتہ داری توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''(مسلم:6521)

سوال3:﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾''یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یہی لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔﴿2﴾ان کے نصیب میں کوئی نفع نہیں کیونکہ ایمان نیک اعمال کی قبولیت کے لیے شرط ہے۔کفر کا کوئی وزن نہیں۔یہ خسارہ کفر کا خسارہ ہے۔﴿3﴾رب العزت نے فرمایا:﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ﴾اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ اس کو کاٹ ڈالتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انہیں ملایا جائے اور زمین میں فساد کرتے ہیں،یہی لوگ ہیں ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے گھر کی خرابی ہے۔(الرعد:25)

﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (28) ﴾

''تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو،حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندگی عطا کی پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''(28)

سوال1:﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾''تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو،حالانکہ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں زندگی عطا کی پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾تم کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کر سکتے ہو،تم مردہ تھے وہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴾ کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی وقت ایسا بھی آیا ہے جب وہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا؟(الدھر:1)
﴿2﴾اس نے دنیا کی زندگی میں ہر طرح کا رزق عطا کیا پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر قیامت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، پھر اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔﴿3﴾جب اللہ تعالیٰ خالق ہے، مالک ہے،تمہاری زندگی پر تصرف کا اختیار رکھتا ہے،موت اسی کے حکم سے آتی ہے،اس کے فیصلے تم پر نافذ ہوتے ہیں، جب اسی کی تدبیر کے تحت تم زندگی بسر کرتے ہو،دنیا میں اس کے دینی احکامات اور آخرت میں اس کے احکامات جزائی کے تحت آتے ہو پھر بھی اس کا انکار کرو گے؟ کیا یہ حماقت نہیں؟ کیا مخلوق کے لیے خالق پر ایمان لانا،اس کا خوف رکھنا،اس سے امید رکھنا،اس کا شکر ادا کرنا لازم نہیں؟

سوال 2:اس آیت میں کفر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:اس آیت میں کفر سے مراد اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا ہے۔

سوال 3:اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی عبادت کا انکار نہیں کیا جا سکتا،اس کے دلائل دیں؟

جواب:﴿1﴾ہم کچھ نہیں تھے اس نے پیدا کیا۔﴿2﴾ہم اب ہیں اور وہ کل ہمیں موت دے دے گا۔﴿3﴾ہماری موت کے بعد وہ ہمیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا۔﴿4﴾موت کے بعد اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (29) ﴾

"وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی، پس اس نے ان کو درست کر کے سات آسمان بنا دیے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"(29)

سوال 1:﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾"وہی ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس رب کریم ورحیم کا رحم وکرم ہے جس نے پیدا کیا۔اس نے رحم کرتے ہوئے زمین کی ساری موجودات کو پیدا کیا جس میں ہمارا نفع ہے۔﴿ وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ﴾اور اس میں اس کی غذائیں اندازے سے رکھ دیں چار دنوں میں۔(فصلت:10)
﴿2﴾اس آیت میں دلیل ہے کہ تمام اشیاء کی اصل اباحت اور طہارت ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو ہمارے فائدے کے لیے تخلیق فرمایا ہے۔یہ اس رحیم وکریم کا رحم وکرم اور اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں خبیث چیزوں سے منع کیا تاکہ ہم پاک رہیں۔

سوال 2:اللہ تعالیٰ کے انسان پر کیا احسانات ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے زمین کی ساری چیزیں ہمارے لیے پیدا کیں۔﴿2﴾اسی نے ہمیں پیدا کیا۔﴿3﴾وہی رزق دینے والا ہے۔﴿4﴾اس نے ہمیں نک سک سے درست وجود دیا۔﴿5﴾اس نے ہمیں بولنا سکھایا۔﴿6﴾اس نے ہمیں عقل اور شعور عطا کیا۔﴿7﴾اس نے کائنات کو ہمارے لیے مسخر کیا۔﴿8﴾اس نے ہمیں انسان بنایا۔﴿9﴾اس نے ہمیں شعور کی نعمت عطا کی۔

سوال 3:﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ﴾''پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا آسمان کی طرف چڑھنا ہے۔(بخاری)اللہ تعالیٰ کا آسمانوں کے اوپر عرش پر چڑھنا اور خاص مواقع پر آسمان دنیا پر اترنا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے جس پر اسی طرح ایمان رکھنا ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کیا یا رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کی۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے سے مراد اس کا عرش پر بلند ہونا ہے۔

سوال 4:عرش سے کیا مراد ہے؟

جواب:عرش سے مراد مخلوقات کا احاطہ کرنے والی چھت ہے۔ہم عرش کے مادہ کے بارے کچھ نہیں جانتے۔نبی ﷺ سے کوئی ایسی صحیح حدیث مروی نہیں ہےجس سے ہمیں اس کے بارے میں وضاحت مل سکے۔عرش اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سب سے بڑا ہے۔

سوال 5:﴿فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾''پس اس نے ان کو درست کر کے سات آسمان بنا دیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یعنی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو پیدا کیا پھر انہیں مضبوط اور مستحکم کیا۔﴿2﴾آسمان کا ایک مادی وجود ہے اور وہ حقیقت ہے۔محض بلندی کو آسمان نہیں کہا۔﴿3﴾آسمانوں کی تعداد سات ہے۔﴿4﴾حدیث کے مطابق دو آسمانوں کے درمیان 500 سال کی مسافت ہے۔

سوال 6:﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾''اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا کلی اور جزوی علم رکھتا ہے۔﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا﴾وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔(الحدید:4)﴿2﴾﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ﴾اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ بھی تم چھپاتے ہو اور جو بھی تم ظاہر کرتے ہو۔(النحل:19)﴿3﴾﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾اگرچہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے۔(طٰہٰ:7)﴿4﴾﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟اور وہ نہایت باریک بیں،خوب باخبر ہے۔(الملک:14)﴿5﴾ساری مخلوقات کو پیدا کرنا اس کے علم،حکمت اور اس کی قدرت کی دلیل ہے۔

سوال 7:اللہ تعالیٰ نے اپنے العلیم ہونے کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کردہ چیزوں سے اپنے علیم ہونے کا شعور دیا ہے کہ جس نے سب کو پیدا کیا وہ ان سب کے بارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں علم بھی رکھتا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے ﴿اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ﴾ سے اپنے علیم ہونے کا شعور دیا کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے ہر چیز پر حاوی ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کی پیدائش سے اپنے علیم ہونے کا شعور دیا ہے کہ اس نے اپنے علم کی بنیاد پر آسمانوں کو ٹھیک ٹھیک بنایا۔

رکوع نمبر 4

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ(30)﴾

''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا'' یقیناً میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں''انہوں نے کہا:'' کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ آپ کا ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرتے ہیں اور آپ کے لیے پاکیزگی بیان کرتے ہیں''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔''(30)

سوال1:﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا یقیناً میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس آیت میں سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کی ابتدا اوران کی فضیلت کا ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق کا ارادہ کیا تو اس نے فرشتوں کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ وہ آدم علیہ السلام کو زمین کے اندر خلیفہ بنائے گا۔(تفسیر سعدی:99/1)﴿2﴾ملائکہ نورانی جسم رکھتے ہیں،نہ کھاتے ہیں،نہ پیتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ کرتے ہیں جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے۔(تفسیر منیر:135/1)﴿3﴾﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ ضحاک نے کہا: قرآن میں جعل سے مراد خلق ہے۔(الدر المنثور:93/1)﴿4﴾سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام زمین سے جمع کی گئی مٹھی بھر خاک سے پیدا فرمایا۔آدم علیہ السلام کی اولاد بھی (طرح طرح کی) مٹی کے مطابق پیدا ہوئی۔ان میں سفید فام بھی ہیں،سرخ بھی،سیاہ فام بھی اوران کے درمیانی رنگوں کے بھی۔(اسی طرح) نیک اور بد،نرم خو،سخت طبیعت اور درمیانی طبیعت والے۔''(مسند احمد:406/4)﴿5﴾خلیفہ سے مراد دوسرے کا جانشین اور یہاں اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں۔(ایسر التفاسیر:27/1)﴿6﴾رب العزت نے فرمایا:﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا اور تم میں بعض کو بعض پر درجات میں رتبہ دیا تا کہ وہ ان چیزوں میں تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں۔بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ یقیناً بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے۔(الانعام:165)﴿7﴾﴿فَخَلَفَ مِنْۢ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ پھر ان کے بعد ایسے جانشین ان کی جگہ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفس کے پیچھے لگ گئے، تو جلد ہی وہ گمراہی کو ملیں گے۔(مریم:59)﴿8﴾ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے جانشین ہوتے چلے جائیں گے۔(مختصر ابن کثیر:28/1)

سوال2:﴿قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾''انہوں نے کہا: کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلف سے اس قصہ کی جو روایات آئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے دو ہزار برس پہلے زمین پر جنات رہتے تھے۔انہوں نے زمین پر طرح طرح کے فساد کیے۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ایک گروہ کو جنات کی تنبیہ اور سرکوبی کے لیے بھیجا۔ان فرشتوں نے جنات کو مار کر دریا کے ٹاپوؤں اور جزیرں میں نکال دیا۔اب بنی آدم کی پیدائش کا حال سن کر فرشتوں نے اسی قیاس پر یہ بات کہی تھی کہ جنات کی طرح بنی آدم بھی زمین پر فساد پھیلا دیں گے۔(تفسیر ابن کثیر:70/1)﴿2﴾ فرشتوں کا یہ قیاس جنوں کے اعمال کی وجہ سے تھا۔(تیسیر القرآن:17)﴿3﴾﴿مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا﴾ یعنی جو گناہوں کا ارتکاب کر کے زمین میں فساد پھیلائے گا۔﴿4﴾﴿وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ یعنی قتل و غارت گری کر کے زمین میں فساد پھیلائے گا۔

سوال3: فساد فی الارض سے کیا مراد ہے؟

جواب: فساد فی الارض سے مراد فکری فساد ہے یعنی شرک اور کفر فساد ہے۔اسی کی وجہ سے باقی سارے فسادات جنم لیتے ہیں۔

سوال4: زمین کی اصلاح کیا ہے؟

جواب: زمین کی اصلاح یہ ہے کہ سب انسان ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

سوال5:﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾''اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ آپ کا ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرتے ہیں اور آپ کے لیے پاکیزگی بیان کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ آپ کا ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرتے ہیں'' ہم ایسی تنزیہہ کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو تیری حمد اور جلال کے لائق ہے۔(تفسیر سعدی:100/1)﴿وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾''اور آپ کے لیے پاکیزگی بیان کرتے ہیں'' ہم اپنے آپ کو تیرے لیے پاک کرتے ہیں، یعنی ہم تیری محبت، تیری خشیت اور تیری تعظیم کے ذریعے سے پاک کرتے ہیں۔

سوال6: فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کیسے بیان کر رہے ہیں؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی طرف سے دیئے گئے احکامات کی بجا آوری میں تیزی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے گردش کررہے ہیں، مسلسل اطاعت کررہے ہیں۔

سوال 7: ﴿قَالَ إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء، صلحاء اور زہاد بھی ہوں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو بھی علم غیب نہیں ہے۔ (تیسیر القرآن:17) ﴿2﴾ یعنی میں اس کی تخلیق اور اس کی ذریت کی تخلیق کی حکمت کو جانتا ہوں، اس کی نسل میں انبیاء اور فضلاء بھی ہوں گے جو زمین کی اصلاح کریں گے، فساد نہیں کریں گے۔ (واضح المیسر :18) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا ﴿إِنِّيٓ أَعْلَمُ﴾ یعنی میں جانتا ہوں کہ یہ خلیفہ کون ہے۔ ﴿مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ جو تم نہیں جانتے کیونکہ تمہارا کلام تو ظن اور گمان کی بنیاد پر مبنی ہے جب کہ میں ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ اس خلیفہ کی تخلیق سے جو خیر اور بھلائی حاصل ہوگی وہ اس شر سے کئی گنا زیادہ ہے جو اس کی تخلیق میں مضمر ہے اور اس میں یہ بات بھی نہ ہوتی تب بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ کہ وہ انسانوں میں سے انبیاء، صدیقین، شھداء اور صالحین کو چنے، اس کی نشانیاں مخلوق پر واضح ہوں اور اس سے عبودیت کی وہ کیفیتیں حاصل ہوں جو اس خلیفہ کی تخلیق کے بغیر حاصل نہ ہوسکتی تھیں، جیسے جہاد وغیرہ اور امتحان اور آزمائش کے ذریعے سے خیر و شر کی وہ قوتیں ظاہر ہوں جو مکلفین کی فطرت میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں، دوستوں، اس کے خلاف جنگ لڑنے والوں اور حزب اللہ کے مابین امتیاز ہو اور ابلیس کا وہ شر ظاہر ہو جو اس کی فطرت میں پوشیدہ ہے اور جس سے وہ متصف ہے تو آدم علیہ السلام کی تخلیق میں یہ حکمتیں ہی اتنی عظیم ہیں کہ ان میں سے چند ایک بھی اس کی تخلیق کے لیے کافی ہیں۔ (تفسیر سعدی:100/1)

سوال 8: اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسان اختیار پا کر بگڑ سکتا ہے، اس کے باوجود انسان کو اختیار دیا گیا۔ اس میں کیا حکمت تھی؟

جواب: اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر اختیار پا کر بہت سے لوگ بگڑیں گے تو ایک معقول تعداد ان لوگوں کی بھی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے مقام کو پہچانیں گے اور بغیر دباؤ کے اطاعت کا طریقہ اختیار کریں گے۔ اگرچہ یہ تعداد میں کم ہوں گے لیکن ہیروں کی طرح قیمتی ہوں گے اور قیمتی ہیروں کے لیے کوئلے کی کانوں کو بڑھنے پھیلنے کا موقع دیا جاسکتا ہے۔

﴿وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلۡأَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى ٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ فَقَالَ أَنۢبِـُٔونِي بِأَسۡمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ (31)﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سارے کے سارے نام سکھا دیئے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا، اور فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ''!(31)

سوال 1: ﴿وَعَلَّمَ ءَادَمَ ٱلۡأَسۡمَآءَ كُلَّهَا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سارے کے سارے نام سکھا دیئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فضیلت دی۔ انہیں تمام چیزوں کے نام اور ان کا علم عطا فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے القاء

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اورالہام کے ذریعے اسماء کاعلم عطافرمایا۔ یہ چیزوں کے ناموں،ان کی خاصیتوں اورفوائد کاعلم تھا۔

سوال 2: ﴿ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ’’پھرانہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا،اور فرمایا:اگرتم سچے ہوتو مجھےان چیزوں کے نام بتاؤ‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاءکوجن کے نام آدم علیہ السلام کوسکھادیے تھے۔فرشتوں کوآزمانے کے لیے ان کے سامنے پیش کیا کہ ان کو پہچانتے ہیں یانہیں۔﴿2﴾ ﴿ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:تم اپنے گمان میں سچے ہوکہ تم اس خلیفہ سے افضل ہوتوان چیزوں کے نام بتاؤ۔

﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (32) ﴾

’’انہوں نے کہا:’’ آپ پاک ہیں،جوکچھ آپ نے ہمیں سکھایاہےاس کےسواہمیں کچھ علم نہیں،یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے،کمال حکمت والے ہیں۔‘‘(32)

سوال 1: ﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ ’’انہوں نے کہا:’’ آپ پاک ہیں،جوکچھ آپ نے ہمیں سکھایاہےاس کے سواہمیں کچھ علم نہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فرشتوں نے اپنی کم علمی کااعتراف کیااورکہا کہ آپ نے ہمیں جتنی بات بتادی ہم اتنا ہی جانتے ہیں،ساری حقیقتوں کو جاننے والی اورحکمت والی تو آپ ہی کی ذات ہے۔﴿2﴾ فرشتوں پر جب علم کی اہمیت اورحکمت واضح ہوئی توانہوں نے اپنے قصورکااعتراف کرلیا۔﴿3﴾ ﴿ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ فرشتوں نے کہا:پاک ہےآپ کی ذات ہمیں کسی بھی لحاظ سے کوئی علم نہیں مگر جتنا علم آپ نے ہمیں اپنے فضل وکرم سے عطاکیا۔﴿4﴾ سیدناابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:کیامیں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سب سے محبوب کلام کی خبر نہ دوں؟ بےشک اللہ تعالیٰ کو جوسب سے زیادہ کلام محبوب ہے۔سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ اورایک اورروایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔کون ساکلام افضل ہے؟ فرمایا:جس کواللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لیے پسندفرمایا:سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کےساتھ پاک ہے۔(مسلم:2093,2094/4)﴿5﴾ سیدناموسیٰ علیہ السلام نے توبہ کرنے کے لیےکہا:﴿ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ پھرجب ہوش میں آیااس نے کہا’’ توپاک ہے،میں نے تجھ سے توبہ کی اورمیں ایمان لانے والوں میں سے سب سے پہلا ہوں۔‘‘(الاعراف:143)﴿6﴾ سیدنایونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں تسبیح کی۔﴿ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اورمچھلی والےکوجب وہ غصے سے بھراہواچلاگیا،پس اس نے سمجھا کہ ہم اس پرہرگزقابونہ پاسکیں گےتواس نے اندھیروں میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پکارا: ’’ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، یقیناً میں ہی ظالموں میں سے تھا۔‘‘(الانبیاء:87) ﴿7﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: دو کلمے زبان پر بہت ہلکے میزان پر بہت بھاری، رحمان کو بہت محبوب ہیں۔سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ میں اللہ تعالیٰ کی (تمام عیوب ونقائص) سے پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف وتحمید کرتا ہوں۔ بے شک وہ باعظمت اللہ تعالیٰ (تمام عیوب ونقائص سے) پاک ہے۔(بخاری:210/11) ﴿8﴾ اس سارے واقعے سے علم کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔(تیسیر القرآن:17) ﴿9﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۗ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ آپ کہہ دیں کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، برابر ہوتے ہیں؟ یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔(الزمر:9)

سوال 2: فرشتوں نے اپنے قصور کا اعتراف کیسے کیا؟

جواب: فرشتوں نے کہا: ﴿ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ آپ پاک ہیں، جو کچھ آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں، یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں۔

سوال 3: فرشتوں کے اعتراف سے کیا واضح ہوا؟

جواب: فرشتوں کے اعتراف سے یہ واضح ہوگیا کہ ﴿1﴾ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔

سوال 4: ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ ’’یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ العلیم ہے اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ برابر چیز اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر یا پوشیدہ نہیں ہے۔ ذرے سے بڑی یا اس سے چھوٹی کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ الحکیم ہے اس نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو حکمت سے خالی ہو۔ اس نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جو حکمت سے خالی ہو۔ مخلوق میں سے کوئی اس کی حکمت سے باہر نہیں۔ وہ کمال حکمت والا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انسان کو علم الاسماء دینے کا فیصلہ کیا جب کہ فرشتوں کو اس سے محروم رکھا۔ حکمت کسی چیز کو اس کے مقام پر رکھنے کو کہتے ہیں جس کے وہ لائق ہو۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کا اقرار کیا اور اس کا اعتراف کیا کہ وہ کسی بھی چیز کے علم سے قاصر ہیں مگر جتنا کچھ وہ رب سکھا دے۔

﴿ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (33) ﴾

’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اے آدم! انہیں ان کے نام بتادو‘‘ تو جب اس نے انہیں ان کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے۔‘‘(33)

سوال1:﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ﴾’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا:’’اے آدم! انہیں ان کے نام بتادو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ جب وہ اشیاء کے نام بتانے سے قاصر رہے تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا: انہیں ان چیزوں کے نام بتادو۔

سوال2:﴿فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ﴾’’تو جب اس نے انہیں ان کے نام بتادیئے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو ان ناموں سے آگاہ کردیا تو ان پر آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر ہوگئی اور خلیفہ بنانے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کا کامل علم ثابت ہوگیا۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے سکھائے ہوئے نام فرشتوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے کیوں کہا؟

جواب:﴿1﴾ فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حکمت واضح کرنے کے لئے۔﴿2﴾ دنیا کا نظام چلانے کے لئے علم کی اہمیت اور فضیلت واضح کردی۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے کہنے پر آدم علیہ السلام نے فرشتوں کے سامنے ساری چیزوں کے نام کیسے پیش کیے؟

جواب: سیدنا آدم علیہ السلام نے سارے نام بتادیئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے علم دیا تھا اس لئے انہوں نے سارے نام بتادیئے۔ نسل انسانی کو جو بھی علم ملا اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملا۔

سوال5:﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا:’’کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا:’’کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں‘‘ غیب سے مراد چھپی ہوئی چیزوں کا علم ہے۔ جب وہ غیب کا علم رکھتا ہے تو حاضر کو تو بخوبی جانتا ہے۔

سوال6:﴿وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾’’اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ کوئی مخلوق ایسی نہیں جو چھپے ہوئے راز جان سکے۔ سینے بھی راز چھپاتے ہیں۔ یہاں مراد ہے کہ انسانوں کے سینوں میں چھپے ہوئے راز اور فرشتوں کے اندر چھپے ہوئے راز بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔﴿2﴾﴿تُبْدُوْنَ﴾ جو تم اپنی بات میں ظاہر کرتے ہو جیسا کہ کہا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿ اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا اور ہم آپ کی تعریف کے ساتھ آپ کا ہر عیب سے پاک ہونا بیان کرتے ہیں اور آپ کے لیے پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔﴿3﴾﴿ تَكۡتُمُوۡنَ ﴾ جو تمہارے اندر ہوتا ہے جسے تم چھپاتے ہو جیسے ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اپنی عدم اطاعت کو چھپایا۔(ایسر التفاسیر:28/1)جب آدم نے ان کو ان سب چیزوں کے نام بتا دیئے تو ان پر آدم کی فضیلت ظاہر اور اس کو خلیفہ بنانے میں باری تعالیٰ کی حکمت اور اس کا علم ثابت ہو گیا۔(تفسیر سعدی:101/1)

﴿ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ (34) ﴾

”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔“(34)

سوال1:﴿ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى ﴾”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ﴾ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی آدم پر اپنا عظیم احسان بیان فرمایا ہے کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو ان کے اکرام، تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے اظہار کے لیے سجدہ کریں۔﴿2﴾رب العزت کا فرمان ہے:﴿ فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ ﴾ پھر جب میں اسے پورا بنا دوں اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔(الحجر:29)﴿3﴾یہ سجدہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرنے کے مترادف ہوا یہ سجدہ تعظیم کے لیے تھا جو کہ پہلے جائز تھا اب ممنوع ہے۔(تیسیر القرآن:17)﴿4﴾اسلامی شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں، تعظیم کے طور پر بھی جائز نہیں۔﴿5﴾﴿ فَسَجَدُوۡٓا ﴾ فرشتوں نے حکم کی اطاعت کی اور اسی وقت سجدہ میں گر گئے۔﴿6﴾﴿ اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى ﴾ سوائے ابلیس کے۔اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔﴿7﴾ابلیس اور آدم الگ الگ مخلوقات ہیں۔صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور ابلیس آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے۔(صحیح مسلم:413/3)

سوال2:﴿ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ۖ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴾”اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، تکبر کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔﴿2﴾﴿ وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، اس

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نے کہا کہ میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟ (بنی اسرائیل:61) ﴿3﴾ انکار اور تکبر اس کے کفر کے نتیجے میں چھپا ہوا تھا۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ اور آدم علیہ السلام سے اس کی دشمنی باہر آ گئی اور اس کا کفر اور تکبر ظاہر ہو گیا۔ ﴿5﴾ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے۔ (الکھف:50)

سوال 3: سجدے کا حکم فرشتوں کے لئے تھا۔ اس کا اطلاق ابلیس پر کیسے ہوا؟

جواب: ابلیس فرشتوں میں شامل کر دیا گیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے لئے بھی سجدہ کرنا ضروری ہو گیا۔

سوال 4: ابلیس نے سجدہ کرنے سے کیوں انکار کیا؟

جواب: ابلیس نے حسد اور تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تکبر کا اظہار کیا اور آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اس نے تکبر سے کہا: ﴿ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا﴾ کیا میں اس کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا؟ (بنی اسرائیل:61) یہ انکار اور استکبار اس کے اس کفر کا نتیجہ تھا جو اس کی سرشت میں پوشیدہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اور آدم علیہ السلام سے اس کی عداوت ظاہر ہو گئی اور اس کا کفر و استکبار عیاں ہو گیا۔ (تفسیر سعدی:101,102/1)

سوال 5: تکبر کسے کہتے ہیں؟

جواب: اپنی ذات کی بڑائی کے احساس کو تکبر کہتے ہیں۔ سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔'' (تفسیر ابن کثیر:117/1)

سوال 6: انسان میں تکبر کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب کوئی شخص اپنی ذات کی بڑائی میں مبتلا ہو جائے اور کسی کام کے بارے میں یہ سمجھے کہ یہ کرنے سے میں چھوٹا ہو جاؤں گا۔ ﴿2﴾ سیدنا حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''کیا میں تمہیں دوزخ والوں کی خبر نہ دوں؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: جی ہاں! ضرور فرمایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر جاہل، اکھڑ مزاج، تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔'' (مسلم:7187) ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ لے گا، پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زور والے (جابر) بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر زمینوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زور والے (جابر) بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر والے کہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں؟'' (مسلم:7051)

سوال 7: انسان کے لیے دنیا میں دوممکنہ راستے کون سے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے آگے جھک جانا خواہ اس کے لیے اپنے سے بظاہر کم تر فرد کی بات ماننی پڑے۔ یہ ملکوتی رویہ ہے۔ ﴿2﴾ ابلیس کی طرح اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کے آگے جھکنے سے انکار کردینا۔ اس سے تکبر کی آگ بھڑکتی نظر آتی ہے۔ یہ شیطانی رویہ ہے۔

سوال 8: ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے کیا مقام دیا؟

جواب: ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے انکار کی وجہ سے دھتکار دیا۔ جنوں میں سے ہونے کے باوجود عبادت و ریاضت سے فرشتوں میں گھلا ملا رہتا تھا مگر اس تکبر نے آناً فاناً اسے کافروں کی صف میں کھڑا کردیا۔ (تیسیر القرآن:17)

سوال 9: اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لیے جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ اٹھتا ہے، اس کے لیے پھر اسی طرح امتحان کے حالات کیسے پیدا ہوجاتے ہیں؟

جواب: حق کی دعوت دینے والا بھی آدم علیہ السلام کی طرح ہے جس کے سامنے سب لوگوں کو جھک جانا چاہیے مگر تکبر اور تعصب کی وجہ سے جو لوگ حق کی دعوت قبول نہیں کرتے، وہ ابلیس کی پیروی کرتے ہیں۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ جس نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا وہ صرف حق سے ہی محروم نہیں رہا بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی محروم ہوگیا۔

﴿ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (35) ﴾

''اور ہم نے کہا: ''اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو دونوں خوب کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہوجاؤ گے۔'' (35)

سوال 1: ﴿ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾ ''اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو'' اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا انہیں فضیلت عطا فرمائی پھر ان میں سے ان کی بیوی سیدہ حوا علیہا السلام کو پیدا کر کے اپنی نعمت ان پر پوری کردی تاکہ وہ اپنی بیوی کے پاس سکون حاصل کریں اور حکم دیا جنت میں سکون سے رہو۔ ﴿2﴾ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے جنت میں جانے سے پہلے حوا پیدا ہوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور پھر دونوں کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا ہے لیکن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ پہلے تن تنہا سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم ہوا تھا۔ سیدنا آدم علیہ السلام جنت میں رہتے تھے مگر تنہائی کے سبب سے اکثر گھبرایا کرتے تھے۔ ایک دن سیدنا آدم علیہ السلام جب سو رہے تھے تو ان کی نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے سیدہ حوا کو سیدنا آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر: 79/1) ﴿3﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں کے بارے میں میری وصیت ہمیشہ یاد رکھنا کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پسلی میں بھی سب سے ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرے تو انجام کار توڑ کے رہے گا اور اگر اسے یونہی چھوڑ دے گا تو پھر ہمیشہ ہی ٹیڑھی ہو جائے گی۔ پس عورتوں کے بارے میں میری وصیت مانو، عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔'' (بخاری: 3331)

سوال 2: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو جنت میں کب بسایا گیا؟

جواب: سیدنا آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سامنے پیش کرنے کے بعد جب انہوں نے سارے نام بتا دیئے اور فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حقیقت واضح ہو گئی تب اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں بسایا۔

سوال 3: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو جنت میں کیسے بسایا گیا؟

جواب: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا سے کہا گیا جہاں سے چاہو خوب کھاؤ مگر اس درخت کے قریب نہ جانا۔

سوال 4: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کی آزمائش کیا تھی؟

جواب: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو ایک خاص درخت کے پاس جانے سے منع کیا گیا تھا اور یہ کہا گیا تھا کہ اگر اس درخت کے پاس گئے تو ظالموں میں شمار کیے جاؤ گے۔

سوال 5: ﴿وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا﴾ ''اور جہاں سے چاہو دونوں خوب کھاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: آدم علیہ السلام کی دوسری فضیلت کا تذکرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں بسا دیا اور حکم دیا جہاں سے چاہو پھل اور میوے کھاؤ۔ ﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ﴾ یقیناً تمہارے لیے یہ ہے کہ اس میں نہ تم بھوکے رہو گے اور نہ ننگے رہو گے۔ اور یقیناً اس میں نہ تم پیاسے رہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی۔ (طٰہٰ: 118,119)

سوال 6: ﴿وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ ''اور اس درخت کے قریب نہ جانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا آدم علیہ السلام سیدہ حوا علیہا السلام کو آزمائش کے لیے یا کسی حکمت کے تحت اس درخت کے قریب جانے سے روکا تھا جس کے بارے میں ہمیں علم نہیں۔ ﴿2﴾ اس درخت کے بارے میں کوئی وضاحت قرآن و حدیث سے نہیں ملتی اور نہ ہی ہمیں اس بارے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں معلوم کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔

سوال 7: ﴿ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ’’ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے‘‘ یعنی تم بے انصاف لوگوں میں سے ہو جاؤ گے۔ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو ایک خاص درخت کے قریب جانے سے روکا تھا یہ نہی تحریم کے لیے ہے کیونکہ اس ممانعت پر عمل نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ظلم قرار دیا ہے۔ ﴿2﴾ ابلیس نے ان کے دلوں میں وسوسے ڈالے اور اس درخت کی اور اس پھل کی خوبیاں ان کے سامنے مزین کیں ۔اس نے اتنی ترغیب دلائی کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام سے خطا ہو گئی۔ ﴿3﴾ ابلیس نے دونوں کو پھسلانے کے لیے قسمیں کھائیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں: ’’بلاشبہ میں تم دونوں کے لئے یقیناً خیرخواہوں میں سے ہوں۔‘‘ (الاعراف:21)

سوال 8: ظلم سے کیا مراد ہے؟

جواب: ظلم سے مراد ہے کسی حق دار کو اس کا حق نہ دینا۔

سوال 9: اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرنے والے کس طرح ظالم ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے اس طرح ظالم ہیں کہ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کی فرماں برداری کی جائے۔ اگر نافرمانی کی تو گویا اللہ تعالیٰ کو اس کا حق نہ دیا۔ ﴿2﴾ تمام اعضاء، اشیاء اور نعمتوں کا حق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے لیے لگایا جائے تو دراصل نافرمانی کر کے ان کو ان کا حق نہ دیا۔ ﴿3﴾ اپنی ذات کا حق ہے کہ اسے تباہی سے بچایا جائے تو نافرمانی کر کے گویا اپنی ذات کو سزا کا مستحق ٹھہرایا اور اپنی ذات پر ظلم کیا۔

﴿ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِيْنٍ (36) ﴾

’’تو شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا، چنانچہ اس نے ان دونوں کو اس جگہ سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے حکم دیا: ’’تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔‘‘ (36)

سوال 1: ﴿ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ﴾ ’’تو شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا، چنانچہ اس نے ان دونوں کو اس جگہ سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا ﴾ ’’تو شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا‘‘ امام راغب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: یعنی بغیر قصد وارادہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے پاؤں کی لغزش۔(مفردات القرآن) ﴿2﴾ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور علماء کا خیال ہے کہ شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام کو براہ راست اور روبرو جا کر بہکایا۔(تیسیر الرحمٰن:35/1) ﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا:﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ پھر شیطان نے ان دونوں کے لیے وسوسہ ڈالا تا کہ وہ ان دونوں کے لیے ظاہر کر دے ان دونوں کی شرم گاہوں سے جو کچھ ان سے چھپایا گیا تھا، اور اس نے کہا:''تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے نہیں روکا، مگر اس لیے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں:''بلاشبہ میں تم دونوں کے لئے یقیناً خیر خواہوں میں سے ہوں۔''(الاعراف:20,21) ﴿4﴾ سیدنا آدم علیہ السلام شیطان کے جھانسے میں آ گئے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴾ اور اس سے پہلے آدم کو ہم نے تاکید کی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہ پائی۔(طٰہٰ:115) ﴿5﴾ ﴿ فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ﴾ ''چنانچہ اس نے ان دونوں کو اس جگہ سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے'' شیطان نے انہیں جنت سے دنیا کی بدبختیوں کی طرف نکلوا دیا اور اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکلوا دیا۔(البحر المحیط:262/1)

سوال 2: شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کو کس طرح بہکایا تھا؟

جواب: رب العزت نے فرمایا:﴿ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ پھر شیطان نے ان دونوں کے لیے وسوسہ ڈالا تا کہ وہ ان دونوں کے لیے ظاہر کر دے جو کچھ ان سے چھپایا گیا تھا ان دونوں کی شرم گاہوں سے، اور اس نے کہا:''تمہارے رب نے تم دونوں کو نہیں روکا ہے اس درخت سے، مگر اس لیے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں:''بلاشبہ میں تم دونوں کے یقیناً خیر خواہوں میں سے ہوں۔(الاعراف:20,21) شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا حوا علیہ السلام دونوں کو درخت کا پھل کھانے کے لیے اس کی کشش دلائی یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے خوب صورت ترغیبات دلائیں، دوست کے روپ میں دل میں وسوسے ڈالے، امیدیں دلائیں اور یوں بہکا کر اپنے جال میں پھنسا کر جنت سے نکلوا دیا۔

سوال 3: انسان کے بھٹکنے کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے؟

جواب: انسان شیطان کے بہکاوے میں آ جاتا ہے اور اس حد میں قدم رکھ دیتا ہے جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ وہ اسے ہمیشہ کی زندگی اور لازوال سلطنت کا لالچ دیتا ہے۔ آج بھی شیطان انسان کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے یہی حربہ استعمال کرتا ہے۔

سوال 4: ﴿ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ ''اور ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:《1》جب آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام بھول گئے انہوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمتوں بھری جنت سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ اور انہیں دکھوں، تکلیفوں اور سخت مشقت کے لیے زمین پر اتار دیا گیا۔《2》《**بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ**》"تم ایک دوسرے کے دشمن ہو"، یعنی ابلیس اور اس کی اولاد، آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی دشمن ہے۔《3》دشمن اپنے دشمن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو ہر بھلائی سے محروم کرنے کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔《4》اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو شیطان کی دشمنی سے ڈرایا ہے۔《اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ》یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم دشمن بنا لو اسے، یقیناً وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں سے ہو جائیں۔ (فاطر:6)《وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا》اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے۔ (الکہف :50)《5》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور تمہارے دل میں پہلے تو یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں بات یہاں تک پہنچاتا ہے کہ خود تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب کسی کو ایسا وسوسہ آئے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے اور شیطانی خیال کو چھوڑ دے۔" (بخاری:3276)《6》سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے ایک زوجہ رضی اللہ عنہا تھیں کہ آپ ﷺ کے پاس سے ایک آدمی گزرا۔ آپ ﷺ نے اسے بلایا، وہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں! یہ میری فلاں بیوی ہے۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کون ہوتا ہوں کہ میں ایسا گمان کروں اور نہ ہی میں نے آپ ﷺ کے بارے میں ایسا گمان کیا ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ (مسلم:5678)

سوال5: شیطان انسان کا آج بھی دشمن ہے، اس کی دشمنی کی وضاحت کریں؟

جواب: شیطان نے آدم و حوا علیہما السلام کو ورغلایا اور انہوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا۔ شیطان کی یہ دشمنی آج بھی جاری ہے۔ وہ انسان کو ورغلاتا ہے تاکہ انسان اس حد کے اندر قدم رکھ دے جس میں جانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اس کے لیے وہ انسان کی ذہن سازی کرتا ہے، برائی کو خوش نما بنا کر دکھاتا ہے، یقین دہانی کرواتا ہے کہ اس برائی کے نتیجے میں لوگوں کی نظروں میں مقام ملے گا، وہ دنیا میں رہنے کے لیے برائی کو ناگزیر بنا کر دکھاتا ہے۔ انسان کو یہ محسوس کرواتا ہے کہ اگر اس برائی کو چھوڑ دیا تو جینا ممکن نہیں رہے گا پھر انسان برائی کر لیتا ہے۔ انسان کے بھٹکنے کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے پھر انسان اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے۔ انسان کے لیے اپنی غلطی سے پلٹ آنے، توبہ کرنے کا موقع موجود ہوتا ہے لیکن شیطان ورغلاتا ہے کہ تمہاری توبہ کب سنی جائے گی۔ یوں انسان آہستہ آہستہ دعا مانگنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔انسان کے لیے پھر نیکیاں کرنا مشکل اور گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔یہی شیطان کا مشن ہے،یہی اس کی دشمنی ہے،یہ دشمنی آج بھی جاری ہے۔

سوال 6: سیدنا آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان جس کشمکش کا آغاز ہوا وہ آج بھی جاری ہے۔اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: اس کشمکش کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اور شیطان کے درمیان جو جنگ جاری ہے وہ انسان کے ضمیر اور اس کے دل ودماغ کے میدانوں میں لڑی جارہی ہے۔پختہ ارادے اور سچا علم رکھنے والے افراد اس میں کامیاب ہوتے ہیں اور جو انسان اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگتا ہے اس پر شیطان غالب آجاتا ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور ابلیس کے درمیان کھڑا کیا۔سجدے کے حکم سے کشمکش کا آغاز ہوا۔حق کی دعوت دینے والا بھی ایک آدم ہوتا ہے جس کے سامنے انسانوں نے جھکنا ہوتا ہے لیکن اگر وہ اپنے تکبر یا حسد کی وجہ سے نہ جھکیں تو اس طرح وہ ابلیس کی پیروی کرتے ہیں اور اسی کشمکش کا آغاز ہوجاتا ہے۔انکار صرف انکار نہیں رہتا۔انکار پھر مخالفت میں، مخالفت رکاوٹ میں اور رکاوٹیں انتقام میں بدل جاتی ہیں۔پھر ہجرتیں ہوتی ہیں، پھر جہاد ہوتا ہے اور آج بھی یہ کشمکش جاری ہے۔

سوال 7: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴾ ”اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اتارے جانے کا مقصد واضح فرمایا کہ زمین میں تمہارا ٹھکانہ ہوگا ﴿ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴾ اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانا ہوگا پھر تم اس گھر میں واپس آجاؤ گے جس کے لیے تمہیں اور جسے تمہاری خاطر پیدا کیا گیا۔﴿2﴾ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی عارضی ہے، خاص مدت تک کے لیے ہے۔

سوال 8: سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر کتنی مدت کے لیے بھیجا گیا؟

جواب: ایک خاص وقت تک۔یہ خاص وقت انسان کے لیے اس کی زندگی ہے اور ساری کائنات کے لیے قیامت تک کا وقت ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا مستقل ٹھکانہ نہیں ہے۔اس آیت کریمہ میں واضح ہے کہ اس زندگی کی مدت عارضی اور ایک خاص وقت تک کے لیے ہے۔یہ دنیا حقیقی مسکن نہیں ہے یہ تو ایک راہ گزر ہے جہاں سے اگلے جہان کے لیے زاد راہ حاصل کیا جاتا ہے (دوران سفر) اس راہ گزر میں مستقل ٹھکانا تعمیر نہیں کیا جاتا۔(تفسیر سعدی:104/1)

﴿ فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (37) ﴾

”پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے توبہ قبول کرلی، یقیناً وہی بے حد توبہ قبول کرنے والا، نہایت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

رحم والا ہے۔‘‘(37)

سوال1:﴿ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ﴾’’پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے توبہ قبول کر لی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾سیدنا دم علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو رب کریم نے اپنی رحمت سے انہیں کچھ کلمات سکھا دیے۔سیدنا آدم علیہ السلام نے انہیں سیکھا اور یاد کر لیا۔﴿2﴾﴿ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ ﴾سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے تھے جو انہیں الہام کیے گئے﴿ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ان دونوں نے کہا:’’اے ہمارے رب!ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔‘‘(الاعراف:23)﴿3﴾سیدنا آدم علیہ السلام نے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے بخشش کا سوال کیا۔

سوال2:سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ کے بارے میں غلط عقیدہ کیا ہے؟

جواب:سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ کے بارے میں غلط عقیدہ ایک گھڑی ہوئی(موضوع)روایت کی بنیاد پر ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر لآ الٰہ الاّ اللّٰہ لکھا ہوا دیکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگی تو دعا قبول ہو گئی۔یہ روایت گھڑی ہوئی ہے،قرآن حکیم کے مخالف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف ہے۔تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ سے کسی وسیلے کے بغیر براہ راست دعا کیا کرتے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا مانگنے کا براہ راست طریقہ سکھایا ہے۔

سوال3:﴿ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾’’تو اللہ تعالیٰ نے اس سے توبہ قبول کر لی،یقیناً وہی بے حد توبہ قبول کرنے والا،نہایت رحم والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی اور ان پر رحم فرمایا۔جو توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔﴿2﴾بندے کی طرف سے توبہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی پر شرمندہ ہو کر نافرمانی سے باز آ جائے،اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے لوٹے اور فرماں برداری کا رویہ اپنائے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے شرمسار بندے کی طرف رحمت سے متوجہ ہو جائے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ التواب ہے وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔اپنے بندوں کی طرف رجوع کرنے کی دو قسمیں ہیں۔(i)سب سے پہلے اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔(ii)پھر جب توبہ کی تمام شرائط پوری ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔(تفسیر سعدی:104/1)﴿4﴾توبہ میں تین باتیں ضروری ہیں۔ایک تو جو گناہ ہو گیا ہے اس پر سچے دل سے نادم اور پشیمان ہونا۔دوسرے توبہ کے وقت دل میں خوب یہ ٹھان لینا کہ آئندہ اس سے باز رہوں گا۔تیسرے توبہ کے بعد دل میں گناہ سے ایک نفرت کا پیدا ہو جانا۔(احسن التفاسیر:1/ 82)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 4: اللہ تعالیٰ کیسا ﴿التَّوَّابُ﴾ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ التواب ہے۔ وہ بندے کی خطاؤں پر معاف فرماتا ہے۔ اگر وہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی گناہ لے کر آئے تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کے ﴿الرَّحِيمُ﴾ ہونے کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حق میں مسلسل رحمت کرنے والا ہے۔ ﴿2﴾ انسان مسلسل غلطیاں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مسلسل معاف فرماتا ہے۔ ''اَلرَّحِیم'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ ان پر اس کی رحمت یہ ہے کہ اس نے انہیں توبہ کی توفیق سے نوازا اور ان کو معاف کر کے ان سے درگزر فرمایا۔ (تفسیر سعدی: 104/1)

سوال 6: سیدنا آدم علیہ السلام کے واقعے سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: اس واقعے سے ہمیں کئی ایک سبق حاصل ہوتے ہیں: ﴿1﴾ انسان ''منع کیے ہوئے پھل'' (کام) کو کھاتے ہی اللہ تعالیٰ کی مدد اور جنت کے حق سے محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کل سیدنا آدم علیہ السلام کو پھل کھانے سے منع کیا تھا اور آج بھی وہی صورت حال ہے۔ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان سے باز آنا ہے۔ (ان شاء اللہ) ﴿2﴾ نافرمانیوں پر توبہ کرنے سے جنت کے حق سے محرومی کی تلافی ہو سکتی ہے۔ ربّ کی طرف لوٹنے کا راستہ کھلا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر کثرت سے توبہ کرنی ہے۔ (ان شاء اللہ)

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ۖ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (38) ﴾

''ہم نے کہا: ''تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس واقعی کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (38)

سوال 1: ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا﴾ ''ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ زمین میں اتارے جانے کا دوبارہ ذکر فرمایا ہے تاکہ اس حکم پر عمل پیرا ہوا جائے جس کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر کے گناہ معاف کر دیا مگر جنت سے اخراج کا حکم بحال رکھا۔ سب کے اخراج سے مراد آدم، حوا اور ابلیس ہیں۔ سیدنا آدم کو زمین پر بھیجنا کچھ گناہ کے کفارہ کے طور پر نہ تھا بلکہ ﴿ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ﴾ یقیناً میں زمین میں ایک جانشین بنانے والا ہوں۔ (البقرۃ: 30) کے تحت قضائے الٰہی تھا۔ اس سے عیسائیوں کے اعتقاد کا رد ہوا جو یہ کہتے ہیں کہ آدم کا یہ گناہ نوع انسانی میں نسل در نسل منتقل ہو رہا ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اس کے لیے سولی چڑھ گئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے بتا دیا کہ ہم نے معاف کر دیا۔ دنیا میں آنا گناہ کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا ہی زمین کے لیے کیا تھا۔ (تیسیر القرآن: 18)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ ﴾ ''پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس واقعی کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت پہنچے یعنی میرے رسول آئیں، میری طرف سے کسی وقت اور کسی دور میں راہ نمائی پہنچے تو جو کوئی میرے تقرب کی طرف راہ نمائی کرے، میری رضا کے قریب کرے، میرے رسولوں اور میری کتابوں پر ایمان لائے، میرے کیا وامر ونواہی کی پابندی کرے تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ اب جنت میں داخلے کے لئے ضروری ہے کہ جو ہدایت انبیاء علیہ السلام کے ذریعے تمہارے پاس پہنچے اس کو قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہو کر جنت تک پہنچو۔ اس سے مراد انبیاء ورسل وغیرہ ہیں۔ (فتح القدیر:93/1)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی۔ پھر انہیں کہاں بسایا گیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو دوبارہ جنت میں آباد کرنے کی بجائے دنیا میں رہ کر جنت حاصل کرنے کی کوششیں کرنے کا راستہ دکھایا۔

سوال 4: یہاں ﴿ هُدًى ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ابوالعالیہ کہتے ہیں ﴿ هُدًى ﴾ سے مراد انبیاء ورسل اور بیان ہے۔ (فتح القدیر:93/1) ﴿2﴾ ﴿ هُدًى ﴾ سے مراد کتاب اللہ ہے۔ ﴿3﴾ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ہدایت کی توفیق ہے۔

سوال 5: ﴿ فَمَن تَبِعَ هُدَايَ ﴾ ''تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی پر چار چیزیں مرتب ہوتی ہیں۔ بندے سے حزن وخوف کی نفی۔ حزن اور خوف میں فرق یہ ہے کہ اگر غیر پسندیدہ امر کا منتظر ہو تو یہ خوف پیدا کرتا ہے پس جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کی اس سے حزن وخوف دور ہو گئے اور جب اس سے حزن وخوف کی نفی ہو گئی تو ان کی ضد ثابت ہو گئی اور وہ ہے ہدایت اور سعادت لہٰذا جو کوئی بھی اس کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے اسے امن، دنیاوی اور اخروی سعادت اور ہدایت حاصل ہوتی ہے اور تکلیف دہ چیز یعنی حزن وخوف اور ضلالت وشقاوت اس سے دور کر دی جاتی ہے۔ ہر مرغوب چیز اسے عطا کر دی جاتی ہے اور خوف زدہ کرنے والی چیز اس سے دور ہٹا دی جاتی ہے۔

سوال 6: ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ ''تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ہدایت پانے والے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے، اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے نہیں ڈرتے اور جو چھوٹ جائے اس پر غم نہیں کرتے۔ ﴿2﴾ یہاں خوف کا تعلق آخرت سے ہے کہ آخرت میں ایمان والوں کو، اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر چلنے والوں کو خوف نہیں ہوگا۔'' وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غمگین نہیں ہوں گے'' سے مراد ہے کہ انہیں دنیا چھوڑنے کا کوئی غم نہ ہوگا۔﴿3﴾﴿ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾انہیں بڑی گھبراہٹ غمگین نہ کرے گی اور فرشتے ان کے استقبال کو آئیں گے: یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔(الانبیاء:103)﴿4﴾﴿ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾اور وہ پکارے جائیں گے:''یہ جنت کہ جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، اس کا بدلہ ہے جو تم عمل کرتے تھے۔''(الاعراف:43)

سوال 7: ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے لیے کیا خوش خبری ہے؟

جواب: ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے لیے خوش خبری ہے کہ نہ ان کے لیے خوف ہوگا نہ غم۔

سوال 8: یہ مقام کس کو حاصل ہوتا ہے؟

جواب: یہ مقام ہر سچے مؤمن کو حاصل ہوجاتا ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (39)﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''(39)

سوال 1: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾''اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہی لوگ آگ والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی نہ کی، انکار کیا، جھٹلایا، اس کے لیے رب العالمین کا اعلان ہے﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾یعنی وہ جہنم والے ہیں۔ جہنم ان کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔

سوال 2: آیات کو جھٹلانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو، انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ماننے سے انکار کیا جائے اور ان سے راہ نمائی نہ لی جائے۔

سوال 3: ﴿ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾''وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وہ جہنم سے کبھی باہر نہ نکلیں گے نہ کبھی عذاب کم ہوگا نہ مدد پہنچے گی۔﴿2﴾ ان آیات کریمہ اور ان جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوق میں سے تمام جن وانس، اہل سعادت اور اہل شقاوت کی اقسام میں منقسم ہیں۔ ان آیات میں دونوں فریقوں کی صفات اور ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جو سعادت یا شقاوت کے موجب ہیں۔ ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ''جن'' ثواب وعقاب کے معاملے میں انسانوں کی طرح ہیں جس طرح وہ ان کی مانند امر ونہی کے مکلّف ہیں۔(تفسیر سعدی:106/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے اور ان کا انکار کرنے کا کیا انجام ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے اور ان کا انکار کرنے والے آگ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

رکوع نمبر5

﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ (40) ﴾

"اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے تم ڈرتے رہو۔"(40)

سوال 1: ﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ﴾ "اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب بنی اسرائیل کے ان لوگوں سے ہے جو مدینہ اور اس کے گردو نواح میں آباد تھے۔ اس خطاب میں بعد میں آنے والے اسرائیلی بھی شامل ہیں۔(تفسیر سعدی:106/1) ﴿2﴾ ﴿ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴾ "اسرائیل" کا مطلب ہے عبداللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ۔ "اسرائیل" سیدنا یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ یہود کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ ان سے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے وجود میں آئے۔ بنی اسرائیل کنعان میں آباد تھے۔ سیدنا یعقوب علیہ السلام کے بیٹے سیدنا یوسف علیہ السلام کے مصر پہنچنے کے بعد ان کے اہل خاندان وہاں پہنچے۔ بنی اسرائیل میں کثیر تعداد میں نبی آئے مثلاً سیدنا یوسف علیہ السلام، سیدنا یحییٰ علیہ السلام، سیدنا ہارون علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا زکریا علیہ السلام وغیرہ۔ بنی اسرائیل میں تورات، زبور اور انجیل تین کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئیں۔ ﴿3﴾ مدینہ میں ان کے گزشتہ علم و فضل کی بنا پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر بے انتہا احسانات کیے تھے۔(تیسیر القرآن:18) ﴿4﴾ ﴿ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ ﴾ "یاد کرو میری اس نعمت کو" یہاں نعمتوں کے یاد کرنے سے مراد دل میں نعمتوں کا اعتراف کرنا، زبان سے ان کی تعریف کرنا اور جوارح کے ذریعے سے ان نعمتوں کو ایسی جگہ استعمال کرنا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:106/1) ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ کر کے ان کی اولاد یعنی یہود کو نیکی کی رغبت دلانی چاہی ہے کہ اے اللہ کے نیک بندے یعقوب کے بیٹو! اپنے باپ کی مانند نیک بنو۔(تیسیر الرحمٰن:36/1) رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم میں سے انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔(مائدہ:20) ﴿6﴾ امت مسلمہ کے لیے بنی اسرائیل کے واقعات کو جاننا اس لیے ضروری ہے تاکہ امت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس زوال سے بچ سکے جس کا پہلے انبیاء علیہم السلام کی قومیں شکار ہوگئیں تھیں۔ یہودیوں کے عقیدے کی خرابی اور رویوں کی خرابی کو سامنے رکھا جائے تا کہ مسلمان اس کردار کے انسان بننے سے بچ سکیں۔

سوال 2: ﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ ﴾ ''اور تم میرے عہد کو پورا کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وہ عہد یہ تھا کہ تم تورات کے احکامات کی پابندی کرو گے اور نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ گے۔ (تیسیر القرآن: 18) ﴿2﴾ یعنی وہ اس عہد کو پورا کریں جو اللہ تعالی نے ان سے لیا ہے کہ وہ اس پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گے اور اس کی شریعت کو قائم کریں گے۔ (تفسیر سعدی: 106/1) ﴿3﴾ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ عہد یہ ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا جنہیں کتاب دی گئی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے اور تم اس کو نہیں چھپاؤ گے۔ (آل عمران: 187) ﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴾ اور بلا شبہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ کو سردار مقرر کیا اور اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں بلا شبہ تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کو قوت دی اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا تو میں ضرور بہ ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور تمہیں ضرور بہ ضرور جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد بھی تم میں سے جس نے کفر کیا تو یقیناً وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ (المائدہ: 12) بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ میں نے جو ہدایات دی ہیں ان کو مضبوطی سے تھام لو اور انہیں یاد رکھو۔ ﴿4﴾ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا تھا کہ میں بنی اسرائیل میں ایک نبی امی بھیجوں گا۔ جو تم میں سے اس کی اتباع کرے گا تو میں اس کے گناہ معاف کر دوں گا اور اسے جنت میں داخل کروں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنا عذاب جسے چاہتا ہوں اس کو پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، سو اسے میں جلد ہی ان لوگوں کے لیے لکھوں گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور وہ زکوۃ ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امّی نبی ہے، جسے وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (الاعراف: 157-156)

سوال 3: ﴿ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ﴾ ''میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ ان کے عہد پورا کرنے کا بدلہ ہے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے عہد کیا تھا کہ میں تمہیں جہان والوں پر فضیلت عطا کروں گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیا انعام کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام سے لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبی آل یعقوب علیہ السلام میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دین و دنیا کی راہ نمائی اور کامیابی کے راستے کھولے اور ان کو دوسروں کی راہ نمائی کا فریضہ سونپا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی شریعت عطا کی تھی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تم میں سے انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور اس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیا تھا۔ (المائدہ:20)

سوال 5: بنی اسرائیل کو انعام کیوں یاد کروایا جا رہا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل کو انعام اس لئے یاد دلایا جا رہا ہے تا کہ ان میں سے جو بھلائی کا مادہ رکھتے ہوں وہ حق کو قبول کر سکیں۔ ﴿2﴾ بنی اسرائیل کو انعام اس لئے یاد دلایا جا رہا ہے تا کہ یہودی نبی ﷺ کا ساتھ دیں اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو۔

سوال 6: ﴿ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴾ ''اور صرف مجھ ہی سے تم ڈرتے رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور صرف مجھ ہی سے تم ڈرتے رہو'' ﴿1﴾ میرے غیر سے نہیں صرف مجھ سے ڈرو۔ (صفوۃ التفاسیر:46/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا جو وفائے عہد کے حامل ہیں یعنی اس اکیلے سے خوف کھانا اور ڈرنا کیونکہ جو کوئی اس سے ڈرتا ہے تو یہ ڈر اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کا موجب بنتا ہے۔ (تفسیر سعدی:107/1)

﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (41) ﴾

''اور جو میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، یہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم سب سے پہلے اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہ بنو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ خریدو اور صرف مجھ ہی سے پس تم ڈرتے رہو۔'' (41)

سوال 1: ﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ ''اور جو میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، یہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن حکیم نازل کی ہے جو انسان کے لیے زندگی گزارنے کا پروگرام ہے۔ اسی پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ایمان لا کر محمد ﷺ کی اتباع کریں۔ ﴿2﴾ ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ ''یہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے'' جب قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تو اس پر ایمان لے آؤ کیوں کہ تم اہل کتاب ہو اور اہل علم ہو اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا جھٹلانا خود تم پر لوٹے گا۔ تمہارا محمد ﷺ کی تکذیب کرنا در اصل اپنی کتابوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تکذیب کرنا ہے۔

سوال 2: کتاب پر ایمان کیسے لایا جا سکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس کا علم حاصل کیا جائے۔ ﴿2﴾ اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔ ﴿3﴾ اس کے پیغام کو آگے پھیلایا جائے۔

سوال 3: بنی اسرائیل کے پاس پہلے سے کیا موجود تھا؟

جواب: بنی اسرائیل کے پاس پہلے سے تورات اور انجیل موجود تھیں۔

سوال 4: قرآن مجید کیسے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے؟

جواب: قرآن مجید پچھلی کتابوں کے لیے سچائی کا گواہ بن کر نازل ہوا ہے۔ قرآن مجید تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر نازل کی گئی ہیں۔ اصولی طور پر ان کی توحید کی تعلیمات کی بھی تصدیق کرتا ہے۔ قرآن مجید صرف ان چیزوں کی تردید کرتا ہے جو غلط طریقوں سے ان کتابوں میں شامل کر دی گئیں۔

سوال 5: ﴿وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ﴾ ''اور تم سب سے پہلے اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہ بنو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ آیت کعب بن اشرف اور دیگر علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری:104/1) ﴿2﴾ یعنی کفر کی طرف سبقت سے کام نہ لو۔ (تفسیر الفرقان:158) ﴿3﴾ یہاں اس سے مراد قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی۔ قرآن مجید سے کفر کرنے والا نبی ﷺ سے بھی کفر کرتا ہے اور نبی ﷺ سے کفر کرنے والا قرآن مجید سے کفر کرتا ہے۔ پہلے کافر بننے سے مراد یہ ہے کہ تمہیں علم ہے اور دوسرے جانتے نہیں۔ اس لئے پہلا انکار تمہاری طرف سے نہ ہو ورنہ دوسرے انکار کرنے والوں کا وبال بھی تم پر ہوگا۔ ﴿4﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے پاس علم ہے اور دوسرے نہیں جانتے، اس وجہ سے تمہاری ذمہ داری بڑی ہے۔ مدینہ میں یہود کو سب سے پہلی دعوت دی گئی تھی اس لیے انہیں کہا گیا کہ سب سے پہلے تم کافر نہ بنو ورنہ بعد میں آنے والوں کے کفر کا وبال تم پر ہو گا۔

سوال 6: یہود نے نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کیوں کیا؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں کے لیے ان کا دین آباء و اجداد کا رواج بن چکا تھا۔ اس وجہ سے انہیں نبی ﷺ کی دعوت پسند نہیں آئی تو وہ آپ ﷺ کے مخالف بن گئے۔ ﴿2﴾ یہود نے دنیاوی مفاد اور مصلحتوں کی خاطر آپ ﷺ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ﴿3﴾ عرب کے مذہبی ڈھانچے میں انہیں سرداری مل گئی تھی۔ اگر وہ آپ ﷺ کو مان لیتے تو ان کو یہ سرداری، احترام، محبت جو لوگوں کی طرف سے مذہب کی وجہ سے ملی ہوئی تھی، چھوڑنا پڑتی اس لیے انہوں نے انکار کیا۔ ﴿4﴾ بزرگوں کی سعادت کی گدیوں پر بیٹھ کر انہیں عوام کی محبت اور توجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ملی ہوئی تھی۔انہوں نے محسوس کیا کہ اگر ہم نے اس نبی کو مان لیا تو ہماری مذہبی بڑائی ختم ہوجائے گی اور ایسا وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔﴿5﴾مذہب کے نام پر انہیں طرح طرح کے نذرانے ملتے تھے،اسی مال کی ہوس نے انہیں حق سے دور کر دیا۔

سوال 7: جولوگ دنیا میں کسی مذہبی مقام پر فائز ہوں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہنے میں کیا مشکلات ہوتی ہیں؟

جواب: جولوگ دنیا میں کسی مذہبی مقام پر فائز ہوں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہنے میں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ وہ اپنی خودساختہ عزت کی مسندوں سے خود کو اتارنا نہیں چاہتے۔وہ اپنی زندگی کا ڈھانچہ نہیں بدلنا چاہتے۔وہ اپنی مرضی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی نہیں گزارنا چاہتے ہیں۔اس وجہ سے دعوت پر لبیک کہنا دنیا میں مذہبی مقام بنانے والوں کے لیے انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

سوال 8:﴿وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾''اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ خریدو''تھوڑی قیمت پر آیات کو بیچ ڈالنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾تھوڑی قیمت پر آیات کو بیچ ڈالنے سے مراد دنیا کے تھوڑے سے فائدے کے لیے آخرت کے عظیم فائدے کو قربان کر دینا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سامان بہت ہی کم ہے۔(النساء:77)﴿2﴾اس سے مراد دنیا،منصب اور کھانے پینے کی اشیاء ہیں جن کے بارے میں وہ وہم میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے تو وہ ان چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔پس انہوں نے ادنیٰ چیزوں کو آیات الٰہی پر ترجیح دی۔(تفسیر سعدی:108/1)﴿3﴾رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جو شخص اس علم کو جس سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوئی ہے اس لیے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔''(ابوداؤد)(تفسیر ابن کثیر،123/1)

سوال 9: تھوڑی قیمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: تھوڑی قیمت سے مراد دنیا کے فائدے ہیں۔آخرت کے عظیم فائدے کے مقابلے میں دنیا کا وقتی فائدہ تھوڑی قیمت ہے۔اس لیے کہا گیا کہ دنیا کے مفادات کو اہمیت نہ دو۔اس کی مختلف قسمیں ہیں:﴿1﴾دین حق کو آباء واجداد کا دین بنانا اور رسم ورواج کی پیروی کرنا۔﴿2﴾نذرانوں اور حقیر ہدیوں کی خاطر اللہ تعالیٰ کا دین چھوڑ دینا۔﴿3﴾اپنی مذہبی وعلمی برتری جس کی وجہ سے لوگوں کی محبت وعزت کا محور بنے ہوئے ہوں تو اسے نہ چھوڑ سکنا اور حق چھوڑ دینا۔﴿4﴾مال لے کر غلط فتوے دینا۔

سوال 10:﴿وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ﴾''اور صرف مجھ ہی سے پس تم ڈرتے رہو''کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یعنی تمہارے دلوں میں میرے سوا کسی کا ڈر نہ ہوتا کہ جو عذاب تمہارے بڑوں پر آیا جنہیں بندر اور سؤر بنایا گیا کہیں وہ تم پر نہ آجائے۔﴿2﴾اور میرے سوا کسی سے نہ ڈرو کیونکہ جب تم صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو یہ چیز تم میں تقویٰ اور تھوڑی سی قیمت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقابلے میں آیات الٰہی پر ایمان کو مقدم رکھنے کی موجب ہوگی۔ جیسے جب تم آیات الٰہی کے بدلے تھوڑی سی قیمت کو پسند کر لیتے ہو تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تمہارے دلوں سے تقویٰ کوچ کر گیا ہے۔ (تفسیر سعدی:108/1)

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (42)﴾

''اور تم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔''(42)

سوال 1: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ﴾ ''اور تم حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ ہی حق کو چھپاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ دو چیزیں توجہ طلب ہیں ایک تو حق کو باطل کے ساتھ ملانا اور دوسرے کتمان حق جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ ﴿2﴾ لوگ دین میں علماء کی پیروی کرتے ہیں۔ اہل کتاب سے یہ توقع تھی کہ وہ علم کو واضح کر کے بتائیں تا کہ لوگوں کے لیے سیدھا راستہ اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے لیکن انہوں نے حق کو چھپایا اور حق اور باطل کو گڈمڈ کیا۔ ﴿3﴾ حق کو باطل کے ساتھ ملانے کے لیے جھوٹی تاویلیں دی جاتی ہیں۔ اس لیے فرمایا: ''جھوٹی تاویلیں کر کے سچ کو جھوٹ سے نہ ملاؤ'' (تفسیر ثنائی) قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ یہ اس لیے ہے کہ یقیناً وہی اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور یقیناً اس کے سوا جن کو وہ پکارتے ہیں وہی باطل ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہی بے حد بلند، بے حد بڑا ہے۔ (لقمان:30) ﴿3﴾ جو شخص حق کو چھپاتا ہے وہ جہنم کی طرف بلانے والوں میں سے ہوتا ہے۔ (بخاری:6819)

سوال 2: حق کو باطل کے ساتھ ملانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: حق کو باطل کے ساتھ ملانے سے مراد ہے حق کو باطل کا لباس پہنانا یعنی غلط کام کرنا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ظاہر کرنا۔

سوال 3: یہودی حق کو باطل کے ساتھ کیسے ملاتے تھے؟

جواب: یہودی حق کو چھپا کر باطل کا غلبہ دیکھنا چاہتے تھے۔ حق اسلام ہے اور یہودیت اور عیسائیت باطل ہے۔ یہودی حق اور باطل کو جمع کر دیتے تھے اور باقی لوگ ان سے متاثر ہوتے تھے۔ مدینہ کے باقی افراد یہودیوں سے ان کے علمی رعب اور مذہبی شان کی وجہ سے بہت متاثر تھے۔ وہ یہودیوں سے نبی ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کی دعوت کے بارے میں پوچھتے تھے تو یہود موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر پوچھنے والے کے دل میں نبی ﷺ کے مشن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیتے تھے یا آپ ﷺ پر کوئی الزام لگا دیتے تھے تا کہ حق ان پر مشتبہ ہو جائے۔ یہ جھوٹا پروپیگنڈہ ہی دراصل باطل کا رنگ تھا جسے حق کے ساتھ ملایا جا رہا تھا۔

سوال 4: آج کے دور میں حق کو باطل کے ساتھ کیسے ملایا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ باطل کے کئی اصولوں کو اسلامی اصول سمجھنا اور انہیں رائج کرنا۔ ﴿2﴾ کاروبار کے سودی طریقے کو اسلامی کہنا۔ ﴿3﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پارلیمنٹ کوشوریٰ سمجھنا۔﴿4﴾غیر اسلامی عدلیہ کو اسلامی عدلیہ سمجھنا۔﴿5﴾غیر اسلامی قوانین کو اسلامی قوانین کی طرح قبول کرنا۔

سوال5: حق کو چھپانے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾حق بات پتہ ہو لیکن دوسرے کو نہ بتائی جائے۔﴿2﴾جو لوگ سچے دین کی دعوت لے کر اٹھیں، ان پر کوئی الزام لگا دیا جائے تا کہ لوگ نہ صرف ان افراد کے بارے میں بلکہ دین کے بارے میں بھی شک میں مبتلا ہو جائیں۔﴿3﴾جو لوگ دین کی دعوت لے کر اٹھیں، ان کے بارے میں کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑا جائے، طرح طرح کے الجھن میں ڈالنے والے سوالات چھیڑے جائیں تا کہ لوگ خود بھی الجھیں اور دوسروں کو بھی الجھائیں۔ یہ معاملہ شخصیات تک محدود نہیں رہتا بلکہ لوگ دین کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔﴿4﴾دین کی دعوت لے کر اٹھنے والوں کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کیا جائے، ان پر اعتراضات کر کے نہ صرف شخصیات کے بارے میں رائے خراب کی جائے بلکہ دین کو بھی مشتبہ کر دیا جائے۔

سوال6: یہود حق کو کیسے چھپاتے تھے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھپاتے تھے۔﴿2﴾رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بشارتوں کو چھپاتے تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تم محمد ﷺ کے بارے میں بشارتوں کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو اور ان کا تذکرہ تورات اور انجیل میں پاتے ہو۔

سوال7: آج حق کو کیسے چھپایا جا رہا ہے؟

جواب:﴿1﴾کتاب کی اصل تعلیمات کو آنے والی نسلوں سے چھپایا جا رہا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کے احکامات کو چھپایا جا رہا ہے یہ کہہ کر کہ یہ اس دور کی بات تھی، آج اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔﴿3﴾اصل کتاب کے مقابلے میں جھوٹے احکامات کو گھڑ کر دھوکہ دیا جا رہا ہے جیسے ''فرقان الحق'' کے ذریعے احکامات کو بگاڑا جا رہا ہے۔ (فرقان الحق ایک کتاب ہے جس میں قرآنی آیات کو بدلنے کی جسارت کی گئی ہے)

﴿4﴾اسلام کے احکامات کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے اور شبہات اور اعتراضات سے حق کو چھپانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

سوال8:﴿وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ''حالانکہ تم جانتے ہو'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: حالانکہ تم جانتے ہو یعنی پہلی کتابوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جانتے ہو۔

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّٰكِعِينَ(43)﴾

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''(43)

سوال1:﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّٰكِعِينَ﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ ﴿**وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ**﴾ یعنی ظاہری اور باطنی طور پر نماز قائم کرو اس لیے کہ نماز سے ہی اللہ تعالیٰ سے تعلق جڑتا ہے اور اس کی مدد حاصل ہوتی ہے۔﴿2﴾ ﴿**وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ**﴾ یعنی مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دو۔ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مال میں عائد کردہ فریضہ ہے جس کو صاحب استطاعت ہر سال مقررہ شرح کے مطابق ادا کرتا ہے۔﴿3﴾ ﴿**وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ**﴾ ''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو'' یہود کی صلوٰۃ میں رکوع نہ تھا۔ اس آیت کے ذریعہ انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ نبی ﷺ کی اتباع کرو۔ (تیسیر القرآن:18)﴿4﴾ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو یا اصحاب محمد ﷺ کے ساتھ نماز پڑھو۔ (صفوۃ التفاسیر:46/1)﴿5﴾ ابن جریر کہتے ہیں کہ اس آیت میں علمائے بنی اسرائیل اور بنی اسرائیل کے منافقین کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں، مسلمانوں کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں اور پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کر لیں۔ (تیسیر الرحمٰن:38/1)﴿6﴾ اس آیت سے با جماعت نماز کے وجوب پر استدلال کیا جاتا ہے۔ (الاساس:137/1)

سوال 2: اِقامتِ صلوٰۃ کی تلقین کیوں کی گئی ہے؟

جواب:﴿1﴾ نماز کے ذریعے ایک ایمان لانے والے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بنتا ہے۔﴿2﴾ نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے۔﴿3﴾ نماز کی اقامت کے ذریعے مسلمانوں میں باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔﴿4﴾ نماز کی اقامت کے ذریعے سب لوگوں میں مقصد کی یگانگت کی وجہ سے باہمی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔

﴿**اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**(44)﴾

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟'' (44)

سوال 1: ﴿**اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ**﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ کیا تم لوگوں کو ایمان اور نیکی کا حکم دیتے ہو۔﴿2﴾ البر اعمال خیر کے لیے ایک جامع لفظ ہے۔ (تفسیر کبیر)﴿3﴾ یہاں اس سے مراد محمد ﷺ پر ایمان اور اسلام میں داخلہ ہے۔ (ایسر التفاسیر:32/1)

سوال 2: ﴿**وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ**﴾ ''اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ یعنی اپنے آپ کو ایمان اور بھلائی کا حکم دینا چھوڑ دیتے ہو۔﴿2﴾ کیا تم اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور محمد ﷺ کی اتباع نہیں کرتے۔ (تفسیر خازن:41/1)

سوال 3: دوسروں کو نیکی کا حکم دینا اور خود عمل پیرا نہ ہونا کیسا رویہ ہے؟

جواب:﴿1﴾ دوسروں کو نیکی کا حکم دینا اور خود عمل پیرا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ رویہ ہے۔ جب بھی دین ایک پیشہ بن جاتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو دین کو لے کر چلنے والے زبان سے جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کے عمل میں نہیں ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے خود نہیں ڈرتے لیکن دوسروں کو اس کی دعوت دیتے ہیں۔ لوگوں کو بھلائی کی دعوت دیتے ہیں لیکن اپنی عملی زندگی میں اس کے خلاف چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہوئے یہ دوغلا رویہ اختیار کرنا انتہائی مکروہ کام ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ قول و فعل میں تضاد نہ ہو، ہدایت و عمل کا آغاز اپنی ذات سے ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں معراج کے دن ان لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ اور زبان کاٹے جا رہے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے بے عمل عالم ہیں۔'' (ابوداؤد) ﴿3﴾ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک آدمی کو آگ میں ڈالا جائے گا۔ اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی۔ وہ انہیں لے کر ایسے گھومے گا جیسے گدھا چکی میں گھومتا ہے۔ اس کے گرد جہنمی جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں! تجھے کیا ہوا ہے؟ کیا تو نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا؟ وہ کہے گا: ہاں! یقیناً لیکن میں لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا''۔ (بخاری: 3267) اللہ تعالیٰ کو عمل سے خالی اور زبان کے رسیلے لوگ پسند نہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو؟ (الصّف: 2) ﴿4﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن وہ خود جل رہا ہے۔'' (معجم کبیر طبرانی) ﴿5﴾ احوص بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگاہ رہو کہ سب سے بدتر علماء بے عمل ہیں۔'' (دارمی، تفسیر مظہری: 104/1)

سوال 4: بے عملی کے رویے کا اپنی ذات اور معاشرے کو کیا نقصان پہنچتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ بے عملی کے رویے کا انسان کی اپنی ذات پر یہ برا اثر پڑتا ہے کہ اس کے الفاظ کھوکھلے ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ ﴿2﴾ معاشرے میں انسان کی بات کا کوئی اثر نہیں رہتا۔ لوگ داعی کے دوہرے رویئے کو دیکھ کر خود بھی عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ دعوت مشکوک ہو جاتی ہے۔ دعوت دینے والے مشکوک ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں سے ایمان کی روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ دین پر سے لوگوں کا اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔

سوال 5: ﴿ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، تو کیا تم نہیں سمجھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ عقل کو اس لیے عقل کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے فائدہ مند چیز اور بھلائی کا شعور حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے اس چیز سے بچا جاتا ہے جو ضرر رساں ہے۔ اس لئے کہ عقل انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس پر سب سے پہلے خود عمل کرے اور جس چیز سے روکتا ہے اس کو سب سے پہلے خود ترک کرے۔ ﴿2﴾ جو کوئی کسی کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا یا وہ کسی کو برائی سے روکتا ہے اور خود اسے ترک نہیں کرتا تو یہ چیز اس کی جہالت اور اس کے بے عقل ہونے کی دلیل ہے خاص طور پر جب کہ ایسا شخص اس حقیقت کا علم بھی رکھتا ہو پس اس پر حجت قائم ہو گئی۔ ﴿3﴾ آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل نہیں ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ انسان جس کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے اگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے رک جائے۔ (تفسیر سعدی:109,110/1)

سوال 6: کتاب کی تلاوت کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہونے چاہئیں؟

جواب: کتاب کی تلاوت سے انسان کا رویہ بدلنا چاہیے اور اسے ایک ایسا انسان بننا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کے آگے جھکا ہوا ہو۔ جو ہر وہ کام کرنا چاہے جسے اللہ تعالیٰ کرنے کا حکم دیں اور اللہ تعالیٰ کے روکے سے اسے رک جانا چاہیے۔

سوال 7: ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کہہ کر کیا احساس دلایا جا رہا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی کتاب حق پر مبنی ہے اور انسان کو قول وعمل کی سچائی سکھاتی ہے۔ کتاب کی تلاوت کرنے والوں سے توقع ہوتی ہے کہ وہ کتاب سے سچائی سیکھیں گے۔ ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ کہہ کر یہ احساس دلایا ہے کہ کتاب کی تلاوت کرنے کے باوجود نہ قول کی سچائی سیکھی ہے نہ عمل کی۔ اگر تم عقل سے کام لو، غور وفکر کرو تو تمہیں اس گھناؤنی حرکت کا اندازہ ہوگا۔ تم دوسروں کو وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ خود عمل نہ کر کے عملی طور پہ سچائی سے دور ہو جاتے ہو۔ بے عملی کے ساتھ نیکی کا حکم دے کر قول سے بھی سچائی سے دور ہو جاتے ہو۔ اتنی سی بات تمہیں سمجھ نہیں آتی۔

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ (45) ﴾

"اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو اور بلاشبہ وہ (نماز) یقیناً بہت بڑی ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر۔" (45)

سوال 1: ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ "اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ تمام امور میں صبر کی تمام اقسام سے مدد لیں۔ ﴿2﴾ صبر کی اقسام یہ ہیں۔ (i) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اپنے نفس کو پابند کرنا۔ (ii) اس کی نافرمانی سے اپنے آپ کو روکنا یہاں تک کہ اسے ترک کر دے۔ (iii) اس کی تقدیر پر صبر کرنا اور اس پر ناراضگی کا اظہار نہ کرنا۔ ہر معاملے میں صبر کے ذریعے بڑی مدد ملتی ہے۔ جو کوئی صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صبر کرنے کی توفیق سے نواز دیتا ہے۔ ﴿3﴾ اسی طرح نماز ہے جو کہ ایمان کی میزان ہے اور فواحش ومنکرات سے روکتی ہے۔ ہر معاملہ میں نماز سے مدد لی جاتی ہے۔ (تفسیر سعدی:111/1) ﴿4﴾ صبر اور صلوٰۃ ایک مومن کے دنیاوی زندگی کے مصائب کو برداشت کرنے کے لیے بڑے ہتھیار ہیں۔ صلوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی استعانت طلب کرے گا تو مصائب سے چھٹکارا ہوگا۔ مصائب سے چھٹکارا نہ ہو سکا تو صبر کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے اجر پائے گا۔ (تیسیر القرآن:18) ﴿5﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سجدہ کرتے ہوئے بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، پس سجود میں کثرت کے ساتھ دعا کیا کرو۔ (صحیح مسلم:1083) ﴿6﴾ سیدنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول ﷺ ساری رات نماز میں مشغول رہے۔(تفسیر مظہری:127/1)《7》رسول اللہ ﷺ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے:یَا بِلَالُ ! اَرِحْنَا بِالصَّلٰوۃِ ''اے بلال رضی اللہ عنہ! نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ(یعنی اذان دو)''(مسند احمد:364/5)

سوال 2: صبر سے مدد لینے کو کیوں کہا گیا؟

جواب: 《1》صبر کے ذریعے انسان کا دین پختہ ہوتا ہے اور انسان میں استقامت آتی ہے۔《2》صبر کی جزا جنت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:میرے نزدیک میرے اس بندہ مومن کے لیے اہل دنیا میں سے جس کے محبوب کو میں نے اٹھالیا اور وہ اس پر صبر وتحمل کرتے ہوئے اجروثواب کی امید رکھے جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔(بخاری:6424)

سوال 3: انسان کو حق کے راستے پر چلتے ہوئے صبر سے کام لینے کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟

جواب: انسان کو زندگی میں بار بار صبر اور استقامت سے کام لینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔《1》صبر ہر مصیبت کا علاج ہے۔《2》صبر ہر مشقت کی دوا ہے۔《3》صبر ہر مشکل کا حل ہے۔《4》صبر ہی انسان کو حق کے راستے پر ہمیشہ چلائے رکھتا ہے۔

سوال 4: کون سی چیز انسان کے اندر صبر پیدا کرتی ہے؟

جواب: ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جانے کا یقین انسان کے اندر صبر پیدا کرتا ہے۔

سوال 5: مشکل معاملات میں نبی ﷺ کا کیا طرز عمل ہوتا تھا؟

جواب: آپ ﷺ کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو فوراً نماز کا اہتمام کرتے تھے۔(مسند احمد:388/5)

سوال 6: انسان حق کے راستے پر چلنے کے لیے نماز سے کیسے مدد لے سکتا ہے؟

جواب: نماز بندے اور رب کے درمیان ایک خاص ملاقات ہے۔انسان کا دل اس ملاقات سے ایک خاص تعلق میں بندھ جاتا ہے۔انسان کی روح نماز سے غذا حاصل کرتی ہے،قوت حاصل کرتی ہے۔یہ قوت،یہ تعلق دنیا کے تمام مال واسباب سے زیادہ قیمتی ہے۔جب ہر قسم کی مدد ختم ہو جائے،جب سارے اسباب کا رشتہ کٹ جائے تو انسان کو نماز مدد دیتی ہے۔

سوال 7: نماز کی پابندی کن لوگوں کے لیے مشکل ہوتی ہے؟

جواب: 《1》نماز کی پابندی ان لوگوں کے لیے مشکل ہوتی ہے جو آخرت کے بارے میں غلط فہمیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔《2》جو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری نہیں کرتے۔

سوال 8: نماز کی پابندی کن لوگوں کے لیے آسان ہوتی ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: نماز کی پابندی خشوع وخضوع کرنے والوں کے لیے آسان ہوتی ہے۔

سوال 9: انسان کے لیے نیک کام کرنا کیسے مشکل ہوجاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ آخرت سے بے فکری انسان کے لیے نیک کاموں کو مشکل بنادیتی ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتا ہے تو اپنے فیصلے خود کرتا ہے۔ ایسے میں اسے نیک کاموں کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ﴿2﴾ جب آخرت کی کامیابی مقصد نہیں رہتی تو اس کے لیے کوشش کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس لیے آخرت سے بے فکر ہونے والے نیک اعمال کو پہاڑوں جیسا بوجھل محسوس کرتے ہیں۔

سوال 10: انسان کے لیے نیک اعمال کیسے آسان ہوتے ہیں؟

جواب: آخرت کا یقین انسان کے لیے بڑے سے بڑے مشکل کام کو آسان بنادیتا ہے۔

سوال 11: نماز کا چھوڑنا کس کے لیے مشکل ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو یہ سمجھتا ہو کہ مرنے کے بعد اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب دینا ہے۔ ﴿2﴾ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے آگے سر جھکا چکا ہو۔

سوال 12: ﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ''اور بلاشبہ وہ (نماز) یقیناً بہت بڑی ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ نماز ڈرنے والوں کے سوا سب پر شاق گزرتی ہے۔ ﴿2﴾ نماز خشوع کرنے والوں پر ہلکی اور آسان ہوتی ہے کیونکہ خشوع، خشیت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید ان کے لیے شرح صدر کے ساتھ نماز کے قیام کی موجب ہوتی ہے کیونکہ وہ ثواب کی امید کرتے اور عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ثواب کی امید نہیں رکھتا اور عذاب سے نہیں ڈرتا اس کے اندر کوئی ایسا داعیہ موجود نہیں ہوتا جو اسے نماز کی طرف بلائے۔ جب ایسا شخص نماز پڑھتا ہے تو نماز اس کے لیے سب سے بوجھل چیز ہوتی ہے۔ خشوع سے مراد ہے قلب کا اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ سرافگندہ ہونا، اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس پرسکون اور مطمئن ہونا اور اس کے سامنے ذلت وفقر کے ساتھ اس کی ملاقات کی امید پر انکسار کا اظہار کرنا۔ ﴿3﴾ دل کی حاضری اور اعضاء کا سکون خشوع کہلاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے خضوع اور اس کے احکامات کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب ہے۔ (ایسر التفاسیر: 32/1)

سوال 13: کون لوگ خشوع وخضوع کرتے ہیں؟

جواب: جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں یعنی موت کے بعد کی زندگی، قبروں سے اٹھائے جانے کا اور رب العالمین کے حضور پیش ہونے کا یقین اور یہ کہ سارے معاملات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف سے فیصلہ فرمائے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ(46)﴾

”جو یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“(46)

سوال 1: ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ ”جو یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور یقیناً وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ﴾ یعنی جو یہ یقین رکھتے ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کریں گے۔ ﴿3﴾ ﴿وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ اور وہ ان کو اعمال کی جزا دے گا۔ ﴿4﴾ یہ یقین عبادت کو آسان کر دیتا ہے۔ یہ یقین کہ ہم اپنے رب سے جزا پائیں گے مصائب کو آسان کر دیتا ہے، برے کاموں سے روکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے جنت کی نعمتیں ہیں۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کا احساس کیسے رہتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اپنی پیدائش پر غور وفکر کرنے سے: ’میں کیا ہوں؟‘ مجھے کس چیز سے بنایا گیا؟“ میں کس طرح تھی اب کیسے ہوگئی۔ زندگی کا یہ سفر کہاں سے شروع ہوا اور کہاں تک پہنچا؟ پیدائش سے لے کر آج تک ایک سفر تھا جو جاری رہا۔ کس نے طاقت دی؟ کس نے راستہ بتایا؟ کس نے سفر کے مراحل بتائے؟ کون یہاں تک لے کر آیا؟ سفر تو جاری ہے۔ جو آج یہاں تک لے آیا اس نے یہی طریقہ کار مقرر کر رکھا ہے۔ جو دنیا میں آتا ہے وہ لوٹ کر جاتا ہے۔ مجھ سے پہلے لوگ بھی دنیا میں رہے ضرور لیکن مستقل نہیں۔ اگر وہ لوٹ گئے تو مجھے بھی لوٹ کر جانا ہے۔ ﴿2﴾ اس کائنات پر غور وفکر کرنے سے، مختلف اشیاء کے فنا ہونے سے، موسموں کے بدلنے سے، دن اور رات کے آنے جانے سے، سورج کے نکلنے اور غروب ہونے سے انسان کو اپنے لوٹ جانے کا احساس رہتا ہے۔ ﴿3﴾ قرآن مجید کی تلاوت سے، اس پر غور وفکر کرنے سے۔ ﴿4﴾ موت کو یاد رکھنے سے۔ ﴿5﴾ کثرت سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جانے کا احساس بڑھتا ہے۔

رکوع نمبر 6

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ(47)﴾

”اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور یقیناً میں نے تمہیں جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی۔“(47)

سوال 1: ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ ”اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی“ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر سب سے بڑا انعام کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے انہیں حق کا علم دیا تھا، اپنے پیغمبروں کے ذریعے شریعت کا علم عطا کیا تھا اور انہیں ساری دنیا کے لیے راہ نما بنایا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ وہ سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام تھا۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ انعام دوسری بار اس لیے یاد دلایا ہے تا کہ وہ قرآن مجید اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں۔سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بن جائیں۔ وہ بھی جھک جانے والوں کے ساتھ جھک جائیں۔﴿عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ سارے جہان سے مراد ان کا زمانہ ہے۔ یہ فضیلت اس اعتبار سے تھی کہ ان پر کتاب نازل کی اور ان میں رسول بھیجے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو لوگ تھے وہ ان کے آباء تھے۔(تفسیر قاسمی:120/1) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ فضیلت تب عطا کی تھی جب وہ صحیح معنوں میں حق پر قائم تھے۔جب انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تھا۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے یہود کو دوسری قوموں کو خبردار کرنے کا فریضہ سونپا تھا۔اس کے لیے انہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ، وقتی لغزشوں سے درگزر، غیر معمولی حالات میں غیر معمولی مدد اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے پینے کے انتظامات جیسی سہولیات دی گئی تھیں۔ ﴿5﴾اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ فضیلت تب واپس لے لی جب انہوں نے اپنے رب کے احکامات سے منہ پھیر لیا، انبیاء علیہم السلام کی نافرمانیاں کرنے لگے، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کی، اور اپنی ذمہ داریاں ادا کرنا چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فضیلت واپس لے لی۔﴿6﴾بنی اسرائیل نہ تو خود حق پر قائم رہے تھے اور نہ ہی انہوں نے انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا صحیح پیغام پہنچایا تھا۔دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود کو بھول جاتے تھے۔

سوال2:﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ”اور یقیناً میں نے تمہیں جہانوں پر فضیلت عطا کی تھی“ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سارے جہان پر کیا فضیلت عطا کی تھی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سارے جہان میں سے اپنے خاص کام کے لئے چن کر فضیلت عطا کی تھی۔ان میں بے شمار رسول بھیجے، کتابیں بھیجیں تا کہ ان کے ذریعے دوسری قوموں کو خبردار کر دیں اور سب کو کائنات کی سب سے بڑی سچائی اللہ تعالیٰ کے متعلق بتا دیں اور ان تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیں۔﴿عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی اپنے زمانے کے جہان پر۔

سوال3: بنی اسرائیل کے بعد فضیلت کا یہ منصب کس امت کو سونپا گیا؟

جواب: امت مسلمہ کو، رب العزت نے فرمایا:﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ (آل عمران:110)

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ(48)﴾

”اور ڈرو اس دن سے جب کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔“(48)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 1: ﴿ **وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ** ﴾ ''اور ڈرو اس دن سے جب کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو برائیوں سے بچانے اور نیکیوں پر آمادہ کرنے کے لئے قیامت کے دن سے ڈرایا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ **يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا** ﴾ ''اس دن سے جب کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی'' جس دن کوئی کسی قریبی رشتہ دار کے کام نہیں آئے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ (الزمر:7) ﴿ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿٣٤﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴾ اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا۔ اس دن ان میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اسے (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گی۔ (عبس:34۔37) ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِىْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ بھی کام آنے والا ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، چنانچہ دنیا کی زندگی تمہیں بالکل دھوکے میں نہ ڈالے اور وہ بڑا دھوکے باز ہرگز تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ نہ دے جائے۔ (لقمان:33) ﴿ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۭ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴾ جس دن کسی جان کو کسی جان کے لیے کوئی اختیار نہ ہوگا اور اس دن حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا۔ (الانفطار:19) ﴿3﴾ انسان کو کوئی تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی کام نہیں آئے گا۔ ﴿4﴾ ﴿ **وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ** ﴾ ''اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی'' رب العزت نے فرمایا: ﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴾ چنانچہ سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کو کوئی نفع نہ دے گی۔ (المدثر:48) ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴾ پس اب ہمارے لیے کوئی سفارش کرنے والوں میں سے نہیں۔ (الشعراء:100) ﴿5﴾ شفاعت اس شخص کی قبول کی جائے گی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ پسند کریں اور جس کی وہ اجازت دیں یعنی ہر شخص شفاعت نہیں کر سکے گا اور نہ ہر کسی کے لیے شفاعت کی جا سکے گی۔ ﴿6﴾ ﴿ **وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ** ﴾ ''اور نہ اس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا'' رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ کافر تھے تو ان میں سے کسی ایک سے زمین بھر سونا بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور اگرچہ وہ اس کو فدیے میں دے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ (آل عمران:91) اسی طرح اس نے ارشاد فرمایا: ﴿ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْۗءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴾ اور اگر واقعی ان کے پاس جنہوں نے ظلم کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوراس کے ساتھ اس کی مانند اور بھی ہو تو وہ قیامت کے دن کے برے عذاب سے بچنے کے لیے ضرور اسے فدیے میں دے دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے ان پر وہ ظاہر ہو جائے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں رکھتے تھے۔(الزمر:47)﴿7﴾﴿ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾''اور نہ ان کی مدد کی جائے گی''یعنی ان سے عذاب نہیں ہٹایا جائے گا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴾ تو اس کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ ہی مددگار۔(الطارق:10)(بخاری:2753)﴿8﴾ ہر چیز بندے پر واجب کرتی ہے کہ وہ مخلوق سے تعلق اور امید کو منقطع کر دے کیوں کہ اسے علم ہے کہ مخلوق اسے ذرہ بھر نفع پہنچانے پر قادر نہیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو جوڑے جو نفع پہنچانے والا اور تکالیف کو دور کرنے والا ہے پس صرف اسی کی عبادت کرے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کی عبادت پر اسی سے مدد مانگے۔(تفسیر سعدی:112/1)

سوال 2: بنی اسرائیل کے بگاڑ کی بنیادی وجہ کیا تھی؟

جواب: بنی اسرائیل کے بگاڑ کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے عقیدۂ آخرت میں خرابی آگئی تھی۔

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (49) ﴾

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی، وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا کرتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور تمہارے لئے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔''(49)

سوال 1:﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔یہاں سے تفصیلاً ان کا ذکر شروع کیا گیا ہے۔﴿2﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں فرعون اور اس کے لشکروں سے نجات دی جو تمہیں ذلت آمیز عذاب میں مبتلا کرتے تھے۔﴿3﴾ آل فرعون سے مراد ہے فرعون کے خاندان کے لوگ ہیں۔مصر کے حکمران طبقے کے علاوہ آل فرعون میں اس کے وہ سارے ساتھی شامل تھے جو اس کے جیسے نظریات رکھتے تھے اور اس کو درست سمجھتے تھے۔

سوال 2:﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾''وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا رکھتے تھے، تم سے کام لیتے تھے، تمہیں ایذائیں پہنچاتے تھے۔

سوال 3:﴿ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ﴾''وہ تمہارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہنے دیتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ تمہاری تعداد کو کم کرنے کے لیے تمہارے بیٹے ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری عورتوں کو مذمت اور ذلت کے لیے زندہ رکھتے تھے۔ (زادالمسیر :65/1)

سوال 4: ﴿وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ ’’اور تمہارے لئے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی تمہاری حالت یہ تھی کہ بیٹوں کے قتل سے تمہاری نسل ختم کی جارہی تھی، تمہاری عورتوں سے خدمت لے کر انہیں ذلیل کیا جارہا تھا، انہیں اظہار غلبہ کے لیے زندہ رکھا جاتا تھا اور ان سے مشقت لی جاتی تھی۔ ﴿2﴾ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے نجات عطا کی تو اس عظیم نعمت میں تمہارے لیے آزمائش ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اس کا شکر ادا کرتے ہو اور اس کی اطاعت کرتے ہو یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے احسان نے اطاعت اور شکر کو واجب کر دیا ہے۔

﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ(50)﴾

’’اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔‘‘(50)

سوال 1: ﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ﴾ ’’اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ﴾ ’’اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا‘‘ رب العزت نے اسی بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ﴾ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکلو۔ پھر ان کے لیے سمندر میں سوکھا راستہ بنالو۔ نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ اور نہ تمہیں ڈر لگے۔ (طٰہٰ:77) سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا پیچھا کیا۔ اس وقت دائیں بائیں پر پیچ پہاڑی سلسلے تھے، پیچھے لشکر تھا اور سامنے سمندر۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ سمندر پر اپنا عصا ماریں۔ (الشعراء :63) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارتے ہی سمندر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور پانی کے عین درمیان میں خشک راستہ بن گیا۔ ﴿2﴾ ﴿فَأَنجَيْنَاكُمْ﴾ ’’پھر ہم نے تمہیں نجات دی‘‘ اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی۔ یعنی انہیں آل فرعون سے چھڑا لیا۔ بنی اسرائیل تو سمندر سے آرام سے گزر گئے۔ فرعون اور آل فرعون کو رب العزت نے غرق کر دیا۔ ﴿3﴾ ﴿وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ﴾ ’’اور ہم نے آل

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فرعون کوغرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے‘‘ فرعون نے جب پیچھا کیا تو سمندر کے بیچ میں پہنچنے پر سمندر کو آپس میں ملا کر اسے اور اس کے لشکر کو ڈبو دیا گیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ﴾ پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ پھر ان کو سمندر کے پانی نے ڈھانپ لیا جیسا کہ ڈھانپ لیا۔ (طٰہٰ:78)

سوال 2: فرعون غرق ہوا، اس دن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کیسے شکر ادا کیا کرتے تھے؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہر سال محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ آئے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ خوشی کا دن ہے۔ اسی دن اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو ان کے دشمنوں سے نجات دی تھی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے شکریے کے طور پر روزہ رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’موسیٰ علیہ السلام کی سنت کا میں تم سے زیادہ حق دار ہوں‘‘ آپ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ خود بھی رکھا اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہود محرم کی دس تاریخ کو روزہ رکھتے ہیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آج ہی کے دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر روزہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں موسیٰ کا تم سے زیادہ حق دار ہوں پھر رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری:2004)

سوال 3: ﴿وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے انسانی شعور کو کیسے بیدار کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانی شعور کو اپنے مقام سے پھٹتے ہوئے سمندر کے درمیان لے جا کر کھڑا کر دیا ہے اور یہ سوال کر کے چھوڑ دیا ہے کہ کیا تمہارے دیکھتے دیکھتے فرعون کو ڈبو نہیں دیا گیا؟ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا احساس دلایا ہے کہ جو لوگ رب کے احکامات کے سامنے بڑے بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لشکر (پانی) کے سامنے کیسے بے بس ہو جاتے ہیں!

﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (51)﴾

’’اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کی میعاد مقرر کی پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو پکڑ لیا اور تم ظلم کرنے والے تھے۔‘‘ (51)

سوال 1: ﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ ’’اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کی میعاد مقرر کی‘‘ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو چالیس روز کے لیے کہاں بلایا گیا اور کیوں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو چالیس روز کے لیے کوہ طور پر بلایا تھا تاکہ انہیں شریعت کے احکام (یعنی اپنی کتاب) عطا کریں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ ''پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو پکڑ لیا اور تم ظلم کرنے والے تھے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد یہ کیسے ممکن ہوا کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا لیا؟

جواب: بنی اسرائیل کو سامری نے یہ کہا تھا، سورہ طٰہٰ میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ: ﴿هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ﴾ یہ ہے تمہارا اور موسیٰ کا خدا جسے وہ بھول گیا تھا۔ بنی اسرائیل نے قوم کے زیورات کے بوجھ سے دب جانے کی شکایت کی تھی۔ سامری نے کہا کہ سب مجھے دے دو۔ سب سونا چاندی اکٹھا کر لیا گیا، پگھلایا گیا، اسے بچھڑے کی شکل دی گئی جس میں سے آواز آتی تھی اور جب سامری نے کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے تو بنی اسرائیل اس کے گرد چکر کاٹنے لگے اور اس سے برکتیں مانگنے لگے۔

سوال 3: یہود نے بچھڑے کو معبود کیسے بنا لیا؟

جواب: بنی اسرائیل کے اندر گاؤ پرستی کی بیماری ہمسایہ قوموں سے آئی تھی۔ بنی اسرائیل کی ہمسایہ قوموں میں گائے کی پوجا کی بیماری پھیلی ہوئی تھی۔ مصر اور کنعان میں اس کا رواج عام تھا۔ بنی اسرائیل جب غلام بن کر گئے تو آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے حکمرانوں سے یہ گائے پرستی کی بیماری لے لی۔ اس وجہ سے جب سامری نے بچھڑے کی صورت بنائی تو انہیں کچھ بھی عجیب نہیں لگا۔

سوال 4: ﴿وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ ''اور تم ظلم کرنے والے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ تم ظلم کرنے والے یعنی شرک کرنے والے تھے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ﴾ یقیناً تم نے بچھڑے کو پکڑنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ (البقرہ:54) ﴿2﴾ یعنی تم نے عبادت کو اس کے صحیح مقام پر نہ رکھا۔ (تفسیر قاسمی: 125/1) ﴿3﴾ تم پر حجت قائم ہوگئی تم جانتے تھے کہ تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر گناہ کیا ہے۔

﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(52)﴾

''پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔'' (52)

سوال 1: ﴿ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ''پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا'' اللہ تعالیٰ نے کس گناہ پر بنی اسرائیل کو معاف کر دیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کی پرستش جیسا گناہ اور جرم معاف کر دیا تھا۔ ﴿2﴾ اور اس توبہ پر یہ شرط رکھی تھی کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ (البقرہ:54)

سوال 2: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''تاکہ تم شکر کرو'' اللہ تعالیٰ نے شرک سے کیوں درگزر کیا تھا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے اس لئے شرک سے درگزر کیا تھا تا کہ لوگ معافی ملنے پر شکر ادا کریں۔﴿2﴾امام فراء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: احسان کی قدر شناسی اور اس کا زبان سے اقرار شکر کہلاتا ہے۔(قرطبی:166/2)﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کر کے اس کا اظہار کرنا شکر گزاری کے تقاضے ہوتے ہیں۔

﴿وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ(53)﴾

''اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرق کرنے والی چیز دی تا کہ تم ہدایت حاصل کرو۔''(53)

سوال1:﴿وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ﴾''اور (وہ واقعہ یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرق کرنے والی چیز دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ کتاب سے مراد تورات ہے۔(ابن ابی حاتم:109/1)﴿2﴾سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: فرقان سے مراد کتاب ہے جس سے حق اور باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔(جامع البیان:406/1)﴿3﴾یہاں اس سے مراد دین کا علم اور فہم ہے جس کی وجہ سے انسان کو بھلائی اور برائی میں، حق اور باطل میں فرق کا پتہ چلتا ہے۔

سوال2:اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کسی قوم کو کیوں عطا کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کے احکامات پر مشتمل ہوتی ہے جو اس کی طرف سے انسانوں کو ملتے ہیں اور جس امت کو یہ احکامات عطا کیے جاتے ہیں اس نے اس پیغام کو تمام دنیا تک پہنچانا ہوتا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ اپنی کتاب اس لئے بھیجتے ہیں تا کہ وہ انسانوں کے لئے راہ نما بنے۔

سوال3:﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾''تا کہ تم ہدایت حاصل کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾تا کہ تم کتاب پر عمل کر کے گمراہی سے ہدایت پاؤ۔(تفسیر قاسمی:126/1)﴿2﴾تا کہ تم دین ودنیا کے تمام معاملات کے لیے حق کو پہچان جاؤ۔(ایسر التفاسیر:34/1)

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ(54)﴾

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میری قوم! یقیناً تم نے بچھڑے کو پکڑنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا، لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو یہی تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی، یقیناً وہی بے حد توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''(54)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 1: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''اے میری قوم! یقیناً تم نے بچھڑے کو پکڑنے کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد بنی اسرائیل نے یہ ظلم کیا تھا کہ انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا تھا۔

سوال 2: ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: بنی اسرائیل کے ظلم کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا کہ اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔﴿1﴾ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ صفوں میں کھڑے ہوئے۔ان میں سے بعض نے بعض کو قتل کیا حتیٰ کہ انہیں کہا گیا رک جاؤ۔ان میں سے مقتول کے لیے شہادت تھی اور زندہ کے لیے توبہ۔(جامع البیان:410/1)﴿2﴾ ابن کثیر اور فتح القدیر کی روایت کے مطابق 70 ہزار افراد قتل ہوئے۔

سوال 3: ﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ﴾ ''یہی تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک توبہ اور قتل معصیت پر اصرار سے بہتر ہے۔(الاساس:148/1)﴿2﴾ یعنی تمہارا اپنے لوگوں کو قتل کرنا تمہارا پیدا کرنے والے کے نزدیک بچھڑے کی پوجا پر قائم رہنے سے بہتر ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے اپنے الباری ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے کتاب اور فرقان عطا کرنے سے اپنے باری ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو پیدا کرنے والا ہو وہی راہ نمائی کرنے والا ہوتا ہے،اسی کی راہ نمائی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع کرنے کا حکم دے کر اپنے باری ہونے کا شعور دلایا ہے۔ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے اور انسان کی اصل حقیقت اس کے پیدا کرنے والے سے جڑی ہوئی ہے۔

سوال 5: ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: تم نے وہی کیا جو کہ تمہیں موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تو تمہاری توبہ قبول ہوئی اور تمہاری برائیوں سے درگزر کیا گیا۔(تفسیر مراغی:70/1)

سوال 6: ﴿فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ کے بعد ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ کے الفاظ سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لئے اسی کے بتائے ہوئے معافی کے طریقۂ کار کو قبول کرنا ضروری ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تب معاف کیا تھا جب انہوں نے شرک کرنے والوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیا تھا۔اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ لوگوں کو برائی سے نہ روکنے کی معافی یوں ہی نہیں مل سکتی۔اس کی سزا بعض اوقات دنیا میں بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔﴿3﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جب تک برائی کے اثرات نہیں مٹائے جائیں گے معافی نہیں مل سکتی۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کو قتل کرنے کے حکم پر عمل پیرا ہونے سے تمہیں معاف کیا شائد کہ تم شکرادا کرو۔

سوال 7:﴿ **اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** ﴾''یقیناً وہی بے حد توبہ قبول کرنے والا،نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا،نہایت رحم والا ہے۔اللہ تعالیٰ التواب ہے۔بے شک وہ گناہ گاروں کو توبہ کی توفیق دیتا ہے اوران سے توبہ قبول کرتا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ اس کے لیے الرحیم ہے جواس کی طرف لوٹتا ہے اوراس سے رجوع کرتا ہے۔(تفسیر مراغی:70/1)جوتوبہ کرے وہ اس کو معاف کرنے والا اور جوتوبہ پر مر جائے وہ اس کے حق میں رحیم ہے۔(تفسیر ابن عباس)

﴿ **وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** (55)﴾

''اور جب تم نے کہا:''اے موسیٰ!ہم ہرگز آپ پر یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ دیکھ لیں'' تو تمہیں بجلی نے پکڑلیا اور تم دیکھ رہے تھے۔''(55)

سوال 1:بنی اسرائیل کے علماء نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیوں کیا؟

جواب:انہوں نے اپنی سرکشی اور سنگ دلی کی وجہ سے یہ مطالبہ کیا۔

سوال 2:﴿ **وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** ﴾''اور جب تم نے کہا:اے موسیٰ!ہم ہرگز آپ پر یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ دیکھ لیں تو تمہیں بجلی نے پکڑلیا اورتم دیکھ رہے تھے'' کوہِ طور پر اعلانیہ اللہ تعالیٰ سے کلام کے مطالبے پر یہود کو کیسے ایک زبردست بجلی نے آ پکڑا،وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ **وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً** ﴾بنی اسرائیل کے 70 سرداروں کے سامنے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور فرمان پیش کیا۔ان میں سے بعض لوگ بے یقینی اور شک کی وجہ سے کہنے لگے کہ ہم تمہارے بیان پر کیسے یقین کرلیں کہ اللہ تعالیٰ تم سے ہم کلام ہوا ہے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے اعلانیہ اللہ تعالیٰ کو تم سے کلام کرتے نہ دیکھ لیں۔﴿2﴾﴿ **فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ** ﴾یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے سامنے تمہاری گستاخی کی انتہا تھی۔اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک کڑک نے انہیں آلیا اور وہ بے جان ہو کر گرگئے۔﴿3﴾انہیں ایک بے ہوشی نے آلیا یا تو وہ موت تھی یا عظیم بے ہوشی۔﴿4﴾﴿ **وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ** ﴾''اورتم دیکھ رہے تھے''(i)تم اس واقعے کو دیکھ رہے تھے۔(ii)تمہارے میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔(iii)ابتدا میں جن پر بجلی گری بعد والے اسے دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ سب کے سب مر گئے۔

﴿ **ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ** (56)﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھایا تاکہ تم شکر کرو۔''(56)

سوال1: ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ﴾ ''پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تمہیں اٹھایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو سرداروں کی موت کے بعد یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ اب قوم کو کیا منہ دکھاؤں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر انہیں دوبارہ زندگی دی۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو موت کے بعد زندگی عطا کی تھی۔ اس میں کیا حکمت تھی؟

جواب: بنی اسرائیل کو موت کے بعد زندگی عطا کرنے میں حکمت یہ تھی کہ وہ احسان شناس بنیں، اللہ تعالیٰ کے احسان کو محسوس کرنے لگیں اور اللہ تعالیٰ کے شکرگزار بن جائیں۔

سوال3: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''تاکہ تم شکر کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی تم موت کے بعد دوبارہ زندگی ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ (الوسیط: 14/1)

سوال4: اللہ تعالیٰ کو کون سا شکر مطلوب ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کو جو شکر مطلوب ہے وہ اس پر، اس کی کتابوں پر اور محمد ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ (تفسیر منیر: 182/1)

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ (57)﴾

''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا، کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔''(57)

سوال1: ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ ''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا'' یہود پر بادلوں کا سایہ کس مقام پر اور کیسے کیا گیا؟

جواب: بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تو لاکھوں کی تعداد میں تھے لیکن ان کے پاس سر چھپانے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں تھا جب کہ جزیرہ نمائے سینا میں دھوپ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ اس دور میں بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ رکھا گیا تاکہ انہیں ہلاک ہونے سے بچایا جا سکے۔

سوال2: ﴿وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾ ''اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا'' من وسلویٰ سے کیا چیزیں مراد ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ مَن سے مراد اوس ہے جو درخت یا پتھر پر گرتی تھی اور شہد کی طرح میٹھی ہوتی تھی۔ مَن سے مراد ترنجبین بھی لی جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک شہد یا میٹھا پانی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے: کھمبی مَن کی اس قسم میں سے ہے جو بنی اسرائیل اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی جس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پانی آنکھوں کے لئے شفاء تھا۔(کتاب الاشربہ)﴿2﴾ سلویٰ بٹیر یا چڑیا کی طرح کا پرندہ تھا جسے یہ ذبح کر کے کھا لیتے تھے۔

سوال 3: یہود کو من و سلویٰ کی غذائیں کیوں دی گئی تھیں؟

جواب: یہود کو من وسلویٰ کی غذائیں اس لیے دی گئیں تا کہ وہ معاشی جدوجہد سے فارغ رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کو ادا کرنے میں زیادہ مشغول رہیں۔ وہ ضرورت کی چیز پر قناعت کریں اور لذتوں کی تلاش میں بھاگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے بھاگ دوڑ کریں۔ سب سے بڑا فضل جو بنی اسرائیل پر ہوا وہ فکر معاش سے بے نیازی تھی تا کہ وہ پورے انہاک کے ساتھ دینی کاموں میں مشغول ہو سکیں۔ ان پر من وسلویٰ کی نعمتیں نازل کی گئیں۔ انہیں عام تکالیف سے بھی بچایا گیا۔ جنگل کی دھوپ سے بچنے کے لیے بادلوں کا سایہ مہیا کیا گیا تا کہ انہیں کوئی شکایت باقی نہ رہے اور وہ پورے وقت، قوت اور استعداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مشن کو پورا کریں لیکن وہ انعامات الٰہیہ سے صحیح صحیح استفادہ نہ کر سکے۔(سراج البیان:18/1)

سوال 4: ﴿كُلُوا مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقۡنَٰكُمۡ﴾ ''کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں وافر رزق دیا تو انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے کھائیں اور شکر ادا کریں۔ ﴿2﴾ اس کی عطا وافر اور احسان عظیم تھا جس نے صحراؤں میں وہ نوازا جو آسودہ حال شہروں کے باشندوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا۔

سوال 5: اس بات کو ذہن میں رکھنے کا کیا فائدہ ہے کہ رزق رب العزت کی طرف سے ملتا ہے؟

جواب: اس بات کو ذہن میں رکھنے سے کہ رزق رب العزت کی طرف سے ملتا ہے انسان کی طبیعت میں جھکاؤ آتا ہے اور اس کی وجہ سے انسان کھانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اصولوں کو قبول کرتا ہے۔ اس کے برعکس جب انسان اس بات کو ذہن میں نہیں رکھتا تو ایسی صورت میں ضابطے، اصول، طریقے سب اپنی مرضی کے بن جاتے ہیں۔

سوال 6: ﴿وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمۡ يَظۡلِمُونَ﴾ ''اور انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَمَا ظَلَمُونَا﴾ بنی اسرائیل نے نافرمانیاں کر کے اللہ تعالیٰ پر ظلم نہیں کیا تھا نافرمانوں کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ﴿2﴾ بنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت پر شکر ادا کرنے کی بجائے نافرمانیاں کیں تو ان کے دل سخت ہو گئے اور گناہوں کی کثرت بھی جاری رہی۔ ﴿3﴾ ﴿وَلَٰكِن كَانُوٓا أَنفُسَهُمۡ يَظۡلِمُونَ﴾ بنی اسرائیل خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ اس کا نقصان بھی انہوں نے خود اٹھایا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 7: بنی اسرائیل کاظلم کیا تھا؟

جواب:《1》بنی اسرائیل کھانے پینے میں حلال وحرام کی پابندی کرنے میں ظلم کرتے تھے۔《2》بنی اسرائیل رزق کو اپنی محنت کا صلہ سمجھ کر ظلم کرتے تھے۔

《 وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ (58)》

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے کہا: ''اس بستی میں داخل ہو جاؤ، پس اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو: بخش دے! ہم تمہاری خطاؤں کو تمہارے لیے بخش دیں گے اور جلد ہی ہم نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔'' (58)

سوال 1:《 وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ 》''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے کہا: ''اس بستی میں داخل ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر یہ انعام تھا کہ نافرمانیوں کے بعد بھی انہیں حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہو جائیں۔ (صفوۃ التفاسیر: 52/1) اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ان کے لیے باعث عزت بنایا، ان کا وطن اور مسکن قرار دیا۔

سوال 2:《 فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ 》''پس اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس بستی میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ انہیں بے روک ٹوک رزق ملے گا۔《2》اس لیے اس خوش گوار رزق کو بہ فراغت کھائیں۔ (صفوۃ التفاسیر: 52/1)

سوال 3:《 وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا 》''اور دروازے میں سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ'' بستی کے دروازے میں سر جھکائے ہوئے داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ صحرا سے نجات ملنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوں اور شکر ادا کریں۔《2》سجدے سے مراد جھکے ہوئے داخل ہونا ہے۔ یعنی وہ اس حالت میں بستی میں داخل ہوں کہ ان پر خشوع وخضوع طاری ہو۔《3》یعنی تکبر کی بجائے عاجزی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہوئے اور اس سے استغفار کرتے ہوئے داخل ہوں۔

سوال 4:《 وَقُولُوا حِطَّةٌ 》''اور کہو: بخش دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یہ کلمہ امید اور استغفار کا ہے جیسے مومن کہتا ہے استغفر اللہ۔ (واضح المیسر: 26)《2》یعنی اپنے رب سے مغفرت کا سوال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے پر کامیابی مل جائے گی۔

سوال5: بستی میں سر جھکا کر اور حطة حطة کہتے ہوئے داخل ہونے کے حکم میں کیا مصلحت تھی؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے احکامات انسانوں کے لئے آزمائش بن جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے اندر تکبر اور سرکشی پیدا ہوگئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معافی مانگنے اور عاجزی سے داخل ہونے کا حکم دیا تو وہ اس موقع پر ناکام ہوئے۔ اس طرح ان کا جرم ثابت ہوگیا کہ بنی اسرائیل اخلاق و کردار کے اعتبار سے گر گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن چکے ہیں۔

سوال6: ﴿ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ﴾ ''ہم تمہاری خطاؤں کو تمہارے لیے بخش دیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے یعنی اس سے پہلے جو نافرمانیاں تم کر چکے ہو انہیں معاف کر دیں گے۔ ﴿2﴾ یعنی ہم تمہارے گناہ مٹا دیں گے اور تمہاری برائیاں دور کر دیں گے۔ (صفوۃ التفاسیر:52/1)

سوال7: ﴿ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''اور جلد ہی ہم نیکی کرنے والوں کو زیادہ دیں گے'' زیادہ دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ احسان کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہر حکم کو حسن و خوبی سے انجام دیتے ہیں، نہ حکم بدلتے ہیں، نہ کام میں نقص رہنے دیتے ہیں۔ ﴿2﴾ احسان کرنے والوں کو زیادہ دینے سے مراد ہے ان کے حق سے زیادہ دینا، ان کے مطالبات سے زیادہ دینا، دنیا کے علاوہ آخرت میں بھی اجر دینا۔ ﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو محسن ہے اس کے احسان میں اضافہ کر دیں گے اور جو خطا کار ہے اس کی خطائیں بخش دیں گے۔ ﴿4﴾ بھلائی کا کام کرنے والوں کو ہم دنیا اور آخرت میں ان کے اعمال کی جزا زیادہ دیں گے۔

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (59) ﴾

''پھر جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے اس بات کو جو ان کے لیے کہی گئی تھی اس کے ماسوا سے بدل ڈالا تو ہم نے ان لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا جنہوں نے ظلم کیا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔'' (59)

سوال1: ﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾ ''پھر جن لوگوں نے ظلم کیا انہوں نے بدل ڈالا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا، ان لوگوں نے اس قول کو بدل دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فَبَدَّلُوْا نہیں فرمایا کیونکہ سب قول کو بدلنے والے نہیں تھے۔

سوال2: ﴿ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ ﴾ ''اس بات کو جو ان کے لیے کہی گئی تھی اس کے ماسوا سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی توہین کی اور اس سے استہزاء کرتے ہوئے حِطَّةٌ کی بجائے حَبَّةٌ فِيْ شَعْرِهِ کا لفظ کہا۔ جب

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قول کو باوجود اس کے کہ وہ آسان تھا انہوں نے بدل دیا تو فعل کو بدلنے کی بدرجہ اولیٰ ان سے توقع کی جاسکتی ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے برعکس سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔

سوال 3: یہودیوں نے انعامات ملنے پر کیسا رویہ اختیار کیا؟

جواب: ایک بڑا شہر ان کے قبضے میں دیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ عاجزی سے اس میں داخل ہوں مگر وہ تفریحی کلمات بولنے لگے اور اس طرح انہوں نے ظلم کا رویہ اختیار کیا اور ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی کون سی بات کو یہودیوں نے بدل ڈالا تھا؟

جواب: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی کتاب التفسیر میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کو حکم دیا تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں مگر وہ سرینوں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور وہ حِطَّةٌ کی بجائے حَبَّةٌ فِيْ شَعْرِهٖ (گندم بالی میں) کہتے رہے۔

سوال 5: بات کا بدلنا کس چیز کی علامت ہے؟

جواب: بات کا بدلنا انسان کے تکبر اور سرکشی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس انسان کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں۔

سوال 6: ﴿فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ’’تو ہم نے ان لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا جنہوں نے ظلم کیا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود کی سرکشی ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے واقع ہونے کا سبب تھی۔ ﴿2﴾ جن لوگوں نے ان میں سے ظلم کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی اور بغاوت کی وجہ سے عذاب نازل کیا۔

سوال 7: یہود نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیوں کی؟

جواب: ﴿1﴾ یہود اللہ تعالیٰ کے احکامات کا مذاق اڑاتے تھے اور سرکشی کی وجہ سے نافرمانی کرتے تھے۔ ﴿2﴾ یہود اخلاق و کردار کے اعتبار سے پستی کا شکار ہو گئے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے۔

سوال 8: یہود میں ڈھٹائی کا رویہ کیوں پیدا ہوا؟

جواب: ﴿1﴾ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ نجات یافتہ گروہ ہیں۔ ﴿2﴾ ان کی تنبیہ کے لیے جو لوگ اٹھے، انہوں نے ان کو دھتکارا حتیٰ کہ قتل تک کر ڈالا۔ ﴿3﴾ پھر ان کی بے حسی اتنی بڑھی کہ کھلی کھلی نشانیاں بھی ان کے دلوں کو پگھلا نہ سکیں۔

سوال 9: یہود پر کون سا عذاب آیا تھا؟

جواب: یہود میں طاعون پھیلا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’یہ طاعون اسی عذاب کا حصہ ہے جو تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوا۔ تمہاری موجودگی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں کسی جگہ طاعون پھیل جائے تو وہاں سے نہ نکلو اور اگر کسی علاقے کے بارے میں تمہیں پتہ چلے کہ وہاں طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ۔'' (صحیح مسلم، کتاب السلام)

رکوع نمبر 7

﴿وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (60)﴾

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، بلا شبہ سب لوگوں نے اپنے پانی لینے کی جگہ کو جان لیا، اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد کرنے والے بن کر دنگا نہ کرو۔'' (60)

سوال 1: ﴿وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایک اور عظیم انعام یاد دلایا ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لیے پانی کی دعا کی تو ہم نے قبول کر لی۔ یہ واقعہ صحرائے سینا کا ہے۔

سوال 2: ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ ''تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ پتھر پر عصا مارو۔ ﴿2﴾ یہاں الحجر معرفہ آیا ہے۔ یا تو یہ کوئی مخصوص پتھر تھا جسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے یا اسم جنس کی بنا پر معرفہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 116/1)

سوال 3: ﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ ''تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارتے ہی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ چشمے جاری کیے۔ ﴿2﴾ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر پانی تقسیم کر دیا تاکہ پانی لینے کے معاملے میں جھگڑا نہ ہو۔

سوال 4: ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ﴾ ''بلا شبہ سب لوگوں نے اپنے پانی لینے کی جگہ کو جان لیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی ہر قبیلے نے اپنی پانی لینے کی جگہ معلوم کر لی تاکہ وہ پیتے وقت ایک دوسرے سے نہ الجھیں۔

سوال 5: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے رزق میں سے کھاؤ اور پیو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی اللہ تعالیٰ نے صحراؤں میں بغیر کسی کوشش کے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے اس میں سے کھاؤ پیو۔

سوال 6: ﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ ''اور زمین میں فساد کرنے والے بن کر دنگا نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ یعنی نہ تم سرکشی کرو اور نہ زمین میں فساد کرنے کی کوشش کرو۔ (جامع البیان:883/1) ﴿2﴾ فساد پھیلانے کے لیے زمین کو برباد نہ کرو۔

سوال 7: رزق ملنے کے بعد انسان فساد کرنے والا کیسے بن جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رزق ملنے کے بعد انسان تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے، اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے۔ ﴿2﴾ رزق ملنے کے بعد انسان ناشکرا ہو جاتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کی عطا نہیں اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ ﴿3﴾ رزق ملنے پر انسان مال کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے اور مال کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ ﴿4﴾ جہاں خرچ کرنے کے مواقع ہوں، وہاں بخیلی اختیار کرنے سے انسان فساد کرنے والا بن جاتا ہے۔ ﴿5﴾ جہاں خرچ کرنے سے لوگوں میں واہ واہ ہوتی ہو، وہاں خرچ کرنے سے انسان فساد کرنے والا بن جاتا ہے۔

سوال 8: رزق حاصل کرنے کے بعد فسادی بننے سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رزق کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھ کر شکر ادا کرنے سے۔ ﴿2﴾ رزق پر اللہ تعالیٰ کا حق تسلیم کر کے صدقہ کرنے سے۔ ﴿3﴾ رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کر کے یعنی مال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق خرچ کرنے سے۔

﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (61) ﴾

"اور جب تم نے کہا: "اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے لہٰذا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے اس میں سے وہ چیزیں نکالے جو زمین اگاتی ہے، اپنی سبزیوں میں سے، اور اپنی ترکاریاں اور اپنی گندم، اور اپنے مسور اور اپنے پیاز"۔ موسیٰ نے کہا: "کیا تم ایک بہتر چیز کے بدلے میں کم تر چیز طلب کرتے ہو"؟ کسی شہر میں اتر جاؤ تو یقیناً جو کچھ تم نے مانگا ہے وہ تمہارے لئے ہوگا اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس وجہ سے جو انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے۔"(61)

سوال 1: ﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ﴾ "اور جب تم نے کہا: "اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے" کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:《1》من وسلویٰ کھا کھا کے بنی اسرائیل اکتا گئے ۔جنگل کی زندگی سے طبیعت بے زار ہوگئی تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہم ایک ہی طرح کی طرز معیشت پر قانع نہیں رہ سکتے ۔اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے ہمیں پھر گیہوں عنایت ہوں ۔ہم خود زراعت کریں گے ۔اللہ تعالیٰ ہمارے کھیتوں میں برکت دے ۔یہ شوق تنوع تھا۔(سراج البیان:20/1)《2》اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب تم نے اپنے رب کی نعمتوں سے اکتاتے ہوئے انہیں حقیر سمجھتے ہوئے کہا تھا کہ ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ۔《3》《لَن نَّصْبِرَ》ان کے نعمت پر عدم شکر اور زوال کی دلیل ہے یعنی گویا وہ اپنا زوال طلب کر رہے تھے ۔(تفسیر منیر:191/1)

سوال 2:《فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنۢبِتُ الْأَرْضُ مِنۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا》"لہٰذا اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے اس میں سے وہ چیزیں نکالے جو زمین اگاتی ہے ،اپنی سبزیوں میں سے ،اور اپنی ترکاریاں اور اپنی گندم اور اپنے مسور اور اپنے پیاز"بنی اسرائیل کی طرف سے "زمین کی پیداوار" کا مطالبہ کس ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے؟

جواب:《1》بنی اسرائیل نے من وسلویٰ پر صبر نہیں کیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر مشقت کے عطا کر دیا تھا۔《2》بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی غذائیں دی تھیں تاکہ وہ معاش کے لیے کی جانے والی کوششوں سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے میں مصروف ہو جائیں لیکن انہوں نے ضرورت پوری کرنے پر قناعت نہ کی ۔وہ لذتوں کی تلاش میں مصروف ہو گئے ۔یہ رویہ ان کی بے حس اور عیش پرست ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے ۔《3》بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا اپنے رب سے دعا کرو ہمارے لیے زمین کی پیداوار نکالے جیسے سبزی،لہسن،مسور،ککڑی اور پیاز وغیرہ جو کہ معروف ہیں ۔

سوال 3:《قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ》"موسیٰ نے کہا:" کیا تم ایک بہتر چیز کے بدلے میں کم تر چیز طلب کرتے ہو"؟ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ》"موسیٰ نے کہا:" کیا تم کم تر چیز طلب کرتے ہو"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم ادنیٰ چیز لینا چاہتے ہو"یعنی وہ کھانے جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے ۔《2》《بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ》"ایک بہتر چیز کے بدلے میں"اس سے مراد من وسلویٰ ہے ۔اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا ہے کیا تم کھانے کی عمدہ اور نفع مند چیزوں کی بجائے ردی چیزوں کو ترجیح دیتے ہو؟(واضح المیسر:28)

سوال 4:《اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ》"کسی شہر میں اتر جاؤ تو یقیناً جو کچھ تم نے مانگا ہے وہ تمہارے لئے ہوگا" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یعنی تمہاری مطلوبہ چیزیں جہاں بھی تم جاؤ ہر شہر میں باآسانی مل سکتی ہیں ۔《2》مصر سے یہاں مراد ملک مصر نہیں بلکہ کوئی ایک شہر ہے ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال5:﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ﴾ ''اوران پر ذلت اور محتاجی مسلط کردی گئی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی وہ ذلت جس کا ظاہری طور پر ان کے جسموں پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔﴿ وَالْمَسْكَنَةُ ﴾ یعنی مسکینی جو ان کے دلوں میں جا گزیں ہوگئی۔پس ان کی عزت نفس باقی رہی نہ بلند ہمتی بلکہ ان کے نفس ذلیل وخوار اور ان کی ہمتیں پست ترین ہوگئیں۔(تفسیر سعدی:117/1)

سوال6:﴿ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔غضب ان کی گردنوں کا طوق ہے کیونکہ انہوں نے حق کی پیروی سے انکار کیا تھا۔ان کا سودا کتنا برا تھا!

سوال7:﴿ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ﴾ ''یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے تھے'' اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ یہودی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ٹھہرے تھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا تھا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تعلیمات میں سے جو بات اپنی خواہشات کے خلاف لگی اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔﴿3﴾ ایک حکم کے بارے میں یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ڈھٹائی کے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی کچھ پرواہ نہ کی۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے حکم کو سمجھنے کے باوجود اسے اپنی خواہش کے مطابق بدل دیا۔

سوال8:﴿ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے''، بنی اسرائیل پیغمبروں کو کیوں قتل کر ڈالتے تھے؟

جواب:﴿1﴾ بنی اسرائیل پیغمبروں کو اس لیے قتل کر ڈالتے تھے کیونکہ وہ من مانی کرنا چاہتے تھے اور اس لیے راستہ بتانے والوں کو ہی قتل کر ڈالتے تھے۔﴿2﴾ بنی اسرائیل نے سیدنا ذکریا، سیدنا یوحنا، سیدنا یحییٰ، سیدنا یرمیاہ علیہم السلام وغیرہ کو قتل کیا تھا۔﴿3﴾ قتل انبیاء کسی صورت میں بھی حق نہیں ہوتا۔ یہ اس فعل کے گھناؤنے پن کو واضح کرنے کے لیے فرمایا۔﴿4﴾ ابن کثیر نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے شروع دن میں تین سو نبیوں کو قتل کر دیا۔ پھر شام کو اپنے بازاروں میں سبزیوں کا کاروبار شروع کر دیا۔(انوار البیان 104،105/1)﴿5﴾ مسند امام احمد میں بسند معتبر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے بڑھ کر عذاب اس شخص پر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کو قتل کرے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اس کو قتل کرے۔(احسن التفاسیر:92/1)

سوال9:﴿ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا ﴾ ''یہ اس وجہ سے جو انہوں نے نافرمانی کی'' یہود کی نافرمانیاں کیا تھیں؟

جواب:﴿1﴾ یعنی بنی اسرائیل کو عذاب ان کے گناہوں کی وجہ سے ملا۔﴿2﴾ یہود نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ انہوں نے بچھڑے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی پوجا کی۔سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا، واجبات کو ترک کیا، حرام کاموں کا ارتکاب کیا، اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ ڈالا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام نہیں کیا۔

سوال 10: ﴿ وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ ''اور وہ حدود سے گزر جاتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودی اللہ تعالیٰ کے بندوں پر زیادتیاں کرتے تھے۔

سوال 11: یہود اللہ تعالیٰ کی حدود سے کیسے زیادتی کے مرتکب ہوتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ یہود بدعات ایجاد کرتے تھے یعنی دین میں اللہ تعالیٰ نے جو اصول مقرر کیے ہیں، جن کے کرنے پر ثواب اور نہ کرنے پر گناہ ہے، ان کو چھوڑ کر اپنی مرضی سے دین میں نئی باتیں ایجاد کر کے اپنی مرضی سے گناہ اور ثواب کے فیصلے کرتے تھے۔ ﴿2﴾ یہود دین میں غلو کر کے حد سے نکل جاتے تھے۔ گناہ اور معاصی ایک دوسرے کا سبب بنتے ہیں۔ پس غفلت سے گناہ صغیرہ جنم لیتے ہیں پھر ان گناہوں سے گناہ کبیرہ جنم لیتے ہیں پھر کبیرہ گناہوں سے مختلف قسم کی بدعات اور کفر کے رویے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ہر آزمائش سے اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 118/1)

رکوع نمبر 8

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (62) ﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی، جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نیک کام کیے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (62)

سوال 1: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی، جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نیک کام کیے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ حکم خاص طور پر اہل کتاب کے لئے ہے کیونکہ صابئین کے بارے میں صحیح ترین رائے یہ ہے کہ یہ نصاریٰ ہی کا ایک فرقہ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس امت کے اہل ایمان، یہود و نصاریٰ اور صابئین میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اپنے رسولوں کی تصدیق کی ان کے لئے اجر عظیم اور امن ہے۔ ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔ ان میں سے جس کسی نے اللہ تعالیٰ، اس کے انبیاء و رسل اور یوم آخرت کا انکار کیا تو ان کا حال مذکورہ بالا لوگوں کے حال کے برعکس ہوگا، پس وہ خوف اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غم سے دوچار ہوں گے۔(تفسیر سعدی:119/1)《2》(اس آیت کی تفسیر میں) صحیح مسلک یہ ہے کہ ان فرقوں کے مابین یہ محاکمہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی نسبت سے نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہے۔کیونکہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل ان کے احوال کی خبر ہے۔یہ قرآن مجید کا طریقہ ہے۔جب سیاق آیات کے بارے میں بعض نفوس وہم کا شکار ہو جائیں تو لازمی طور پر وہ کوئی ایسی چیز ضرور پائیں گے جو ان کے وہم کو زائل کر دے۔کیونکہ یہ کلام ایسی ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ہی ان کو جانتی ہے۔اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر مذمت کے طور پر کیا ہے اور ان کے گناہوں اور برائیوں کا تذکرہ کیا ہے تو بسا اوقات دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس مذمت میں تمام بنی اسرائیل شامل ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح کر دیا جو اس مذمت میں شامل نہیں۔نیز چونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ باتیں صرف بنی اسرائیل ہی سے متعلق ہیں،لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایک عام حکم بیان کر دیا جو تمام طوائف کو شامل ہے تاکہ حق واضح اور وہم و اشکال دور ہو جائے۔پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی کتاب میں ایسی چیزیں بیان کی ہیں جو عقلوں کو متحیر کر دیتی ہیں۔(تفسیر سعدی:119/1)《3》﴿وَالَّذِيْنَ هَادُوْا﴾ ''اور جو یہودی ہوئے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والوں کو یہودی کہتے ہیں۔《4》﴿وَالنَّصٰرٰى﴾ ''اور عیسائی'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی کہتے ہیں۔《5》﴿وَالصّٰبِـِٕيْنَ﴾ ''اور صابی'' صابی کسی دین کے پیروکار نہیں، لا مذہب لوگوں کو صابی کہتے ہیں۔صحیح رائے یہ ہے کہ نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے۔《6》﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ جو اپنے نبی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا۔《7》﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ اور اپنی شریعت کے مطابق نیک عمل کئے۔《8》﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ﴾ ان کے لئے ان کے اعمال کا ثواب ہے۔(تفسیر منیر:193/1)《9》تمام ادیان دین اسلام کے آنے کے بعد منسوخ ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اجر نبی آخر کی آمد سے پہلے لکھا تھا۔(تفسیر قاسمی :142)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیابی کا اصول کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی مخصوص گروہ (مسلمان، یہودی، عیسائی، صابی وغیرہ) ہونے کی بناء پر درجہ نہیں رکھتا۔کامیابی کا ایک ہی پختہ اصول ہے: ایمان اور عمل صالح۔اللہ تعالیٰ کے ہاں درجے کا اعتبار اس بناء پر ہے کہ کس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نبی ﷺ کی سنت کے مطابق اپنی عملی زندگی کو ڈھالا ہے۔

سوال 3: کیا اب جو بھی جس دین کو مانتا ہے اس پر ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اس کی نجات ہو جائے گی؟

جواب:《1》وحدت ادیان کے باطل فلسفے کا مرکز و محور یہ ہے کہ محمد ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں بلکہ جو بھی جس دین کو مانتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے اس کی نجات ہو جائے گی۔《2》رسول اللہ ﷺ نے واضح کیا ہے کہ اب میری رسالت پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی یہودی اور نصرانی جو میری بات سنے،(شریعت) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں (یعنی اسلام) اور وہ اس پر ایمان نہ لائے تو اس کا ٹھکانہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔''(صحیح مسلم:386)﴿3﴾سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر اپنی رضا کا (دل سے) اعلان کردیا، اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔''(مسلم:151)﴿4﴾سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ''جو اس بات کا قائل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی بندی (سیدہ مریم علیہا السلام) کے بیٹے اور کلمۃ اللہ ہیں جو اس نے سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا اور روح اللہ ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو وہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔''(مسلم:140)﴿5﴾﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا۔آپس میں ضد کی وجہ سے اور جو اللہ تعالیٰ سے کفر کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔(آل عمران:19)﴿6﴾﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَھُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے ہرگز وہ قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔(آل عمران:85)﴿7﴾وحدت ادیان کا فلسفہ گمراہ کن ہے۔جو محمد ﷺ پر اور قرآن پر ایمان نہیں لایا وہ مومن نہیں ہے اور جو ان پر ایمان لایا وہ مومن ہوگیا۔اب وہ یہودی، عیسائی یا مجوسی نہیں رہا۔(تفسیر قاسمی:141/1)

سوال 4: رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد عمل اور جزا کے اصول کی کیا شکل متعین ہوگئی ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد ایمان کی آخری شکل اسلام کی صورت میں متعین ہوگئی ہے۔لہٰذا اب اسلام قبول کئے بغیر کسی کو اس کے عمل کی جزا آخرت میں نہیں ملے گی۔البتہ دنیا میں اچھے کاموں کی جزا ضرور دے دی جاتی ہے کبھی رزق کی کشادگی کی شکل میں، کبھی کاموں میں آسانی یا اچھی شہرت کی شکل میں۔

سوال 5: ﴿ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾''اور ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' اللہ تعالیٰ کس کو غم اور خوف سے بے نیاز کردیں گے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو غم اور خوف سے بے نیاز کردیں گے۔ارشاد ربانی ہے:﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔(یونس:62)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (63) ﴾

”اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور ہم نے تم پر پہاڑ کو بلند کیا کہ جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ و اور جو اس میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم بچ جاؤ۔“ (63)

سوال 1: ﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ﴾ ”اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور ہم نے تم پر پہاڑ کو بلند کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رب العزت نے بنی اسرائیل کو اپنے آباء و اجداد کے برے افعال کی وجہ سے ان پر زجر و توبیخ کی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ ﴾ وہ وقت یاد کرو جب طور کو تمہارے اوپر معلق کر کے تم سے پختہ عہد لیا تھا۔ ﴿3﴾ ﴿ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ﴾: اور طور کو تمہارے اوپر اٹھایا تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: طور وہ پہاڑ ہے جس کے اوپر تورات نازل ہوئی تھی اور بنی اسرائیل اس کے نیچے تھے۔ (جامع البیان: 464/1) ﴿4﴾ فرشتوں نے اس پہاڑ کو اوپر اٹھایا تھا۔ (ابن ابی حاتم: 129/1)

سوال 2: ﴿ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ ﴾ ”جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ ﴾ ”جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو“ ﴿1﴾ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یعنی تورات کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ (ابن ابی حاتم: 130/1) ﴿2﴾ یعنی تورات کو محنت، کوشش اور اللہ تعالیٰ کے اوامر پر صبر و استقامت کے ساتھ پکڑے رکھو۔ (تفسیر سعدی: 120/1)

سوال 3: ﴿ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ ﴾ ”اور جو اس میں ہے اسے یاد کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یعنی جو کچھ تورات میں ہے اسے سیکھو۔ (جامع البیان: 466/1) ﴿2﴾ اس کتاب کی تلاوت کرو۔ ﴿3﴾ اس پر عمل کر کے یاد رکھو۔ (تفسیر منیر: 196/1) ﴿4﴾ اس کتاب کو یاد رکھو اسے بھلاؤ نہیں، اس میں غور و فکر کرو۔ بے شک ذکر دل سے کرو یا اس پر عمل کرو۔ (تفسیر ابی سعود: 210/1) ﴿5﴾ جو کچھ تورات میں حلال و حرام ہوا سے یاد رکھو اور اس پر عمل کرو اور کہا گیا: جو کچھ اس میں ثواب و عذاب ہے اسے یاد رکھو۔ (تفسیر الوسیط: 151/1) ﴿6﴾ جو کچھ کتاب میں ہے اسے یاد رکھو اور اس کی تعلیم دو۔ نہ اسے بھولو اور نہ اس سے غافل ہو۔ (تفسیر قاسمی: 148/1) ﴿7﴾ اس کتاب میں تدبر کرو۔ اس کے اوامر اور وعیدوں کو یاد رکھو اور نہ اسے بھولو اور نہ ضائع کرو۔ (المحرر الوجیز: 159/1) ﴿8﴾ کتاب کو مضبوطی سے تھامنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے احکامات اور ہدایات کو یاد رکھیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ (تفسیر ثعالبی: 254/1)

سوال 4: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ ”تا کہ تم بچ جاؤ“ کی وضاحت کریں؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اس کی ناراضگی سے بچو اور ایسے کاموں کو چھوڑ دو جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کی طرف سے طور کی وادی میں اتنی دہشت ناک صورت حال کیوں پیدا کی گئی؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے طور کی وادی میں کوہ طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا۔ اس طرح وادی طور میں دہشت ناک صورت حال پیدا کی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل اس قوم کے افراد تھے جنہوں نے نیکی کی بات کو کم ہی قبول کیا تھا۔ اپنے بھائی بندوں کو قتل کر دینا، انبیاء علیہم السلام کو مار ڈالنا، زیادتیاں کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنا اپنا شیوہ بنائے ہوئے تھے۔ ان ہی میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندر اور سؤر بنا دیا۔ ان کے دلوں کے اندر اتنی شدید سختی موجود تھی جس کے ساتھ ممکن نہیں تھا کہ وہ کوئی معاہدہ نبھا سکتے۔ جب کبھی دل سخت ہو جاتے ہیں تو اس کا علاج اسی طرح کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کیا ہوا طریقۂ کار ہے۔

سوال 6: ہر وہ شخص جو ایمان لاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ایک عہد (معاہدہ) کرتا ہے۔ اس معاہدے کی نوعیت کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ایمان لانا اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرنا ہے کہ میرا جینا اور میرا مرنا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ ﴿2﴾ اس معاہدہ میں ایک طرف عاجز بندہ ہے اور دوسری طرف وہ ذات جس کے ہاتھ میں آسمان و زمین کی طاقتیں ہیں۔ ﴿3﴾ اگر انسان اس معاہدے کو پورا کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمتیں ہیں۔ ﴿4﴾ اگر انسان اس معاہدے سے پھر جائے تو اس کے لیے شدید خطرہ ہے کہ اس کا مالک اسے جہنم میں ڈال دے جہاں وہ اس طرح جلتا رہے کہ بچ نکلنے کے لیے پھر کبھی کوئی راستہ نہ ملے۔

سوال 7: ایمانی عہد کے وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو ایک خاص کیفیت سے گزارا گیا تھا۔ بندۂ مومن سے اب کیسی کیفیت مطلوب ہے؟

جواب: ایمانی عہد پر ایک مومن سے وہی کیفیت مطلوب ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر گزری تھی۔ ہر شخص کو جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ باندھتا ہے، اس عہد کی سنگینی سے اسی طرح کانپنا چاہیے کہ اگر اس نے عہد کی خلاف ورزی کی تو آسمان و زمین اس پر گر پڑیں گے۔

سوال 8: کون اپنا معاہدہ ایمانی پورا کر سکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو اپنا عقیدہ درست رکھے۔ ﴿2﴾ جو اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رکھے۔ ﴿3﴾ جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ، مستحب اور مسنون کاموں کا خیال رکھے۔

﴿ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ(64) ﴾

"پھر اس کے بعد تم اس سے پھر گئے تو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔"(64)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ ”پھر اس کے بعد تم اس سے پھر گئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ اس کے بعد تم نے اعراض کیا اور اس سے پیٹھ پھیری۔ (صفوۃ التفاسیر:56/1) ﴿2﴾ ﴿مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اس پختہ معاہدے کے بعد۔ (تفسیر سعود:210/1) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھنے کے عہد سے بنی اسرائیل پھر گئے تھے۔ ﴿4﴾ یہ معاہدے سے پھر جانا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سبب بنا۔

سوال2: اللہ تعالیٰ کے دین سے منہ پھیرنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے دین سے منہ پھیرنا دراصل اپنے آپ کو انسانی سطح سے گرا کر حیوانی سطح پر لے آنا ہے۔ ﴿2﴾ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دین کا پابند نہیں رہتا تو اس کے پاس دوسرا کوئی دین ہی نہیں ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے دین سے منہ پھیرنے سے انسانی ہمدردی ختم ہو جاتی ہے۔ انسان انسانوں کے حق مارتے ہیں، انسانوں کے خون پسینے کی کمائی چوستے ہیں، قتل و غارت گری ایسی سوسائٹی میں عام ہو جاتی ہے، چوری ڈاکے عام ہو جاتے ہیں، زنا کاری عام ہو جاتی ہے اور پوری زمین فساد سے بھر جاتی ہے۔

سوال3: ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ ”تو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد قرآن مجید ہے۔ (ابن ابی حاتم:131/1) ﴿2﴾ سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اسلام اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور قرآن اس کی رحمت ہے۔ (المحرر الوجیز:159/1) ﴿3﴾ یعنی تمہاری توبہ قبول کر کے فضل نہ ہوا اور پھسل جانے پر معافی کی رحمت نہ ہوتی۔ (صفوۃ التفاسیر:56/1)

سوال4: قرآن حکیم سے منہ پھیرنے کے اسباب کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ لوگ قرآن حکیم کو اپنے لیے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ ﴿2﴾ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کا انہیں کوئی فائدہ ہونے والا نہیں۔ ﴿3﴾ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کو پڑھ لینے سے ہماری زندگی کے اندر کوئی ایسا معاملہ ہونے والا نہیں جس سے ہمیں کوئی فائدہ نصیب ہو جائے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دینے سے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہونے والا۔

سوال5: ﴿لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ”تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یعنی دنیا اور آخرت میں ہلاک ہو جاؤ گے۔ (ابن ابی حاتم:132/1) اس کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ آپ کہہ دیں کہ یقیناً خسارہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا، سن لو! یہی کھلا خسارہ ہے۔ (الزمر:15)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ (65) ﴾

”اور بلاشبہ تم جان چکے ہو کہ تم میں سے جو لوگ ہفتے کے دن میں حد سے گزر گئے تو ہم نے انہیں کہا کہ تم ذلیل ہونے والے بندر بن جاؤ۔“(65)

سوال 1: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ ﴾ ”اور بلاشبہ تم جان چکے ہو کہ تم میں سے جو لوگ ہفتے کے دن میں حد سے گزر گئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ احکامات کی نافرمانی کرنے اور عہد توڑنے کی سزا کے طور پر توہین آمیز عذاب ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ ﴾ ”تم میں سے جو لوگ ہفتے کے دن میں حد سے گزر گئے“ یہ وہ لوگ ہیں جن کا تفصیلی ذکر سورۃ الاعراف میں آئے گا رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ اور آپ ان سے اس بستی کے بارے میں پوچھیں جو سمندر کے کنارے تھی، جب وہ سبت (ہفتے کے دن) کے بارے میں حد سے تجاوز کرتے تھے، جب کہ ہفتے کے دن ان کی مچھلیاں سر اٹھائے ان کے پاس آجاتی تھیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا وہ ان کے پاس نہیں آتی تھیں، ہم نے ایسے ہی ان کی آزمائش کی اس وجہ سے جو وہ نافرمانی کرتے تھے اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا: ”تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو عذاب دینے والا ہے، سخت عذاب؟“ انہوں نے کہا: ”تمہارے رب کے حضور معذرت کے لیے اور شاید وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں“ پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے روکا کرتے تھے۔ اور ان کو بدترین عذاب کے ساتھ پکڑ لیا جنہوں نے ظلم کیا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔(الاعراف:163-165) ﴿3﴾ سبت کا قانون یہ تھا کہ ہفتے کا دن عبادت کے لیے خاص ہوگا۔ اس دن دنیا کا کوئی کام نہ خود کریں گے، نہ اپنے ملازموں سے کروائیں گے۔ جو کوئی اس قانون کو توڑے گا وہ واجب القتل ہے۔

سوال 2: بنی اسرائیل نے سبت کے معاملے میں کیا زیادتی کی تھی؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل نے ہفتے کے دن عبادت کرنے کی بجائے تجارت کی اور اس دن کی حرمت کو پامال کیا۔ ﴿2﴾ بنی اسرائیل نے حد سے تجاوز کیا۔ شکار کو ان کے لئے حرام کیا گیا تھا تو انہوں نے شکار کیا۔(ایسر التفاسیر:41/1)

سوال 3: سبت کا قانون توڑنے پر بنی اسرائیل کو کیا سزا ملی؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: انہوں نے عہد شکنی کی تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کو بندر بنا دیا۔ جب انسان جانوروں کی طرح سوچتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو جانور بنا دیتا ہے۔

سوال 4: شریعت سے انحراف انسان کو کس سطح پر لے آتا ہے؟

جواب: جب بھی انسان شریعت سے انحراف کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو جانوروں کی سطح پر لے آتا ہے جو کسی اخلاق ضابطے کے پابند نہیں۔ شریعت کے ساتھ یہ کھیل کھیلنے سے ڈرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون اسی حیوانی ذلت میں مبتلا نہ کر دے جس میں یہود اپنے اس فعل کی وجہ سے مبتلا ہوئے تھے۔

سوال 5: ایمان لانے کے بعد بے حسی کی بیماری کیسے پیدا ہو جاتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو کر۔ ﴿2﴾ آخرت کو بھلانے سے۔ ﴿3﴾ زیادہ سوال کرنے سے۔ ﴿4﴾ تاویلیں گھڑنے سے۔ ﴿5﴾ حجتیں پیش کرنے سے۔ ﴿6﴾ بحثیں کرنے سے۔ یوں دل سخت ہو جاتے ہیں اور دل سخت ہو جائیں تو عام انسانی باتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی باتوں میں بھی انسان سرکشی پر مبنی رویہ اختیار کرنے لگتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا تصور دل کو نہیں پگھلاتا، اندر تڑپ پیدا نہیں کرتا اور روح کے اندر ارتعاش پیدا کرنے کا سبب نہیں بنتا۔

سوال 6: ﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ ''تو ہم نے انہیں کہا کہ تم ذلیل ہونے والے بندر بن جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کیسے بندر بنا دیا؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل سے یہ کہا گیا تھا کہ ہفتے کے دن کی حرمت برقرار رکھو۔ اس روز مچھلیوں کا شکار نہ کرو۔ ہفتے کے دن مچھلیوں کے شکار کی یہ تدبیر ان کے ذہن میں آئی کہ گڑھے کھود کر ان میں جال اور کانٹے ڈال دیے جائیں۔ ہفتے کے دن مچھلیاں جالوں میں پھنس جائیں گی اور اتوار کو پکڑ لی جائیں گی۔ انہوں نے اس تدبیر پر عمل کیا۔ ﴿2﴾ بنی اسرائیل کی حیلہ سازی کے اس گناہ عظیم نے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب واجب کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حقیر اور ذلیل بندر بنا دیا۔

سوال 7: شریعت کے حامل گروہ کی گمراہی کی کیا صورت ہے؟

جواب: شریعت کے حامل گروہ کی گمراہی کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ عملاً اس کے خلاف چلے اور تاویلوں کے ذریعے یہ ظاہر کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ جیسے یہود کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ سبت کے دن کو عبادت کے لیے مخصوص رکھیں گے اور کوئی دنیوی کام نہیں کریں گے مگر انہوں نے اس دن کاروبار کیا اور تاویلوں سے یہ ثابت کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہیں۔

﴿فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ (66)﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’تو ہم نے اس کو اس دور کے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت بنا دیا۔‘‘(66)

سوال 1: ﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا﴾ ’’تو ہم نے اس کو اس دور کے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت بنا دیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس زمانے کی قوموں تک جنہیں یہ خبر پہنچی عبرت بنا دیا۔ ﴿2﴾ ﴿وَمَا خَلْفَهَا﴾ اور ان قوموں کے لئے بھی اسے عبرت بنا دیا جو بعد میں آئیں۔

سوال 2: عبرت سے کیا مراد ہے؟

جواب: ماضی کے کسی واقعے سے اپنی زندگی کے لئے اچھا سبق لینا عبرت ہے۔

سوال 3: جن لوگوں نے سبت کے قانون الٰہی کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر بنا دیا۔ ان کو اس دور کے لوگوں اور بعد میں آنے والوں کے لئے کیسے عبرت بنا دیا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے بندر بن جانے والوں کو جنہوں نے دیکھا، ان کے لئے یہ واقعہ آنکھوں دیکھی گواہی تھا۔ اس زمانے کے باقی لوگوں اور یہ کہ بعد میں آنے والوں نے اگرچہ دیکھا نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو عبرت بنا دیا کہ نافرمانی کرنے پر شکلیں مسخ ہو سکتی ہیں۔ ﴿2﴾ انسان کے وجود پر اصل اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے، انسان جو چاہے نہیں کر سکتا۔ اسے اپنے کیے کی سزا ملے گی۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے سے ان پر حجت قائم کر دی تاکہ وہ گناہوں سے باز آجائیں۔

سوال 4: ﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت بنا دیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿مَوْعِظَةً﴾ کا مادہ و۔ع۔ظ ہے۔ وعظ ایسی نصیحت کو کہتے ہیں جو دل کو پگھلا دے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو سب کے لئے عبرت بنا دیا تاکہ وہ گناہوں سے باز آجائیں مگر نصیحت صرف متقیوں کے لئے ہے کیونکہ وہی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ واقعات عام لوگوں کے لئے عبرت بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنتے ہیں۔

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (67)﴾

’’اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ’’یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو‘‘۔ انہوں نے کہا: ’’کیا تم ہمارا مذاق بناتے ہو‘‘؟ موسیٰ نے کہا: ’’میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔‘‘(67)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال1: ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾ ’’اور(اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو واقعات یاد دلاتے ہیں جو ان کے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے درمیان پیش آئے تھے۔ یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ ﴿2﴾ گائے ذبح کرنے کا حکم ایک قتل کے فیصلے کے لئے دیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل میں ایک بے اولاد مالدار آدمی تھا جس کا وارث اس کا بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے اپنے چچا کو قتل کر کے لاش کسی کے دروازے پر ڈال دی۔ صبح لوگ قاتل کی تلاش میں ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے۔ بات سیدنا موسیٰ علیہ السلام تک پہنچی تو انہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا جس کا ایک ٹکڑا مقتول کو مارا گیا تو وہ زندہ ہو گیا اور قاتل کی نشاندہی کر کے مر گیا۔ (فتح القدیر) ﴿3﴾ بنی اسرائیل گائے کی پوجا کرتے تھے، اس لیے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان کے ذہن سے اس تقدس کو توڑا جائے۔ ﴿4﴾ تم نے گائے ذبح کرنے سے بچنے کے لئے کتنے عذر تراشے۔ تم پر واجب تھا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی پیروی کرتے۔

سوال2: ﴿قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا﴾ ’’انہوں نے کہا: کیا تم ہمارا مذاق بناتے ہو‘‘ یہ جواب کیسی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے؟

جواب: اس جواب سے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ نبی کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیتے تھے، وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنا چاہتے تھے اور وہ ضد اور ہٹ دھرمی کی نفسیات رکھتے تھے۔

سوال3: ﴿قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ ’’موسیٰ نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں‘‘ اس بات سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو توجہ دلائی کہ مذاق اڑانا جہالت کا کام ہے اور جاہل ایسی بات کرتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ وہی لوگوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ عقل مند آدمی اپنے جیسے کسی شخص کا مذاق اڑانا عقل اور دین کا سب سے بڑا عیب سمجھتا ہے۔ ﴿2﴾ رسول ہو کر میں جہالت کا کام کرنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ ﴿3﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں سبق بھی ہے کہ آپ کو بھی جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ ﴿4﴾ یعنی اپنے آپ کو اپنی خواہش اور مرضی کے نہیں اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں جو مجھے ہر برائی سے بچا سکتا ہے۔ کیونکہ جاہل ہی ایسی بات کیا کرتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہی لوگوں کا تمسخر اڑایا کرتا ہے۔ عقل مند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اپنے جیسے کسی آدمی کا مذاق اڑانا عقل و دین کا سب سے بڑا عیب ہے۔ اگرچہ اسے اس آدمی پر فضیلت ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ یہ فضیلت تو تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے رب کا شکر کرے اور اس کے بندوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔ (تفسیر سعدی: 123/1)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ (68)﴾

''انہوں نے کہا: ''ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کردے کہ وہ کیسی ہو''؟ موسیٰ نے کہا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناً وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا بلکہ اس کے درمیان جوان عمر کی ہو لہٰذا تم کرو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔''(68)

سوال1:﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ﴾''انہوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کردے کہ وہ کیسی ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: بنی اسرائیل نے دین کے سادہ حکم کو بوجھل بنادیا اور حکم کی تعمیل کی بجائے کھوج کرید کا طریقہ اختیار کیا کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہم پر واضح کردے کہ وہ کیا ہے یعنی اس گائے کی عمر کیا ہے۔

سوال2:﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ﴾''موسیٰ نے کہا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناً وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا بلکہ اس کے درمیان جوان عمر کی ہو لہٰذا تم کرو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہے جو بڑی نہیں اور نہ ہی زیادہ چھوٹی ہے، متوسط عمر کی ہے لہٰذا تشدد اور تکلف کو چھوڑ و اور وہ کام کرو جسے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔﴿2﴾ مذہب کی اصل روح تسلیم ورضا ہے جرح ونقد نہیں۔ ایک دفعہ ایک نظام عمل کو مان لینے کے بعد صرف عمل کے لئے گنجائش رہ جاتی ہے پس تم سے بھی یہی مطالبہ ہے۔(سراج البیان:23/1)

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ (69)﴾

''انہوں نے کہا: ''ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کردے کہ اس کا رنگ کیسا ہو''؟ موسیٰ نے کہا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناً وہ زرد رنگ کی گائے ہو، اس کا رنگ چمکنے والا ہو کہ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہو۔''(69)

سوال1:﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا﴾''انہوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کردے کہ اس کا رنگ کیسا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: بنی اسرائیل نے ایک بار پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرنے اور واضح کرنے کے لیے کہا کہ گائے کا رنگ کیسا ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾ ''موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناً وہ زرد رنگ کی گائے ہو، اس کا رنگ چمکنے والا ہو کہ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا گائے گہرے زرد رنگ کی ہو، اس کا چمکتا رنگ ہو۔ ﴿2﴾ ﴿تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾ اپنے حسن کی وجہ سے لوگوں کو بہت زیادہ اچھی لگتی ہو۔

سوال 3: بنی اسرائیل کی طرف سے بار بار گائے کے بارے میں وضاحت معلوم کرنا کیا ظاہر کرتا ہے؟

جواب: بنی اسرائیل کی طرف سے بار بار تفصیلات معلوم کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی بھی طرح سے اس حکم کی پیروی سے نکلنا چاہتے تھے۔ یہ دراصل صرف حکم سے فرار نہیں، خود رب سے فرار ہے۔

سوال 4: انسان جب کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تو کیسا رویہ اختیار کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب انسان نے کوئی کام نہیں کرنا ہوتا تو ایک کے بعد ایک اعتراض کرتا ہے۔ ﴿2﴾ جب انسان کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تو اس کے لئے بعض اوقات بہت سوال کرتا ہے۔

سوال 5: حکم آنے پر ایک مومن کا رویہ کیسا ہونا چاہئے؟

جواب: حکم آنے پر ایک مومن کو فوراً اس پر عمل کرنا چاہیے۔

﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ (70)﴾

''انہوں نے کہا: ''ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کردے کہ وہ کیسی ہو؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے اور یقیناً اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ضرور مقصد تک پہنچنے والے ہوں گے۔'' (70)

سوال 1: ﴿قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا﴾ ''انہوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے واضح کردے کہ وہ کیسی ہو؟ بے شک گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے'' کیا بنی اسرائیل کو گائے کے بارے میں شبہ تھا؟

جواب: انہیں شبہ نہیں تھا بلکہ بالکل واضح طور پر پتہ تھا کہ گائے کو ذبح کرنا ہے لیکن چاہتے تھے کہ کوئی سوال ہمیں گائے کو ذبح کرنے سے بچا ہی دے۔

سوال 2: کیا بہت زیادہ سوال کرنے سے انسان ہدایت پاسکتا ہے؟

جواب: بہت زیادہ سوال کرنے سے انسان ہدایت نہیں پاسکتا۔

سوال 3: زیادہ سوال کرنے کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ دل سخت ہو جاتا ہے۔ ﴿2﴾ بے حسی آ جاتی ہے۔

سوال 4: ﴿ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴾ ''اور یقیناً اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم ضرور مقصد تک پہنچنے والے ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی گائے کو ذبح کرنے کی ہدایت پالیں گے۔ (تفسیر قاسمی: 154/1)

﴿ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ (71) ﴾

''موسیٰ نے جواب دیا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہو کہ نہ جوتی ہوئی ہو کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو، صحیح سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو'' انہوں نے کہا: ''اب تم حق لائے ہو'' پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ قریب نہ تھے کہ کرتے۔'' (71)

سوال 1: ﴿ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ﴾ ''موسیٰ نے جواب دیا: یقیناً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہو کہ نہ جوتی ہوئی ہو کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتوں کو پانی دیتی ہو، صحیح سالم ہو اور اس میں کوئی داغ نہ ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ لَّا ذَلُوْلٌ ﴾ کہ گائے کام کرنے والی نہ ہو۔ ﴿2﴾ ﴿ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ﴾ یعنی وہ کھیتی باڑی کے کام کر کے کمزور اور مطیع نہ ہو اور نہ کھیتیوں کو پانی پلاتی ہو۔ ﴿3﴾ ﴿ مُسَلَّمَةٌ ﴾ ہر عیب سے اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا ہو۔ اس سے کوئی کام نہ لیا جاتا ہو۔ ﴿4﴾ ﴿ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ﴾ اس میں کسی دوسرے رنگ کا نشان نہ ہو۔

سوال 2: ﴿ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''انہوں نے کہا: ''اب تم حق لائے ہو پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ قریب نہ تھے کہ کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی گائے کے بارے میں آپ نے صحیح بات بتائی ہے حالانکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پہلی بار ہی بات واضح کر دی تھی۔ وہ کوئی گائے بھی لے آتے اور ذبح کرتے تو حکم پورا ہو جاتا مگر انہوں نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔

سوال 3: ﴿ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ سے اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو کیسے بے نقاب کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَذَبَحُوْهَا ﴾ انہوں نے مطلوبہ گائے ذبح کر دی۔ ﴿2﴾ ﴿ وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''اور وہ قریب نہ تھے کہ کرتے'' وہ تکلف اور تشدد کی وجہ سے گائے ذبح کرتے نظر نہیں آتے تھے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی سرکشی اور ڈھٹائی کو بے نقاب کیا ہے۔ کٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حجتیاں کرنا اور بحثیں کرنا سرکشی اور ڈھٹائی کو ظاہر کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے گائے ذبح کرنے کے حکم سے ان کے اندر کی گائے کی محبت کو ضرب لگائی جس سے ان کی ڈھٹائی اور سرکشی کٹ حجتیوں میں اتر آئی اور یوں ان کی اصلیت بے نقاب ہوگئی تھی۔﴿4﴾ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر یہ لوگ ہلکی سے ہلکی گائے لا کر ذبح کر دیتے تو ان کا کام چل جاتا لیکن انہوں نے تشدید کی اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر تشدید کر دی۔(احکام القرآن:40/1)

رکوع نمبر9

﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ(72)﴾

’’اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا، پھر ایک دوسرے سے اس بارے میں جھگڑا کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ اس کو نکالنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے۔‘‘(72)

سوال1: ﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا﴾ ’’اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر ایک دوسرے سے اس بارے میں جھگڑا کرنے لگے‘‘ اس آیت میں کس واقعے کا تذکرہ کیا گیا ہے؟

جواب: یہ واقعہ بنی اسرائیل میں پیش آیا تھا۔قاتل یا مقتول کون تھے؟ قرآن مجید اس معاملے میں خاموش ہے۔واقعات عبرت اور نصیحت کے لئے ہوتے ہیں اور ہمارا کام عبرت پکڑنا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے قتل کی حقیقت کھولنے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ گائے کا ایک عضو مقتول کو مارا جائے۔جب انہوں نے ایسا کیا تو مردہ زندہ ہوا، اس نے اصل قاتل کے بارے میں بتایا اور پھر مر گیا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے حقیقت کھول دی جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں باخبر کر دیا کہ قاتل کون ہے؟ ﴿3﴾ مقتول کو دوبارہ زندہ کرنے سے اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت کھول دی کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔

سوال3: گائے کو ذبح کرنے اور قتل کے واقعے سے یہودیوں کے کون سے امراض سامنے آئے؟

جواب: ﴿1﴾ غیر ضروری بحثیں کرنا۔﴿2﴾ جرم چھپانا۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں ٹال مٹول سے کام لینا۔﴿4﴾ سرکشی۔﴿5﴾ ڈھٹائی۔﴿6﴾ گائے پرستی۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار انسان کے لیے کیسے ممکن ہو جاتا ہے؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرنا چاہے تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی تاویل ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔ تاویلوں سے مطمئن لوگ اپنے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے الگ کر لیتے ہیں اور پھر بے حسی کی وجہ سے ڈھیٹ ہو جاتے ہیں۔ بے حس وہی انسان ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہو لیکن دل سے یہ نہ مانتا ہو کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے۔

سوال 5: ﴿وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نکالنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ جیسے رات میں کیا گیا قتل تم نے چھپایا تھا تو اسے کھول دیا گیا۔ ایسے ہی نیکی ہو یا بدی چھپ کر کرو تب بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کے چھپے ہوئے کو ظاہر کرنے سے یہ سبق دیا ہے کہ برائی کھل جائے تو بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے لہٰذا برائی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے علم کو ضرور ذہن میں رکھو۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کے توسط سے سبق دیا ہے کہ ہر جگہ، ہر وقت اچھے کام کرو تا کہ اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو شرمندگی نہ ہو۔

سوال 6: ''اور اللہ تعالیٰ نکالنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے'' اللہ رب العزت نے قتل کے واقعے کے حوالے سے اس بات کو باور کیوں کروایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے چھپی ہوئی چیزیں کھول کر انسانوں کے سامنے رکھی ہیں تا کہ انسان تسلیم کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چھپے کو کھول سکتا ہے۔ ﴿2﴾ اصل میں بتانا یہ مطلوب ہے کہ تم چھپ کر کوئی برائی کرو تو تب بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ یہ زندگی کا اصول اور عقیدہ ہے۔ یہی عقیدہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیتا ہے۔

سوال 7: چھپی ہوئی حقیقت کے کھل کر سامنے آنے کا انسانوں کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

جواب: چھپی ہوئی حقیقت سامنے آتی ہے تو انسان کو ایمان ملتا ہے۔ اس کے اندر دل کی گہرائیوں تک یقین اتر جاتا ہے کہ کچھ بھی اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے اور یہ کہ جیسے آج یہ چیز دنیا میں کھل کر سامنے آ گئی ہے، کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے ساری حقیقتیں کھل جانی ہیں۔

سوال 8: ''اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے'' انسانی دل پر اس یقین کے کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: یہ بات دل کو خوف میں مبتلا کرتی ہے۔ انسان اپنی برائیوں کو چھپانا چاہتا ہے کہ میری عزت پر حرف آئے گا، میرا تاثر خراب ہو جائے گا۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے یہ بتایا ہے کہ اس کے سامنے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ تم نے تنہائی میں چھپ کر بھی جرائم کئے تو اللہ تعالیٰ کھول دے گا۔ اس احساس کے تحت اگر ایک انسان تنہائی میں بھی اپنے اوپر رب کو نگران سمجھتا ہے تو پھر اپنی برائی کے پیچھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑتا ہے پھر اس کی اصلاح ہوتی ہے۔

﴿ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (73) ﴾

"چنانچہ ہم نے حکم دیا کہ اس لاش کو اس گائے کا کوئی ٹکڑا مارو، اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔"(73)

سوال 1: ﴿ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ﴾ "چنانچہ ہم نے حکم دیا کہ اس لاش کو اس گائے کا کوئی ٹکڑا مارو" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے قتل کے معاملے کو واضح کرنے کے لیے حکم دیا تھا کہ گائے ذبح کرواور اس کا ایک عضو مقتول کو لگاؤ۔ ﴿2﴾ یہ عضو جسم کے کس حصے کا تھا اگر اس کے بتانے میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور بتا دیتے۔ ﴿3﴾ جس طرح کی گائے کا بالآخر مطالبہ کیا گیا وہ بنی اسرائیل کے ایک لڑکے کے پاس مل گئی۔ بنی اسرائیل نے اسے سونے کے ساتھ تول کر خریدا۔ ﴿4﴾ پھر اس کے جسم کے ٹکڑے کو مقتول کے ساتھ لگایا تو وہ فوراً زندہ ہو گیا۔ اس کے زخموں سے خون جاری تھا۔ اس سے پوچھا گیا کس نے قتل کیا؟ اس نے قاتل کا نام بتایا اور پھر مر گیا۔

سوال 2: ﴿ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ ﴾ "اس طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے مردہ گائے کے ٹکڑے سے مقتول کو زندہ کروایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم قدرت کا مشاہدہ کروا کے زندگی بعد الموت کا نمونہ بھی دکھا دیا اور باہمی جھگڑا بھی چکا دیا۔ (مختصر ابن کثیر: 50,51/1)

سوال 3: ﴿ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ﴾ "اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں مثلاً ﴿1﴾ جس زندہ گائے کی عظمت کے تم قائل ہو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہے مردہ گائے کے ٹکڑے سے مردہ کو زندگی بخش دے۔ ﴿2﴾ اسی طرح قیامت اور موت کے معاملات انسان کے لئے راز رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ تم راز کو نہیں پا سکتے لہٰذا بغیر راز کو جانے یقین کر لو کہ موت اور قیامت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی قدرت کے دلائل دکھاتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو، تدبر کرو اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر: 59/1)

سوال 4: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ "تاکہ تم سمجھو" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ تاکہ تم اللہ عزوجل کی قدرت کو پہچان لو کہ وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ ﴾ کیا آپ نے ان کونہیں دیکھا جوموت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا: مرجاؤ، پھر اس نے انہیں زندہ کیا بلا شبہ اللہ تعالیٰ یقیناً لوگوں پر بڑے فضل والا ہے مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ (البقرۃ:243) ﴿ اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ یا اس شخص کی مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں کے اوپر اوندھی پڑی تھی، اس نے کہا: ''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ کرے گا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک موت دے دی، پھر اس کو زندہ کیا اور پوچھا: ''تم کتنی دیر رہے ہو؟'' اس نے کہا،'' میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:'' بلکہ تم سو سال تک رہے،سو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو وہ بالکل بھی خراب نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کیسے ہم ان کو اٹھا کر جوڑتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں۔'' پھر جب اس پر خوب واضح ہو گیا تو اس نے کہا:'' میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر واقعتاً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا:'' اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:'' اور کیا تو یقین نہیں رکھتا؟'' اس نے کہا:'' کیوں نہیں؟ لیکن اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:'' تو پرندوں میں سے چار لے کر انہیں اپنے سے مانوس کرو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہاری طرف بھاگتے چلے آئیں گے۔'' اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (البقرۃ:259،260) ﴿2﴾ تاکہ تم عقل سے کام لو اور ان کاموں سے رک جاؤ جو تمہارے لیے ضرر رساں ہیں۔

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (74) ﴾

'' پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی طرح یا سختی میں اس سے بڑھ کر ہو گئے اور بے شک پتھروں میں سے یقیناً کچھ وہ ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بے شک ان میں سے یقیناً وہ بھی ہے جو پھٹ جاتا ہے تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور بے شک ان میں سے ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔'' (74)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 1: ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ﴾ ”پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ پھر تمہارے دل سخت ہو گئے کہ ان پر نصیحت اثر نہیں کرتی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ﴾ مقتول کے جی اٹھنے کے واقعے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر کئے جانے والے عظیم انعامات کے بعد یہود کے دل سخت ہو گئے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے جیسے تمہیں انعامات سے نوازا، جیسے اپنی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا تو آپ لوگوں کے دل نرم پڑنے چاہیے تھے مگر وہ سخت ہو گئے۔

سوال 2: ﴿ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ ”تو وہ پتھروں کی طرح یا سختی میں اس سے بڑھ کر ہو گئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ ﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دلوں کی سختی کے بارے میں واضح فرمایا کہ وہ پتھر کی مانند ہیں جو لوہے سے زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ لوہا پگھل جاتا ہے جب کہ پتھر کبھی نہیں پگھلتا۔ ﴿2﴾ ﴿ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ یعنی پتھروں سے بھی زیادہ سخت یعنی دلوں کی سختی پتھروں سے کسی بھی طور کم نہیں۔

سوال 3: دل کی سختی سے کیا مراد ہے؟

جواب: دل کی سختی سے مراد ہے: ﴿1﴾ دل پر کسی ہدایت یا نشانی کا اثر نہ ہونا۔ ﴿2﴾ دل کا اچھی بات کے لیے بند ہو جانا۔ ﴿3﴾ دل کا نہ پگھلنا۔ ﴿4﴾ حق قبول کرنے کے لئے دل کا بند ہو جانا۔

سوال 4: دل کب سخت ہو جاتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ مسلسل گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ ﴿2﴾ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس نہ رہے اور دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی ہو۔ ﴿3﴾ جب قیامت کے دن اور حساب کتاب کا احساس نہ رہے۔ ﴿4﴾ جب اپنی غلطی کا احساس نہ ہو اور انسان اپنی غلطیوں کو دوسروں میں دیکھے اور ایک دوسرے پر الزام تراشے تو دل سخت ہو جاتے ہیں۔ رب العزت نے دل کی سختی کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ﴾ چنانچہ ان کے اپنا معاہدہ توڑنے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ (المائدہ:13)

سوال 5: اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں سے مومنوں کے دل پر کیا اثرات مرتب ہونے چاہئیں؟

جواب: ﴿1﴾ مومنوں کے دل پگھلنے چاہئیں۔ ﴿2﴾ دلوں کے اندر تڑپ پیدا ہونی چاہیے۔ ﴿3﴾ روح کے اندر ارتعاش پیدا ہونا چاہیے۔ رب العزت نے اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴾ ”کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور جو حق نازل ہوا ہے اس کے لیے جھک جائیں؟ اور وہ ان لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر جب لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثریت نافرمان ہے۔“ (الحدید:16)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 6:﴿ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ ''اور بے شک پتھروں میں سے یقیناً کچھ وہ ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بے شک ان میں سے یقیناً وہ بھی ہے جو پھٹ جاتا ہے تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور بے شک ان میں سے ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے دل کی سختی کو پتھر کی سختی سے زیادہ شدید کیوں قرار دیا؟

جواب: رب العزت نے فرمایا: ﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو یقیناً آپ اسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے پست ہونے والا ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتے اور یہ مثالیں ہیں ہم انہیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں۔ (الحشر:21)

پتھر کی سختی	دل کی سختی
1۔پتھروں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں،	1۔انسان کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نہیں نکلتے۔
2۔پتھروں سے پانی نکل آتا ہے،	2۔انسان کے دل سے خیر (نیکی) کا کوئی جذبہ باہر نہیں نکلتا، مال نہیں نکلتا، نیکی کا کوئی کام نہیں ہوتا۔
3۔پتھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرز اٹھتے ہیں،	3۔دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں لرزتا، اس کی اطاعت نہیں کرتا اور نماز میں خشوع وخضوع نہیں ہوتا۔

سوال 7: رسول اللہ ﷺ نے دل کی سختی کی کیا نشانیاں بتائی ہیں؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ''چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی علامت ہیں: اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنکھوں سے آنسو نہ بہنا، دل کا سخت ہو جانا، امیدوں کا بڑھ جانا، لالچی بن جانا۔'' (مسند بزار:3230) ﴿2﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔'' (ترمذی:2411) ﴿3﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: زیادہ ہنسا نہ کرو، زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ:4193)

سوال 8: انسان کے دل کو پتھر کے ساتھ تشبیہ کیوں دی گئی؟

جواب: امام رازی لکھتے ہیں کہ جب ایک شے میں دوسری شے سے متاثر ہونے کی صلاحیت ہو اور پھر کسی عارضہ کے سبب وہ صلاحیت سلب ہو جائے تو عربی زبان میں اس پر ''قاسی'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہی حال انسان کے دل کا ہے کہ اس میں دلائل وآیات سے متاثر ہونے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلاحیت ہوتی ہے مگر جب عوارض کے سبب وہ صلاحیت سلب ہوجاتی ہے تو عدم تاخر میں اسے پتھر کے ساتھ تشبیہہ دی جاتی ہے۔(اشرف الحواشی:14)

سوال 9: دل کی سختی کیسے دور کریں؟

جواب:﴿1﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خبردار! دلوں کو زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے۔''صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت فرمایا: ''اس زنگ کو کیسے دور کیا جائے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت اور کثرت سے آخرت کی یاد۔'' (مشکوٰۃ)﴿2﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہوجائے تو مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو۔(مسند احمد:2/263،مجمع الزوائد:8/160)

﴿3﴾ سیدنا اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے دل پر (کبھی کبھی) کچھ غفلت آجاتی ہے، اسی وجہ سے میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔'' (مسلم:6858)

سوال 10:﴿ وَمَااللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّاتَعۡمَلُوۡنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز بےخبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو'' دل کی سختی کو دور کرنے کے لیے یہ عقیدہ کیسے مددگار رہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ یعنی وہ تمہارے چھوٹے بڑے تمام اعمال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴾ تو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔(الزلزال 7,8)﴿2﴾ انسان جب غور وفکر کے نتیجے میں اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ چھپا ہوا نہیں تو انسان اپنے اعمال کی تبدیلی کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا کوئی عمل چھپا ہوا نہیں ہے۔ جو تم سے چھپا ہے اسے اللہ تعالیٰ کھول سکتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ زمین میں چھپے ہوئے بیج کو کونپل کے نکلنے سے کھول دیتا ہے ایسے ہی گناہ اپنے اثرات سے کھل جاتے ہیں۔﴿4﴾ انسان کو جب غور وفکر کے نتیجے میں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ہر چیز اپنے انجام کو پہنچتی ہے تو اسے برے اعمال کے بارے میں فکر لاحق ہوجاتی ہے کہ یہ مجھے انجام تک پہنچا کر رہیں گے۔ یوں انسان اللہ تعالیٰ کے غافل نہ ہونے کے علم سے اپنی غفلت دور کرلیتا ہے۔

﴿ اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَ قَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ(75) ﴾

''تو کیا تم طمع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ یقیناً ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا کلام

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سنتا ہے پھر اس کے بعد اس کو بدل دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھ لیتے ہیں اور وہ جانتے ہیں۔'' (75)

سوال 1: ﴿ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ ﴾ '' تو کیا تم طمع رکھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے ایمان لے آئیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو یہود کے حلیف تھے اور ان کے درمیان رضاعت اور ہمسائیگی تھی۔ وہ چاہتے تھے کاش یہودی اسلام لے آئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (البحر المحیط: 271/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے بارے میں ایمان والوں کی امیدوں کو ختم کر دیا کہ تم ان کے ایمان کی طمع نہ رکھو ان کا طرزِ عمل تو ایسا ہے کہ ان سے ایمان کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔

سوال 2: مسلمان یہودیوں کے بارے میں یہ امید کیوں رکھتے تھے کہ وہ آپ ﷺ کی بات مان لیں گے؟

جواب: یہودی اہلِ کتاب تھے اور رسول اللہ ﷺ کی آمد سے پہلے آپ ﷺ کے انتظار میں تھے۔ یہودیوں کی باتیں سن سن کر بہت سے لوگوں کے دل میں اسلام قبول کرنے کا جذبہ ابھرا تھا۔ اس لئے امید تھی کہ وہ آگے بڑھ کر ساتھ دیں گے اور آپ ﷺ پر ایمان لائیں گے۔

سوال 3: ﴿ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ '' حالانکہ یقیناً ان میں سے ایک گروہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے'' کیا اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کے علاوہ بھی کسی اور مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی کلام اللہ سن کر، خوب سمجھ کر جان بوجھ کر اس میں تحریف کرتے تھے۔ یوں یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کلام اس لیے سنتے تھے کہ اسے بدل ڈالیں۔ ﴿2﴾ آج مسلمانوں میں بھی ایسے افراد ہیں جو کلام اللہ اس لیے سنتے اور پڑھتے ہیں کہ وہ اس کو اپنی مرضی سے بدل ڈالیں۔ وہ اس کے الفاظ بدل نہیں سکتے لیکن عملی صورتیں بدل دیتے ہیں۔

سوال 4: ﴿ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ﴾ '' پھر اس کے بعد اس کو بدل دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھ لیتے ہیں'' کتاب اللہ کو سمجھ لینے کے بعد اس میں تحریف کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی کتاب اللہ کو سمجھ کر جان بوجھ کر اس کے معانی میں تحریف کرتے تھے۔ ﴿2﴾ تحریف کہتے ہیں کتاب اللہ کے احکامات کو بدل ڈالنا، چاہے اس کے الفاظ بدلے جائیں، معانی بدل دیئے جائیں یا اس کی تفسیر بدل دی جائے۔ ﴿3﴾ تحریف یہ کی جاتی تھی کہ حرام کو حلال، حلال کو حرام، حق کو باطل اور باطل کو حق بتایا جاتا تھا۔

سوال 5: کتاب اللہ میں تحریف کیوں کی جاتی ہے؟

جواب: کتاب اللہ میں تحریف اس لئے کی جاتی ہے کہ خواہشات پوری کی جا سکیں۔ یوں اللہ تعالیٰ کے دین کو خواہشات کا دین بنا لیا جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 6: کیا آج بھی یہ تحریف ہوتی ہے؟

جواب: قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری رب العالمین نے لی ہے۔الفاظ میں تبدیلی کرنا تو ممکن نہیں لیکن الفاظ کے معانی اور مفہوم بدلنے کا کام آج بھی جاری ہے۔دین کے بنیادی تصورات کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔مثال کے طور پر شرک کا مفہوم، نبی ﷺ کی حیثیت، آخرت کی کامیابی کا عقیدہ، پردے کے احکامات، حلال وحرام کے احکامات، سود کے احکامات وغیرہ۔

سوال 7: ﴿وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ''اور وہ جانتے ہیں'' کہہ کر اللہ تعالیٰ نے کس حقیقت کی نشاندہی کی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی تورات کو سننے سمجھنے کے باوجود اسے بدل ڈالتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ﴿وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ سے توجہ دلائی ہے کہ وہ یہ حرکت سوچ سمجھ کر، جانتے بوجھتے ارادے سے کرتے تھے اور وہ یہ جانتے ہوئے کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف ہے۔﴿2﴾ اس سے ان کی چالبازی، منافقت اور فریب کاری کی طرف نشاندہی کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جان بوجھ کر حق کو چھپاتے اور تحریف کرتے ہیں۔ایسے لوگوں سے جو اپنی کتاب کو جسے وہ باعث شرف سمجھتے ہیں اور اسے بدل ڈالتے ہیں کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (76)﴾

''اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب بعض ان کا بعض کی طرف تنہا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ کیا تم انہیں وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ وہ ان کے ساتھ تمہارے رب کے پاس تم سے جھگڑا کریں تو کیا تم سمجھتے نہیں؟'' (76)

سوال 1: ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا﴾ ''اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی جب وہ ایمان والوں سے یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے تو محض زبان سے ہی اظہار کرتے ہیں جب کہ ایمان ان کے دلوں میں نہیں ہوتا۔

سوال 2: ﴿وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ''اور جب بعض ان کا بعض کی طرف تنہا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ کیا تم انہیں وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ وہ ان کے ساتھ تمہارے رب کے پاس تم سے جھگڑا کریں تو کیا تم سمجھتے نہیں'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوٓا ﴾ یعنی جب وہ اکیلے میں یہودیوں سے ملتے ہیں جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا تو ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ ﴾ ''کیا تم انہیں وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں'' کیا تم ان کے سامنے اپنے ایمان کا ظہار کرتے ہو؟ وہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتے تھے۔ جب اہل ایمان ان کے پاس جاتے تو کہتے وہ آپ کے رسول ہیں ہمارے نہیں اور جب وہ آپس میں بیٹھتے تو کہتے کیا تم ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہو؟ یہ چیز ان کے لیے تمہارے خلاف حجت بن جائے گی۔ اہل ایمان اپنے رب کے ہاں تمہارے خلاف دلیل دیں گے۔ وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے تھے کہ عربوں سے اس قسم کی باتیں کیوں کرتے ہو ان باتوں سے وہ تم لوگوں پر غالب آجائیں گے اور قیامت کے دن تمہیں لاجواب کردیں گے۔ آخر ہم اللہ تعالیٰ کے رسول کی تلاش میں اس علاقے میں آئے۔ تم اس رسول کے لیے دعائیں کرتے تھے کہ وہ آئے تو تم عربوں کے ساتھ جنگ کرو گے اور تورات میں تم سے نبی امی کی پیروی کا عہد لیا گیا ہے۔ اب وہ رسول مسلمانوں سے کہتا ہے کہ میں وہی نبی ہوں جس کی خبر تورات میں ہے اور یہود جس کا انتظار کررہے تھے۔ اب اگر یہ باتیں تم انہیں بتاتے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تو وہ اپنے رب کے حضور جھگڑا کریں گے۔ تم اس نبی کی رسالت کا انکار کردو اور ان کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دو۔ ﴿3﴾ ﴿ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴾ ''تو کیا تم سمجھتے نہیں'' کیا تمہیں اس بات کی سمجھ نہیں کہ تم انہیں وہ بات بتا رہے ہو جو تمہارے خلاف حجت بن جائے گی۔

سوال 3: یہود ایمان والوں کے سامنے اپنے آپ کو ایمان والا کیوں ظاہر کرنا چاہتے تھے؟

جواب: مدینہ میں نبی ﷺ کی آمد کے بعد آپ ﷺ کو ریاست کا سربراہ تسلیم کرلیا گیا تھا۔ یہودی اس ریاست کے اندر رہتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ بنا کر رکھنے پر مجبور تھے کیونکہ اسی صورت میں ان کے مفادات محفوظ رہ سکتے تھے اسی مفاد پرستی کی وجہ سے وہ ایمان والوں کے سامنے اپنے آپ کو ایمان والا ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

سوال 4: وہ کون سی بات تھی جو وہ مسلمانوں کے سامنے کھولنے سے ایک دوسرے کو روکتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ یہود کتمان حق یعنی حق چھپانے کے مجرم تھے۔ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بارے میں جو خوش خبریاں موجود تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ ﴿2﴾ یہود ان احکامات کو چھپاتے تھے جن میں نبی ﷺ کا ساتھ دینے کا حکم تھا۔

﴿ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿77﴾ ﴾

''کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔'' (77)

سوال: ﴿ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴾ ''کیا وہ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے بنی اسرائیل کے عقیدے کی خرابی کی نشاندہی کی ہے۔ ﴿2﴾ ہر چند کہ وہ اپنے ان عقائد کو چھپاتے ہیں جو ان کے مابین معروف ہیں اور وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے اپنے عقائد کو چھپایا ہوا ہے تاکہ یہ چیز اہل ایمان کے لیے ان کے خلاف حجت نہ بنے تاہم وہ اس بارے میں غلطی پر ہیں اور بہت بڑی جہالت میں مبتلا ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ اس کے بندے جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کر دے گا۔ (تفسیر سعدی: 127/1)

﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (78) ﴾

''اوران میں کچھ ان پڑھ بھی ہیں جو کتاب کا علم ہی نہیں رکھتے سوائے چند آرزوؤں کے اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ گمان کرتے ہیں۔'' (78)

سوال 1: ﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴾ ''اوران میں کچھ ان پڑھ بھی ہیں جو کتاب کا علم ہی نہیں رکھتے سوائے چند آرزوؤں کے اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ گمان کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَمِنْهُمْ ﴾ اور ان اہل کتاب میں سے ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ اُمِّيُّوْنَ ﴾ ان پڑھ لوگ بھی ہیں جو علم والوں میں شامل نہیں۔ ﴿3﴾ ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ ﴾ وہ کتاب کا نہ علم رکھتے ہیں، نہ اس پر عمل کرتے ہیں، نہ اس کے پیغام کو پہنچاتے ہیں، تلاوت کے سوا ان کا کتاب میں کوئی حصہ نہیں، ان کے پاس اپنے سے پہلے لوگوں کی بھی خبر نہیں۔ ﴿4﴾ ﴿ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴾ اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ گمان کرتے ہیں۔ یعنی ان کے پاس گمان اور اہل علم کی تقلید کے سوا کچھ نہیں۔ ﴿5﴾ قرآن مجید نے ان کی آرزوؤں کا حوالہ دیا ہے۔ ﴿ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ ﴾ اور انہوں نے کہا ''جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن۔'' (البقرہ: 80) ﴿6﴾ ﴿ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ ﴾ اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو، یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ (البقرہ: 111) ﴿7﴾ ﴿ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں کے ماسوا خاص تمہارے ہی لیے ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ (البقرہ: 94) ﴿8﴾ ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ اور یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ (المائدہ: 18) ﴿9﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ نہ تمہاری تمناؤں پر (مدار) ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر، جو کوئی بھی برا عمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی۔ (النساء: 123) ﴿10﴾ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴾ یقیناً گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں آتا۔ (یونس: 36)

سوال 2: اللہ رب العزت نے کن لوگوں کو امی کہا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو امی یعنی ان پڑھ کہا ہے جو کتاب کا علم نہیں رکھتے، جو کتاب سے آرزوئیں رکھتے ہیں اور گمان کرتے ہیں۔﴿2﴾آج بھی مسلمانوں کے اندر ایسے ان پڑھ افراد کی کثرت ہے جو دنیا کے علوم رکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم نہیں رکھتے۔﴿3﴾اگر آج ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ پڑھیں تو ہمارا شمار امیوں میں ہوگا۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب نہ جانیں تو یہ ہماری بھول ہے کہ ہمارا ایمان مکمل ہوگا۔

سوال3: یہودی عوام محض آرزوئیں رکھتے تھے۔ ان آرزوؤں سے کیا مراد ہے؟

جواب: آرزوؤں سے مراد وہ جھوٹے قصے کہانیاں ہیں جو انہوں نے اپنے دین کے نام پر گھڑ رکھے تھے۔ ان کا خلاصہ یہ تھا کہ جہنم کی آگ یہودیوں کے لیے نہیں ہے۔ بزرگوں کے نام سے ایسی باتیں منسوب کی گئی تھیں جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جہنم کی آگ سے نجات پانے اور جنت میں داخلے کے لیے معمولی معمولی چیزیں بھی کافی ہیں۔ یہ سستے نسخے ان کو بہت پسند تھے کیونکہ ان کی وجہ سے غیر ذمہ دارانہ رویئے کو بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور یہودی عالم انہیں جو کہانیاں سناتے تھے وہ ان میں بہت مقبول تھیں۔

سوال4: انسان وہم وگمان پر زندگی کی بنیاد کیوں رکھتا ہے؟

جواب:﴿1﴾انسان جب اپنی ذات، کائنات اور اپنے خالق کے بارے میں وحی کے دیئے ہوئے علم سے جواب نہیں لیتا تو علم کی روشنی کے بغیر وہم وگمان کے اندھیروں میں چلا جاتا ہے۔ یوں اپنی زندگی کی بنیاد وہم وگمان پر رکھ لیتا ہے۔﴿2﴾انسان جب وحی الٰہی سے زندگی کے مقصد کو نہیں سمجھتا تو محض دل کی خواہشات اور اچانک پیدا ہونے والے خیالات یا معاشرے کے توہمات پر زندگی کے مقصد کو متعین کر لیتا ہے اور یوں ایک قیمتی زندگی کو وہم وگمان دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے۔﴿3﴾انسان جب وحی الٰہی سے اپنی کوششوں کے انجام کو نہیں سمجھتا تو وہم وگمان کی بنیاد پر اپنے انجام کا تعین خود کر لیتا ہے یوں خود ساختہ نجات کے تصورات سے اپنی زندگی کو آگ لگانے کی تیاری کر لیتا ہے اور وہم وگمان کی بنیاد پر بالآخر موت کے بعد جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔

سوال5: گمان پر زندگی کی بنیاد رکھنے کے نقصانات بتائیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:﴿ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْــــًٔـا ﴾ ان میں سے اکثر لوگ نہیں پیروی کرتے مگر ایک گمان کی، یقیناً گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں دیتا۔(یونس:36)﴿1﴾ گمان سچائی کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔﴿2﴾ گمان پر زندگی کی بنیاد رکھنے سے زندگی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ(79) ﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

’’تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے بدلے میں وہ تھوڑی سی قیمت وصول کریں پس ان کے لئے تباہی ہے اس چیز کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ہلاکت ہے ان کے لیے اس کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں۔‘‘(79)

سوال1:﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ﴾’’تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سخت تنبیہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں کہ ہلاکت اور عذاب ہے ان لوگوں کے لیے جو تورات میں تحریف کرتے ہیں اور تحریف شدہ آیات کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔(صفوۃ التفاسیر:63/1)﴿2﴾ وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں تا کہ اس کے ذریعے کچھ دنیاوی فائدے حاصل کرلیں مثلاً مال، عزت، اقتدار، مقبولیت عامہ وغیرہ۔

سوال2:﴿ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾’’پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ وہ اپنے پیروکاروں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ چیز جو تمہارے پاس ہے تورات کی نصوص میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ پر نازل کیا۔ اس کے ساتھ کہ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔(صفوۃ التفاسیر:63/1)﴿2﴾ یہ کتمان حق اور باطل کا اظہار ہے، وہ علم رکھنے کے باوجود ایسا کرتے ہیں۔

سوال3:﴿ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾’’تا کہ اس کے بدلے میں وہ تھوڑی سی قیمت وصول کریں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ کہ وہ اس تحریف کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں۔﴿2﴾﴿ ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ کتاب اللہ کے مقابلے میں قیمت ہے جو پوری زمین کی دولت ہو تب بھی قلیل ہے۔﴿3﴾ یہودی عالم اپنے علم سے دنیا کماتے تھے۔ وہ عوام کو مفت جنت حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے تھے۔ اس سے ان کے اوپر نذرانوں کی بارش کردی جاتی تھی اور یوں لوگ مفت جنت کے بدلے ان علماء کو مفت دنیا فراہم کردیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں فرمایا کہ ان کی یہ کمائی ان کے لیے ہلاکت کا باعث ہے۔﴿4﴾ یہودی عالم کتاب کی پیروی کرنے کے حکم کو تبدیل کرکے ایسے مشورے دیا کرتے تھے جس کے ذریعے لوگ اپنا جرم چھپاسکیں یا جس کی وجہ سے لوگ اپنی معذرت پیش کرسکیں یا اپنے گناہوں پر پردہ ڈال سکیں اور مطمئن ہوجائیں کہ یہ سب دین کے مطابق ہے۔ وہ اس پر لوگوں سے بھاری جرمانے وصول کرتے تھے تا کہ انہیں دین دار ثابت کیا جاسکے۔ کتاب کے بدلے میں لوگ مال، شہرت اور اقتدار حاصل کرتے ہیں۔

سوال4: اللہ رب العزت نے اپنے ہاتھ سے کتاب لکھ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کا کیا انجام بتایا ہے؟

جواب: اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھ رہے ہیں اور جو کچھ وہ کما رہے ہیں، اس کے بدلے ان کے لئے ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال5: ﴿ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴾ ''پس ان کے لئے تباہی ہے اس چیز کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے اور ہلاکت ہے ان کے لیے اس کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے یہود کے ظلم کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اس طرح ایک جانب ان کا سچا دین چھپا لیتے ہیں اور دوسری جانب وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴾ ''ہلاکت ہے ان کے لیے اس کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں۔'' ویل عذاب کی شدت اور حسرت کو کہا جاتا ہے۔ ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے جو اپنے ہاتھوں سے لکھ کر فروخت کر کے کماتے ہیں۔ ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ''تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو جب کہ تمہاری کتاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ تازہ بھی ہے اور محفوظ بھی اور تمہیں اس نے بتا بھی دیا ہے کہ اہل کتاب نے اپنا دین بدل ڈالا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تبدیلی کردی اور اسے اپنے ہاتھ سے ازخود بنا کر لکھا اور کہا کہ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے دنیا کا تھوڑا سا مال کما لیں۔ تمہارے پاس جو علم ہے وہ تمہیں ان سے پوچھنے سے منع کرتا ہے۔ واللہ! میں تو نہیں دیکھتا کہ اہل کتاب میں سے کوئی تم سے اس کے بارے میں پوچھتا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔'' (بخاری:7363) ﴿4﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان یہود علماء کی مذمت کی ہے جو تورات کی آیات کو بدل دیتے تھے لیکن دین اسلام کے آنے کے بعد ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو بدعتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لیے قرآن وسنت میں تحریف کرتے ہیں۔ (تیسیر الرحمٰن:48/1)

﴿ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (80) ﴾

''اور انہوں نے کہا: ''جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن''۔ کہہ دو: ''کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے رکھا ہے تو وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرے گا یا تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟'' (80)

سوال1: ﴿ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ﴾ ''اور انہوں نے کہا'' جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ آگ ہمیں تھوڑے دن ہی چھوئے گی پھر ہمیں آگ سے نکال لیا جائے گا۔ اس عقیدے کی وجہ یہ تھی کہ یہودی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا لاڈلا سمجھتے تھے۔ ﴿2﴾ یہودی کہتے تھے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن دوزخ میں رہیں گے۔ اس لحاظ سے جہنم جانے کی کل مدت سات دن بنتی ہے۔ ﴿3﴾ ان میں سے کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ہم نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی ہے اس لئے چالیس دن جہنم میں رہیں گے۔ ﴿4﴾ آخرت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

چھپتے ہونے کی وجہ سے بچ جائیں گے، انسان کو دنیا میں اپنی فکر کرنے سے، جواب دہی کے احساس سے اور نیک اعمال سے روک دیتا ہے۔

سوال 2: یہودی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کے باوجود کیوں مطمئن تھے؟

جواب: ﴿1﴾ یہود کا عقیدہ خراب تھا اس لئے وہ نافرمانیاں کر کے مطمئن رہتے تھے۔ ﴿2﴾ یہود کے اندر عقیدے کی خرابی کی وجہ سے سرکشی آ گئی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ نافرمانیاں کرنے سے ہمارا کچھ بگڑنے والا نہیں اور کوئی ہمیں پکڑنے والا نہیں۔ اس لئے وہ نافرمانیوں پر مطمئن رہتے تھے۔ ﴿3﴾ یہود نبیوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ ہماری نافرمانیوں پر ہمیں نہیں پکڑا جائے گا۔

سوال 3: جو لوگ اس خوش گمانی میں مبتلا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے حقوق محفوظ ہو چکے ہیں، سچی دعوت پر ان کا رویہ کیسا ہوتا ہے؟

جواب: ایسے لوگ سچی دعوت کو گوارا نہیں کر سکتے کیونکہ (الف) سچی دعوت ان کو اپنی میٹھی نینداور میٹھے خواب خراب کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ (ب) سچی دعوت زندگی کے حقائق کو واضح طور پر سامنے لے آتی ہے جس کو وہ لوگ سمجھنا نہیں چاہتے۔ لہٰذا وہ ایسی دعوت پر تنقید کرتے ہیں، اس کا مذاق اڑاتے ہیں، اس کے مخالف بن جاتے ہیں اور اس کے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے یہود کے دعوت حق پر ایمان نہ لانے کے کون سے اسباب بیان کیے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ علماء کے ایمان نہ لانے کے اسباب: (i) اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر، سمجھ کر جان بوجھ کر بدل ڈالتے ہیں۔ (ii) دورخے (منافق) ہیں۔ (iii) حق کو چھپاتے ہیں۔ (iv) اپنے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب لکھ کر یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (v) کتاب پر معاوضہ حاصل کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ عوام کے ایمان نہ لانے کے اسباب: (i) کتاب کے بارے میں بے بنیاد امیدیں رکھتے ہیں۔ (ii) کتاب کے بجائے وہم و گمان پر چلتے ہیں۔ (iii) کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ ﴿3﴾ مشترکہ سبب: یہ یقین کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی یعنی عقیدے کی خرابی کہ آخرت کا گھر ہمارے لیے ہے۔

سوال 5: ﴿قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ﴾ ''کہہ دو کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے رکھا ہے تو وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی اے رسول ان سے کہہ دو: ﴿1﴾ کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد لے رکھا ہے؟ ایسا ہے تو وہ وعدہ شکنی ہرگز نہ کرے گا۔ ﴿2﴾ کیا تم ایسی بات کہتے ہو جس کی حقیقت سے خود ہی ناواقف ہو؟ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ذمے کوئی بات لگانا سب سے بڑا احرام اور سب سے بڑی برائی ہے۔ کیا رسولوں پر ایمان لا کر ان کی اطاعت نہ کرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد لے رکھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یقیناً یہ وعدہ صاحب وعدہ کی نجات کا باعث بنے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 6: قرآن یہود کی اس غلط فہمی کہ "جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہ چھوئے گی مگر چند دن" کا کیا جواب دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید میں رب العزت نے اس کا جواب دیا ہے کہ جو بھی بدی کمائے گا اور اپنی خطاؤں، گناہوں اور نافرمانیوں میں گھر جائے گا وہ دوزخی ہے اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا۔ ﴿2﴾ جو لوگ ایمان لائیں گے، نیک عمل کریں گے، وہ جنتی ہیں اور جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

سوال 7: ﴿ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ "یا تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے" کی وضاحت کریں؟

جواب: کیا تم اللہ تعالیٰ کے ذمے ایسا معاملہ لگاتے ہو جس کا آپ کو علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس دعوت کی صداقت دو میں سے ایک امر پر ہے: ﴿1﴾ یا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے نجات کا عہد لیا ہوگا تب تو ان کا وعدہ درست ہے۔ ﴿2﴾ یا لوگ بہتان لگا رہے ہیں اور یہ عذاب اور رسوائی کے لیے کافی ہے۔ (تفسیر سعدی:129/1)

﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (81) ﴾

"کیوں نہیں! جس نے برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اسے گھیرے میں لے لیا تو وہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔" (81)

سوال 1: ﴿ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ ﴾ "کیوں نہیں! جس نے برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اسے گھیرے میں لے لیا" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سعدی نے کہا: ﴿ سَيِّئَةً ﴾ وہ گناہ ہیں جن پر عذاب کا وعدہ ہے۔ (جامع البیان:464/1) ﴿2﴾ یہاں اس سے مراد شرک ہے۔ ﴿3﴾ ضحاک نے کہا ہے: ﴿ وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ ﴾ یعنی وہ اپنے گناہوں کے ساتھ مر گیا۔ (جامع البیان:461/1) اس کا مطلب یہ ہے کہ برائیوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ انسان اپنی سوچ سے گھرتا ہے۔ پہلی بار برائی کرنا مشکل ہوتا ہے مگر شیطان برائی کو دل پسند بنا کر دکھاتا ہے۔ اندر ہی اندر سوچیں خراب ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ پھر شیطان اگلی برائی کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ یوں برائیوں کی تزئین سے انسان کے لیے برائیاں کرنا آسان ہو جاتی ہیں۔ ایک برائی کرنے سے دوسری برائیوں کے راستے کھل جاتے ہیں جیسے ایک جھوٹ سے کئی جھوٹ کے راستے کھلتے ہیں۔ یوں انسان برائیوں کے چکر میں پھنس جاتا ہے۔ انسان جب برے کام کرتا ہے تو اس کی دوستی بھی برے لوگوں سے ہوتی ہے۔ پھر اگر انسان برائی سے نکلنا چاہتا ہے تو دوست نکلنے نہیں دیتے۔ یوں انسان خطا کاری کے چکر میں پھنس جاتا ہے اور اس کی برائیاں اسے گھیر لیتی ہیں۔ ﴿4﴾ یعنی جس کے گناہوں نے اسے گھیر لیا ہو اور یہ گناہ شرک ہے اس لیے کہ مومن موحد کا گناہ اسے ہر چہار جانب سے احاطہ نہیں کر پاتا۔ ﴿5﴾ قرآن مجید برائیوں کو انسان کی کمائی کہتا ہے کیونکہ انسان کمانے کے لئے وقت،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صلاحیتیں، قوتیں اور مال لگاتا ہے۔ زندگی میں انسان جو کام کرتا ہے یہ بھی اس کی کمائی ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کا قیمتی وقت، صلاحیتیں، قوتیں اور مال لگاتا ہے۔ پھر اس سے برے کام کرتا ہے تو یہ برائی ہی اس کی کمائی ہے۔

سوال 2: انسان خطاؤں کے اس چکر سے کیسے نکل سکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان خطاؤں کے اس چکر سے تب نکل سکتا ہے جب وہ برائی سے کراہت محسوس کرے۔ ﴿2﴾ جب وہ برائی کے نقصان کو شعوری طور پر محسوس کرنے لگے اور یہ تب محسوس کرے گا جب وہ ہر موقع پر سوچے گا اور یہ تبھی ممکن ہے کہ انسان زندگی کے مقصد کو سمجھے، اپنے آنے اور دنیا سے جانے کی حقیقت کو سمجھے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا علم حاصل کرے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور توبہ کرے۔ ﴿4﴾ آئندہ کبھی نہ کرنے کا عہد کرے۔ ﴿5﴾ یہ سب کچھ تبھی ممکن ہوگا جب صحبت بدل جائے گی۔

سوال 3: کیا خطائیں ہلاکت کا سبب بن جاتی ہیں؟

جواب: سیدنا ابوبختری نبی ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ ہلاک نہیں ہوں گے یہاں تک کہ ان کے گناہ بہت زیادہ ہو جائیں۔'' (ابوداؤد:4347) یا اللہ! ہمیں خطاؤں سے بچالے، ہماری مغفرت فرمادے۔ (آمین)

سوال 4: ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''تو وہ لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: شرک ایسا گناہ ہے جو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا سبب بنے گا جب کہ اہل توحید جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے صرف کافر و مشرک ہی رہیں گے۔ گناہ گار موحدین جہنم سے نکال دیئے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:465/1)

﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ(82) ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، وہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (82)

سوال 1: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں گے۔ ﴿2﴾ ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ کوئی عمل صالح نہیں ہوسکتا جب تک خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور محمد ﷺ کی اتباع میں نہ ہو۔ ﴿3﴾ سلف وصالحین کا اجماع ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے اس لیے جن آیتوں میں ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر ہوا ہے وہاں عام کے بعد خاص کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ذکرمقصود ہے۔اور مقصود عمل صالح کے لیے مزید رغبت دلانا ہے۔کوئی بھی عمل اسی وقت عمل صالح ہوگا جب اس میں دوشرطیں پائی جائیں پہلی شرط یہ ہے کہ اس عمل سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو،اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔(تیسیر الرحمٰن:50/1)

سوال2: ﴿ أُولَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلۡجَنَّةِۖ هُمۡ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴾ ''وہی لوگ جنت والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے فرمایا:﴿ لَّيۡسَ بِأَمَانِيِّكُمۡ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهۡلِ ٱلۡكِتَٰبِۗ مَن يَعۡمَلۡ سُوٓءٗا يُجۡزَ بِهِۦ وَلَا يَجِدۡ لَهُۥ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَلِيّٗا وَلَا نَصِيرٗا ۝١٢٣ وَمَن يَعۡمَلۡ مِنَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ مِن ذَكَرٍ أَوۡ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤۡمِنٞ فَأُوْلَٰٓئِكَ يَدۡخُلُونَ ٱلۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُونَ نَقِيرٗا ﴾ نہ تمہاری تمناؤں پر(مدار) ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر، جوکوئی بھی برا عمل کرے گا اسے اس کی سزادی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوانہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار۔اور جو بھی نیک اعمال میں سے کوئی عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔(النساء:123,124)

سوال3: اللہ تعالیٰ کے انسان کے بارے میں آخری فیصلے کی بنیاد کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جنت ان لوگوں کے لئے بنائی ہے جو اللہ تعالیٰ کو،اس کے احکامات کو دل سے مان لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

رکوع نمبر 10

﴿ وَإِذۡ أَخَذۡنَا مِيثَٰقَ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ لَا تَعۡبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلۡوَٰلِدَيۡنِ إِحۡسَانٗا وَذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسۡنٗا وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ إِلَّا قَلِيلٗا مِّنكُمۡ وَأَنتُم مُّعۡرِضُونَ(83) ﴾

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کروگے اور والدین اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے احسان کروگے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو پھر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے ماسوا سب اس عہد سے پھر گئے اور تم منہ موڑنے والے تھے۔''(83)

سوال1: ﴿ وَإِذۡ أَخَذۡنَا مِيثَٰقَ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ﴾ ''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہ احکام ان اصول دین میں سے ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہر شریعت میں دیا،کیونکہ یہ احکام ہر زمان ومکان میں مصالحہ عامہ پر مشتمل ہیں۔دین میں ان کی حیثیت بنیاد کی سی ہے جو منسوخ نہیں ہوسکتی۔﴿2﴾ بنابریں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان اصولوں پر عمل کرنے کا حکم اس فرمان میں دیا ہے۔﴿ وَٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَلَا تُشۡرِكُواْ بِهِۦ شَيۡـٔٗاۖ وَبِٱلۡوَٰلِدَيۡنِ إِحۡسَٰنٗا وَبِذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡجَارِ ذِي

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور پہلو کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ اور (ان کے ساتھ) جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوئے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو اکڑنے والا، فخر کرنے والا ہو۔ (النساء:36) ﴿3﴾ ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ تم سے ہم نے اس وقت عہد لیا تھا جب تم اپنے آباء کی پشت میں ذرے کی طرح تھے۔ (البحر المحیط:455/1)

سوال 2: بنی اسرائیل سے میثاق کیوں لیا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل کو جب بھی کوئی حکم دیا جاتا تھا وہ نافرمانی کرتے تھے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کی پابندی کروانے کے لیے ان سے پختہ قسمیں اور معاہدے لیے کیونکہ اس کے بغیر وہ حکم کو قبول نہیں کرتے تھے۔

سوال 3: میثاق بنی اسرائیل کی شقیں کون سی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ﴿2﴾ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ ﴿3﴾ رشتے داروں سے حسن سلوک کرنا۔ ﴿4﴾ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ ﴿5﴾ مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ ﴿6﴾ لوگوں سے بھلی بات کہنا۔ ﴿7﴾ نماز قائم کرنا۔ ﴿8﴾ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ﴿9﴾ اپنے بھائیوں کا خون نہ بہانا۔ ﴿10﴾ ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے نہ نکالنا۔

سوال 4: ﴿لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا منع ہے۔ ﴿2﴾ یہ دین کی بنیاد ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس بنیاد کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ ﴿3﴾ یہ پہلا حکم، پہلا واجب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید اور اس کی اطاعت کرنا اور شرک نہ کرنا۔ (الاساس:1059/2) ﴿4﴾ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے۔

سوال 5: انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کا پہلا حق کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نبی ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ بولے: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا: جانتے ہو، بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ جب بندے اس کی توحید پر قائم ہوں، شرک سے بے زار ہوں تو ان کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے۔ (بخاری:7373) ﴿2﴾ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ (النحل:36) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں جو رسول بھیجا اسے اپنی توحید سکھانے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ بندوں کو اس کی عبادت کرنے کا حکم دیں۔ ﴿3﴾ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴾اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ یقیناً میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم میری ہی عبادت کرو۔(الانبیاء:25)﴿4﴾اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حق یہی ہے کہ صرف اس کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

سوال 6:﴿ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ﴾''اور والدین سے احسان کروگے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے اسی لیے رب العزت نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔﴿2﴾رب العزت نے فرمایا:﴿ وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ ۚ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ وَہۡنًا عَلٰی وَہۡنٍ وَّفِصٰلُہٗ فِیۡ عَامَیۡنِ اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیۡکَ ؕ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴾اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں وصیت کی، اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے اٹھایا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔(لقمان:14)﴿3﴾رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: والدین کی فرماں برداری کرنا۔ پوچھا گیا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔(مسلم:252)﴿4﴾والدین کے ساتھ حسن سلوک میں قولی اور فعلی ہر رویہ شامل ہے جسے حسن سلوک کہا جا سکتا ہے۔﴿5﴾والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے اور کسی چیز کی فرضیت کے ساتھ لازم آتا ہے کہ اس کی ضد ممنوع ہو۔﴿6﴾حسن سلوک کی دو اضداد ہیں برا سلوک کرنا بڑا جرم ہے اور عدم احسان یعنی حسن سلوک نہ کرنا، دونوں سے روکا گیا ہے۔(تفسیر سعدی:1/131)والدین کے ساتھ دونوں رویے حرام ہیں۔﴿7﴾جہاں تک اقوال کا تعلق ہے تو فرمایا:﴿ وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡہَرۡہُمَا وَقُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ﴾اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو ''اف'' تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔(بنی اسرائیل:23)یعنی انہیں بری بات کہنے یا ان سے اکتاہٹ کا اظہار کرنے کی بھی ممانعت ہے۔﴿8﴾اور قول کریم کا حکم دیا۔﴿9﴾جہاں تک فعلی حسن سلوک کا تعلق ہے تو ان کی خدمت اور ان کے مطالبات کو پورا کرنا، ان کی ضرورت کے موقع پر ان پر استطاعت کے مطابق خرچ کرنا اور نرمی کا برتاؤ رکھنا اور کلام میں بھی نرمی اختیار کرنا شامل ہے۔(تفسیر منیر:3/66)﴿10﴾والدین کے ساتھ حسن سلوک میں ان کے ساتھ حسن معاشرت، ان کے لیے تواضع، ان کے حکم کی اطاعت، ان کی موت کے بعد ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا اور ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا وغیرہ شامل ہیں۔(تفسیر منیر:1/230)

سوال 7:﴿ وَّذِی الۡقُرۡبٰی ﴾''اور رشتے داروں سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رشتہ دار خواہ دور کے ہوں یا قریب کے ان کے ساتھ قول و فعل کے ذریعے سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کا عہد لیا گیا اور اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قول وفعل کے ساتھ ان کے ساتھ قطع رحمی نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔رب العزت کا فرمان ہے:﴿هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ نیکی کا بدلہ نیکی ہی ہے۔(الرحمٰن:60)

سوال8: انسانی معاملات میں کون سا برتاؤ درست ہے؟

جواب:﴿1﴾انسان کا انسان سے واسطہ پڑے تو انصاف اور خیر خواہی کے مطابق کیا گیا برتاؤ ہی درست ہے۔﴿2﴾قرآن مجید میں گیارہ جگہ رشتہ داروں کے حقوق کا تذکرہ ملتا ہے۔﴿3﴾رب العزت کا فرمان ہے:﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾اور رشتے دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور تم بے جا خرچ نہ کرو، بے جا خرچ کرنا۔(بنی اسرائیل:26)﴿4﴾حسن اور فطر نے نبی اکرم ﷺ سے مرفوعاً بیان کیا، فرمایا کہ ''کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہ کیا جا رہا ہو تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔''(بخاری:5991)﴿5﴾سیدنا سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسکین کو صدقہ دینا صدقہ دینا اور رشتہ دار کو (صدقہ دینا) دو نیکیاں ہیں۔صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی۔(ابن ماجہ:1844)

سوال9: رشتے داروں سے حسن سلوک کرتے ہوئے کن چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے؟

جواب:﴿1﴾حسن سلوک اللہ تعالیٰ کی رضا کے تحت ہو۔﴿2﴾بدلے کی توقع نہ ہو۔﴿3﴾حسن سلوک کے بعد بھی زیادتی ہو تو برداشت کرنا ہے۔

سوال10: رشتہ داری کیسے جڑتی اور کیسے ٹوٹتی ہے؟

جواب: رشتہ داری حسن سلوک اور رشتے کا احساس کرنے سے جڑتی ہے جب کہ ملاقات نہ کرنے، بدگمانیاں پالنے، رشتے کی حفاظت نہ کرنے سے، اس کا احساس نہ کرنے سے اور خوشیوں اور غموں میں شریک نہ ہونے سے رشتہ داری ٹوٹ جاتی ہے۔

سوال11:﴿وَالْيَتٰمٰى﴾''اور یتیموں سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یتیم وہ ہے جو کم سنی میں باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو جائے۔﴿2﴾یتیم کے لیے اس کے آباء میں سے کوئی کمانے والا نہیں ہوتا۔﴿3﴾یتیم کے ساتھ احسان حسن تربیت ہے اور اس کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانا ہے۔کتاب وسنت میں ان کے ساتھ نرمی، ان کی کفالت کی ترغیب اور ان کے مال کی حفاظت کے بارے میں کثیر وصیتیں ہیں۔(تفسیر منیر:231/1)﴿4﴾سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے'' اور آپ ﷺ نے شہادت اور درمیانی انگلیوں کے اشارہ سے (قرب کو) بتایا۔(بخاری:6005)

سوال12:﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾''اور مسکینوں سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے مساکین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔مسکین وہ محتاج اور تنگ دست ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیوی بچوں کا خرچ اٹھالے۔ ﴿2﴾ صفوان بن سلیم تابعی اس حدیث کو مرسلاً روایت کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔'' (بخاری:6006)

سوال 13: یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک انسان کے لیے امتحان کیوں بن جاتا ہے؟

جواب: کمزور اور محروم افراد کے ساتھ حسن سلوک کے لیے کوئی اضافی محرک نہیں ہے جب کہ طاقت ور کا قوی ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ لوگ اس کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ کمزور آدمی کے ساتھ صرف وہ انسان حسن سلوک کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ایسا کررہا ہو۔

سوال 14: حسن سلوک کا شعور کب اور کیسے دب جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب انسان کا معاملہ کسی کمزور انسان سے ہوتا ہے تو حسن سلوک کا شعور دب جاتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ انسان کمزور انسان کو مدد دیتا ہے اور اپنے آپ کو بڑا محسوس کرنے لگتا ہے اور اس وجہ سے کمزور انسان کی عزت نفس کا خیال رکھنے میں یہ احساس رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ﴿2﴾ جب کسی کمزور انسان کی طرف سے نیازمندی کا اظہار نہیں ہوتا تو اسے نااہل سمجھ لیا جاتا ہے اور انسان ایسے کمزور افراد سے جان چھڑانے کے لیے غیر شریفانہ رویہ اختیار کرلیتا ہے۔

سوال 15: ﴿**وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا**﴾ ''اور لوگوں سے اچھی بات کہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اچھی بات کہنے کا حکم دیا ہے یعنی جو لا الٰہ الا اللہ نہ کہے اسے اس کی ترغیب دلاناحتیٰ کہ وہ اسی طرح کہے جیسے اسے کہلوایا جائے یہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہے۔ (جامع البیان:533/1) ﴿2﴾ قول حسن میں لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا آتا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لوگوں سے بھلی بات کرو یعنی انہیں نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ (جامع البیان:472/1) ﴿3﴾ حسن عام اسم ہے جو خیر کے معانی کا جامع ہے۔ اس میں کلام میں نرمی، ادب جمیل، خلق کریم وغیرہ آجاتے ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر:65/1) ﴿4﴾ سیدنا طلحہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے امام تفسیر و حدیث عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کے پاس فاسد عقیدے والے لوگ بھی جمع رہتے ہیں۔ مگر میرے مزاج میں تیزی ہے، میرے پاس ایسے لوگ آتے ہیں تو میں ان کو سخت باتیں کہہ دیتا ہوں، سیدنا عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ایسا نہ کیا کرو، کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ ﴿**قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا**﴾ اس میں تو یہودی و نصرانی بھی داخل ہیں، مسلمان خواہ کیسا ہی ہو وہ کیوں نہ داخل ہوگا۔ (قرطبی) ﴿5﴾ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو چاہے نیکی یہی ہو کہ تم اپنے بھائی کے ساتھ مسکراتے چہرے کے ساتھ ملو۔ (صحیح مسلم:6690) ﴿6﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نہ گالی دیتے تھے، نہ بدگو تھے اور نہ بدخو تھے اور نہ لعنت ملامت کرتے تھے۔ اگر ہم میں سے کسی پر ناراض ہوتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اتنا فرماتے: ''اسے کیا ہو گیا ہے، اس کی پیشانی میں خاک لگے۔'' (بخاری:6031) ﴿7﴾ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے جہنم کا ذکر کیا اور اس سے پناہ مانگی اور چہرے سے اعراض و ناگواری کا اظہار کیا۔ پھر آپ ﷺ نے جہنم کا ذکر کیا اور اس سے پناہ مانگی اور چہرے سے اعراض و ناگواری کا اظہار کیا۔ شعبہ نے بیان کیا کہ دو مرتبہ آپ ﷺ کے جہنم سے پناہ مانگنے کے سلسلے میں مجھے کوئی شک نہیں ہے۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جہنم سے بچو خواہ آدھی کھجور ہی (کسی کو) صدقہ کر کے ہو سکے اور اگر کسی کو یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کر کے ہی۔'' (بخاری:6023) ﴿8﴾ قول حسن میں لوگوں کو علم سکھانا، ان میں سلام پھیلانا، خندہ پیشانی اور بشاشت کا اظہار کرنا اور دیگر تمام اچھی باتیں آ جاتی ہیں۔ ﴿9﴾ قول حسن کے ضمن میں لوگوں سے برا کلام کرنے اور بری گفتگو کی ممانعت بھی آ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ رب العزت نے کافروں سے بھی برا کلام کرنے سے روکا ہے۔ ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ اور تم اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر انتہائی احسن انداز میں سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے ان میں سے ظلم کیا اور کہہ دو کہ ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا۔ اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اس کی فرماں برداری کرنے والے ہیں۔ (العنکبوت:46) ﴿10﴾ انسانی آداب میں سے، جن کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دی ہے یہ بھی ہے کہ انسان اپنے اقوال اور افعال میں پاکیزہ رہے، فحش گوئی اور بے ہودہ باتوں سے اجتناب کرے۔ گالی گلوچ اور سب و شتم کرنے اور لڑائی جھگڑے سے باز رہے بلکہ اس کے برعکس حسن خلق، بے پایاں حلم، ہر ایک کے ساتھ اچھے سلوک اور مخلوق کی ایذا رسانی پر صبر کا مظاہرہ کرے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور ثواب کی امید پر کرے۔ (تفسیر سعدی:131,132/1)

سوال 16: اچھی بات کہنے کے لیے مطلوبہ رویئے کون سے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ بردباری اختیار کرنا۔ ﴿2﴾ درگزر کرنا۔ ﴿3﴾ معاف کرنا اور درگزر کرنا۔ ﴿4﴾ کسی چیز کو حقیر نہ سمجھنا۔ ﴿5﴾ مسکرا کر محبت و پیار اور نرمی سے باتیں کرنا۔

سوال 17: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے نماز قائم کرنے کا عہد لیا تھا۔ ﴿2﴾ اقامت صلوٰۃ سے مراد وقت کی پابندی، وضو کی تکمیل، ارکان کے اعتدال، ترتیل قرأت، خشوع و خضوع، توجہ قائم کر کے دل لگا کر نماز پڑھنا ہے۔ ﴿3﴾ اقامت صلوٰۃ میں حضور قلب اور اپنے قول و فعل میں کامل تدبر بھی ضروری ہے۔ ﴿4﴾ نماز میں معبود کے لیے اخلاص ہے۔ ﴿5﴾ نماز دین کا ستون، تقویٰ کا راستہ، اللہ تعالیٰ سے تعلق کا جوڑنا، فضیلت کا راستہ اور رزائل سے دوری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے سلطان کے مطابق اخلاص اور کامل خشوع کی شرط ہے۔ (تفسیر منیر:232/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال18:﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾’’اور زکوٰۃ ادا کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾بنی اسرائیل کے دور میں نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا تھا۔﴿2﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں پر زکوٰۃ فرض ٹھہرائی تھی اور یہ محمد ﷺ سے پہلے ان کا طریقہ تھا۔ ان کے مالوں کی زکوٰۃ قربانی تھی جسے آسمانی آگ آکر کھا لیتی تھی اور یہ قبولیت کی نشانی تھی اور جس کو آگ نہیں کھاتی تھی وہ عدم قبولیت کی دلیل تھی۔(جامع البیان:554/1)

سوال19:﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾’’پھر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے ماسوا سب اس عہد سے پھر گئے اور تم منہ موڑنے والے تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کے عہد و میثاق کے بعد کیا ہونا چاہیے تھا اور کیا ہوا؟ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھ کر قبول کرتے کہ ان باتوں کا حکم دے کر اس نے اپنا فضل کیا مگر ہوا کیا؟﴿2﴾﴿تَوَلَّيْتُمْ﴾: تم نے پیٹھ پھیر لی کہ تمہیں ان احکامات سے نہ رغبت تھی نہ ان کی طرف لوٹنے کا ارادہ رکھتے تھے۔﴿3﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں انہوں نے سب احکامات چھوڑ دیے۔﴿4﴾﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ﴾ چند لوگ ان میں سے ایسے بھی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور انہیں ثبات عطا فرمایا۔﴿5﴾﴿وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾’’اور تم منہ موڑنے والے تھے‘‘ بنی اسرائیل نے قصداً اور عمداً اعراض کیا حالانکہ وہ جانتے تھے اور انہیں یاد تھا۔(الاساس:176/1)

سوال20:شریعت کے بنیادی احکامات کی پابندی کو اکثر لوگ نظر انداز کیوں کر دیتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ کیونکہ شریعت کے بنیادی احکامات جہالت کی زندگی کو چھوڑنے کے لیے ہوتے ہیں۔﴿2﴾انسان کی خواہشات نفس سے ٹکراتے ہیں۔﴿3﴾وہ انسان کی دنیادارانہ سیاست پر پابندی لگاتے ہیں۔

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ(84)﴾

’’اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکالو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود اس پر گواہی دیتے ہو۔‘‘(84)

سوال1:﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ﴾’’اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس آیت اور آگے آنے والی آیات میں ان یہودیوں سے خطاب ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مدینہ میں تھے۔﴿2﴾یہودی جاہلی تعصّبات کی وجہ سے گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔﴿3﴾مدینہ کے انصار کے دو بڑے قبائل اوس اور خزرج تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ مشرک تھے۔ دور جاہلیت میں ان کے درمیان جنگ وجدال جاری رہتا تھا۔﴿4﴾یہودیوں کے تین قبائل بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع مدینہ میں آکر آباد ہو گئے اور انہوں نے ان میں سے ہر قبیلہ کے ساتھ دفاعی معاہدہ کر رکھا تھا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿5﴾ جب کبھی اوس اور خزرج کے درمیان جنگ ہوتی تو ہر قبیلہ کا حلیف یہودی قبیلہ اپنے دوستوں کا ساتھ دیتا تھا اور اپنے حلیف انصاری قبیلے کے ساتھ مل کر اس کے انصاری قبیلے کے خلاف اس کی مدد کرتا جس کی مدد دوسرا یہودی قبیلہ کر رہا ہوتا تھا۔ اس طرح یہودی قبیلے ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے، جلاوطن کرتے، ایک دوسرے کا مال لوٹ لیتے تھے پھر جب جنگ بندی ہوتی تو جنگ کے فریقین ایک دوسرے کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھوڑتے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر کے قیدی چھڑوا رہے ہیں۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے یہود مدینہ کو میثاق یاد دلایا ہے۔

سوال 2: ﴿لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ ''کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکالو گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: میثاق بنی اسرائیل کی دوشقوں کا بیان ہے کہ تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور اپنے لوگوں کو گھروں سے نہیں نکالو گے۔

سوال 3: ﴿ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ ''پھر تم نے اقرار کیا اور تم خود اس پر گواہی دیتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ رب العزت نے فرمایا: تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ بنے۔ ﴿2﴾ ہر معاہدے میں دو فریق ہوتے ہیں۔ ایک فریق معاہدہ لیتا ہے اور دوسرا معاہدہ کرتا ہے۔ اس پر قول و قرار بھی ہوتا ہے اور گواہیاں بھی۔ جب اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تو انہوں نے اس کا اقرار کیا اور اس پر گواہ بنے۔

﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (85)﴾

''پھر تم تو وہ لوگ ہو کہ اپنے آپ کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو، گناہ اور زیادتی میں ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو، اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو حالانکہ انہیں نکالنا تم پر حرام کیا گیا تھا تو کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے کا کفر کرتے ہو؟ تو جو تم میں سے ایسا کرتا ہے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے ماسوا اس کی اور کیا جزا ہو سکتی ہے؟ اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں گے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے۔'' (85)

سوال 1: ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ﴾ ''پھر تم تو وہ لوگ ہو کہ اپنے آپ کو قتل کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہواوراپنوں میں سے ایک گروہ کوان کے گھروں سے نکالتے ہو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہود مدینہ کومخاطب کیا تھا کہ تم پرتو یہ فرض کیا گیا تھا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ اپنوں کوگھروں سے نکالو گے اور تم ایک دوسرے کوقتل کرتے ہو،ایک دوسرے کوگھروں سے نکالتے ہوتو اللہ تعالیٰ کے دونوں احکامات کی صریحاً خلاف ورزی کیسا ایمان اور کیسا طرز عمل ہے؟

سوال2: ﴿ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ ’’گناہ اور زیادتی میں ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے یہود کے طرز عمل کوواضح کیا کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ کتنے مخلص ہیں۔گناہ اورظلم کے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔یہ مدد کبھی قتل کی صورت میں،کبھی گھر باراور کاروبار لوٹنے کی صورت میں سامنے آتی تھی۔

سوال3: ﴿ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ﴾ ’’اوراگروہ تمہارے پاس قید ہوکرآئیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہوحالانکہ انہیں نکالنا تم پرحرام کیا گیا تھا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے فرمایاقتل وغارت گری،لوٹ مار کے بعد جنگ ختم ہوجاتی ہے تو ایک دوسرے کے جولوگ جنگی قیدی بناتے ہوان کوفدیہ دے کرآزاد کرواتے ہوحالانکہ ان کوگھروں سے نکالنا تم پرحرام تھا۔

سوال4: ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ ’’توکیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہواور کچھ حصے کا کفر کرتے ہو‘‘ یہود کتاب کے ایک حصے پر ایمان لا کر دوسرے سے کفر کیسے کرتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ یہود کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے تھے یعنی کچھ احکامات پر عمل کرتے تھے اور کچھ حصوں کوکوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔مثلاً قتل،ایک دوسرے کوگھروں سے نکالنااورایک دوسرے کے خلاف مدد کرناان کی شریعت میں حرام تھا۔ان کاموں کاانہوں نے کھلے عام ارتکاب کیااورفدیہ دے کرچھڑوالینے کے حکم پر عمل کیا حالانکہ اگروہ پہلے احکامات کو مانتے توفدیہ دے کرچھڑانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ ﴿2﴾ ایمان اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل کیا جائے اور جس سے اس نے رکنے کا حکم دیا ہواس سے رکا جائے۔ ﴿3﴾ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہود کے اسی خبث باطن کی وجہ سے کہ تورات کا جوحکم اپنی خواہش کے مطابق پایابیان کیااور جسے چاہاچھپادیا،تورات اوراس میں موجوداحکام اوررسول اللہ ﷺ کی صفات آپ ﷺ کی بعثت اورہجرت سے متعلق خبروں کے بارے میں ان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ (تیسیر الرحمٰن:52/1)

سوال5: ﴿ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ﴾ ’’توجوتم میں سے ایسا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے ماسوا اس کی اور کیا جزا ہوسکتی ہے؟ اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے شریعت کے کسی حکم پر ایمان لانے اور کسی سے کفر کرنے کی یہودیوں کو سزا دی، انہیں رسوا کیا گیا، ان میں سے کسی کو قتل کیا گیا، کسی کو غلام بنایا گیا، کسی کو جلاوطن کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو غلبہ عطا فرمایا جو ان کے لیے دنیا میں رسوائی تھی۔ وہ اپنی نو آبادیوں سے محروم ہوئے، ان کے نخلستان چھن گئے، بستیاں نذر آتش کر دی گئیں اور قیامت کے دن کا عذاب دنیا کے عذاب سے بڑھ کر ہوگا۔

سوال 6: شریعت کے کسی حکم کو مان لینے اور کسی کو نظر انداز کرنے کی کیا سزا ہے؟

جواب: اس کی سزا دنیا میں ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب ہے۔

سوال 7: آج مسلمانوں کی دنیا میں ذلت اور رسوائی کا سبب کیا ہے؟

جواب: آج مسلمانوں کی دنیا میں ذلت اور رسوائی کا سبب اللہ تعالیٰ کے کچھ احکامات کو مان لینا اور کچھ پر عمل کرنا چھوڑ دینا ہے۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ کے یہاں کون سا عمل قابل قبول ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ عمل قابل قبول ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کی جائے۔

سوال 9: ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ سے کیسے شعور کو بیدار کیا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے جو تم عمل کرتے ہو'' کہہ کر انسان کو بیدار کیا گیا ہے کہ تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ہیں۔ اس لئے ان کی جواب دہی اور انجام سے نہیں بچ سکتے۔ ﴿2﴾ انسان کو جب یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کا کام کسی کے مشاہدے میں ہے تو وہ اپنے کام کے بارے میں محتاط ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محتاط اور اس کے شعور کو بیدار کیا ہے۔

﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (86) ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے، سو نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی وہ مدد دیئے جائیں گے۔'' (86)

سوال 1: ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے'' آخرت بیچ کر دنیا خریدنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان دنیا کے فائدوں کی خاطر آخرت کو داؤ پر لگا دے۔ ﴿2﴾ انسان آخرت کے لیے نہیں، دنیا کے لیے اپنا سب کچھ لگا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دے۔《3》یہود نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دی تھی۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا ترک کر کے اپنی خواہشات کا دین اپنایا تھا۔یہی آخرت کو بیچنا اور دنیا کو خریدنا ہے۔《4》انہوں نے دنیا کے قلیل کو آخرت کے کثیر پر ترجیح دی۔(الدرالمنثور:167/1)

سوال 2:《فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ》''سو نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی وہ مدد دیئے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》ان پر عذاب کی شدت ہمیشہ رہے گی ،کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا۔《2》ان سے عذاب کو کبھی ہٹایا نہیں جائے گا۔ہمیشہ ان پر مسلط رہے گا۔ایک گھڑی بھی عذاب کے بغیر نہ گزاریں گے۔

رکوع نمبر 11

《وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ(87)》

''اور بلا شبہ ہم نے یقیناً موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد ہم نے پے درپے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی ،تو کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول اس چیز کے ساتھ آیا جو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے ،تم نے تکبر کیا چنانچہ کسی گروہ کو تم نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔''(87)

سوال 1:《وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ》''اور بلا شبہ ہم نے یقیناً موسیٰ کو کتاب دی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔《2》ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب مقدس تورات عطا کی۔(تفسیر قاسمی:186/1)《3》《اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ 44》یقیناً ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی ،اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار انبیاء، اللہ والے اور علماء ان لوگوں کے لیے فیصلہ کرتے تھے جو یہودی بنے۔اس لیے کہ انہیں کتاب اللہ کا محافظ بنایا گیا تھا۔اور وہ اس پر گواہ بھی تھے۔چنانچہ تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیات کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو،اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔(المائدہ:44)

سوال 2:《وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ》''اور اس کے بعد ہم نے پے درپے بہت سے رسول بھیجے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے پے درپے رسول بھیجے جو تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔رب العزت نے فرمایا:《ثُمَّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴾ پھر ہم نے پے درپے اپنے رسول بھیجے۔ جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا انہوں نے اسے جھٹلا دیا تو ہم نے ان کے بعض کو بعض کے پیچھے چلتا کیا اور ہم نے انہیں کہانیاں بنا دیا سو اس قوم کے لیے دوری ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ (المومنون:44)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد کون کون سے پیغمبر بھیجے؟

جواب: قرآن حکیم میں جن پیغمبروں کے نام آئے ہیں، ان میں سیدنا ہارون علیہ السلام، سیدنا ذوالکفل علیہ السلام، سیدنا الیاس علیہ السلام، سیدنا الیسع علیہ السلام، سیدنا داؤد علیہ السلام، سیدنا سلیمان علیہ السلام، سیدنا زکریا علیہ السلام، سیدنا یونس علیہ السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا یحییٰ علیہ السلام وغیرہ شامل ہیں۔

سوال 4: ﴿ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ ﴾ ''اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دیں'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو کن روشن نشانیوں کے ساتھ بھیجا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے پے درپے پیغمبر بھیجے حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا اور انہیں واضح نشانیاں عطا کیں۔ ﴿2﴾ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دیتے تھے۔ مٹی کا پتلا بنا کر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو جاتا۔ وہ یہ بتا دیتے تھے کہ کیا کھا کر آئے ہو اور کیا ذخیرہ کر کے آئے ہو۔ ﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ اور وہ بنی اسرائیل کی جانب رسول ہوگا'' بلاشبہ میں یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں کہ میں یقیناً تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی صورت جیسی چیز بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے میں پیدائشی اندھے کو اور کوڑھی کو ٹھیک کرتا ہوں اور مردوں کو بھی زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو بلاشبہ اس میں یقیناً تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ (آل عمران:49)

سوال 5: ﴿ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ﴾ ''اور روح پاک سے اس کی مدد کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ روح سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ القدس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس بات کو درست قرار دیا ہے۔ روح القدس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ (فتح البیان، ابن کثیر) ﴿2﴾ روح القدس سے مراد وہ ایمان ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قوت اور استقامت عطا کرتا ہے (تفسیر سعدی:134/1) ﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: روح القدس سے مراد وہ نام ہیں جن سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ﴿4﴾ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ روح جو سیدنا مریم علیہا السلام کے بیٹے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا۔ ﴿5﴾ مجاہد نے کہا کہ قدس اللہ تعالیٰ ہیں۔ (ابن ابی حاتم) ﴿6﴾ علم وحی الٰہی۔ ﴿7﴾ ﴿ أَيَّدْنَاهُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ﴾: اسماعیل بن ابی خالد نے کہا: سیدنا جبریل علیہ السلام نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی مدد کی۔ (الدرالمنثور: 167/1)

سوال 6: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی روح پاک سے کیسے مدد کی گئی؟

جواب: ﴿1﴾ ان کو انجیل عطا کی گئی۔ ﴿2﴾ ان کو آسمان پر زندہ اٹھایا گیا۔

سوال 7: ﴿ **اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ** ﴾ ”تو کیا جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول اس چیز کے ساتھ آیا جو تمہارے دل نہیں چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ کبھی رسول تمہارے پاس وہ چیز لائے جس کو تمہارا دل نہیں چاہتا تھا تو تم نے تکبر کیا۔ ﴿2﴾ اگر تم محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو عناد اور انکار تمہاری طبیعت کا خاصہ ہے۔ (تفسیر مراغی: 94/1) ﴿3﴾ جو ان کے دل نہیں چاہتے تھے وہ ایمان تھا۔ ﴿4﴾ جو دل چاہتا تھا وہ شہوات تھیں۔ (المحرر الوجیز: 177/1) ﴿5﴾ ﴿ **اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ** ﴾: تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آیا اس پر ایمان لانے اور اس کی اتباع کرنے سے تکبر کیا۔ (ابی سعود: 236/1)

سوال 8: بنی اسرائیل کا رسولوں کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟

جواب: جب بھی کوئی رسول ان کی خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر آیا تو انہوں نے ﴿1﴾ اس کے مقابلے میں سرکشی کی۔ ﴿2﴾ رسولوں کو جھٹلایا۔ ﴿3﴾ رسولوں میں سے کسی کو قتل کر ڈالا۔

سوال 9: بنی اسرائیل کے اس رویئے کی وجہ کیا تھی؟

جواب: اس لئے کہ رسولوں کی تعلیمات ان کی نفسانی خواہشات سے ٹکراتی تھیں۔

سوال 10: رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات انسان کی خواہشات نفس کے خلاف کیوں ہوتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات خواہشات کے خلاف اور فطرت کے مطابق ہوتی ہیں۔ ﴿2﴾ خواہشات نفس شیطان کی اکساہٹ کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ فطرت کے خلاف اور رسولوں کے لائے ہوئے سچے دین کے خلاف ہوتی ہیں۔

سوال 11: یہود کا تورات کے ساتھ کیسا رویہ تھا؟

جواب: یہود تورات کی اپنے پاس موجودگی کو اپنے لیے عظمت اور کامیابی کی علامت سمجھتے تھے مگر اس سے راہ نمائی لینا انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔

سوال 12: آج مسلمانوں کا قرآن سے کیسا تعلق ہے؟

جواب: مسلمان بھی قرآن حکیم کی اپنے پاس موجودگی کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں مگر انہوں نے اسے راہ نما کتاب کے مقام سے ہٹا دیا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال13:﴿ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴾ ''چنانچہ کسی گروہ کو تم نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ﴾ جن پیغمبروں کو یہود نے جھٹلایا وہ محمد ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔(الوسیط:121/1) ﴿2﴾ ﴿ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴾ جن کو یہود نے قتل کیا وہ یحییٰ علیہ السلام اور زکریا علیہ السلام وغیرہ ہیں۔ ﴿3﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خیبر کی یہودن، بکری کا گوشت زہر آلودہ کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ لے کر آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک دست میں سے اٹھایا اور کھانا شروع کیا اور چند صحابہ نے بھی کھانا شروع کیا، جب کچھ کھالیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھانے پر سے ہاتھ اٹھالو اور یہودن کو بلانے کو آدمی بھیجا، جب وہ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تو نے اس کے گوشت میں زہر ملایا ہے؟ اس نے پوچھا آپ کو کس نے خبر دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بکری کے اس ہاتھ نے خبر دی جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے اقرار کیا اور کہا کہ میں نے یہ فعل اس وجہ سے کیا کہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو آپ کو کچھ نہیں ہوگا اور اگر نہیں ہیں تو ہم آرام سے ہو جائیں گے اور جس جس نے گوشت کھایا تھا وہ وفات پا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس زہر کو نکالنے کے لئے شانے سے خون نکلوایا۔(تفسیر مظہری:129/1)

﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (88) ﴾

''اورانہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی لہٰذا کم ہی ہے جس پر وہ ایمان لاتے ہیں۔''(88)

سوال1:﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود نبی ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں یعنی ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ﴿2﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اب دل میں کوئی نئی بات داخل نہیں ہو سکتی۔ اب تک جو سوچ اور جو عمل ہے اسی پر قائم رہیں گے۔ ﴿3﴾ یہود یہ سمجھتے تھے کہ ان کا عقیدہ پختہ ہے۔ اس لئے کوئی ہمیں کچھ بھی کہے ہم پر اس کی بات کا اثر نہیں ہوگا حالانکہ جس عقیدے کی غلطی ثابت ہو چکی تھی، اب اس پر جم جانا جاہلانہ تعصب تھا۔ انسان اگر تعصب کو عقیدے کی پختگی کا نام دے تو یہ خوبی نہیں ہے۔ ﴿4﴾ یہ اسرائیلی مفکر کہتے ہیں کہ ہماری مقدس کتابیں اور ان سے حاصل شدہ علم ہمارے دلوں کا محافظ ہے۔ اس نے غلاف کی طرح ہمارے دلوں کو لپیٹ رکھا ہے اور وہ کوئی غیر ضروری چیز اس میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ یعنی یہ خود اپنی زبان سے تسلیم کر رہے ہیں کہ اپنی مسخ شدہ کتابوں میں سے اپنے مطلب کی باتیں انہوں نے یاد کر لی ہیں جو ان کے دلوں پر مہر کی طرح ثبت ہو گئی ہیں۔ اب سب دروازے اصلاح اور راستی کے ان پر ان کی اپنی بدبختی کے باعث بند ہو گئے ہیں اور یہ کم ہی ایمان لائیں گے۔(تعارف الفرقان:125,126/1) ﴿5﴾ یہودی کہتے تھے کہ ہمارے دلوں پر پردے ہیں اس لئے تمہاری بات سمجھ نہیں سکتے۔ ﴿6﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرا قول یہ مروی ہے کہ یہود نے کہا، ہمارے دل علم کے مخزن ہیں یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پہلے سے ہی علم ومعرفت سے بھرے ہوئے ہیں،اب ان میں علم محمد کے لیےکوئی گنجائش نہیں ہے۔

سوال 2: ﴿بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی لہٰذا کم ہی ہے جس پر وہ ایمان لاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کی اور کہا کہ ایسی بات نہیں کہ ان کے دل قبول حق کی صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر وعناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر لعنت بھیج دی ہے، اوران پر مہر لگادی ہے اسی لئے ان کا حال یہ ہے کہ تورات کے بہت ہی تھوڑے احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:53/1)﴿2﴾ یہودی اپنے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور، ملعون اور دھتکارے ہوئے ہیں اس لئے کم ہی ایمان لائیں گے یعنی ان کا کفر زیادہ ہے۔﴿3﴾ عبدالرزاق اور ابن جریر نے قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ان میں سے کم ہی ایمان لائیں گے۔(الدر المنثور:169/1)﴿4﴾ واقدی فرماتے ہیں: معنی یہ ہیں کہ نہ قلیل ایمان لاتے ہیں نہ کثیر، یعنی بالکل ایمان نہیں لاتے۔(تفسیر مظہری:130/1)

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ(89)﴾

''اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک کتاب آگئی جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے پھر جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا، کفر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔''(89)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ ''اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک کتاب آگئی جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود کے پاس آنے والی اس کتاب کا ذکر کیا گیا ہے جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی یعنی قرآن حکیم۔﴿2﴾ ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ یعنی توحید اور اصول دین کی موافقت کرتا ہے۔(تفسیر مراغی:95/1)﴿3﴾ قرآن مجید کے احکامات اور پچھلی آسمانی کتابوں کے احکامات ایک ہی چشمے سے ہیں، اس لئے یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

سوال 2: ﴿وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''حالانکہ وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ دور جاہلیت میں جب کبھی ان کے اور مشرکوں کے درمیان جنگ ہوتی تو وہ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! اس نبی کے ذریعے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہماری مدد فرما اور وہ مشرکین کو ڈرایا کرتے تھے کہ اس نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ وہ اس نبی کے ساتھ مل کر مشرکوں کے خلاف جنگ کریں گے۔ (تفسیر سعدی: 135/1) ﴿2﴾ اس سے مراد یہود کی دعائیں ہیں جو وہ مشرکین سے شکست کھانے پر مانگا کرتے تھے۔ یہود یہ دعائیں کرتے تھے کہ یا اللہ! آخری نبی ﷺ کو جلدی بھیج دیجیے تا کہ اس کا ساتھ دے کر ہم مشرکین پر غلبہ حاصل کر سکیں۔

سوال 3: ﴿فَلَمَّا جَآءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ﴾ ”پھر جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جسے انہوں نے پہچان لیا تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود نے محمد ﷺ کو پہچان لیا تھا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ میں یہودیوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ اے قوم یہود، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور دین حق لے کر آئے ہیں۔ (بخاری: 3911) ﴿2﴾ سہل سے روایت ہے جو خُثَیمہ کے غلام تھے کہ میں یتیمی کی حالت میں اپنے چچا کی پرورش میں تھا (یہ لوگ عیسائی تھے)۔ ایک روز میں نے انجیل اٹھائی اور پڑھنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے میں ایک صفحے پر پہنچا جو گوند سے اگلے صفحے کے ساتھ چپکا دیا گیا تھا، میں نے اس صفحے کو دوسرے سے الگ کر کے کھول ڈالا۔ اس صفحے پر نبی ﷺ کا حلیہ اور صفات لکھی ہوئی تھیں۔ اس وقت میرے چچا آ گئے۔ جب انہوں نے مجھے انجیل کا وہ صفحہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو مجھے مارا اور کہنے لگے: ”یہ کیا حرکت ہے! تم نے یہ ورق کھول کر کیوں پڑھا؟“ میں نے کہا: ”اس میں تو نبی احمد ﷺ کا حلیہ اور صفات لکھی ہوئی ہیں۔“ انہوں نے جواب دیا: ”اب وہ نبی ظاہر ہونے والا نہیں ہے۔“ (سیرت حلبیہ: 32/1) ﴿3﴾ نعمان سبائی یمن کے یہودی عالموں میں سے تھے، وہ کہتے ہیں: جب میں نے نبی ﷺ کے ظہور کا چرچا سنا تو میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے بہت سی باتوں کے بارے میں سوالات کیے (جن کے جوابات سن کر مجھے آپ ﷺ کی سچائی کا یقین ہو گیا) آخر اس کے بعد میں نے عرض کیا: ”میرے والد جب (تورات کا) ایک سفر یعنی باب ختم کیا کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ تم اس باب کو یہودیوں کے سامنے اس وقت تک مت پڑھنا جب تک کہ تم یہ نہ سن لو کہ ایک نبی یثرب میں ظاہر ہو گیا ہے۔ جب تم یہ خبر سن لو تو پھر اس کو کھول سکتے ہو۔“ چنانچہ سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں نے آپ ﷺ کے متعلق سنا تو میں نے وہ سفر کھولا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں آپ ﷺ کی وہ تمام صفتیں لکھی ہوئی تھیں جو میں اس وقت آپ ﷺ میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر اس میں یہ سب تفصیلات تھیں کہ آپ ﷺ کن چیزوں کو حلال قرار دیں گے اور کن چیزوں کو حرام قرار دیں گے۔ اس کے بعد اس میں یہ لکھا تھا کہ آپ ﷺ سب سے بہترین نبی ہیں اور آپ ﷺ کی امت سب امتوں سے بہترین امت ہے۔ یہ کہ آپ ﷺ کا نام احمد ہے اور آپ ﷺ کی امت حماد ہو گی یعنی تنہائی میں اور کھلے عام ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے والی ہو گی۔ ان کی نذر و نیاز خود ان کی جانیں ہوں گی یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کے لیے وہ لوگ جہاد میں اپنی جانوں کی سوغات پیش کریں گے۔ یہ کہ ان کی کتاب یعنی قرآن پاک ان کے سینوں میں محفوظ ہو گا یعنی اپنی کتاب کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ وہ جب بھی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کسی لڑائی میں شریک ہوں گے تو جبرائیل علیہ السلام ان کے ساتھ ہوں گے جو اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ان پر سایہ کیے رکھیں گے جیسے پرندہ اپنے بچوں پر چھایا رہتا ہے۔'' (پھر سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) مجھ سے میرے باپ نے کہا تھا کہ جب بھی تم اس نبی کے متعلق خبر سنو تو فوراً ان کے پاس حاضر ہونا، ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا۔'' یہ واقعہ سن کر آپ ﷺ نے چاہا کہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس واقعے کو سنیں۔ چنانچہ ایک روز آپ ﷺ نے سیدنا نعمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا: ''اے نعمان رضی اللہ عنہ! ہمیں وہ واقعہ پھر سناؤ۔'' چنانچہ نعمان رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ شروع سے آخر تک سنایا۔ جب نعمان رضی اللہ عنہ یہ واقعہ سنا رہے تھے تو اس وقت آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ تھی۔ (واقعہ سن لینے کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔'' (سیرت حلبیہ: 37,38)

﴿4﴾ موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ کعب بن اشرف رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا اور ہجویہ اشعار کہتا اور قریش کو ورغلاتا۔ مکہ میں ابوسفیان نے اس سے پوچھا: خدارا بتائیے! کیا ہمارا دین اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے یا محمد ﷺ اور اس کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دین؟ آپ کے نزدیک ہم میں سے کون بہتر، ہدایت یافتہ اور حق وصداقت کے زیادہ سے زیادہ قریب ہے؟ ہم کوہان والے عمدہ اونٹوں کو ذبح کر کے کھلاتے ہیں، گھاٹ پر لوگوں کو دودھ پلاتے ہیں اور خشک سالی میں محتاجوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ سن کر کعب بن اشرف نے کہا: تم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وحی اتاری: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو کتاب میں سے ایک حصہ دیے گئے؟ وہ بتوں پر اور باطل معبود پر ایمان رکھتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے کہتے ہیں جنھوں نے کفر کیا یہ ان لوگوں سے زیادہ ہدایت کے راستے پر ہیں جو ایمان لائے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے تو اس کے لیے آپ ہرگز کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ (النساء: 51,52) موسیٰ اور محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ وہ مدینہ واپس آیا اور برملا عداوت اور مخالفت کا اظہار کرنے لگا، لوگوں کو جنگ پر اکسانے لگا اور مکہ میں بھی وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کا منصوبہ تیار کر کے دے آیا تھا۔ ام فضل بن حارث وغیرہ مسلمانوں کی نیک خواتین کی وہ اشعار میں تشبیب بیان کرتا اور ان کے حسن وجمال کی اعلانیہ تشہیر کرتا۔ (سیرت النبی ابن کثیر: 20/2)

﴿5﴾ ابن اسحاق کہتے ہیں: مخیّریق کا حال مجھ کو اس طرح پہنچا کہ مخیّریق یہودیوں میں ایک عالم اور نہایت مال دار شخص تھے اور اپنی کتابوں کی رو سے رسول اللہ ﷺ کی صفات سے خوب واقف تھے۔ جب احد کی جنگ کا موقع ہوا تو وہ ہفتہ کا دن تھا اور مخیّریق نے یہودیوں سے کہا کہ اے گروہ یہود! تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ کی مدد تم پر کرنی لازمی ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہے۔ مخریق نے کہا: ہفتہ سے تمہارے واسطے کچھ نقصان نہیں ہے اور پھر انہوں نے اپنے ہتھیار لیے اور نبی ﷺ کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہو کر کفار کو خوب قتل کیا اور آخر خود بھی شہید ہوئے اور چلتے وقت یہودیوں سے انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر میں قتل ہو گیا تو میرا سب مال محمد ﷺ کا ہے، وہ جو چاہیں اس کو کریں۔ مجھ کو یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول ﷺ فرمایا کرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے کہ مخیّریق بہترین یہود میں سے تھے اور نبی ﷺ نے مخیّریق کے مال کو اپنے تصرف میں کر لیا اور مدینہ میں آپ ﷺ کے عام اخراجات اسی سے ہوتے تھے۔(ابن ہشام:347/1)《6》ابن اسحاق کہتے ہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہود اوس اور خزرج کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ ﷺ کے واسطے سے دعائے فتح کیا کرتے تھے۔ پھر جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو انہوں نے کفر کیا اور انکار کر گئے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اے یہود! خدا سے ڈرو اور اسلام لے آؤ۔ پہلے تو تم ہم پر محمد ﷺ کے واسطے سے دعائے فتح کیا کرتے تھے اور ہم کو خبر دیتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں اور ان کی صفات بیان کرتے تھے، اب ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے ہو؟ سلام بن مشکم یہودی نے جو بنی نضیر میں سے تھا، ان کو جواب دیا کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی ایسی علامت نہیں ہے جس سے ہم ان کو پہچانیں اور نہ محمد ﷺ وہ نبی ہیں جس کا ہم تم سے ذکر کرتے تھے۔(ابن ہشام:373/1)

سوال 4: تورات کی پیشین گوئیوں کے باوجود آخری نبی (محمد ﷺ) کا اعتراف یہود کے لیے مشکل کیوں ہوا؟

جواب:《1》یہود کے جاہلی تعصبات اپنے گروہ سے باہر کے ایک نبی کا اعتراف کرنے میں رکاوٹ بن گئے۔《2》یہود کی سرکشی اور حسد اس اعتراف کے راستے کی رکاوٹ بن گئے۔ نزول قرآن سے پہلے یہودی ایک ''سرخ وسپید'' نبی کے منتظر تھے۔ جس کے ہاتھ میں آتشین شریعت ہو۔ بحری ممالک جس کی راہ تکیں۔ جو فاران کی چوٹیوں پر سے چمکے۔ دس ہزار قدوسی جس کے ساتھ ہوں مگر جب وہ گوراچٹا نبی صحرائے عرب کی جھلس دینے والی فضا میں ظہور پذیر ہوا، جس کے ہاتھ میں آتشین شریعت تھی۔ جس کی فتوحات سمندروں تک پہنچیں تو انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ اس سے پہلے وہ مخالفین سے ہمیشہ یہ کہتے کہ جب ہمارا موعود نبی آئے گا تو ہم غالب ہو جائیں گے اور ہماری موجودہ پستی بلندی سے بدل جائے گی۔(سراج البیان:30/1)《3》یہود کو حسد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فضل نبوت ان کی بجائے کسی اور کو کیوں دے دیا۔

سوال 5:《فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ》''کفر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یہود جانتے تھے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی تو یہود میں سے ہر کافر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے کیونکہ انہوں نے اسلام کی دعوت کا انکار کیا۔(تفسیر منیر:234,244/1)《2》اللہ کے رسول ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کفر اس امر کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں کے گرد جہل اور تکبر کی فولادی دیوار اٹھالی ہے۔ اپنے دلوں پر انکار کی مہریں لگالی ہیں اور یہ اپنے اس رویے کے باعث ملعون ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی برکتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم اور عذاب کے سزاوار۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ان پر۔(تعارف الفرقان:126/1)

سوال 6: تورات پر ایمان رکھنے کے باوجود یہود کے لیے انبیاء علیہم السلام کی نصیحت ناقابل برداشت کیوں ہوئی؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب: اس کی وجہ یہ تھی کہ تورات کے نام پر جس زندگی کو وہ اختیار کیے ہوئے تھے وہ خود پرستی اور دنیا پرستی کی زندگی تھی جس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا لیبل لگا دیا تھا۔ جب انبیاء علیہم السلام نے انہیں حق کی نصیحت کی تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ تو ہماری مذہبی حیثیت کی نفی ہے۔ اس لیے وہ نبیوں کا اعتراف کرنے کی بجائے ان کو ختم کرنے کے درپے ہو جاتے تھے۔

سوال 7: یہود حق کا انکار کر کے خود کو کیسے مطمئن کرتے تھے؟

جواب: یہود یہ بات اپنے آپ کو سمجھا کر اور اس کا اظہار کر کے خود کو مطمئن کرتے تھے کہ آخر اس حق کو قبول کر کے ہم اپنے بڑوں کا دین تو نہیں چھوڑ سکتے۔

سوال 8: یہود کا کتاب اللہ یعنی قرآن کے ساتھ برتاؤ کیسا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ انہوں نے کتاب کو پہچان لیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ﴿2﴾ کتاب کے احکامات کو ضد کی وجہ سے ماننے سے انکار کر دیا۔ ﴿3﴾ یہود صرف اس کتاب پر ایمان لائے جو ان کی قوم میں آئی تھی۔ ﴿4﴾ انہوں نے تعصب کی وجہ سے کہا کہ ہم نے سن لیا مگر مانیں گے نہیں۔

سوال 9: یہود قرآن کی دعوت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ اس کی کیا وجہ تھی؟

جواب: ﴿1﴾ ان کے اندر یہ احساس تھا کہ وہ پہلے سے حق پر ہیں۔ ﴿2﴾ ان کا یہ خیال تھا کہ حق پرستوں کے سب سے بڑے گروہ بنی اسرائیل سے وابستگی رکھتے ہیں۔

﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (90) ﴾

”بری ہے وہ جس کے بدلے میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ وہ انکار کر دیں اس کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، اس ضد کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کچھ فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ پھر وہ غضب پر غضب لے کر لوٹے اور کافروں کے لیے توہین آمیز عذاب ہے۔“ (90)

سوال 1: ﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا ﴾ ”بری ہے وہ جس کے بدلے میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ وہ انکار کر دیں اس کا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا، اس ضد کی وجہ سے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سودا یہ ہے کہ اپنی کامیابی، اپنی سعادت، فلاح اور نجات کو قربان کر دیا ضد اور حسد کی بناء پر کہ یہ نبی ﷺ ہماری نسل سے کیوں نہیں آیا۔ یہ سودا برا ہے جس کی خاطر انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ اس سودے کو اس لئے برا کہا ہے کہ اس میں اپنی ہمیشہ کی کامیابی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قربان کر کے یہود نے صرف حسد اور ضد حاصل کی۔ ﴿2﴾ یہود کا انکار دلائل پر نہیں، حسد اور ضد کی وجہ سے تھا۔

سوال 2: ﴿ اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ اپنا کچھ فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فضل سے مراد نبوت اور رسالت ہے۔ (المحرر الوجیز: 179/1) ﴿2﴾ انہیں حسد اس بات پر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل یعنی رسالت اور نبوت جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔

سوال 3: ﴿ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ﴾ ''پھر وہ غضب پر غضب لے کر لوٹے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: پہلا غضب اس پر کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا اور دوسرا غضب اس پر کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کیا۔ (الدر المنثور: 171/1)

سوال 4: ﴿ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴾ ''اور کافروں کے لیے توہین آمیز عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: کفر کا سب سے بڑا سبب حسد اور بغض تھا جو غرور سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں غرور کی یہ سزا دی گئی کہ دنیا میں بھی ذلیل ہوئے اور آخرت میں بھی۔ لہٰذا ان پر ذلت والے عذاب مسلط کر دیے گئے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِىۡ سَيَدۡخُلُوۡنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيۡنَ ﴾ یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں جلد ہی وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ (غافر: 60)

سوال 5: اپنی ضد کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا انکار کرنے والوں کے بارے میں ربّ کا کیا فیصلہ ہے؟

جواب: ضد کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا انکار کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اور ایسے کافروں کے لیے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔

﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ ‌ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (91) ﴾

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو اس کے علاوہ ہے اس کا وہ کفر کرتے ہیں، حالانکہ وہ حق ہے اور جو ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے۔ کہہ دو کہ اگر تم ایمان لانے والے تھے تو اس سے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے؟'' (91)

سوال 1: ﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو اس کے علاوہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہےاس کا وہ کفر کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ﴾ یعنی جب یہودیوں سے کہا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا یعنی قرآن۔ ﴿3﴾ ﴿ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ﴾ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل ہوا یعنی تورات۔ ﴿4﴾ ﴿ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ﴾ ''اور جو اس کے علاوہ ہے اس کا وہ کفر کرتے ہیں'' یعنی قرآن۔ (تفسیر الوسیط:174/1) ﴿5﴾ یہود تورات کے سوا سب کتابوں کا انکار کرتے تھے حالانکہ ان پر واجب تھا کہ اللہ تعالیٰ کی سب کتابوں پر ایمان لائیں۔ ﴿6﴾ ﴿ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ﴾ یہود اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور رسولوں کے درمیان تفریق کرتے تھے۔ کسی پر ایمان لانا اور کسی کا انکار کرنا عین کفر ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لاتے ہیں اور کسی کا کفر کرتے ہیں اور وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اس کے درمیان ہی میں کوئی راستہ بنالیں۔ یہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء:150,151)

سوال 2: ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ﴾ '' حالانکہ وہ حق ہے اور جو ان کے پاس ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ ﴾ یہ قرآن اپنے احکامات، اپنی خبروں میں حق پر مشتمل ہے، حق ہی پر نازل کیا گیا اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ قرآن حکیم کا انکار دراصل اللہ تعالیٰ کا اور اس حق کا انکار ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ ﴿2﴾ ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ﴾ قرآن مجید کا ان تمام کتابوں کی تصدیق کرنا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر نازل کی گئیں اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس پر ایمان لائیں۔ ﴿3﴾ قرآن حکیم کا انکار دراصل ساری کتابوں کا انکار ہے۔

سوال 3: ﴿ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ '' کہہ دو کہ اگر تم ایمان لانے والے تھے تو اس سے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: رب العزت نے یہود سے سوال کیا ہے کہ اگر تم تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے تھے تو ان نبیوں کو کیوں قتل کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے؟

سوال 4: یہود کا تورات پر ایمان کا دعویٰ کیسے درست نہیں ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: یہود کا تورات پر ایمان کا دعویٰ اس لئے درست نہیں کہ تورات پر ایمان لانے کے باوجود اپنے نبیوں کو قتل کرتے رہے۔

سوال 5: یہود نسل پرست تھے پھر انہوں نے اپنی نسل کے انبیاء علیہم السلام کو کیوں قتل کر ڈالا؟

جواب: یہود ان لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے جو ان کے خلاف گواہی دیتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ ان پر تنقید کرتے تھے، انہیں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے اس لئے انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کر ڈالا اگرچہ وہ ان کی اپنی نسل سے تھے۔

سوال 6: یہود نے کن انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا؟

جواب: سیدنا زکریا علیہ السلام اور سیدنا یحییٰ علیہ السلام وغیرہ کو۔ (نحمیاہ 26:9)

﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (92) ﴾

"اور بلاشبہ یقیناً تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو پکڑ لیا حالانکہ تم ظلم کرنے والے تھے۔" (92)

سوال 1: **﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ﴾** "اور بلاشبہ یقیناً تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں لے کر آئے" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام واضح معجزات لائے۔ بینات سے مراد وہ نشانیاں اور دلائل ہیں جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نبی اور رسول ہونے کے ثبوت میں پیش کئے تھے۔ جیسے طوفان، ٹڈی جوئیں، مینڈک، خون، عصا، ید بیضا، سمندر میں راستہ، پتھر سے چشموں کا جاری ہونا اور من وسلویٰ وغیرہ۔ (تیسیر الرحمٰن: 55/1) ﴿2﴾ یہ معجزات صرف عصائے موسیٰ اور ید بیضاء ہی نہ تھے۔ بلکہ بے شمار دوسرے معجزات بھی تھے جیسے سمندر کا پھٹ جانا، اور فرعون کی غرقابی۔ چٹان سے بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا اور جنگل میں من وسلویٰ کا نزول وغیرہ۔ (تیسیر القرآن: 90/1)

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کس مقصد کے لئے روشن نشانیاں لائے تھے؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے پر اور اپنے رسول ہونے پر روشن نشانیاں لائے تھے۔

سوال 3: **﴿ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾** "پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو پکڑ لیا" کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے چالیس روزہ قیام طور کے زمانے میں جب ان پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا دباؤ نہ رہا تو انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

سوال 4: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم کا سلوک کیسا تھا؟

جواب: قوم نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تنگ کیا اور ایک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

سوال 5: **﴿ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾** "حالانکہ تم ظلم کرنے والے تھے" بنی اسرائیل کا ظلم کیا تھا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: بنی اسرائیل نے شرک کر کے ظلم کیا تھا۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر بنی اسرائیل کے ظلم کا انہیں احساس کیوں دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے ظلم کا احساس دلایا ہے تا کہ یہود پر ثابت کیا جائے کہ ان کا تورات پر ایمان کا دعویٰ درست نہیں ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے یہود کو ان کے ظلم کا احساس دلا کر کوشش کی ہے کہ وہ اس نبی اور کتاب پر ایمان لے آئیں۔

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (93) ﴾

"اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمہارے اوپر پہاڑ کو اٹھایا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑ و اور سنو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا دی گئی۔ کہہ دو کہ اگر تم ایمان والے ہو تو بری چیز ہے جس کا حکم تمہیں تمہارا ایمان دیتا ہے۔" (93)

سوال 1: ﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ﴾ "اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمہارے اوپر پہاڑ کو اٹھایا" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو وہ میثاق یاد دلایا ہے جب پہاڑ کو بلند کر کے طور کی وادی میں دہشت ناک صورت حال پیدا کر دی تھی۔ جب انہوں نے پہاڑ کو سر پر کھڑے دیکھا تو ڈر کر تورات کے احکامات قبول کر لیے۔

سوال 2: ﴿ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ﴾ "جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑ و اور سنو" کی وضاحت کریں؟

جواب: "جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑ و اور سنو" جو ہم دے رہے ہیں یعنی تورات اور شریعت اس کو قبول کر لو۔ ﴿ بِقُوَّةٍ ﴾ یعنی عزم اور نشاط کے ساتھ اس کو مضبوطی سے تھامو۔ ﴿ وَاسْمَعُوا ﴾ اور اس کی اطاعت کرنے کے لیے توجہ سے سنو۔

سوال 3: ﴿ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴾ "انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی" سے یہود کے کس رویئے کی عکاسی ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہود نے وقتی طور پر جان بچانے کے لئے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی ورنہ وہ ہمیشہ نافرمانی پر قائم رہے۔ ﴿2﴾ یہ کفر، دشمنی اور ضد کی انتہا ہے کہ زبان سے تو یہ اقرار کیا جائے کہ ہم نے سنا اور ہم اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت ہو کہ ہم نے کون سا عمل کرنا ہے۔

سوال 4: ﴿ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ﴾ "اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا دی گئی" کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یہود کے دل بچھڑے کی محبت اوراس کی عبادت کے رنگ میں رنگے گئے اوران کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں میں گویا بچھڑے کی محبت رچ بس گئی۔ (تفسیر سعدی:138/1)﴿**وَاُشْرِبُوْا**﴾ کا مطلب ہے'' پلائی گئی''فتح القدیر میں ہے کہ پانی انسان کے رگ و ریشے میں خوب دوڑتا ہے جب کہ کھانا ویسے نہیں دوڑتا۔﴿2﴾ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت پلادی گئی۔﴿3﴾ محبت انسان کو اندھا، بہرہ بنادیتی ہے۔اسی وجہ سے ان کی یہ صورت حال ہے کہ انہیں حق بات سمجھ نہیں آتی۔

سوال5: بچھڑے کی محبت دلوں میں پلانے کا سبب کیا تھا؟

جواب:﴿1﴾یہود کا کفر۔﴿2﴾نافرمانیاں۔﴿3﴾بچھڑے کی عبادت۔

سوال6:﴿**قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ**﴾'' کہہ دو کہ اگر تم ایمان والے ہو تو بری چیز ہے جس کا حکم تمہیں تمہارا ایمان دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارا ایمان کتنا برا ہے جو تمہیں بچھڑے کی عبادت کا حکم دیتا ہے۔تم نے انبیاء کو قتل کیا۔تم نے تورات کے احکامات کو تب قبول کیا جب پہاڑ کو تمہارے سر پر کھڑا کر دیا گیا۔تم نے رسولوں سے سرکشی کی،ان کا انکار کیا۔ان کو قتل کیا۔یہ کیسا ایمان ہے اور یہ کیسا دین ہے۔

﴿**قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**(94)﴾

'' کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں کے ماسوا خاص تمہارے ہی لیے ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔''(94)

سوال1:﴿**قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ**﴾'' کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں کے ماسوا خاص تمہارے ہی لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿**قُلْ**﴾ آپ ان سے کہہ دو۔﴿2﴾﴿**اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ**﴾اگر آخرت کا گھر یعنی جنت تمہارے لیے ہے یعنی اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو یہودی اور نصرانی ہوں اور یہ کہ تمہیں آگ چند دن کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔

سوال2:﴿**فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ**﴾'' تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: موت کی تمنا کرو کیونکہ اس کے بعد تو تم جنت میں چلے جاؤ گے جو خالص تمہارے لیے ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: یہود کو یہ بات کیوں کہی جا رہی ہے کہ ''اگر دوسروں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت کا گھر خالص تمہارے لیے ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو''؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یوں کی ہے کہ یہ دعوت مباہلہ ہے کہ اگر محمد ﷺ کی نبوت کے انکار اور اللہ تعالیٰ سے محبت کے دعوے میں سچے ہو تو مقابلہ کر لو۔ یعنی مسلمان اور یہودی مل کر یہ دعا کر لیں کہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ اسے موت دے دے۔

﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ(95)﴾

''اور وہ ہرگز اس کی تمنا کبھی نہیں کریں گے اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔''(95)

سوال 1: ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''اور وہ ہرگز اس کی تمنا کبھی نہیں کریں گے اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی میں انتہا کو پہنچ گئے ہیں وہ موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے۔ یہودی موت کی تمنا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچے نہیں ہیں۔ وہ کفر اور معاصی کے اعمال کی وجہ سے موت نہیں مانگ سکتے۔ وہ زندگی کے حریص ہیں۔ حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ جو ایمان نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو سب مر جاتے اور جہنم میں اپنا ٹھکانہ دکھ لیتے۔'' ﴿2﴾ یہودی جانتے ہیں کہ یہ ان کے برے اعمال کی جزا کا راستہ ہے۔

سوال 2: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے ظلم کو، ان کے برے اعمال کو خوب جاننے والا ہے۔

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ(96)﴾

''اور آپ انہیں لوگوں میں سب سے زیادہ زندگی پر حریص پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی جنھوں نے شرک کیا۔ ان کا ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے حالانکہ وہ اسے عذاب سے بچانے والی نہیں یہ کہ اسے لمبی عمر دی جائے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔''(96)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1: ﴿ وَلَتَجِدَنَّهُمۡ أَحۡرَصَ ٱلنَّاسِ عَلَىٰ حَيَوٰةٖ وَمِنَ ٱلَّذِينَ أَشۡرَكُواْ ﴾ ''اور آپ انہیں لوگوں میں سب سے زیادہ زندگی پر حریص پاؤ گے اوران لوگوں سے بھی جنہوں نے شرک کیا'' یہود اور مشرک زندگی کے لیے سب سے زیادہ حریص کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود زندگی کے حریص ہیں کہ وہ دنیا کی زندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں اور انہیں اپنا بدترین حشر معلوم ہے۔ ﴿2﴾ دنیا سے محبت کی نشانیاں یہ ہیں: (i) لمبی امیدیں باندھنا۔ (ii) زندگی کی حرص خواہ وہ کسی طرح کی زندگی ہو، عزت کی زندگی ہو یا ذلت کی۔ (iii) مال کی محبت۔ (iv) آخرت سے بے پرواہی، بے خوفی۔ ﴿3﴾ یہود مشرکوں سے بھی بڑھ کر حریص ہیں کیونکہ مشرک زندگی کی حقیقتوں کو اہل کتاب کی طرح نہیں جانتے۔ اس وجہ سے وہ آخرت پر اللہ تعالیٰ کے آگے حاضری پر یقین نہیں رکھتے۔ ﴿4﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن دو چیزوں میں جوان رہتا ہے: عمر کی حرص میں اور مال کی حرص میں۔'' (ترمذی:2339)

سوال2: ﴿ يَوَدُّ أَحَدُهُمۡ لَوۡ يُعَمَّرُ أَلۡفَ سَنَةٖ ﴾ ''ان کا ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ زندگی کی حرص کے لیے یہ بلیغ ترین پیرایہ ہے۔ انہوں نے ایسی آرزو کی ہے جو محال ہے اگر یہ عمر عطا بھی کر دی جائے تو ان کے کام نہیں آ سکتی نہ عذاب کو دور کر سکتی ہے۔ (تفسیر سعدی:140/1) ﴿2﴾ یہودی آخرت کو مانتے ہیں لیکن دنیا کی حرص رکھتے ہیں کیونکہ اپنے اعمال کی خرابیوں کی وجہ سے اپنے انجام کو جانتے ہیں۔

سوال3: ﴿ وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهِۦ مِنَ ٱلۡعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے کس حقیقت کو واضح کیا ہے؟

جواب: رب العزت نے زندگی کی حرص کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ عمر مل بھی جائے تو عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

سوال4: ﴿ وَٱللَّهُ بَصِيرُۢ بِمَا يَعۡمَلُونَ ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نہ تو اعمال سے بے خبر ہے، نہ اعمال کے پیچھے کام کرنے والے ارادوں سے بے خبر ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے کہ ان کی نیتیں کیسے بنتی ہیں اور کام کیسے ہوتے ہیں۔

سوال5: ﴿ وَٱللَّهُ بَصِيرُۢ بِمَا يَعۡمَلُونَ ﴾ یہ یقین انسان کی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ یقین کہ ہر کام کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، انسان کی زندگی بدل دیتا ہے۔ ﴿2﴾ انسان اپنے عمل کے پیچھے چھپے ہوئے ارادے کے بارے میں بھی خبردار ہو جاتا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں سے چھپ نہیں سکے گا۔ ﴿3﴾ انسان اپنے ہر عمل پر رب کی نظروں کو شعوری طور پر محسوس کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی کی حرص جو دلوں کے اندر بسی ہوئی تھی اس سے یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کو دیکھنے والا ہے۔﴿4﴾ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ انسان کی اتنی نافرمانیوں پر بھی اسے اپنی آگ کا شعور دیتے ہیں۔ یہی شعور انسان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ یہی شعور انسان کو صراط مستقیم پر گامزن رکھتا ہے۔

رکوع نمبر12

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ(97)﴾

’’آپ کہہ دیں جو جبریل کا دشمن ہے اس نے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر اس (قرآن) کو نازل کیا ہے جو اپنے سے قبل کی تصدیق کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوش خبری ہے۔‘‘(97)

سوال1:﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ﴾ ’’آپ کہہ دیں جو جبریل کا دشمن ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ یہودیوں کا یہ خیال ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ان کے دشمن ہیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو یہود کے بڑے عالم تھے) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (مدینہ) تشریف لانے کی خبر سنی تو وہ اپنے باغ میں پھل توڑ رہے تھے۔ وہ اسی وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں آپ سے ایسی تین چیزوں کے متعلق پوچھتا ہوں جنہیں نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ بتلایئے! قیامت کی نشانیوں میں سے سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ اہل جنت کی دعوت کے لیے سب سے پہلے کیا چیز پیش کی جائے گی؟ بچہ کب اپنے باپ کی صورت میں ہوگا اور کب اپنی ماں کی صورت پر؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مجھے ابھی جبرئیل علیہ السلام نے آ کر ان کے متعلق بتایا ہے۔‘‘ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بولے: جبرئیل علیہ السلام نے! فرمایا: ہاں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی:﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ﴾ اور ان کے سوالات کے جواب میں فرمایا: ’’قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک آگ ہوگی جو انسانوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرلائے گی۔ اہل جنت کی دعوت میں جو کھانا سب سے پہلے پیش کیا جائے گا وہ مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ ہوگا اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غلبہ کر جاتا ہے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غلبہ کر جاتا ہے تو بچہ ماں کی شکل کا ہوتا ہے۔‘‘ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بول اٹھے: ’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (پھر عرض کیا:) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہودی بڑی بہتان باز قوم ہے، اگر اس سے پہلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے متعلق ان سے کچھ پوچھیں، انہیں میرے اسلام کا پتہ چل گیا تو مجھ پر بہتان تراشیاں شروع کر دیں گے۔ بعد میں جب یہودی آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: ’’عبد اللہ تمہارے یہاں کیسے آدمی سمجھے جاتے ہیں؟‘‘ وہ کہنے لگے: ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے بیٹے، ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اگر وہ اسلام لے آئیں تو پھر تمہارا کیا خیال ہوگا؟‘‘ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ انہیں اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے پناہ میں رکھے۔ اتنے میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ظاہر ہو کر کہا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔'' اب وہی یہودی ان کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ ہم میں سب سے بدتر ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے اور ان کی توہین شروع کر دی۔ عبداللہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہی وہ چیز تھی جس سے میں ڈرتا تھا۔ (صحیح بخاری:8044) ﴿2﴾ یہ آیت یہودیوں کے اسی عقیدے کی تردید میں نازل ہوئی ہے کہ جبریل علیہ السلام ان کے دشمن ہیں۔

سوال 2: یہود جبرائیل علیہ السلام کے کیوں دشمن تھے؟

جواب: بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی کی وجہ سے بار بار سزائیں دی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ عذاب کی آمد سے قبل پیغمبروں کی زبان سے پیشگی اطلاع دی جاتی تھی اور یہ خبر سیدنا جبرائیل علیہ السلام لے کر آتے تھے اور پیغمبر پھر اپنی قوم کو خبردار کرتے تھے۔ اس خبر کے پہنچانے کا مقصد تو یہ تھا کہ یہود اپنی اصلاح کر لیں لیکن وہ خبر لانے والے ہی کو اپنا دشمن سمجھ لیتے تھے۔

سوال 3: ﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ''اس نے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر اس (قرآن) کو نازل کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان یہودیوں سے کہہ دیجیے جن کا یہ گمان ہے کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے اس چیز نے روکا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتے ہیں اگر کوئی اور فرشتہ آتا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے۔ یہ گمان درست نہیں کیونکہ تمہارا ایمان نہ لانا تمہارے حسد، ضد اور تکبر کی وجہ سے ہے۔ ﴿2﴾ ﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾ جبرائیل علیہ السلام ہی وہ فرشتہ ہیں جنھوں نے پہلے انبیاء پر وحی نازل کی۔ اور انہوں نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر قرآن نازل کیا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝١٩٣ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾ اسے روح الامین لے کر اترا ہے۔ آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ (الشعراء:193,194) ﴿3﴾ ﴿بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے'' اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے علم، اس کے ارادے، اس کی دی ہوئی آسانی اور اس کی سہولت سے جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔ جبرائیل علیہ السلام پیغام لانے والے ہیں، بھیجنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ (فتح القدیر:150/1)

سوال 4: ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ''جو اپنے سے قبل کی تصدیق کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوش خبری ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ جبرائیل علیہ السلام جو قرآن لے کر نازل ہوئے ہیں وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ ﴿2﴾ قرآن مجید پہلی کتابوں کا مخالف ہے نہ پہلی کتابوں کے خلاف ہے۔ ﴿3﴾ ﴿وَهُدًى﴾ قرآن مجید نفع مند علم اور اعمال صالح کا راستہ دکھانے والا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ یہ ہر قسم کی گمراہیوں سے بچانے کے لیے مکمل ہدایت کا راستہ ہے۔﴿4﴾﴿ وَبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ جو لوگ قرآن مجید پر ایمان لے آئیں یہ ان کے لیے دنیاوی اور اخروی بھلائیوں کی بشارت ہے۔﴿5﴾رب العزت کا فرمان ہے:﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ﴾ آپ کہہ دیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ قرآن ان کے لیے ہدایت اور شفاء ہے۔(فصلت:44)﴿6﴾قرآن مجید ایمان والوں کو جنت کی خوش خبری دیتا ہے۔(الوسیط:179/1)

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید کی کیا خصوصیات بیان فرمائی ہیں؟

جواب:﴿1﴾ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے اذن سے نازل کیا گیا ہے۔﴿2﴾ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کے دل پر نازل کیا گیا ہے۔﴿3﴾ قرآن مجید پچھلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔﴿4﴾ قرآن مجید انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی ہے۔﴿5﴾ ایمان والوں کے لیے خوش خبری ہے۔

سوال 6: قرآن مجید پہلی کتابوں کی کیسے تصدیق کرتا ہے؟

جواب: قرآن مجید تورات اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں پر نازل کی گئی ہیں۔قرآن مجید ان کی تعلیمات کی بھی اصولی طور پر تصدیق کرتا ہے۔قرآن مجید صرف ان چیزوں کی تردید کرتا ہے جو غلط طریقوں سے ان کتابوں میں شامل کر دی گئیں۔قرآن مجید پچھلی کتابوں کے لیے سچائی کا گواہ بن کر نازل ہوا ہے۔

سوال 7: قرآن مجید ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت کیسے بنتا ہے؟

جواب: قرآن مجید زندگی کے ہر پہلو، موقع اور ہر شعبے کے لئے راہ نمائی ہے خواہ وہ ذاتی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی زندگی سے متعلق۔اہل ایمان چونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی کے بارے میں سنجیدہ ہوتے ہیں، وہ سچے دل سے اس کو قبول کرتے ہیں، لہٰذا ان کے لئے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہدایت بن جاتی ہے۔

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ(98) ﴾

”جو کوئی اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے۔“(98)

سوال 1:﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ ﴾”جو کوئی اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ سے عداوت سے مراد اس کے احکامات کی مخالفت اور اس کی اطاعت نہ کرنا اور اس نے جو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کچھ نازل کیا ہے اس کا انکار کرنا ہے۔(تفسیر مراغی:100/1)《2》《وَمَلٰٓئِكَتِهٖ》اور اس کے فرشتوں کے لیے یعنی جو کچھ لوگوں کے لیے پیغامات فرشتے لے کر آئے ان پر عمل کرنے سے کراہت کی وجہ سے دشمنی ہے۔《3》《وَرُسُلِهٖ》اور اس کے رسولوں کی دشمنی جیسا کہ ان کی رسالت پر دلائل ہونے کے باوجود انہوں نے بعض نبیوں کو قتل کر دیا مثلاً زکریا و یحییٰ علیہما السلام وغیرہ۔《4》《وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ》جبریل علیہ السلام سے دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ وہ آیات اور بینات اور عذاب لے کر آتے تو جو ان کا دشمن ہے وہ میکائیل علیہ السلام کا بھی دشمن ہے کیونکہ ان دونوں کی محبت کی طرف بلانے والا داعی ایک ہے۔(تفسیر مراغی:100/1)

سوال 2:《فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ》"تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی رکھنا دراصل اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کا انکار ہے۔《2》یہ دشمنی اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں سے ہے۔《3》جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دشمنی اس وجہ سے ہے کہ وہ رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر نازل ہوتے رہے ہیں۔ان کا کفر درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ ہے جس نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور اس وحی یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ہے جس کی طرف وحی بھیجی گئی۔اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ وہ کافروں کا، حق کے دشمنوں کا اور انکار کرنے والوں کا دشمن ہے۔《4》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی سے ناراض ہوتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں پس تم بھی اس سے بغض رکھو، پھر وہ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔ پھر آسمان والوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے تم بھی اس سے بغض رکھو وہ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔ اس کے بعد زمین والوں میں اس کی دشمنی جم جاتی ہے (یعنی زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے یا فرشتے ہیں وہ اس کے دشمن رہتے ہیں)۔(صحیح بخاری، کتاب الرقاق)《5》اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کسی بندے سے دشمنی ہوتی ہے تو وہ اس کے گناہوں پر عذاب دیتا ہے اور اس سے درگزر نہیں کرتا اور اس کی مغفرت نہیں فرماتا۔

سوال 3: اللہ رب العزت سے عداوت یا ملائکہ سے دشمنی رکھنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اللہ رب العزت یا ملائکہ سے دشمنی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ:《1》اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی راہ نمائی قابل قبول نہیں ہے۔صرف وہ چیز قابل قبول ہے جس پر اپنا دل مطمئن ہو جائے۔《2》ایک سے دشمنی رکھنے کا مطلب ہے سب سے دشمنی بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی دشمنی۔

《وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ(99)》

"اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ پر واضح آیات نازل کی ہیں اور اس کا انکار فاسقوں کے سوا کوئی نہیں کرتا۔"(99)

سوال 1:《وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ》"اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آپ پر واضح آیات نازل کی ہیں" کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ﴾سے مراد صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی آیات ہیں۔﴿2﴾آیات کا واضح ہونا ایک معجزہ ہے جن کو ایک ذہین ترین فرد بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے اور ایک غبی انسان بھی۔﴿3﴾﴿ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ﴾کے نزول پر مطالبہ یہ ہے کہ ایمان لے آؤ۔﴿4﴾یہ واضح آیات اس کے لیے ہدایت بنیں گی جو اس کا طلب گار ہوگا۔

سوال2:﴿ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴾''اور اس کا انکار فاسقوں کے سوا کوئی نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾جو اللہ تعالیٰ کی آیات بینات کا انکار کرتا ہے اس پر حجت قائم ہوتی ہے۔﴿2﴾یہ آیات اپنے دلائل کی وضاحت کے اعتبار سے ایسا بلند مقام رکھتی ہیں کہ کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا ماسوائے فاسق کے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے سے نکل جاتا ہے اور تکبر کرتا ہے۔

سوال3:اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حامل کسی گروہ کا بگاڑ کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

جواب:آخرت کی نجات کا انحصار نیک کاموں کی بجائے 'بے عملی' میں تلاش کرنے ہی سے بگاڑ کا آغاز ہوتا ہے۔مثلاً:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کا کلام عمل کی پکار ہے مگر جب کسی قوم پر زوال آتا ہے تو اس کے افراد مقدس کلام لکھ لینے یا زبان سے بول دینے کو ہر قسم کی برکتوں کا نسخہ سمجھ لیتے ہیں۔﴿2﴾زبان سے محض چند الفاظ ادا کر لینے سے جنت حاصل کرنے والے دنیا کو بھی کلام کے ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔﴿3﴾بزرگوں سے عقیدت رکھنے ہی کو کامیابی کا ذریعہ سمجھنے والے بزرگوں کی روحوں سے تعلق قائم کرکے دنیا کے مسائل حل کرنے لگتے ہیں۔﴿4﴾وظیفوں پر یقین رکھنے والے لفظوں کی ادائیگی سے ہی امت کو کامیابی کی راہ دکھانا چاہتے ہیں۔

﴿ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ(100) ﴾

''کیا جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اس کو پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے۔''(100)

سوال1:﴿ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ﴾''کیا جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اس کو پھینک دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا ذکر کیا ہے کہ جب بھی انہوں نے کوئی معاہدہ کیا اسے توڑ ڈالا۔﴿2﴾یہود کو ان کی بدعہدیاں یاد دلائی جارہی ہیں۔جب کبھی انہوں نے عہد کیا وفا نہیں کیا۔

سوال2:بنی اسرائیل سے کتاب کے بارے میں کیا عہد لیا گیا تھا؟بنی اسرائیل نے کتاب کے عہد کو کیسے توڑ ڈالا؟

جواب:﴿1﴾بنی اسرائیل سے رب نے عہد لیا تھا کہ کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور توجہ سے سنو۔﴿2﴾بنی اسرائیل نے کتاب کو پس پشت ڈالا۔کتاب میں تحریف بھی کردی یوں اس عہد کو علی الاعلان توڑ ڈالا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: اس آیت میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟

جواب: کتاب کو مضبوطی سے تھامنے والا معاہدہ جو کل کو بنی اسرائیل کے ساتھ تھا، آج وہ ہمارے لئے بھی ہے لیکن آج ہماری سوسائٹی میں ایسے لوگوں کی کثرت ہے جو اس کتاب کو پڑھنا اور سمجھنا اپنے لئے ضروری خیال نہیں کرتے، کتاب کی کسی ذمہ داری کو ضروری خیال نہیں کرتے مثلاً اس کو سمجھنا، سکھانا، اس پر عمل کرنا اور اسے آگے پہنچانا۔

سوال 4: کتاب کے معاہدے کو پورا کیسے کیا جا سکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کتاب پر سچے دل سے ایمان لے آئے یعنی ایمان کی حقیقت کو سمجھ جائے۔ پھر اپنے قلب کے اندر اس کی ضرورت واہمیت کو اتار لے۔ ﴿2﴾ انسان پختہ ارادہ کرے کیونکہ شعوری معاہدے کے بغیر کلام اللہ سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں رہتا۔

سوال 5: ﴿بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود کی بدعہدی کا سبب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے آپ نے عہد باندھا پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ نہیں ڈرتے۔ (الانفال: 55,56)

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (101)﴾

''اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول آیا جو اس چیز کے لیے تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے جنہیں کتاب دی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا، گویا وہ جانتے ہی نہیں۔'' (101)

سوال 1: ﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ﴾ ''اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رسول آیا جو اس چیز کے لیے تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ پہلی کتابوں کے بعد جب نبی ﷺ حق کے ساتھ کتاب لے کر آئے جو ان کی کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ہم اپنی کتاب پر عمل کرتے ہیں تو انہوں نے اسے پس پشت ڈال دیا۔

سوال 2: ﴿نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے جنہیں کتاب دی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے پھینک دیا، گویا وہ جانتے ہی نہیں'' کی وضاحت کریں؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب: بنی اسرائیل کی کتابوں میں نبی کی بشارت موجود تھی وہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لا کر دراصل اپنی کتاب کے حکم کو چھوڑ رہے ہیں اور بے رغبتی کے ساتھ اسے دور پھینک رہے ہیں۔ گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں کہ تورات میں محمد ﷺ کی تصدیق اور اتباع کے بارے میں کچھ آیا ہے۔ (الدر المنثور: 181/1)

﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (102)﴾

''اور وہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی بادشاہت میں پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر کیا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا، حالانکہ وہ دونوں کسی ایک کو نہیں سکھاتے تھے جب تک وہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم یقیناً آزمائش ہیں چنانچہ تو کفر نہ کر پھر بھی وہ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور اس کی بیوی میں جدائی ڈالتے تھے حالانکہ وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر اس میں سے کسی ایک کو بھی ہرگز ضرر پہنچانے والے نہیں تھے اور وہ ایسا علم سیکھتے تھے جو انہیں نقصان پہنچاتا اور انہیں نفع نہیں دیتا تھا حالانکہ بلاشبہ یقیناً وہ جانتے تھے کہ جس نے اس کو خریدا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور یقیناً برا ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔ کاش وہ جانتے ہوتے!'' (102)

سوال 1: ﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ﴾ ''اور وہ اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی بادشاہت میں پڑھا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا تو جادو کے پیچھے لگ گئے۔ رب العزت نے اسی دور کا ذکر کیا ہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی جس میں انہوں نے جادو ایجاد کیا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جو کوئی کسی نفع مند چیز کو ترک کرنا چاہتا ہو حالانکہ اسے اس کا فائدہ نصیب ہو سکتا ہو لیکن وہ فائدہ نہ اٹھائے تو اسے ایسے کام میں مصروف کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح یہودیوں نے جب اللہ تعالیٰ سے، اس کے فرشتوں سے، اس کے رسولوں سے، اس کی کتابوں سے، اللہ والوں سے دشمنی رکھی تو اللہ تعالیٰ نے مکافات عمل کے طور پر انہیں جادو سیکھنے، سکھانے اور جادو کرنے میں مشغول کر دیا۔ ﴿3﴾ ﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ﴾ یہود اس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شیاطین پڑھتے تھے۔ ﴿4﴾ شیاطین ایسا کلام پڑھتے ہیں جس سے دوسروں پر برے اثرات ڈالے جا سکتے ہیں یعنی جادو۔ ﴿5﴾ یہاں یہود کی ایک گمراہی کا بیان ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور شیطانوں سے جادو سیکھنا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

شروع کر دیا۔(تیسیر الرحمٰن:59/1)

سوال 2: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ ''اور سلیمان نے کفر نہیں کیا لیکن شیاطین نے کفر کیا کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ شیاطین نے یہودیوں کو جادو سکھانے کے لیے یہ دھوکہ دیا کہ سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت اسی جادو کے زور پر چلتی تھی اور وہ اسی جادو پر عامل تھے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا یعنی انہوں نے قطعاً جادو نہیں سیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو جادو سے منزہ قرار دیا ہے۔ ﴿3﴾ ﴿وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''لیکن شیاطین نے کفر کیا'' شیاطین نے کفر کا ارتکاب کیا۔ وہ جادو سیکھتے تھے اور سکھاتے تھے۔ ﴿4﴾ ﴿يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ ''کہ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے'' وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ ﴿5﴾ وہ جادو کر کہ لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور ان کی حرص یہ تھی کہ لوگوں کو سرکش بنائیں۔ اس وجہ سے وہ جادو سکھاتے تھے۔

سوال 3: جادو کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شریعت میں جادو ہر اس کام کو کہتے ہیں جس کا سبب چھپا ہوا ہو۔ اثرات تو نظر آئیں لیکن اثر ڈالنے والا نظر نہ آئے۔ ﴿2﴾ جادو کے لیے عربی زبان میں سحر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علماء اس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: اللیث کہتے ہیں: ''سحر وہ عمل ہے جس میں پہلے شیطان کا قرب حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اس سے مدد لی جاتی ہے۔'' (تاج العروس:502/6 وکشاف اصطلاحات الفنون:344/2) ﴿3﴾ الازہری کہتے ہیں: ''سحر دراصل کسی چیز کو اس کی حقیقت سے پھیر دینے کا نام ہے۔'' (تہذیب اللغۃ:290/4) (الموسوعۃ الفقھیۃ:259/24) ﴿4﴾ شمر، ابن ابی عائشہ سے بیان کرتے ہیں: ''عربوں نے جادو کا نام سحر اس لیے رکھا ہے کہ یہ تندرستی کو بیماری سے اور بغض کو محبت سے بدل دیتا ہے۔'' (تاج العروس:503/6 والموسوعۃ الفقھیۃ:259/24) (لسان العرب:348/4) ﴿5﴾ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سحر کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، اول، دھوکا اور بے حقیقت تخیلات پر بولا جاتا ہے۔'' (مفردات القرآن:461/) ﴿6﴾ ابن فارس سحر کے متعلق کہتے ہیں: ''جیسا کہ ایک قوم کا خیال یہ ہے کہ سحر باطل کو حق کی شکل میں پیش کرتا ہے۔'' (مقاییس اللغۃ:507)

سوال 4: جادو کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات مہلک گناہوں سے بچو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ کون سے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ناحق کسی کی جان لینا جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا اور پاک دامن غافل مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری:6857) ﴿2﴾ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: شراب پینے والا، قطع رحمی کرنے والا، (اللہ کے حکم کے بغیر) جادو (کی تاثیر) پر یقین رکھنے والا۔'' (مسند احمد:399/4 ومسند ابی یعلیٰ:7248) ﴿3﴾ جادوگر اور کاہن کے پاس جانے والا اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شریعت کا انکار کرتا ہے جو محمد ﷺ لے کر آئے۔(ابن ماجہ:639) ﴿4﴾ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو بدفالی کرے، یا اس کے لیے بدفالی کی جائے، یا جو کہانت کرے یا اس کے لیے کہانت کی جائے یا جو جادو کرے یا اس کے لیے جادو کیا جائے اور جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا اور اس نے اس کی بات کی تصدیق کی تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ شریعت کا انکار کیا۔'' (صحیح الترغیب والترھیب البانی :3041) ﴿5﴾ جادوگر واجب القتل ہے۔ ﴿6﴾ امام ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوئی شخص جب اس بات کا اعتراف کرلے کہ اس نے ایسے کلام کے ساتھ جادو کیا ہے، جس میں کفر پایا جاتا ہے اور وہ اس سے توبہ نہیں کرتا تو اسے قتل کردینا واجب ہے۔ اسی طرح اگر دلیل سے بات ثابت ہو جائے کہ اس نے واقعتاً کفریہ کلام کے ساتھ جادو کا عمل کیا ہے تو اسے قتل کردینا ضروری ہوگا۔ گر اس نے ایسے کلام کے ساتھ جادو کیا ہو جس میں کفر نہیں پایا جاتا تو اسے قتل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ہاں اگر جادوگر نے جادو کے عمل سے جان بوجھ کر دوسرے شخص کو ایسا نقصان پہنچایا جس سے قصاص واجب ہو جاتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے اور اگر نقصان سے قصاص لازم نہیں آتا تو اس سے دیت وصول کی جائے گی۔ (تفسیر قرطبی:2/48) ﴿7﴾ بجالہ بن عبدۃ فرماتے ہیں کہ میں احنف بن قیس کے چچا جزء بن معاویہ کا کاتب تھا۔ اسی دوران میں ہمارے پاس سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان پہنچا، جسے انہوں نے اپنی وفات سے ایک سال قبل لکھا تھا کہ ہر جادوگر کو قتل کردو، لہٰذا ہم نے ایک ہی دن میں تین جادوگروں کو قتل کیا۔ (ابوداود:3034) ﴿8﴾ سیدنا جندب بن کعب رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادوگر کو کرتب دکھاتے دیکھا۔ جادوگر نے ایک آدمی کو ذبح کر کے اس کا سرتن سے جدا کردیا اور پھر اسے سر کے ساتھ جوڑ دیا۔ سیدنا جندب بن کعب رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس جادوگر کو قتل کردیا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾ کیا تم اس کے جادو میں آتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو۔ (الانبیاء:3) ﴿9﴾ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اس لونڈی کے قتل کا حکم دیا تھا جس نے ان پر جادو کیا تھا، لہٰذا اسے قتل کردیا گیا۔ (موطا:1672)

سوال5: اللہ رب العزت نے کیوں فرمایا ہے ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾؟

جواب: یہ یہود کا سلیمان علیہ السلام پر الزام تھا کہ وہ جادو کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس الزام کو دھویا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ وہ کفر کرے کیونکہ جادو تو کفر ہے۔

سوال6: اسلام نے جادو سیکھنے کو اور اس پر عمل کرنے کو کیوں کفر قرار دیا ہے؟

جواب: اسلام نے جادو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کو کفر اس لئے قرار دیا ہے کہ ہر وقت کا نفع اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا چاہیے اور ہر وقت کے نقصان سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور اس کائنات میں ہر کام اس کی مشیت سے ہوگا۔

سوال7: ﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾ ''اور جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾یہودیوں نے اس جادو کی پیروی کی جو عراق کے شہر بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا تھا۔﴿2﴾ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے نازل کیا تھا۔﴿3﴾یہ فرشتے لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔﴿4﴾ہر شخص اسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے جس سے اسے رغبت ہوتی ہے۔ انہیں جادو سے رغبت تھی کلام سے نہیں تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جادو کا راستہ آسان کر دیا۔

سوال 8:﴿ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ﴾ ''حالانکہ وہ دونوں کسی ایک کو نہیں سکھاتے تھے جب تک وہ یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم یقیناً آزمائش ہیں چنانچہ تو کفر نہ کر'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ہاروت ماروت انسانوں سے خیر خواہی کرتے تھے۔ اس وقت تک کوئی چیز نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ واضح نہ کر دیتے کہ ہم آزمائش ہیں۔ اور آپ کفر نہ کرو یعنی وہ جادو سیکھنے سے روکتے تھے۔ انہیں جادو کی حقیقت سے آگاہ کرتے تھے کہ جادو حق نہیں کفر ہے۔﴿2﴾شیاطین کا جادو سکھانا گمراہ کرنے کے لیے تھا اور فرشتوں کا جادو سکھانا آزمائش کے لیے تھا۔﴿3﴾یہودی اس جادو کے پیچھے لگے جس کے لیے شیاطین نے انہیں قائل کیا تھا اور فرشتوں نے انہیں سکھایا تھا۔﴿4﴾جب وہ جادو سیکھنے لگے تو انہوں نے وہ سارے علوم چھوڑ دیئے جو انبیاء لے کر آئے تھے اور شیاطین کی طرف راغب ہو گئے۔

سوال 9: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جادو سکھانے کے لئے کیوں متعین کیا تھا؟

جواب:﴿1﴾فرشتوں کے ذریعے یہ واضح کر دیا جائے کہ جادو اور معجزے میں فرق ہوتا ہے۔﴿2﴾فرشتوں کے ذریعے یہ واضح کرنا مطلوب تھا کہ جادو کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان فرشتوں کو عطا کیا گیا تھا۔﴿3﴾فرشتے ان لوگوں کے امتحان کے لئے نازل کئے گئے تھے۔﴿4﴾اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ ان کی اخلاقی گراوٹ کی نشاندہی کر دی جائے کہ وہ کس حد تک اپنی اصل سے گر چکے ہیں کہ اب گھرانے توڑنا چاہتے تھے۔

سوال 10: فرشتے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیز کیوں سکھاتے تھے؟

جواب: فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانوں کی آزمائش کے لیے جادو سکھاتے تھے۔ وہ اس لیے جادو سکھاتے تھے کہ انسانوں کے لیے بے گناہی کے عذر کی گنجائش نہ رہے۔

سوال 11:﴿ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ﴾ ''وہ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور اس کی بیوی میں جدائی ڈالتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنے کی کوششیں ان کے اخلاقی زوال کی نشاندہی کرتی ہیں کیونکہ ازدواجی تعلق کی درستگی انسانی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمدن کی جڑ ہے اور وہ شخص بدترین ہے جو اس تعلق کو کاٹنے کی کوششیں کرے۔ ﴿2﴾ رب العزت نے شوہر اور بیوی کے درمیان محبت ڈالی ہے کیونکہ اسی پر معاشرے کے بنیادی یونٹ کا انحصار ہوتا ہے۔ ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس ہی سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔ (الروم:21)

سوال 12: جادو کرنے اور کروانے کے مقاصد کیا ہوتے ہیں؟

جواب: انسانوں میں نفرت پیدا کرنا۔ پھوٹ ڈلوانا۔ نقصان پہچانا۔

سوال 13: جادو کے خطرے میں کون ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ بندہ جتنا اپنے رب سے دور ہوتا ہے شیطان سے اتنا قریب ہوتا ہے، یعنی رحمت سے دور ہو جاتا ہے اور لعنت کے قریب ہو جاتا ہے۔ جو شخص شیطان کے راستے پر چلنے لگتا ہے وہ بدنصیب کہلاتا ہے اور جو رب رحمٰن کی رضا کا طالب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ﴾ سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ جو لوگ ایمان لائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوش خبری ہے۔ (یونس:62۔64) ﴿2﴾ جب بندہ لغویات موسیقی وغیرہ سنتا ہے۔ ﴿3﴾ جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے۔ ﴿4﴾ جب وہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں دیکھتا ہے۔ ﴿5﴾ جب وہ نمازوں میں سستی برتتا ہے۔ ﴿6﴾ جب وہ اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ مجالس میں شامل ہوتا ہے تو اوہام اور وسوسے اس پر مسلط ہو جاتے ہیں، فرشتے اس سے دور ہو جاتے ہیں اور شیطان کے حملوں کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ اور بلاشبہ یقیناً وہ انہیں ضرور راہ حق سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یقیناً وہ سیدھے راستے پر چلتے ہیں۔ (الزخرف:37۔36) ﴿7﴾ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک شیطان انسان میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ (صحیح بخاری:3281) ﴿8﴾ عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح ہونے تک سویا رہا ہو تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ شخص ہے جس کے کانوں (یا کہا کہ کان) میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری:3270) ﴿9﴾ ابن ابی سعید خدری رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی آدمی کو نماز میں جمائی آئے تو تمہیں چاہیے کہ جس قدر ہو سکے اسے روکو کیونکہ (ایسا نہ کرنے کی وجہ سے) شیطان اندر داخل ہو جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم:7493)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 14: ﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ”حالانکہ وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر اس میں سے کسی ایک کو بھی ہرگز ضرر پہنچانے والے نہیں تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: جادو اللہ تعالیٰ کے اذن سے نقصان دیتا ہے۔ اذن کی دو اقسام ہیں۔(الف) اذن قدری: جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے۔جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔(ب) اذن شرعی: جیسا کہ سابقہ آیت ﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:97) میں مذکور ہے۔اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب کی قوت تاثیر خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، وہ ہر حال میں قضاء وقدر کے تابع ہوتے ہیں۔ان کی مستقل تاثیر نہیں ہوتی۔افعال العباد کے بارے میں امت کے فرقوں میں کوئی بھی اس اصول کی مخالفت نہیں کرتا سوائے قدریہ کے۔قدریہ سمجھتے ہیں کہ اسباب کی تاثیر مستقل ہوتی ہے اور وہ مشیت الٰہی کے تابع نہیں ہوتے۔چنانچہ انہوں نے بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج کر دیا اور اس طرح وہ کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع صحابہ وتابعین کی مخالفت کے مرتکب ہوئے۔(تفسیر سعدی:144/1)

سوال 15: کیا جادو اثر کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو دو طرح سے پیدا کیا ہے: مثبت بھی اور منفی بھی۔کسی چیز کا منفی پہلو غالب ہوتا ہے جیسے جادو۔اس کے اسی طرح اثرات ہوتے ہیں جیسے زہر کے جس کو کھانا حرام ہے۔﴿2﴾ جادو ایسی گرہوں اور ایسے دم اور الفاظ کا نام ہے، جن میں بولا یا لکھا جائے، یا جادوگر ایسا عمل کرے، جس سے اس شخص کا بدن یا دل یا عقل متاثر ہو جائے جس پر جادو کرنا مقصود ہو اور جادو واقعتاً اثر رکھتا ہے، چنانچہ جادو سے کسی شخص کو قتل بھی کیا جا سکتا ہے بیمار بھی کیا جا سکتا ہے۔بیوی کے قرب سے عاجز بھی کیا جا سکتا ہے۔جادو بیوی اور خاوند کے درمیان جدائی بھی ڈال سکتا ہے، ایک دوسرے کے دل میں نفرت یا محبت بھی پیدا کر سکتا ہے۔(المغنی والشرح الکبیر:104/10) ﴿3﴾ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جادو خبیث روحوں کے اثر ونفوذ سے مرکب ہوتا ہے۔اس سے انسانی طبیعتیں متاثر ہوتی ہیں۔(زاد المعاد:125،126/4) ﴿4﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ بنی زریق کے ایک شخص یہودی لبید بن اعصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے متعلق خیال کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کر لیا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام نہ کیا ہوتا۔ایک دن یا (راوی نے بیان کیا کہ) ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف رکھتے تھے اور مسلسل دعا کر رہے تھے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ سے جو بات میں پوچھ رہا تھا، اس نے اس کا جواب مجھے دے دیا۔میرے پاس دو (فرشتے جبرائیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام) آئے۔ایک میرے سر کی طرف کھڑا ہو گیا اور دوسرا میرے پاؤں کی طرف۔ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے پوچھا: ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟ دوسرے نے کہا کہ ان پر جادو ہوا ہے۔اس نے پوچھا کہ کس نے جادو کیا ہے؟ جواب دیا کہ لبید بن عاصم نے۔پوچھا کس چیز میں؟ جواب دیا کہ کنگھی اور سر کے بال میں جو نر کھجور کے خوشے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں رکھے ہوئے ہیں۔سوال کیا: اور یہ جادو ہے کہاں؟ جواب دیا کہ زروان کے کنوئیں میں۔'' پھر نبی ﷺ اس کنوئیں پر اپنے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو فرمایا:'' عائشہ رضی اللہ عنہا! اس کا پانی ایسا (سرخ) تھا جیسے مہندی کا نچوڑ ہوتا ہے اور اس کے کھجور کے درختوں کے سر (اوپر کا حصہ) شیطان کے سروں کی طرح تھے۔''میں نے عرض کیا:'' یارسول اللہ ﷺ! آپ نے اس جادو کو باہر کیوں نہیں کر دیا؟'' نبی ﷺ نے فرمایا کہ'' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے عافیت دے دی۔ اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اب میں اس برائی کو خواہ مخواہ لوگوں میں پھیلاؤں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس جادو کا سامان کنگھی بال خرما کا غلاف دفن کرا دیا۔(بخاری:5763)

سوال 16: ﴿ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ﴾ '' اور وہ ایسا علم سیکھتے تھے جو انہیں نقصان پہنچاتا اور انہیں نفع نہیں دیتا تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' اور وہ ایسا علم سیکھتے تھے جو انہیں نقصان پہنچاتا اور انہیں نفع نہیں دیتا تھا'' اللہ تعالیٰ نے جادو کے علم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جادو میں نقصان ہی نقصان ہے، اس میں کوئی دینی یا دنیاوی منفعت نہیں ہوتی جس طرح بعض گناہوں میں دنیاوی منفعت ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا: ﴿ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ﴾ '' کہہ دو شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں البتہ ان کا گناہ ان کے فائدے کی نسبت زیادہ بڑا ہے۔''(البقرہ:219) پس یہ جادو تو ضرر محض ہے اور اصل میں اس کا کوئی داعیہ نہیں۔ تمام منہیات یا تو ضرر محض کی حامل ہیں یا ان میں شر کا پہلو خیر کے پہلو سے زیادہ ہے۔ جیسے تمام مامورات صرف مصلحت پر مبنی ہیں یا ان میں خیر کا پہلو شر کے مقابلے میں زیادہ ہے۔(تفسیر سعدی:144/1)

سوال 17: جادو کا علاج کیا ہے؟

جواب: جادو دور کرنے کے لیے معوذتین نہایت نفع بخش ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ شیطان کو بھگانے کے لیے آیۃ الکرسی اعلیٰ پانے کا عمل ہے۔﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ہمیں ہدایت کی ہے۔﴿ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ﴾ اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی اکساہٹ ہو تو آپ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں۔(فصلت:36)﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی حفاظت۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اسے کسی اور کے حوالے نہیں کرتا۔ رب العزت کا ارشاد ہے:﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔(الطلاق:2)
﴿3﴾ اللہ تعالیٰ پر توکل، اللہ تعالیٰ پر اعتماد، اس پر بھروسہ، رب العزت کا فرمان ہے:﴿ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہی اس کو کافی ہے۔(الطلاق:3)﴿4﴾ گناہوں سے توبہ: وہ گناہ جس میں ابلیس مبتلا کرواتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ ﴾ اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو اس وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔(الشوریٰ:30)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿5﴾ جادو، حسد اور بلاؤں کو دور کرنے میں صدقے کی عجیب تاثیر ہے۔ ﴿6﴾ کثرت سے قرآن حکیم کی تلاوت کرنا اور مسنون دعائیں پڑھنا۔ بیت الخلا میں جاتے ہوئے اس کی دعا پڑھنا: ناپاک جگہ پر شیطانوں کا گھر اور ٹھکانہ ہوتا ہے، اس لیے اس میں کسی مسلمان کی موجودگی کو شیطان غنیمت تصور کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ بیت الخلا میں جاتے ہوئے یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِث اے اللہ میں ناپاک جنوں اور جننیوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ (صحیح بخاری: 142) ﴿7﴾ جادو نکلوانا اور اس کو ختم کرنا۔ یہ تب ممکن ہے جب جادو واقع ہو جائے تب علاج کروایا جائے۔ ﴿8﴾ آیۃ الکرسی پڑھنا۔ ﴿9﴾ ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے، جس قسم کے اثرات ظاہر ہو رہے ہوں اس کی دوا استعمال کی جائے۔ ﴿10﴾ عجوہ کھجور کا استعمال کرنا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص روزانہ چند عجوہ کھجوریں کھالیا کرے اسے اس دن رات تک زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ علی بن عبداللہ مدینی کے سوا دوسرے راوی نے بیان کیا کہ سات کھجوریں کھالیا کرے۔ (بخاری: 5768)

سوال 18: اللہ تعالیٰ کے کلام اور جادو میں کیا فرق ہے؟

جواب:

اللہ تعالیٰ کا کلام	جادو
1۔ اللہ تعالیٰ کا کلام زندگی بخشنے کے لیے آیا،	1۔ جادو سے زندگیاں برباد ہوتی ہیں۔
2۔ اللہ تعالیٰ کا کلام نفع بخش ہوتا ہے،	2۔ جادو سے ہمیشہ نقصان ہوتا ہے۔
3۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہدایت ہے، سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے،	3۔ جادو سیدھے راستے سے دور لے جاتا ہے۔
4۔ اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے، بلند مرتبہ ہے، اس کا سیکھنا فرض ہے،	4۔ جادو ناپاک کلام ہے اور اس کا سیکھنا حرام ہے۔
5۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو ماننے والے بلند کردار کے مالک ہوتے ہیں،	5۔ جادو کرنے والے گھٹیا کردار کے مالک ہوتے ہیں۔
6۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو ماننے والا مومن ہے اور اس کے لیے جنت ہے،	6۔ جادو کرنے والا کافر ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

سوال 19: ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ "حالانکہ بلاشبہ یقیناً وہ جانتے تھے کہ جس نے اس کو خریدا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور یقیناً برا ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کاش وہ جانتے ہوتے!" آخرت میں جادو کرنے اور کروانے والے کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟

جواب: جادو کرنے اور کروانے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جادوگر جو جادو کا عمل کرتا ہو اور کسی نے اس پر جادو کا عمل نہ کیا ہو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴾ حالانکہ بلاشبہ یقیناً وہ جانتے تھے کہ جس نے اس کو خرید ااس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔(البقرہ:102)

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (103) ﴾

”اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یقیناً بہتر ثواب ملتا کاش وہ جانتے ہوتے۔“(103)

سوال 1: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ﴾ ”اور اگر وہ ایمان لاتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ﴾ ”اور اگر وہ ایمان لاتے“ یعنی اپنی کتابوں پر جن میں محمد ﷺ کی بشارتیں اور آپ ﷺ کے احکامات کی اتباع کا حکم ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَاتَّقَوْا ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی حفاظت کرتے۔ اس کے روکے سے رکتے تو یہ ان کے لیے عظیم ثواب کا باعث بنتا۔

سوال 2: ﴿ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یقیناً بہتر ثواب ملتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی ان کے ایمان لانے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو ثواب ہوتا وہ ان کے کفر اور سحر کے کاموں سے بہت بہتر تھا۔(الوسیط:186/1)

سوال 3: ﴿ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ”کاش وہ جانتے ہوتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ کاش کہ وہ جانتے کہ کوئی چیز علم صحیح جیسی نہیں۔ ﴿2﴾ کاش کہ وہ جانتے کہ اللہ تعالیٰ کا ثواب بہت بہتر ہے۔ (تفسیر قاسمی:211/1)

رکوع نمبر 13

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (104) ﴾

”اے ایمان والو! تم ”رَاعِنَا (ہماری رعایت کریں)“ نہ کہو بلکہ ”اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم کیجئے)“ کہو اور سنو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“(104)

سوال 1: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ﴾ ”اے ایمان والو! تم ”رَاعِنَا (ہماری رعایت کریں)“ نہ کہو بلکہ ”اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم کیجئے)“ کہو اور سنو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مسلمان اپنے دین کو سیکھنے کے لیے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے تھے (رَاعِنَا) یعنی ہماری رعایت کیجیے۔ یہودی اس سے برے معنی کے ارادے سے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے تھے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے، وہ باتوں کو ان کی جگہوں سے پھیر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں: ''(سمعنا) ہم نے سنا اور (عصینا) ہم نے نافرمانی کی'' (واسمع) اور تم سنو (غیر مسمع) کہ تمہیں نہ سنایا جائے اور (راعنا) ہماری رعایت کرو! اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے (کہتے ہیں) اور دین میں طعن کرتے ہوئے:'' اور اگر وہ کہتے:'' (سمعنا) ہم نے سنا (واطعنا) اور ہم نے اطاعت کی'' (واسمع) اور آپ سنیئے'' اور'' (وانظرنا) ہم پر نظر کرم کیجیے'' تو ان کے حق میں بلاشبہ زیادہ بہتر اور زیادہ درست ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی چنانچہ ان میں سے کم ہی لوگ ایمان لاتے ہیں۔(النساء:46)اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نبی ﷺ کو اس طرح مخاطب کرنے سے روک دیا تاکہ توہین رسالت کا یہ دروازہ بند ہو جائے۔﴿2﴾اس آیت میں جائز کام سے اس وقت روکنے کی دلیل ہے جب کہ وہ کسی حرام کام کا وسیلہ ہو۔﴿3﴾اس آیت میں برے الفاظ چھوڑنے کی تاکید ہے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے ایسے الفاظ کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے جس سے اچھے معنی نکلتے ہیں۔﴿5﴾﴿وَقُوْلُوا انْظُرْنَا﴾ اور انْظُرْنَا کہو یعنی ہماری طرف نظر کرم کیجیے۔اس لفظ سے اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے۔﴿6﴾﴿وَاسْمَعُوْا﴾ اور سنو۔اس میں سنی جانے والی چیز کا ذکر نہیں کیا تاکہ اس میں ہر وہ چیز شامل رہے جس کو سننے کا حکم دیا گیا ہے۔﴿7﴾اس سننے میں سماع قرآن اور سماع حدیث شامل ہیں۔﴿8﴾اس آیت میں ادب اور اطاعت کی تعلیم ہے۔

سوال 2: رب العزت نے الفاظ کے انتخاب پر توجہ دینا کیوں سکھایا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے الفاظ کے انتخاب پر اس لئے توجہ دینا سکھایا ہے کہ کچھ الفاظ سے نقص اور توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ادب اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔﴿2﴾الفاظ کی وجہ سے بات کا مفہوم بدل جاتا ہے۔اس لیے خاص طور پر جو لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کو انسانوں تک پہنچانا چاہیں، انہیں جان لینا چاہیے کہ الفاظ کے درست استعمال سے یہ بات پہنچ سکتی ہے ورنہ کلام اللہ پہنچانے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

سوال 3: بات کو توجہ سے سننے کا کیا فائدہ ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾بات سمجھ آتی ہے۔﴿2﴾بات دل کے اندر اتر جاتی ہے۔

سوال 4: مجلس کے آداب کے بارے میں رب العزت نے کیا راہ نمائی فرمائی ہے؟

جواب:﴿1﴾گفتگو میں صاف الفاظ کا استعمال کریں۔﴿2﴾مشتبہ الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جن سے کوئی برا پہلو نکلتا ہے۔﴿3﴾بات کو توجہ سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔﴿4﴾سوال و جواب کی بجائے عبرت اور نصیحت کا ذہن پیدا کریں۔﴿5﴾اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔﴿6﴾دنیا میں کسی کے پاس کوئی بھلائی دیکھ کر حسد اور جلن میں مبتلا نہ ہوں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔اس کے فیصلے کی وجہ سے ایک بندے کو پہنچا ہے۔﴿7﴾رسول اللہ ﷺ (تعلیم دینے والے) کی عزت اور عظمت کا خیال کریں۔

سوال 5:﴿وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے'' یہاں کافروں سے کون لوگ مراد ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: یہاں کافروں سے مراد اہل کتاب کے وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات سننے اور ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ(105)﴾

''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا نہ وہ پسند کرتے ہیں اور نہ مشرکین کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے کوئی بھلائی نازل کی جائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔''(105)

سوال1: ﴿مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ''اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا نہ وہ پسند کرتے ہیں اور نہ مشرکین کہ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے کوئی بھلائی نازل کی جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رب العزت نے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر خیر یعنی وحی نازل ہو۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ (الزخرف:32) ﴿2﴾ ان کی یہ تمنا تمہارے ساتھ بغض اور حسد کی وجہ سے ہے۔ ﴿3﴾ وہ پیغمبری کو اپنا قومی حق سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز نازل ہو۔

سوال2: ﴿وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ ربّ العزت نے اہل کتاب اور مشرکوں کی اس خواہش کا جواب یہ دیا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے خاص کر لیتا ہے اور رحمت سے مراد نبوت ہے۔ نبوت بہت بڑی نعمت ہے۔ ﴿2﴾ علی بن ابی طالب کہتے ہیں: رحمت سے مراد نبوت ہے۔ (تفسیر منیر:282/1) ﴿3﴾ ﴿مَنْ يَشَاءُ﴾ یعنی محمد ﷺ پر۔ (تفسیر الوسیط:187/1)

سوال3: ﴿وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے'' یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے'' کے ذریعے کیا شعور دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے'' کا علم دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شعور دلایا ہے کہ اس نے ان پر احسان کیا ہے کہ ان میں سے رسول بھیجا، کتاب نازل کی تا کہ وہ انہیں پاک کرے، انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں وہ سب کچھ سکھائے جو وہ نہیں جانتے تھے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسلام لانے کی توفیق دی جو بہت بڑا فضل ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایمان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دولت عطا کی جو اس کا عظیم احسان ہے۔﴿4﴾ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہی یہودی حسد میں مبتلا ہوئے کیونکہ دولت ایمان کی وجہ سے مسلمان برتر ہو گئے۔

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (106)﴾

''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا جسے ہم بھلا دیتے ہیں، ہم اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے؟''(106)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: یہود کا یہ اعتقاد تھا کہ تورات کے احکام قیامت تک کبھی منسوخ نہیں ہوں گے۔اسی اعتقاد کی وجہ سے انہوں نے انجیل کا کتاب الٰہی ہونا تسلیم نہیں کیا کیونکہ اس سے ان کو تورات کے بعض احکام کا منسوخ ہو جانا تسلیم کرنا پڑتا تھا۔اب جب کہ قرآن مجید کی بعض آیتیں بعض آیتوں سے منسوخ ہوئیں تو یہود لوگ مسلمانوں سے طرح طرح کی حجتیں اس باب میں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کلام الٰہی کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔(احسن التفاسیر:110/1)

سوال 2:﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا﴾''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا جسے ہم بھلا دیتے ہیں، ہم اس سے بہتر یا اس جیسی اور لے آتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾نسخ کے لغوی معنی نقل کرنے کے ہیں۔اصطلاح میں اس سے مراد ''ایک حکم کو بدل کر دوسرا حکم لانا'' ہے۔منسوخ ہونے سے مراد احکامات کا بدل جانا ہے۔شرح میں جب ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم لاتے ہیں تو اسے نسخ کہتے ہیں۔﴿2﴾نسخ کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ مکلفین کو کسی ایک شرعی حکم سے کسی دوسرے شرعی حکم کی طرف منتقل کرنا یا اس شرعی حکم کو یکسر ساقط قرار دے دینا۔یہودی نسخ کا انکار کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ نسخ جائز نہیں، حالانکہ نسخ ان کے ہاں تورات میں بھی موجود ہے۔ان کا نسخ کو نہ ماننا کفر اور محض خواہش نفس کی پیروی ہے۔(تفسیر سعدی:146/1)﴿3﴾﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا جسے ہم بھلا دیتے ہیں'' یعنی جس آیت کو بھی ہم لوگوں کے دل سے لے جاتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں۔﴿4﴾ہم اسے بھلا دیتے ہیں سے مراد ہے کہ حکم اور تلاوت دونوں اٹھا لیتے ہیں یعنی نبی ﷺ کے دل سے بھی مٹا دیتے ہیں۔﴿نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ﴾''ہم اس سے بہتر لے آتے ہیں'' یعنی اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں جو زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔﴿5﴾﴿اَوْ مِثْلِهَا﴾ یا اس جیسی لے آتے ہیں۔

سوال 3: احکامات الٰہی منسوخ ہونے کی کون کون سی صورتیں ہیں؟

جواب: احکامات الٰہی منسوخ ہونے کی تین صورتیں ہیں: نسخ تین قسم کا ہے:﴿1﴾نسخ کا حکم یعنی ایک کو بدل کر دوسرا حکم نازل کر دینا۔یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ناسخ اور منسوخ دونوں ہی قرآن مجید میں موجود ہیں۔مثلاً بیوہ عورت کی عدت پہلے ایک سال تھی، پھر بعد میں 4 ماہ 10 دن ہوگئی۔قبلہ پہلے بیت المقدس تھا، پھر کعبۃ اللہ ہوا۔نبی ﷺ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کا حکم تھا پھر منسوخ ہوگیا۔﴿2﴾نسخ التلاوۃ یعنی وہ احکامات جس کی تلاوت منسوخ کردی گئی لیکن حکم باقی رکھا گیا۔شاہ ولی اللہ نے الفوز الکبیر میں ان کی تعداد پانچ بتائی ہے۔مَا نَنْسَخْ میں نسخ کی دوسری قسم بتائی گئی ہے۔﴿3﴾﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾''ہم بھلا دیتے اس کو'' یعنی اس کا حکم اور تلاوت دونوں اٹھا لئے گئے۔

سوال 4: کیا پہلی شریعتوں کے احکامات بھی منسوخ ہوتے رہے ہیں، دلائل دیں؟

جواب: پہلی شریعتوں کے احکامات بھی منسوخ ہوتے رہے ہیں مثلاً:﴿1﴾سیدنا آدم علیہ السلام کی بیٹیاں اور بیٹے آپس میں بہن بھائی تھے لیکن ان میں نکاح جائز تھا۔بعد میں اسے حرام کردیا گیا۔﴿2﴾سیدنا نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے تو ان کے لیے تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا۔بعد میں یہ اجازت ختم ہوگئی۔﴿3﴾دو بہنوں کا ایک ہی شخص سے نکاح بنی اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر تورات میں اسے حرام کردیا گیا۔﴿4﴾سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا لیکن قربان کرنے سے پہلے ہی منسوخ کردیا گیا۔﴿5﴾بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ جو لوگ بچھڑا پوجنے میں شامل تھے وہ سب اپنی جانوں کو قتل کرڈالیں لیکن پھر بہت سے باقی تھے کہ حکم منسوخ ہوگیا۔

سوال 5: نسخ کو تسلیم نہ کرنا کیسا عمل ہے؟

جواب:﴿1﴾نسخ کو تسلیم نہ کرنا گمراہی ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم میں سب سے بہتر قاریٔ قرآن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں اور ہم میں سب سے زیادہ علی رضی اللہ عنہ میں قضاء یعنی فیصلے کرنے کی صلاحیت ہے۔اس کے باوجود ہم ابی رضی اللہ عنہ کی اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتے جو ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جن آیات کی بھی تلاوت سنی ہے، میں انہیں نہیں چھوڑ سکتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا﴾ہم نے جو آیت بھی منسوخ کی یا اسے بھلایا تو پھر اس سے اچھی آیت لائے۔(صحیح بخاری:4481)﴿2﴾حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں نے نسخ کا انکار صرف کفر وعناد کی وجہ سے کیا، ورنہ یہ چیز عقلی طور پر ممنوع نہیں۔ (ابن کثیر:183/1)

سوال 6:﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾سے کس طرف توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب:''کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے'' کے الفاظ سے یہ توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔زمین وآسمان کی بادشاہت اس کے ہاتھ میں ہے۔جس وقت جو حکم اس کی حکمت کے مطابق ہو، اسے نازل کردے اور جس حکم کو چاہے منسوخ کردے۔

﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (107)﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار؟''(107)

سوال 1: ﴿ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ ''کیا آپ نہیں جانتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔تمام اختیارات اس کے پاس ہیں تو کیا تمہارے لئے قانون بدلنے کا اختیار اس کو نہ ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ولی اور مددگار رہے۔﴿2﴾ جب اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے، وہ تمہارے اندر تصرف کرتا ہے جیسے اس کے تقدیری فیصلوں سے اعراض نہیں کر سکتے ایسے ہی شرعی احکامات میں بھی اعراض درست نہیں۔ ﴿3﴾ جس رب کا قانون آسمانوں اور زمین پر چلتا ہے، اسی رب کا قانون انسان کے لئے آیا ہے۔خوب اچھی طرح سے جان لو کہ وہ حکم دینے اور بدلنے والا ہے۔

سوال 2: ﴿ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴾ ''اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار؟'' ﴿1﴾ یعنی ایک اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھو۔یہودیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہو، وہی تمہارا سہارا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، کبھی چھوٹنے والا نہیں۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ولی اور مددگار رہے وہ نفع کے حصول میں مددگار اور نقصان کو دور کرنے میں مددگار رہوگا۔

﴿ أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (108) ﴾

''کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے ویسے ہی سوالات کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے؟ اور جو کوئی کفر کو ایمان کے بدلے میں لے لے تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔''(108)

سوال 1: ﴿ أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ﴾ ''کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے ویسے ہی سوالات کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنے کی خواہش بہت فطری ہے۔اس لئے کہ رسول ہی وہ ہستی ہے جس سے الجھنوں کا حل مانگا جاتا ہے۔رسول ہی تو وہ ہستی ہے جس سے انسانوں کو درست طریقۂ زندگی کا پتہ چلتا ہے۔انسان کے ذہن میں ہر وقت کشمکش چلتی رہتی ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ صحیح ہے یا غلط لہٰذا مسلمان سوال کرنا چاہتے تھے۔ مسلمان یہودیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بھی سوال کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو غیر ضروری سوالات سے روکا گیا اس لیے کہ غیر ضروری سوالات سے کفر کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لائیں، سو وہ تو یقیناً موسیٰ سے اس سے زیادہ بڑا سوال کر چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو بالکل سامنے دکھا دو۔ (النساء:153) ﴿3﴾ محققین نے لکھا ہے کہ یہاں مراد ایسے سوالات کی ممانعت ہے جن کا مقصد محض اعتراض کرنا اور دین میں شدت پیدا کرنا ہو۔ (تیسیر الرحمٰن:63/1)

سوال 2: اگر سوال کرنے کی یہ خواہش فطری ہے تو رسول سے سوال کرنے سے منع کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہودیوں کی طرح سرکشی سے سوال نہ کرو۔ ﴿2﴾ غیر ضروری سوال نہ کرو کیونکہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے۔ ﴿3﴾ کثرت سے سوال نہ کرو۔

سوال 3: سوال کے بارے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہیں تھی مگر اس کے سوال کی وجہ سے حرام کر دی گئی۔ (بخاری:7289) ﴿2﴾ سوال کرنا علم کی ضرورت ہے مگر لایعنی سوالات اور مطالبات علم کے لئے نہیں کئے جاتے۔ اس لئے نزول وحی کے دور میں سوالات کرنے سے روکا گیا تھا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ سو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔ (النحل:43) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے سوالات برقرار بھی رکھے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ (البقرہ:219) ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى﴾ اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ (البقرہ:220)

سوال 4: مسلمانوں کو کثرت سوالات اور بے جا مطالبات سے کیوں روکا گیا؟

جواب: سوالوں کی کثرت کی وجہ سے ﴿1﴾ انسان راہ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ ﴿2﴾ ایمان کی روش انکار کی روش سے بدل جاتی ہے۔ ﴿3﴾ نزول قرآن کے دور میں سوال کرنے کی وجہ سے ایسی باتوں کا امکان تھا جو ظاہر ہونے پر بری لگتیں۔ ﴿4﴾ سوال کی وجہ سے حلال چیز حرام ہو سکتی ہے۔

سوال 5: ﴿وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ﴾ ''اور جو کوئی کفر کو ایمان کے بدلے میں لے لے'' ایمان کو کفر سے بدلنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ اگر ایمانی طریقۂ کار سے ہٹو گے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی نہیں کرو گے تو ایمان کے بدلے کفر لے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگے اور سیدھا راستہ گم کردو گے۔

سوال 6: ﴿ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ ''تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا'' اللہ تعالیٰ نے ایمان کو کفر سے بدلنے کا کیا انجام بتایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایمان کو کفر سے بدلنے کا انجام گمراہی بتایا ہے، جس تک بنی اسرائیل پہنچ چکے ہیں۔

﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (109) ﴾

''اہل کتاب میں سے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیں اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ حق ان کے لیے پوری طرح واضح ہوگیا، چنانچہ آپ معاف کر دیں اور درگزر کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے آئے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔'' (109)

سوال 1: ﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ﴾ ''اہل کتاب میں سے اکثر لوگ چاہتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیں اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ حق ان کے لیے پوری طرح واضح ہوگیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ رب العزت نے اہل کتاب کے حسد کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ چاہتے ہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں۔ اس کے لیے انہوں نے جال بچھایا ہے لیکن ان کا فریب خود ان ہی پر الٹ گیا۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ دن کے آغاز میں تم اس پر ایمان لاؤ جو نازل کیا گیا ان پر جو ایمان لائے اور تم اس کی شام کو کفر کرو تاکہ وہ واپس لوٹ آئیں۔ (آل عمران:72)

﴿2﴾ ﴿ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے'' حسد بہت بری اخلاقی بیماری ہے جو انسان کے نفس کے اندر یہ خواہش پیدا کرتی ہے کہ دوسرے لوگ بھلائی سے محروم ہو جائیں۔ اہل کتاب کو یہ احساس تھا کہ وہ پہلے سے حق پر ہیں اور حق پرستوں کی بڑی جماعت بنی اسرائیل سے ان کا تعلق ہے۔ وہ پیغمبری کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی کہ ان کے گروہ کے سوا کسی اور گروہ میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغمبر بھیجیں۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کے طور پر مبعوث کیا تو یہودی اسی وجہ سے حسد میں مبتلا ہو گئے۔ ﴿3﴾ ﴿ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ﴾ اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے۔ (آل عمران:120) ﴿4﴾ ﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ یا وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿5﴾ ﴿ مِّنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَقُّ ﴾ ''اس کے بعد کہ حق ان کے لیے پوری طرح واضح ہو گیا'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کتاب اور رسول کو وہ جان چکے لیکن اس کے باوجود وہ حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان کے بعد کافر بنا دیں۔ (النساء:54)

سوال 2: ﴿ فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ﴾ ''چنانچہ آپ معاف کر دیں اور درگزر کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو یہود کی برائیوں کے مقابلے میں عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔ ﴿2﴾ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دے دیا۔ ﴿3﴾ اہل ایمان نے ان میں سے کچھ مستحقین کو قتل کیا، کچھ قیدی بنا لیے گئے اور کچھ ملک بدر کر ڈالے۔ ﴿4﴾ ﴿ حَتّٰى يَاۡتِىَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے'' سے مراد ہے کہ اسلام اور کفر کی اس جنگ کا خود کوئی فیصلہ کر دے۔ یہود کے حق میں حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کا حکم اخیر اپنے وقت مقررہ پر نازل ہوا جس سے مدینہ کے گرد و نواح کے یہود برباد ہو گئے کیونکہ کچھ قتل کر دیئے گئے اور کچھ مدینہ کے انواح میں سے نکال دیئے گئے۔ (احسن التفاسیر:112/1)

سوال 3: نئے اسلام لانے والوں کو یہودی کیسے بہکاتے تھے؟

جواب: نئے اسلام لانے والوں سے وہ کہتے تھے کہ اگر تمہیں اپنا آبائی مذہب چھوڑنا ہی ہے تو یہودیت یا عیسائیت اختیار کر لو کیونکہ جنت یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے ہے جو ہمیشہ سے نبیوں اور بزرگوں کی جماعت رہی ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ان سازشوں کا مقابلہ کس طرح کرنا سکھایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ رب العزت نے فرمایا: معاف کر دو اور درگزر کر دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے آئے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتے رہو جن کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔

سوال 5: اسلام مسلمانوں کو کس روپ میں دیکھنا چاہتا ہے؟

جواب: اسلام مسلمانوں کو حسد اور سازشوں کے مقابلے میں عفو و درگزر کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔

سوال 6: مسلمانوں کو جن خصوصیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی نصیحت کی گئی۔ اس کے کیا ثمرات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ عفو و درگزر: اس سے خلاف مزاج حالات برداشت کرنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے انسان کی اخلاقی اور روحانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور بڑے بڑے سنگین اور مشکل حالات کو برداشت کرنے کی مشق ہو جاتی ہے۔ عفو و درگزر انسان کو اس سے بچاتا ہے کہ وہ مشتعل ہو کر منفی کاروائیاں کرنے لگے۔ ﴿2﴾ نماز: انسان کو اللہ تعالیٰ سے جوڑتی ہے۔ ﴿3﴾ زکوٰۃ: اس سے باہمی خیر خواہی اور اتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

سوال 7: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: اللہ تعالیٰ نے سرکش یہودیوں کی قید، قتل وغارت گری اور جلاوطنی سے اپنے قدیر ہونے کا یقین دلایا ہے۔

سوال 8: یہود نے مخالفت کی وجہ سے عام لوگوں میں شبہات پھیلائے۔ مسلمانوں کو شبہات سے خود بچنے اور دوسروں کو بچانے کے لیے کیا نصیحتیں کی گئیں؟

جواب: ﴿1﴾ صاف الفاظ میں گفتگو کریں۔ ﴿2﴾ ایسے الفاظ نہ بولیں جن سے کوئی برا پہلو نکل سکتا ہو۔ ﴿3﴾ جو بات کہی جائے اسے غور سے سنیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ ﴿4﴾ سوال وجواب کی بجائے نصیحت کا مزاج پیدا کریں۔ ﴿5﴾ حسد اور جلن میں مبتلا نہ ہوں۔ ﴿6﴾ اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔

﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (110) ﴾

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو بھلائی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں تم اس کو موجود پاؤ گے، یقیناً جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔''(110)

سوال 1: ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو بھلائی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں تم اس کو موجود پاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ان آیات میں تین چیزوں کی ہدایت کی گئی ہے نماز، زکوٰۃ اور تقدیم خیر کی۔ نماز سے روح کی جلا ہوتی ہے، قلب سے دوئی کا خیال اٹھ جاتا ہے۔ سب خدا کے حضور میں بلا امتیاز جھک جاتے ہیں اس لیے حسد وبغض کی گنجائش نہیں رہتی۔ زکوٰۃ سے محتاج وغنی میں رشتۂ مودت واخوت قائم ہو جاتا ہے اور تقدیم خیر سے عام تعاون باہمی پر آمادہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں چیزوں کے ہونے کے بعد کسی قوم میں حسد وبغض کی مہلک وبا نہیں رہتی۔ (سراج البیان:38/1) ﴿2﴾ ﴿ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ یعنی خیر کا ثواب اور جزا اللہ تعالیٰ کے پاس پائیں گے۔ ﴿3﴾ ابن ہشام کہتے ہیں مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ جب سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ اے صہیب! جب تو یہاں آیا تھا تو نہایت مفلس اور فقیر تھا، یہاں تیرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا۔ اب تو چاہتا ہے کہ تو مال لے کر یہاں سے چلا جائے، ہم تجھ کو ہرگز جانے نہ دیں گے۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں یہ سب مال تم کو دے دوں تب تم مجھے جانے دو گے۔ قریش نے کہا کہ ہاں تب جانے دیں گے۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بس تو سب مال میں نے تم کو دیا۔ راوی کہتا ہے کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو فرمایا کہ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے بڑا نفع حاصل کیا۔ (سیرت النبی ابن ہشام:317/1) ﴿4﴾ غزوۂ تبوک میں مسلمانوں نے صدقہ وخیرات کرنے میں بھی ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کی۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دوسو اونٹ تھے اور دوسو اوقیہ (تقریباً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ساڑھے انتیس کلو) چاندی تھی۔آپ رضی اللہ عنہ نے یہ سب صدقہ کر دیا۔اس کے بعد پھر ایک سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کیا۔اس کے بعد ایک ہزار دینار (تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے) لے آئے اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں بکھیر دیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں الٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے: آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ جو بھی کریں انہیں ضرر نہ ہوگا۔اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پھر صدقہ کیا، اور صدقہ کیا، یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقدی کے علاوہ نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تک جا پہنچی۔(الرحیق المختوم 583:)

سوال 2: مسلمانوں کو یہود کی شرانگیزیوں کے مقابلے میں کیا نصیحت کی گئی؟

جواب: ﴿1﴾ یہود سے بحث ومباحثہ نہ کیا جائے۔﴿2﴾ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا جائے۔﴿3﴾ عفو و درگزر سے کام لیا جائے۔﴿4﴾ نماز قائم کی جائے۔زکوۃ ادا کی جائے۔﴿5﴾ اس بات کا یقین رکھا جائے کہ جو کچھ کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے۔

سوال 3: انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے احکامات پورا کرنے اور نیک کام کرنے کی طلب کیسے پیدا ہوتی ہے؟

جواب: جب انسان کو اس بات کا یقین آتا ہے کہ جو بھلائی وہ اپنے لئے آگے بھیجے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو پائے گا تو اس کے دل میں نیک کام کرنے کی طلب پیدا ہوتی ہے۔

سوال 4: ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''یقیناً جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً تم سب جو عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے والا ہے'' یعنی تمہارا نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، نیکی کے کام کرنا اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور جزا دے گا۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ(111)﴾

''اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو، یہ ان کی تمنائیں ہیں، آپ کہہ دیں کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔'' (111)

سوال 1: ﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کے دعووں کا ذکر کیا ہے کہ کوئی اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگا جب تک کہ یہودی یا عیسائی نہ ہو۔ان دعووں کے پیچھے کوئی عقلی دلیل یا ثبوت نہیں تھا کہ صرف اکیلے ہی جنت کے مستحق ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ﴾ ''یہ ان کی تمنائیں ہیں'' اللہ تعالیٰ نے یہود کی پیدا کردہ اس غلط فہمی کہ ''جنت یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے ہے'' کا کیا جواب دیا؟

جواب: وہ اللہ تعالیٰ پر ناحق کی تمنا رکھتے ہیں جو کہ صحیح نہیں ہے۔ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کی وضاحت کی کہ جنت پر اپنا حق سمجھنا تمنا ہو سکتی ہے، حقیقت نہیں۔ ﴿2﴾ کسی گروہ سے وابستگی کسی کو جنت کا مستحق نہیں بناتی۔ ﴿3﴾ جنت کا فیصلہ انسان کے اپنے عمل کی بنیاد پر کیا جاتا ہے نہ کہ کسی خاص گروہ سے تعلق کی بنیاد پر۔

سوال 3: کیا مسلمانوں میں سے بھی کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنت ہمارے فرقے والوں کے لئے ہے؟

جواب: مسلمانوں میں بھی یہود کی طرح اپنے فرقے، اپنے گروہ کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا ہو چکی ہے کہ جنت صرف انہی کے لئے ہے۔

سوال 4: ﴿ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کیا ہے کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ جنت میں داخلہ تمہارے لیے خاص ہے تو دلیل لاؤ۔ (تفسیر قاسمی: 224/2)

﴿ بَلٰی ۗ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (112) ﴾

''کیوں نہیں، جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (112)

سوال 1: ﴿ بَلٰی ۗ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ﴾ ''کیوں نہیں، جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ بَلٰی ۗ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ﴾ جس نے اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر کے اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا۔ ﴿2﴾ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرے۔ ﴿3﴾ ﴿ مُحْسِنٌ ﴾ کا مطلب ہے اخلاص کے ساتھ کام کرنے والا، سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے والا۔ ﴿4﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مومن، موحد اور جو محمد ﷺ لے کر آئے اس کی تصدیق کرنے والا محسن ہے۔ (الوسیط: 14/1)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے ہاں اطاعت کرنے اور احسان کرنے کا صلہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سونپ دے یعنی اسلام لے آئے جنت اس کے لئے ہے۔ ﴿2﴾ جو نیک روش پر چلے یعنی احسان کرے جنت اس کے لئے ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے یہاں عمل مقبول ہونے کی کیا شرائط ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عمل کے (عنداللہ) مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خالص اللہ کے لیے ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور اسلامی شریعت کے مطابق ہو۔ اگر نیت میں اخلاص ہو لیکن سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ عمل مردود ہوگا۔ (ابن کثیر: 187/1) ﴿2﴾ اس لیے راہبوں، سادھوؤں اور صوفیوں کا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں، اس لیے کہ ان کے عمل میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع مفقود ہے۔ اسی طرح اگر عمل شریعت کے موافق ہے لیکن نیت اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں تو ایسا عمل بھی مردود ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ بلاشبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے۔ (النساء: 142) (تیسیر الرحمٰن: 64/1) ﴿3﴾ ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ﴾ پس جو شخص نیکی کا کوئی عمل کرے اور وہ ایمان والا ہو تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی۔ (الانبیاء: 94)

سوال 4: یہاں دین اسلام کے کن دو بنیادی درجات کا ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلام۔ ﴿2﴾ احسان۔

سوال 5: ﴿ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ”جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ”جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا“ سے مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کیا۔ ﴿2﴾ ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ سے مراد یہ ہے جس نے اخلاص کے ساتھ نبی ﷺ کی سنّت کے مطابق کام کیا۔

سوال 6: اسلام میں اچھا (محسن) ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ محسن سے مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لیے محمد ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرے۔ ﴿2﴾ اسلام میں اچھا ”محسن“ ہونا یہ ہے کہ انسان اس طرح سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے کہ ہر دوسری چیز کی اہمیت دل سے نکل جائے۔ مثلاً (الف) کسی خاص گروہ سے تعلق کا تعصب۔ (ب) ذاتی وفاداریاں۔ (ج) دنیا کی مصلحتیں۔ اسلام میں اچھا وہ ہے جو ہر حکم پر اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑے اور اس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بنے۔

سوال 7: ﴿ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ﴾ ”اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے“ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے والوں اور احسان کرنے والوں کا بدلہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینے والوں اور 'محسنین' کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ ﴿2﴾ ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ اجر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں بھری جنت ہے۔

سوال 8: اعمال کی قبولیت کے بنیادی اصول کون سے ہیں؟

جواب: اعمال کی قبولیت کے بنیادی اصول دو ہیں: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کیا جائے۔ ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق کام کیا جائے۔

سوال 9: ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ''اوران پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اوران پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' انہیں مرغوب چیز حاصل ہوگی اور غم اور خوف سے نجات پا جائیں گے۔ ﴿2﴾ اہل جنت جنت میں داخل ہوتے وقت کہیں گے: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا۔ (فاطر:34)

رکوع نمبر 14

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ(113)﴾

''اور یہود نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں اور عیسائیوں نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں، اسی طرح ان کی بات جیسی بات ان لوگوں نے کی جو علم نہیں رکھتے، پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان ان معاملات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔'' (113)

سوال 1: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ ''اور یہود نے کہا کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں اور عیسائیوں نے کہا کہ یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں'' یہود اور نصاریٰ کو اپنی قوم حق پر اور دوسری قومیں باطل پر کیوں نظر آتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اہل کتاب خود پرستی اور ضد میں اس مقام پر پہنچ گئے کہ انہیں اپنے سوا کوئی حق پر نظر نہیں آتا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو بھی گمراہ اور کافر قرار دیا۔ ﴿2﴾ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ﴾ یہود نے نبیوں اور بزرگوں سے تعلق کو حق پرستی کا معیار بنایا اس لیے وہ خود کو حق پر سمجھتے تھے۔ ﴿3﴾ ﴿وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ﴾ عیسائیوں نے اپنے اندر یہ خاصیت دیکھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا اکلوتا بیٹا ان کے پاس بھیجا اس لیے وہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے۔ ﴿4﴾ ﴿وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ﴾ حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات جسے یہودی پڑھتے ہیں اور انجیل جسے عیسائی پڑھتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھنے کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

باوجودانہوں نے اپنا عقیدہ درست نہیں کیا، اپنی زندگی درست نہیں کی۔﴿5﴾ فخرالدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت بھی بعینہ اسی بیماری میں مبتلا ہوگئی ہے کہ ہرایک جماعت دوسری جماعت کی تکفیر کرتی ہےحالانکہ قرآن سبھی پڑھتے ہیں۔ (تیسیر الرحمٰن:64/1)﴿6﴾﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾اور بلاشبہ یہی میراراستہ ہے جوسیدھا ہے چنانچہ تم اس کی پیروی کرواور دیگر راستوں کی پیروی نہ کروکہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے جدا کردیں گے۔(الانعام:153) ﴿7﴾ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگاہ رہو میں تمہارے پاس دو بہت ہی بھاری اور عظیم چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جواللہ تعالیٰ کی رسی ہے۔جواس کی اتباع کرے گا وہ ہدایت پر رہے گا اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہوجائے گا۔(صحیح مسلم:6228)

سوال2:﴿ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ﴾''اسی طرح کی بات ان لوگوں نے کہی جوعلم نہیں رکھتے''اس سے مرادکون لوگ ہیں؟

جواب:﴿1﴾اس سے مرادمشرکین عرب ہیں جن کواہل کتاب کے مقابلے میں بےعلم کہا گیا۔﴿2﴾مشرک ہونے کے باوجوداہل عرب یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ حق پر ہیں۔﴿3﴾مشرکوں نے نبی ﷺ کوصابی کہا۔

سوال3:﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾''پھراللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان ان معاملات کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے''اللہ تعالیٰ کون سے اختلافی معاملات کافیصلہ قیامت کے دن کرے گا؟

جواب:اللہ تعالیٰ ہرطرح کے اختلافات کافیصلہ قیامت کے دن کرے گا۔رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾یقیناً جولوگ ایمان لائے اور جولوگ یہودی بن گئے اورصابی اورنصاریٰ اورمجوسی اورجنہوں نے شرک کیا، بےشک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کردے گا۔یقیناً اللہ تعالیٰ ہرچیز پر گواہ ہے۔(الحج:17)

﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىِٕفِيْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (114)﴾

''اوراس سے بڑا ظالم اورکون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اوران کوویران کرنے کی کوشش کی؟ انہی لوگوں کا حق نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگرڈرتے ہوئے،ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اورآخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''(114)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1:﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ﴾ ''اوراس سے بڑا ظالم اورکون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے؟ اوران کو ویران کرنے کی کوشش کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اوراس سے بڑا ظالم اورکون ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اوران کو ویران کرنے کی کوشش کی؟'' اللہ تعالیٰ نے اسے بڑا ظالم کہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے، نیکی اوراطاعت کے کاموں سے، نماز پڑھنے سے اور ذکر کرنے سے روکے اور جو مسجدوں کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔

سوال2: قریش نے اللہ تعالیٰ کے عبادت خانوں میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے کیسے روکا تھا؟

جواب: 6ہجری میں قریش نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے کیسے روکا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اس کے ذکر وفکر سے روکا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اس کی عبادت سے روکا جاتا ہے۔ ﴿3﴾ مساجد میں تخریب کاری کے کام کیے جاتے ہیں۔

سوال4: مساجد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے کن لوگوں نے روکا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ عیسائیوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو عبادت کرنے سے روکا تھا اوراس کی تخریب کاری میں حصہ لیا تھا۔(ابن جریر طبری) ﴿2﴾ مشرکین مکہ جنہوں نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے گھر سے روکا تھا۔(الف) نبی ﷺ اور مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا تھا۔(ب) بیت اللہ میں مسلمانوں کو عبادت سے روکا تھا۔(ج) صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روکا تھا۔ ﴿3﴾ عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ نصاریٰ تھے جنہوں نے یہود کو بیت المقدس میں نماز پڑھنے سے روکا تھا۔اور بخت نصر بابلی مجوسی کی مدد کی تھی جس نے بیت المقدس کو تاراج کیا تھا۔ابن جریر نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔(تیسیر الرحمٰن: 65/1) ﴿4﴾ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ مساجد کی تعمیر اورانہیں ظاہری اور معنوی طور پر آباد کرنے سے بڑھ کر ایمان والی کوئی بات نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اورآخرت کے دن پر ایمان لایا۔(التوبہ:18)(تیسیر الرحمٰن:66/1) ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھروں کو بلند کرنے کا اوران کی عزت کا حکم دیا۔ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ﴾ (اس کی روشنی پانے والے) ان گھروں میں (ہوتے ہیں) جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ وہ بلند کیے جائیں۔(النور:36)

سوال5: ﴿ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ﴾ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو ویران کرنے سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: اس سے مراد معنوی اور حسی دونوں اعتبار سے ویران کرنا ہے۔ حسی ویرانی کا مطلب ہے منہدم کرنا، اجاڑنا اور ان میں گندگی پھیلانا وغیرہ۔ معنوی ویرانی کا مطلب ان مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنا ہے۔ اور یہ عام ہے اس زمرے میں وہ تمام لوگ آتے ہیں جو ان صفات سے متصف ہیں۔ اس میں اصحاب فیل بھی شامل ہیں، قریش بھی شامل ہیں، جب انہوں نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور اس گروہ میں وہ نصرانی اور اہل ظلم بھی شامل ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہوئے پوری کوشش سے بیت المقدس کو ویران کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کرتوتوں کی یہ سزا دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شرعی اور تقدیری طور پر مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے منع کر دیا سوائے اس کے کہ وہ ڈرتے ہوئے ذلت وانکسار کے ساتھ داخل ہوں۔ پس جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خوف زدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر خوف مسلط کر دیا۔ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ فتح کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے قریب جانے سے منع کر دیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً سب مشرک ناپاک ہیں چنانچہ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔ (التوبہ:28) اصحاب فیل کا جو حشر ہوا اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) اس کا ذکر فرمایا ہے۔ نصرانیوں پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مسلط فرمایا اور انہوں نے ان کو جلاوطن کر دیا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو ان جیسی صفات رکھتا ہے وہ اس سزا سے اپنا حصہ ضرور وصول کرے گا۔ یہ بہت بڑی نشانیاں ہیں جن کے واقع ہونے سے پہلے ہی باری تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا اور یہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح اس نے خبر دی تھی۔ (تفسیر سعدی:151/1) ﴿1﴾ اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت سے روکنا۔ ﴿2﴾ مساجد کو گرا دینا۔ ﴿3﴾ مساجد کی عمارتوں کو نقصان پہنچانا۔ ﴿4﴾ مساجد کو شرک سے پاک کرنے سے روکنا۔

سوال 6: مسجدیں کیسے ویران ہوتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے گھر کو اپنے فرقے کے علاوہ دوسرے فرقے والوں کے لیے بند کر دیا جائے۔ ﴿2﴾ ایسے مناظرے اور بحثیں کی جائیں کہ لوگ سکون سے اپنے رب کا نام نہ لے سکیں۔ ﴿3﴾ ایسی دلچسپیاں دے دی جائیں کہ مسجد جانے کا ہوش ہی نہ رہے۔

سوال 7: ﴿أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَن يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾ ''انہی لوگوں کا حق نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے'' اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں میں کیسے جانا چاہیے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے احساس سے دب کر جانا چاہیے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے مساجد میں جانا چاہیے۔

سوال 8: جو لوگ عبادت گاہوں کو ویران کرنے کے درپے ہیں، ان میں کیسے داخل ہوں؟

جواب: ﴿1﴾ جو عبادت گاہوں کے ویران کرنے کے درپے ہوں وہ اس میں داخل نہ ہوں۔ ﴿2﴾ جو ویرانی چاہتے ہوں وہ ڈرتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوئے عبادت گاہوں میں داخل ہوں۔

سوال 9: ﴿ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ ﴾ ''انہی لوگوں کا حق نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے'' میں کس چیز کی پیشین گوئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس میں مسلمانوں کے غلبے کی پیشین گوئی ہے۔ ﴿2﴾ مشرکین مکہ اس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے۔

سوال 10: ﴿ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے'' جو لوگ مساجد کی ویرانی کے درپے ہوں، ان کے بارے میں رب کا کیا فیصلہ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ ﴿2﴾ آخرت میں ان کے لیے بھاری سزا ہے۔

سوال 11: دنیا اور آخرت کی رسوائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کیسے مانگی جائے؟

جواب: مسند احمد کی حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے یہ دعا سکھائی ہے: اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ ''اے اللہ! تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کرنا اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے دینا۔''

﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (115) ﴾

''اور مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں چنانچہ جدھر بھی تم رخ کرو گے تو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (115)

سوال 1: ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ ''اور مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں چنانچہ جدھر بھی تم رُخ کرو گے تو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے یہاں خاص طور پر مشرق و مغرب کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ دونوں عظیم مقام ہیں جہاں سے روشنی طلوع اور غروب ہوتی ہے۔ جو رب مشرق و مغرب کا مالک ہے وہ ساری سمتوں کا مالک ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ جا رہے تھے، دوران سفر میں آپ اپنی سواری پر جدھر بھی اس کا رخ ہوتا نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ ابن عمر فرماتے ہیں: اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ (البقرہ:115) (مسلم:1612) ﴿2﴾ ﴿ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ﴾ یہ آیت یہودیوں کے پروپیگنڈے کے بعد نازل ہوئی کہ جو نمازیں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ادا کیں، وہ ضائع ہو گئیں۔ اس کا جواب دیا ہے کہ مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے جدھر بھی رخ کریں، وہیں اللہ تعالیٰ کا رخ ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادت کے لیے خاص سمت کا تعین عبادت کی تنظیمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کیا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی خاص رخ میں ہے۔﴿4﴾ آپ جہاں بھی رخ کرو گے اللہ تعالیٰ کا رخ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس جانب رخ پھیرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو۔﴿5﴾﴿فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ سے اللہ تعالیٰ کے چہرے کا ثبوت ملتا ہے مگر جیسے اس کی ذات کے لائق ہے یقیناً اللہ تعالیٰ کا چہرہ مخلوق کے چہروں کے مشابہ نہیں۔

سوال 2: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ''تم جدھر بھی رخ کرو گے، ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا رخ ہے'' کے الفاظ انسان پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔﴿1﴾ انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔﴿2﴾ انسان کو یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ وہ میری سنتا ہے، مجھے دیکھتا ہے اور میری دعائیں قبول کرتا ہے۔

سوال 3: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ کی صفات کے یہاں لانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ وسیع فضل والا ہے، اس نے اپنے علم و فضل کی وسعت سے اپنے احکامات میں وسعت رکھی ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ علیم ہے، وہ اپنی مخلوقات، ان کی ضروریات، ان کی نیتوں اور ان کے حالات کو جانتا ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ واسع ہے وہ اپنے وسیع فضل سے ہم سے ہماری اطاعت کو قبول فرماتا ہے۔

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ(116)﴾

''اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے، وہ پاک ہے بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں۔''(116)

سوال 1: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد بنا رکھی ہے، وہ پاک ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس ظلم پر کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا یہ جواب دیا ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ وہ پاک ہے۔﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـــُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے اپنے مونہوں کی بات ہے، وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کرتے ہیں جنہوں نے ان سے پہلے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے! وہ کہاں سے بہکائے جا رہے ہیں؟ (التوبہ:30) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ابنِ آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس کا مجھے جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ میرے لیے اولاد بتاتا ہے، میری ذات اس سے پاک ہے کہ میں اپنے لیے بیوی یا اولاد بناؤں۔'' (صحیح بخاری:4482) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تکلیف دہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے، مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور پھر بھی وہ انہیں معاف کرتا ہے اور انہیں روزی دیتا ہے۔'' (صحیح بخاری:7378) ﴿2﴾ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق دیا۔ ان کی گستاخیوں پر تحمل سے کام لیا۔ پاک ہے وہ ذات جس میں اہل شرک اور اہل ظلم نے نقص تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ﴿3﴾ ﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ہر کمال اس کی ذات کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ ہر قسم کی نسبت سے پاک ہے۔ ﴿4﴾ کوئی چیز کسی پہلو سے بھی اس کی ذات یا صفات یا حقوق میں شریک نہیں۔ ﴿5﴾ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی غلام اور مخلوق ہے پھر اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے کی پہلی دلیل ہے۔

سوال 2: ﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کا خالق اور مالک ہے۔ سب اس کی ملکیت میں اور اس کے غلام ہیں۔ ﴿2﴾ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے اور وہ بے نیاز ہے۔ ﴿3﴾ وہ اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے، اس نے اپنی مخلوق کو مسخر کر رکھا ہے۔ ﴿4﴾ جب وہ بے نیاز ہے تو کوئی اس کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ بیٹا جسم کا حصہ ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے۔ اور مخلوق مملوک ہے ایسا ہونے کے باوجود اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟

سوال 3: ﴿كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: سب اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جاؤ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے مخلوق ایک حیثیت میں ہے۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزار ہے یعنی خالق کی تدبیر کے تحت ہے یہ قنوت عام ہے، جب کہ قنوت خاص سے مراد اطاعت عبودیت ہے۔

﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ(117)﴾

''آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کو وہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔'' (117)

سوال 1: ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''آسمانوں اور زمین کا موجد ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بغیر کسی گزشتہ نمونے کے بہترین اور مضبوط ترین بنایا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے رب ہونے سے جب کہ وہ پہلی بار نہیں تھے اپنے بدیع ہونے کا شعور دلایا ہے کہ موجودگی ثابت کرتی ہے کہ وہ ہیں اور پہلے ایسا کچھ نہ تھا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نئے سرے سے پیدا ہوئے ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو بغیر کسی سابق مثال کے پیدا کیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس طرح اس نے مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے کلمہ کن سے پیدا کیا۔لفظ بدعت اسی سے ماخوذ ہے۔ ہر وہ بات جو اسلام میں نئی پیدا کی جائے اور جس کی تائید قرآن وسنت سے نہ ملے اسے بدعت کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرُ الْهُدٰى هُدَى مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْاُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ حمد وثنا کے بعد (یادرکھو) بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(صحیح مسلم:2005) اسلام میں ہرنئی بات بدعت ہے۔

سوال 2: ﴿ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ ''اور وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کو وہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ کائنات کی ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے۔کسی کو اس کے سامنے انکار کی جرات نہیں،کوئی نافرمانی نہیں کرسکتا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے کہ ہو جائے تو وہ ہو جاتا ہے۔پھر اسے اولاد بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ ﴿3﴾ ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ یقیناً اس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اسے کہہ دیتا ہے ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔(یٰس:82)

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ(118) ﴾

''اور جو لوگ علم نہیں رکھتے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح ان کی بات کی طرح ان لوگوں نے کہا جو ان سے پہلے تھے،ان سب کے دل ایک جیسے ہو گئے۔یقیناً ہم نے آیتیں صاف صاف بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں۔''(118)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ﴾ ''اور جو لوگ علم نہیں رکھتے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: وہ یہودی تھے۔(جامع البیان:597/1) ﴿2﴾ ﴿ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ ﴾ اللہ تعالیٰ رسولوں سے کلام کرتا ہے وہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔﴿3﴾ ﴿ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ﴾ ''یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی'' وہ اپنی ناقص عقل اور ناقص رائے سے رسولوں کے سامنے مطالبات رکھتے تھے۔مثلاً ﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ ﴾ اہل کتاب آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب اتار لائیں،سو وہ تو یقیناً موسیٰ سے اس سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ بڑا سوال کر چکے ہیں۔(النساء:153)﴿ وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَيَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ‌ؕ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا ۙ‏ اَوۡ يُلۡقٰٓى اِلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ تَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاۡكُلُ مِنۡهَا‌ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴾اورانہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے؟ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا؟ یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا اور ظالموں نے کہا کہ تم تو ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے چلتے ہو۔ (الفرقان:8,7)

سوال 2:﴿ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ﴾''اسی طرح ان کی بات کی طرح ان لوگوں نے کہا جو ان سے پہلے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودیوں کی اپنے رسولوں کے ساتھ بھی یہی عادت رہی ہے۔وہ ہدایت کے لیے نہیں محض بحث برائے بحث کے لیے مطالبات کرتے تھے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تو انہوں نے مطالبات کرنے کی حد ہی کر دی مثلاً انہوں نے کہا:﴿ وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ يَنۡۢبُوۡعًا ﴾اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی بہتا چشمہ جاری نہ کر دیں۔(بنی اسرائیل:90)﴿ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً ﴾ ہم ہرگز آپ پر یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ دیکھ لیں۔(البقرہ:55)

سوال 3:﴿ تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ﴾''ان سب کے دل ایک جیسے ہو گئے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے اگلوں پچھلوں کی ذہنیتیں ایک جیسی ہیں۔﴿2﴾ آج کے یہودی کفر اور سرکشی میں اپنے سے پہلے لوگوں کے مشابہ ہو گئے۔

سوال 4: سارے اگلے پچھلے انسانوں کے دل ایک جیسے کیسے ہو جاتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾اگلے پچھلے لوگ سرکشی میں ایک جیسے ہیں۔﴿2﴾ سرکشی کی وجہ سے حق کی دعوت دینے والوں کے سامنے کیے گئے مطالبات رکھنے میں ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔

سوال 5:﴿ قَدۡ بَيَّنَّا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴾''یقیناً ہم نے آیتیں صاف صاف بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں'' میں کن آیات کا تذکرہ کیا گیا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے اگرچہ نشانیاں صاف صاف نمایاں کر دی ہیں لیکن وہ فائدہ انہی کو دیتی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔﴿2﴾یقین کی روشنی میں ہی آیات پر غور و فکر کیا جا سکتا ہے۔﴿3﴾یقین کی روشنی میں ہی آیات سے ہدایت حاصل کی جا سکتی ہے۔﴿4﴾اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نشانیاں کسی کے اندر یقین پیدا نہیں کر سکتیں بلکہ یقین کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 6: ﴿لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ میں کس یقین کی بات کی گئی ہے؟

جواب: اس میں نشانیوں کے من جانب اللہ ہونے کے یقین کی بات ہے۔

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْــَٔـلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (119)﴾

''یقیناً ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے اہل دوزخ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔'' (119)

سوال 1: ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' ﴿1﴾ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ﴾ بے شک ہم نے آپ کو بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿بِالْحَقِّ﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے۔ ابن کیسان نے کہا: اسلام اور تیسرے معنی سچ کے ہیں۔ (زاد المسیر: 121/1) ﴿3﴾ اس میں گواہی ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور حق سے مراد دین اسلام ہے جو قرآن وسنت کا نام ہے۔ (تیسیر الرحمٰن: 68/1) ﴿4﴾ ﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ بشیر سے مراد ہے جنت کی خوش خبری دینے والا۔ نذیر سے مراد ہے جہنم کا خوف دلانے والا۔ ﴿5﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت کی خوشخبری دینے والے اور آگ سے ڈرانے والے ہیں۔ (ابن ابی حاتم: 216/1) ﴿6﴾ مومنوں کو ثواب کی خوش خبری دینے والے اور کافروں کو عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ (تفسیر قاسمی: 240/2) ﴿7﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے کہ: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر بطون قریش کو آواز لگانا شروع کی۔ اے بنی فہر اے بنی عدی! یہاں تک کہ سب کے سب اکٹھے ہو گئے حتیٰ کہ کوئی آدمی خود نہ جا سکتا تھا تو اس نے اپنا قاصد بھیج دیا کہ دیکھو معاملہ کیا ہے؟ غرض قریش آ گئے اور ابولہب بھی آ گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا'' تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچ مانو گے؟ لوگوں نے کہا: ہاں ہم نے آپ پر سچ ہی کا تجربہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو میں تمہیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس پر ابولہب نے کہا: غارت ہو تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا ہے۔ اس پر سورۃ اللھب نازل ہوئی'' ابولہب کے دونوں ہاتھ غارت ہوں اور وہ خود غارت ہو گیا'' (بخاری: 4801) ﴿8﴾ یہ ان آیات پر مشتمل ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ لے کر نازل ہوئے اور یہ تین امور کی طرف راجع ہیں۔ (الف) رسول اللہ ﷺ کی رسالت۔ (ب) آپ ﷺ کی سیرت طیبہ، آپ ﷺ کا طریقہ اور آپ ﷺ کی راہ نمائی۔ (ج) قرآن وسنت کی معرفت۔ پہلا اور دوسرا نکتہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّآ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَرۡسَلۡنٰكَ میں داخل ہے اور تیسرا نکتہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد بِالۡحَقِّ میں داخل ہے۔نکتہ اول: یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور رسالت کی توضیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل اہل زمین کی جو حالت تھی وہ معلوم ہے۔اس زمین کے رہنے والے بتوں، آگ اور صلیب کی عبادت میں مبتلا تھے۔ان کے لیے جو دین آیا انہوں نے اسے تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔یہاں تک کہ وہ کفر کی تاریکیوں میں ڈوب گئے اور کفر کی تاریکی ان پر چھا گئی تھی۔البتہ اہل کتاب کی کچھ باقیات تھیں (جو دین اسلام پر قائم رہیں) اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تھوڑا سا پہلے ناپید ہو گئیں۔یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو عبث اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا اور نہ اس کو بے حساب وکتاب آزاد چھوڑا ہے کیونکہ وہ حکیم ودانا، باخبر، صاحب قدرت اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔پس اس کی حکمت اور اپنے بندوں پر اس کی بے پایاں رحمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ان کی طرف ایک نہایت عظمت والا رسول مبعوث کرے جو انہیں ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دے جس کا کوئی شریک نہیں۔ایک عقل مند شخص محض آپ ﷺ کی رسالت ہی کی بناء پر آپ ﷺ کی صداقت کو پہچان لیتا ہے اور یہ اس بات کی بہت بڑی علامت ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔رہا دوسرا نکتہ۔۔۔تو جس نے رسول اللہ ﷺ کو اچھی طرح پہچان لیا اور اسے آپ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ کی سیرت، آپ ﷺ کے طریق زندگی اور آپ کی کامل ترین خصلتوں پر آپ کی نشوونما کی معرفت حاصل ہو گئی۔پھر بعثت کے بعد آپ کے مکارم، عظیم اور روشن اخلاق بڑھتے چلے گئے۔پس جنہیں ان اخلاق کی معرفت حاصل ہو گئی اور انہوں نے آپ کے احوال کو اچھی طرح جانچ لیا تو اسے معلوم ہو گیا کہ ایسے اخلاق صرف انبیاء کاملین ہی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اوصاف کو اصحاب اوصاف اور ان کے صدق وکذب کی معرفت کے لیے سب سے بڑی دلیل قرار دیا ہے۔رہا تیسرا نکتہ۔۔۔تو یہ اس عظیم شریعت اور قرآن کریم کی معرفت ہے جسے رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا جو سچی خبروں، اچھے احکام، ہر برائی سے ممانعت اور روشن معجزات پر مشتمل ہے۔پس تمام نشانیاں ان تین باتوں میں آ جاتی ہیں۔بَشِيْرًا یعنی آپ ﷺ اس شخص کو دنیاوی اور اخروی سعادت کی خوشخبری سنانے والے ہیں جس نے آپ کی اطاعت کی۔وَّنَذِيْرًا اور اس شخص کو دنیاوی اور اخروی بدبختی اور ہلاکت سے ڈرانے والے ہیں جس نے آپ کی نافرمانی کی۔(تفسیر سعدی:155/1،156)

سوال 2: نبی ﷺ سے یہ کیوں کہا گیا کہ تم سے اہل دوزخ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا؟

جواب: آپ ﷺ سے یہ بات کہی گئی کہ اگر لوگ ہدایت قبول نہ کرنے کے نتیجے میں دوزخ میں پہنچ جاتے ہیں تو آپ ﷺ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے۔

﴿ وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ (120) ﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اور یہودی اورعیسائی آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں۔آپ کہہ دیں کہ یقیناً (حقیقی) ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اور یقیناً اگر اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا، آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ سے (بچانے میں) نہ آپ کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔“(120)

سوال 1: ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ ”اور یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو خبر دی کہ یہود ونصاریٰ آپ ﷺ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ﷺ ان کے دین کی پیروی نہ کریں کیونکہ وہ اپنے دین کو ہی اصل حق سمجھتے ہیں۔اس لیے آپ ﷺ انہیں خوش کرنے اور اپنے مطابق بنانے کی خواہش ترک کردیں لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے انہیں حق کی طرف بلاتے رہیں۔﴿2﴾ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ یہود ونصاریٰ کے پاس ہدایت نہیں ہوائے نفس ہے اور وہ دوسروں کو اسی کی طرف بلاتے ہیں اور اس میں امت اسلامیہ کے لیے شدید وعید ہے کہ اگر قرآن وسنت کا علم آجانے کے بعد یہود ونصاریٰ کی راہ اپنائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔(تیسیر الرحمٰن 68/1:)

سوال 2: یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے راضی کیوں نہیں ہوسکتے؟

جواب: یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں اور انسان جس سے حسد کرتا ہے اس سے آخر کیسے راضی ہوسکتا ہے؟

سوال 3: وہ کون سی واحد صورت ہے جس میں یہود ونصاریٰ راضی ہوسکتے ہیں؟

جواب: یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے راضی ہونے کے لیے صرف ایک قیمت مانگتے ہیں کہ مسلمان ان کی ملت کی پیروی کریں۔

سوال 4: کیا آج کے دور میں یہود ونصاریٰ کو راضی کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں؟

جواب: آج کے دور میں بھی یہود ونصاریٰ کو راضی کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں کہیں دین کا نیا ایڈیشن نکال کر اور کہیں ان کی شرائط کے مطابق چل کر۔

سوال 5: ﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ ”آپ کہہ دیں کہ یقیناً (حقیقی) ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿هُدَى اللّٰهِ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کا صحیح، سچا اور سیدھا دین ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ﴾ اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔(آل عمران:85)﴿2﴾ یہاں ہدایت سے وہ انداز حجت مراد ہے جو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو سکھایا گیا جس سے وہ گمراہ فرقوں کو جواب دیتے تھے۔(مختصر ابن کثیر:78/1)﴿3﴾ ﴿هُوَ الْهُدٰى﴾ وہی دین ہے جس پر آپ چل رہے ہو اور جس پر یہود ونصاریٰ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چل رہے ہیں، وہ خواہشات کا دین ہے۔اس لیے رب العزت نے ان کی خواہشات اختیار کرنے سے روکا ہے۔

سوال 6: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ ''اور یقیناً اگر اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا، آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ تعالیٰ سے (بچانے میں) نہ آپ کا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے جس میں آپ ﷺ کی امت بھی داخل ہے۔﴿2﴾اگر آپ ﷺ نے ان کی خواہشات کی اتباع کی تو آپ کا کوئی ولی نہیں ہوگا جو آپ کو نفع پہنچائے اور نہ نصیر ہوگا جو آپ کو سزا سے بچائے۔(زادالمسیر:123/1)﴿3﴾ کوئی بھی آدمی اگر کسی انسان کی مرضی یا رائے کو مقدم کرنے کے لیے قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو نظرانداز کردیتا ہے وہ اس آیت کے ضمن میں آئے گا اور اس آیت میں موجود تحدید و وعید اس کو شامل ہوگی۔(تیسیرالرحمٰن:68/1)﴿4﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی یہودی ہو یا عیسائی میری بات سنے (شریعت) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں (یعنی اسلام) اور وہ اس پر ایمان نہ لائے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔(مسلم:386)

سوال 7: یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کرنے کا اللہ تعالیٰ نے کیا انجام بتایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (121)﴾

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔''(121)

سوال 1:﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ﴾ سے مراد اہل کتاب کے صالح لوگ ہیں۔﴿2﴾﴿يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ ''وہ اسے پڑھتے ہیں جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے'' وہ اس قرآن کی اتباع کرتے ہیں جیسا کہ پیروی کرنے کا حق ہے۔یہاں تلاوت سے مراد اتباع ہے۔﴿3﴾وہ اللہ تعالیٰ کے حلال ٹھہرائے ہوئے امور کو حلال اور اس کے حرام ٹھہرائے ہوئے امور کو حرام سمجھتے ہیں۔اس کی محکمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس کی متشابہات پر ایمان لاتے ہیں۔اہل کتاب میں سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانا اور اس کے شکر گزار ہیں۔ (تفسیر سعدی:157/1) ﴿4﴾ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب آیت رحمت سے گزر ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب آیت عذاب کی تلاوت کرتے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ (مسند احمد:23629، مسلم:1814) ﴿5﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت جنت کا سوال کیا جائے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔ ﴿6﴾ حق تلاوت یہ ہے کہ قرآن مجید کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا جائے۔ جس طرح اترا ہے اس طرح پڑھا جائے اور اس میں ردوبدل نہ کیا جائے۔ محکم آیات پر عمل کیا جائے۔ متشابہات پر ایمان لایا جائے۔ (مختصر ابن کثیر:78/1) ﴿7﴾ تلاوت کے معنی پیروی کے بھی آتے ہیں۔ تلاوت کا حق تب ادا ہوتا ہے جب اس کتاب کی پیروی کا حق ادا کیا جائے۔ قرآن حکیم کی پیروی انسان کو جنت کے باغوں میں لے جائے گی۔

سوال 2: ﴿أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہی لوگ کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب بھی کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر (یعنی مسجد) میں اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے ایک دوسرے کو پڑھاتے ہیں، ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور رحمت الٰہی انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور فرشتے ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنے پاس موجود مخلوق میں کرتا ہے۔“ (صحیح مسلم:6853) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے، روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اسے دن کے وقت کھانے اور پینے سے روک دیا تھا، اس کے متعلق میری سفارش قبول فرما اور قرآن مجید کہے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اسے رات کو نیند سے روکا تھا، میری سفارش قبول فرما اور دونوں کی سفارش کو قبول کر لیا جائے گا۔“ (صحیح ترغیب:984) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قرآن مجید پڑھنے والے کو کہا جائے گا پڑھتا جا چڑھتا جا اور ترتیل کر، جیسے تو دنیا میں ترتیل کیا کرتا تھا، تیرا ٹھکانہ وہاں ہے جہاں تو آخری آیت تلاوت کرے گا۔“ (سنن ابوداؤد:1464) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید پڑھنے والے مومن کی مثال سنگترے کی سی ہے جس کا مزہ بھی لذیذ ہوتا ہے اور جس کی خوشبو بھی بہترین ہوتی ہے اور قرآن مجید نہ پڑھنے والے مومن کی مثال کھجور کی سی ہے جس کا مزہ تو عمدہ ہوتا ہے لیکن اس میں خوشبو نہیں ہوتی اور اس بدکار (منافق) کی مثال جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے نیازبو کی سی ہے کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہوتی ہے لیکن مزہ کڑوا ہوتا ہے اور اس بدکار کی مثال جو قرآن کی تلاوت بھی نہیں کرتا اندرائن کی سی ہے جس کا مزہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور اس میں کوئی خوشبو بھی نہیں ہوتی۔ (بخاری:5020) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”قرآن حکیم کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر:197/1)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: کتاب اللہ کے ساتھ کفر کا کیا مطلب ہے؟

جواب: کتاب اللہ کے احکامات کو ماننے سے اوران پر عمل پیرا ہونے سے انکار کرنا۔

سوال 4: ﴿ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴾ ''اور جو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کریں وہی خسارہ پانے والے ہیں'' اس سے مراد یہ ہے کہ جو اہل کتاب نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔

رکوع نمبر 15

﴿ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ (122) ﴾

''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی اور یقیناً میں نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی تھی۔'' (122)

سوال 1: ﴿ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تمہیں عطا کی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمت یاد دلائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت کی نعمت کو یاد کرو۔

سوال 2: ﴿ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴾ ''اور یقیناً میں نے تمہیں جہانوں پر فضیلت دی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی اپنے زمانے کے جہان پر فضیلت عطا کی تھی۔ ﴿2﴾ یہ بات یہاں تاکید کے لیے لائی گئی ہے تاکہ نبی ﷺ کی اتباع کا شوق پیدا ہو جن کی بشارتیں اہل کتاب اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔

﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (123) ﴾

''اور ڈرو اس دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے۔'' (123)

سوال 1: ﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا ﴾ ''اور ڈرو اس دن سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو قیامت کے دن کے عذاب سے ڈرایا ہے کیونکہ انہوں نے تورات میں تحریف کی اور محمد ﷺ کی تکذیب کی۔ (تفسیر منیر: 325/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ ”جس میں کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو قیامت کے دن سے ڈرایا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا﴾ جس دن کوئی نفس کسی دوسرے کے کام نہیں آئے گا صرف اس کا عمل اس کے کام آئے گا۔ ﴿3﴾ ﴿وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ جس دن فدیہ لے کر کسی کو چھوڑا نہیں جائے گا اور نہ سفارش قبول کی جائے گی۔ ﴿4﴾ ﴿وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ اور ان سے عذاب نہیں ہٹایا جائے گا۔

سوال 3: بنی اسرائیل میں آخرت کے حوالے سے کیا غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں؟

جواب: ﴿1﴾ کوئی ہمارے بدلے میں کام آجائے گا۔ ﴿2﴾ فدیہ قبول کرلیا جائے گا۔ ﴿3﴾ سفارش کام آئے گی۔ ﴿4﴾ کہیں سے ہمیں مدد پہنچ جائے گی۔

سوال 4: بنی اسرائیل کو اپنی نعمت یاددلانے کے بعد عقیدۂ آخرت کو واضح کیا گیا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان آخرت کی جواب دہی کے احساس سے ہی اپنے فرائض ادا کرتا ہے۔ ﴿2﴾ بنی اسرائیل کو اپنے فرائض ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

سوال 5: آج مسلمانوں کے عقیدۂ آخرت میں کیا مسائل پائے جاتے ہیں؟

جواب: مسلمانوں کے عقیدۂ آخرت میں وہی خرابیاں ہیں جو بنی اسرائیل کے اندر تھیں: ﴿1﴾ کوئی ہمارے بدلے میں کام آجائے گا۔ ﴿2﴾ فدیہ قبول کرلیا جائے گا۔ ﴿3﴾ شفاعت کا غلط عقیدہ ہے۔ ﴿4﴾ کوئی ہماری مدد کو پہنچ جائے گا۔

سوال 6: اگر کسی قوم کا عقیدۂ آخرت خراب ہو تو اس کے انفرادی اور اجتماعی اعمال میں کس قسم کی تبدیلی آتی ہے؟

جواب: اگر کسی قوم کا عقیدۂ آخرت خراب ہو تو اس میں سرکشی آجاتی ہے۔ انفرادی اور اجتماعی اعمال کے سلسلے میں غیر ذمہ داری، فرض ناشناسی، خواہش پرستی، دنیا کی محبت اور دیگر ساری برائیاں عود کر آتی ہیں۔

﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ (124)﴾

”اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو اس نے ان سب کو پورا کردیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یقیناً میں تمہیں سب لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں“ ابراہیم نے کہا: ”اور میری اولاد میں سے بھی“؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میرا عہد ظالموں کو نہیں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پہنچتا۔‘‘(124)

سوال 1:﴿ وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ﴾’’اور جب ابراہیم کواس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو اس نے ان سب کو پورا کردیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بنی اسرائیل اپنا جدّ امجد سمجھتے تھے۔ان سے نسبت کو اپنے لئے اعزاز سمجھتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کی سرکشیوں کے بعد نسبت یاددلائی ہے تاکہ وہ اپنے رویئے پر نظر ثانی کریں اور ربّ کی طرف لوٹ آئیں۔﴿2﴾ اللہ رب العزت نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے جن کو اہل کتاب اور مشرکین مکہ سب اپنا پیشوا مانتے تھے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو چند باتوں میں آزمایا اور وہ اس امتحان میں پورے اترے۔﴿4﴾ ابتلاء کے متعلق سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ وہ دس خصائل ہیں جن کا فطرت انسانی کی اصلاح سے گہرا تعلق ہے اور ابراہیم علیہ السلام ان میں کامیاب نکلے یعنی ان پر پوری طرح عمل کیا۔دس باتیں یہ ہیں: (i) کلی کرنا۔(ii) ناک میں پانی ڈالنا۔ (iii) کنگھا کرنا۔(iv) مونچھیں ترشوانا۔(v) مسواک کا استعمال کرنا۔(vi) ختنہ کرنا۔ (vii) بغل کو صاف کرنا۔(viii) بال زیر ناف صاف کرنا۔(ix) ناخن کٹوانا۔(x) پانی سے طہارت کرنا۔(تفسیر سراج البیان:43/1)﴿5﴾ رب العزت نے ان کی مساعئ جمیلہ کی قدر کی اور انہیں امام بنانے کی خوش خبری دی۔

سوال 2: آزمائشیں کیوں آتی ہیں؟

جواب: جب کوئی اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑا کام سونپنا چاہتا ہے تو بڑی آزمائشیں آتی ہیں۔آزمائش کھرے کھوٹے کی پہچان بتادیتی ہے۔کسی انسان کے مقام کو واضح کردیتی ہے کہ کون کس درجے پر فائز ہونے کے لائق ہے۔

سوال 3: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آزمائشیں کون سی تھیں؟

جواب:﴿1﴾ گھربار چھوڑنا پڑا۔﴿2﴾ نمرود کے دربار میں حق بات پیش کرنے کی پاداش میں آگ میں پھنکوایا گیا۔﴿3﴾ بیوی اور شیر خوار بچے کو رب کے حکم سے ویرانے میں چھوڑنا پڑا۔﴿4﴾ بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔

سوال 4: سیدنا ابراہیم علیہ السلام تمام آزمائشوں میں کس طرح پورے اترے؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام آزمائشوں میں ایسے پورے اترے کہ اللہ تعالیٰ نے تعریف کی﴿ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴾اور ابراہیم تو وہ ہے جس نے وفا کا حق ادا کردیا۔(النجم:37)

سوال 5:﴿ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ﴾’’یقیناً میں تمہیں سب لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ رب العزت نے فرمایا آپ کو لوگوں کا امام،راہ نما بناؤں گا۔لوگ آپ کے طریقہ زندگی کی پیروی کریں گے۔آپ کو اجر عظیم بھی ملے گا اور لوگوں میں بھی ہمیشہ آپ کی مدح وثناء کا سلسلہ جاری رہے گا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 6: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جو فضیلت اور درجات ملے، اس کا فیصلہ کب کیا گیا؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بڑی سختیوں کے ساتھ آزمایا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سچے فرماں بردار ثابت ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قربانی کی قیمت پر کسی مقصد کو اختیار کرنے والا ہی اس مقصد کے راستے میں سب سے آگے ہوتا ہے۔

سوال 7: سیدنا ابراہیم علیہ السلام تمام آزمائشوں میں پورے اترے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا انعام ملا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو انسانوں کا راہ نما بنایا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام انسانوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے تھے، بھلائی کے کاموں میں سب سے آگے تھے۔ وہ لوگوں کے محبوب قائد تھے۔

سوال 8: امامت کا معیار کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ امامت وقیادت ان لوگوں کا حق ہے جو اپنے شعور سے، اپنے عمل سے، اپنے ایمان سے اپنے آپ کو قیادت کا مستحق ثابت کر دیں۔ ﴿2﴾ امامت کے استحقاق کے لیے بنیادی شرط عدل وانصاف ہے۔

سوال 9: ﴿ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ﴾ ''ابراہیم نے کہا: ''اور میری اولاد میں سے بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند مقام عطا فرمایا تو انہوں نے خوش ہو کر اپنی اولاد کے لیے بھی درخواست کی تاکہ ان کی اولاد کو بھی بڑے درجات ملیں اور یہ دعا بھی کی کہ اولاد میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت پانے والوں کی کثرت ہو۔ ﴿2﴾ رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ انسانی فطرت کے اندر یہ طلب موجود ہوتی ہے کہ اس کا سلسلہ اس کی اولاد کے ذریعے جاری رہے۔ اسی فطری جذبے کے تحت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تاکہ ان کی اولاد میں بھی اصلاح کا سلسلہ جاری رہے۔

سوال 10: ﴿ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالم دین میں امامت کے مقام تک نہیں پہنچے گا کیونکہ ظلم اس مقام کے منافی ہے۔

سوال 11: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرا وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچتا'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کس وعدے کا تذکرہ ہے؟

جواب: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے امامت کا وعدہ ہے جو ظالموں تک نہیں پہنچتا۔

سوال 12: اللہ تعالیٰ نے کسے ظالم کہا ہے؟

جواب: قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر ظلم کو واضح کیا گیا ہے: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی حدود سے نکل جانے والے ظالم ہیں۔ ﴿2﴾ شرک کرنے والے ظالم ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نام کی یاد سے روکنے اوران کو ویران کرنے کی کوشش کرنے والے ظالم ہیں۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی گواہی کو چھپانے والے ظالم ہیں۔ ﴿6﴾ رب کی نصیحت سے منہ پھیرنے والے ظالم ہیں۔

﴿ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (125) ﴾

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن بنایا اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ آپ دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔'' (125)

سوال 1: ﴿ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ ﴾ ''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن بنایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کو لوگوں کے لیے لوٹنے کی جگہ بنا دیا وہاں بار بار جانے کے باوجود جانے والوں کا دل نہیں بھرتا اور اللہ تعالیٰ نے اس حرمت والے گھر کو امن کی جگہ قرار دیا۔ جہاں جنگلی جانور، نباتات، جمادات بھی امن میں رہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی یہ گھر حرمت والا تھا، اسلام آنے کے بعد بھی اس کی حرمت اور شرف میں اضافہ ہوا ہے۔

سوال 2: بیت اللہ کی کن دو خصوصیات کو یہاں بیان کیا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ ہے۔'' ﴿ مَثَابَةً ﴾ لوٹنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ انسان اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے تو لوٹنے کی جگہ کو مرکز کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ گھر مرکز ہے۔ مثابہ ثواب سے بنا ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں لوگ بار بار اس کی طرف کھینچ کر آتے ہیں اور اس کی بہاروں سے ان کا دل نہیں بھرتا۔ ﴿2﴾ ﴿ وَاَمْنًا ﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مومن کے دل میں زیارت خانہ کعبہ کی خواہش ہر دم کروٹیں لیتی رہتی ہے۔ ایک بار زیارت کر کے لوگ اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو دوبارہ زیارت کی خواہش پھر پیدا ہو جاتی ہے اور اس گھر کا زائر امن میں ہوتا ہے۔ دور جاہلیت میں آدمی اپنے بھائی یا باپ کے قاتل کو کعبہ کے سامنے پاتا اور اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ یہ سب ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت تھی۔ (تیسیر الرحمٰن: 70/1) یہ امن کی جگہ ہے یعنی کسی دشمن کا بھی یہاں خوف نہیں رہتا۔ بیت اللہ میں اسلحہ نہیں لایا جاتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی تھی: ﴿ رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴾ اے ہمارے رب! یقیناً میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس اس وادی میں آباد کیا ہے جو کھیتی والی نہیں ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، سو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دیں اور آپ انہیں پھلوں کا رزق دیں تا کہ وہ شکر ادا کریں۔ (ابراہیم:37) دعا قبول ہوئی جب تک بیت اللہ باقی رہے گا، اس کا اثر باقی رہے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ وَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَكۡفُرُوۡنَ ﴾ اور کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ یقیناً ہم نے حرم کو پر امن بنایا ہے؟ حالانکہ لوگ ان کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟ (العنکبوت 67) ﴿ اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰٓى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴾ اور کیا ہم نے انہیں ایک پرامن حرم میں جگہ نہیں دی؟ جس کی طرف ہماری جناب سے رزق کے طور پر ہر قسم کے پھل کھینچ کر لائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں۔ (القصص:57) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ پر فرمایا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس شہر (مکہ) کو حرمت والا بنایا ہے (یعنی عزت دی ہے)۔ پس اس کے (درختوں کے) کانٹے تک بھی نہیں کاٹے جا سکتے، یہاں کے شکار بھی نہیں ہنکائے جا سکتے اور ان کے علاوہ جو اعلان کر کے مالک تک پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہوں، کوئی شخص یہاں کی گری پڑی چیز بھی نہیں اٹھا سکتا ہے۔'' (صحیح بخاری:1587) ﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اگر لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر کا حج چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ آسمان کو زمین پر پٹخ دے گا۔'' (مختصر ابن کثیر:79/1)

سوال 3: ﴿ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ ''اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ'' مقام ابراہیم کو جائے نماز بنانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد ہے کہ مقام ابراہیم کو صلوٰۃ کی جگہ قرار دے دیں۔ ﴿2﴾ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کی تھی۔ اس پتھر پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں۔ اس پتھر کو ایک شیشے اور پیتل کے جنگلے میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنا سنت ہے۔ ﴿3﴾ جائے نماز بنانے سے مراد طواف کی دو رکعت ہیں جو مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا مستحب ہے۔ ﴿4﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر ہم مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھتے تو کیا ہی بہتر ہوتا! جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔'' (جامع ترمذی:2959) عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت کی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کاش مقام ابراہیم کو آپ نماز پڑھنے کی جگہ بنا دیتے تو یہ آیت ﴿ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ نازل ہوئی کہ تم لوگ مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ۔ (بخاری کتاب التفسیر:4483)

سوال 4: ﴿ وَعَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآئِفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴾ ''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ آپ دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو'' بیت اللہ کو پاک رکھنے سے کیا مراد ہے؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ اصل پاکیزگی یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا نام بلند نہ ہو۔﴿2﴾ اس کو شرک، کفر، معاصی اور رجس وگندگی سے پاک کریں۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے اپنے گھر کے بارے میں کیا وعدہ لیا تھا؟

جواب: اس گھر کو طواف، اعتکاف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔

سوال6: اس آیت میں بیت اللہ میں کس کام کو انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: اس آیت میں بیت اللہ میں عبادت یعنی طواف، اعتکاف، رکوع اور سجدے کرنے والوں کے لئے بیت اللہ کی صفائی کا حکم دیا گیا ہے۔﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾ اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھیں۔(الحج:26)

سوال7: بیت اللہ میں لوگوں کی مصروفیت کیا ہوتی ہے؟

جواب:﴿1﴾ رکوع وسجود یعنی نماز پڑھنا۔﴿2﴾ طواف کرنا۔﴿3﴾ اعتکاف کرنا۔﴿4﴾ تلاوت قرآن کرنا۔

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ(126)﴾

''اور جب ابراہیم نے کہا:''اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس کے باشندوں کو پھلوں میں سے رزق عطا فرما جو ان میں سے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اور جس نے کفر کیا تو میں اسے بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر اسے آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا اور وہ بدترین لوٹنے کی جگہ ہے۔''(126)

سوال1:﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾''اور جب ابراہیم نے کہا:''اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس کے باشندوں کو پھلوں میں سے رزق عطا فرما جو ان میں سے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اسے امن کی جگہ بنائے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں میں سے رزق عطا فرمائے۔﴿2﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا ادب کرتے ہوئے اہل ایمان کی قید لگائی۔

سوال2: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے کیا دعائیں مانگیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اس شہر(مکہ) کوامن کا شہر بنادیجئے۔﴿2﴾اس شہر کے رہنے والوں میں سے جولوگ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کو مانیں، انہیں ہرقسم کے پھلوں کارزق دیجئے۔﴿3﴾کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں ہماری خدمت کوقبول فرمایئے۔﴿4﴾ہمیں اپنااطاعت گزار بنایئے۔﴿5﴾ہماری نسل میں سے ایسے لوگ اٹھایئے جوتیرے مسلم ہوں۔﴿6﴾ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتایئے۔﴿7﴾ہماری کوتاہیوں سے درگزرفرمایئے۔﴿8﴾ان لوگوں میں انہی کی قوم میں سے ایک رسول مبعوث فرمایئے جوانہیں تیری آیات سنائے، انہیں کتاب اورحکمت کی تعلیم دے اوران کی زندگیاں سنواردے۔

سوال3: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے صرف اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پرایمان رکھنے والوں کے لیے رزق کی دعا کیوں مانگی؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب امامت کے بارے میں درخواست کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے واضح کردیا تھا کہ ظالموں کے لئے نہیں۔اسی وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رزق کے لئے دعا کی تو مومن اولا دہی کے لئے دعا کی۔

سوال4:﴿قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اورجس نے کفرکیا تو میں اسے بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھراسے آگ کے عذاب کی طرف بے بس کردوں گا''اللہ تعالیٰ نے انکارکرنے والوں کے لیے تھوڑے فائدے کا وعدہ کیا ہے۔اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: تھوڑے فائدے سے مراد دنیا کا رزق ہے۔

سوال5:﴿وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾''اوروہ بدترین لوٹنے کی جگہ ہے''اللہ تعالیٰ نے انکارکرنے والوں کا کیا انجام بتایا ہے؟

جواب: رب العزت نے فرمایا:جوانکارکرے گااس کودنیا کی زندگی میں تھوڑافائدہ دوں گا۔پھراس کوآگ کے عذاب میں دھکیلوں گا جوبہت براٹھکانہ ہے۔سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ کی طرف داخل ہورہے تھے اورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں طرف تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کا ایک بچہ جوچھوٹے کانوں والا تھا'اسے مراہوادیکھا۔(اس کا کان ایک طرف سے چیربھی دیا گیا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کان پکڑکرفرمایا:تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لیناپسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:ہم میں سے کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لیناپسند نہیں کرتا اورہم اسے لےکرکیا کریں گے(کیونکہ یہ تو مردارہے)۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:کیاتم چاہتے ہوکہ یہ تمہیں مل جائے؟صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:اللہ قسم!اگر یہ(بھیڑ کا بچہ)زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردارہے(اسے کون لے گا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اللہ کی قسم!اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دنیااس سے بھی زیادہ ذلیل ہے کہ جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردارذلیل ہے۔(مسلم:7418)سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اگر دنیااللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پرکے برابربھی اہم ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافرکوایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔''(ترمذی:2320)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَـٰعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ (127) ﴾

''اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو انہوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (127)

سوال 1: ﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَـٰعِيلُ ﴾ ''اور جب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر بنانے کا موقع کب دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو بہت آزمایا۔ اتنی آزمائشوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر بنانے کا موقع دیا۔ امام بخاری نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اور ان کی ماں کی خیریت معلوم کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو چکے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے ربّ نے جو آپ کو حکم دیا ہے اسے کیجئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: تم میری مدد کرو گے؟ کہا: ہاں۔ میں آپ کی مدد کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں ایک گھر بناؤں۔ جب دونوں نے مل کر اس گھر کی بنیاد اونچی کر لی تو اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے رہے اور ابراہیم علیہ السلام جوڑتے رہے۔ جب مکان اونچا ہو گیا تو وہ پتھر (مقام ابراہیم) لائے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام جوڑتے رہے اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر لا لا کر دیتے رہے۔ دونوں بیت اللہ کے گرد گھوم گھوم کر جوڑتے رہے اور کہتے رہے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴾ (بخاری: 3364)

سوال 2: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ ﴾ ''تو انہوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس دعا میں ربّ کا یقین ہے، عاجزی ہے، اخلاص ہے، خشوع وخضوع ہے اور اس کے پیچھے صرف رضائے الٰہی کی سوچ ہے۔ ﴿2﴾ ابن ابی حاتم نے وہیب الورد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے اور کہتے تھے خلیل الرحمٰن! آپ اللہ تعالیٰ کا گھر بنا رہے تھے اور ڈر رہے تھے کہ کہیں آپ کا عمل قبول نہ کیا جائے معلوم ہوا کہ مومن مخلص عمل کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اس کا عمل اس کے منہ پر نہ مار دیا جائے۔ (تیسیر الرحمٰن: 72/1) یعنی اے اللہ ہمارے خلوص وایثار کو قبول فرما۔ گو وہ نہیں جانتے تھے کہ کعبہ کی تعمیر ایک قوم وملت کی تعمیر ہے۔ انسانیت کے مرکز عظمیٰ کی بنیادیں ہیں جو رکھی جا رہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کے بارے میں دنیا کو معلوم ہو جائے کہ خلوص کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا قیمت ہے۔ قبولیت کے لیے ظاہری ذرائع کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اخبار ورسائل یا محراب ومنبر گو اس وقت شہرت کا ایک کامیاب ذریعہ ہیں لیکن اللہ کے نزدیک اس نوع کی شہرت جس میں خلوص وحسن نیت نہ ہو وبال ایمان ہے۔ ایک اللہ کا بندہ شہروں سے دور جنگلوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اگر خلوص وحسن نیت کے ساتھ کہیں ڈیرہ ڈال کے بیٹھ جائے تو تم آج بھی دیکھ لوگے کہ شہر اور شہر کے تمام اسباب شہرت اس کے قدم چومیں گے اور جنگل میں منگل کا لطف پیدا ہو جائے گا۔ بات یہ ہے کہ ہم مخلص نہیں اور پھر یہ گلہ بھی ہے کہ کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ کا منظر اگر آج بھی دیکھنا ہو تو ابراہیمی ذوق وشوق پیدا کرو۔ (تفسیر سراج البیان: 44/1)

سوال 3: ﴿إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ''یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دعائیں سننے سے سمیع ہونے کا اور قبول کرنے سے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ(128)﴾

''اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے دکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، یقیناً تو بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، نہایت رحم والا ہے۔''(128)

سوال 1: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دعاؤں سے کیا بات جھلک رہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دونوں اللہ تعالیٰ کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ ﴿2﴾ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا ہوا ہے۔ ایسی سپردگی جس کی مثال نہیں ملتی۔ اپنے تمام تر معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کئے ہیں۔ ﴿3﴾ پھر رب سے دعا مانگ رہے ہیں کہ ایسا بنا دے کہ سارے معاملات تیرے سپرد کر دیں۔ عبادت کے طریقے بھی فوری سکھا دیجئے۔ نسلوں کو بھی عبادت کے طریقے سکھا دیجئے۔ ﴿4﴾ یہ شعور جھلکتا ہے کہ اصل قوت اور اقتدار کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿5﴾ یہ یقین جھلکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توجہ کے بغیر، اس کی رحمت کے بغیر معافی نہیں ملے گی۔ اس لئے درخواست کرتے ہیں کہ ہم پر توجہ فرمائیے، آپ ہی توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں۔

سوال 2: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنے لیے فرماں بردار بنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک امت اپنے لیے فرماں بردار بنا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا ﴿وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ سے ان کی کس تمنا کا اظہار ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس دعا سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ہر مومن کی پہلی تمنا کا پتہ چلتا ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس دولت سے ان کو محروم نہ رکھے۔ ﴿2﴾ امت مسلمہ ایک دوسرے کی مددگار رہوتی ہے اور نسلوں تک ان کے عقیدے کی پختگی جاری رہتی ہے۔ اسی وجہ سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں مومن کی پہلی ترجیح جھلک رہی ہے کہ آنے والی نسلوں میں ایمان کی دولت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سلسلہ جاری رہے۔

سوال 3: ﴿ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا ﴾ ’’اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے دکھا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد ہے کہ ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھایئے۔ ﴿2﴾ یعنی ہمیں ارادے اور مشاہدے کے ذریعے ہمارا طریقہ عبادت سکھا دیجیے۔ ان کی دعا کا حاصل علم نافع اور عمل صالح کے لیے توفیق مانگنا ہے۔

سوال 4: ﴿ وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ ’’اور ہماری توبہ قبول فرما، یقیناً تو بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، نہایت رحم والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمایئے۔ بندہ توبہ کا محتاج ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ اللہ تعالیٰ نے توبہ کے قبول کرنے سے اپنے التواب اور الرّحیم ہونے کا شعور دلایا ہے یقیناً وہ بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ ان کی غلطیوں کے باوجود ان کے گناہ معاف فرماتا ہے۔

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (129) ﴾

’’اے ہمارے رب! اوران لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اوران کو پاک کرے، یقیناً تو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔‘‘ (129)

سوال 1: ﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ ’’اے ہمارے رب! اوران لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی اے ہمارے رب! ہماری اولاد میں بھی رسول مبعوث فرما تاکہ وہ درجات کی بلندی کا سبب بنے۔ سب اس کی فرماں برداری کریں۔

سوال 2: ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ ﴾ ’’جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی وہ حفظ کرنے اور کروانے کے لیے تیری آیات کی تلاوت کریں۔

سوال 3: ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ ’’اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی معنی سمجھاتے ہوئے کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں۔

سوال 4: کتاب و حکمت سے کیا مراد ہے؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: کتاب وحکمت سے مراد قرآن وحدیث ہیں۔

سوال5: ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ ''اوران کو پاک کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی اعمال صالحہ کے ذریعے ان کی تربیت کرے اور برے اعمال سے بچائے کیونکہ برے اعمال کے ساتھ انسان پاک نہیں رہ سکتا۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے لیےکون سی چار چیزوں کا اہتمام کرنے کی دعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اورسیدنا اسماعیل علیہ السلام نے مانگی تھی؟

جواب: ﴿1﴾ تلاوت آیات یعنی قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام کرنا۔ ﴿2﴾ تعلیم کتاب یعنی قرآن مجید کی تعلیم دینا۔ ﴿3﴾ تعلیم حکمت یعنی اس سے مراد حدیث کی تعلیم دیناہے۔ ﴿4﴾ تزکیۂ نفس یعنی شرک،توہمات اوراخلاق کی خرابیوں سے پاک کرنا ہے۔

سوال7: رسول کے اندرکن خصوصیات کی دعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام اورسیدنا اسماعیل علیہ السلام نے مانگی تھی؟

جواب: ﴿1﴾ رسول اللہ تعالیٰ کی آیات سنائے یعنی اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیوں کو،ان کے اشارات کوکھولے۔ ﴿2﴾ رسول ایسی نظر سے دیکھنا سکھائے جس سے راہ نمائی حاصل کرنے والے ہر چیز میں اپنے ربّ کو دیکھنے کے قابل ہوجائیں۔ ﴿3﴾ رسول اللہ تعالیٰ کے کلام کوخود سیکھ کر،اسے قبول کرکے دوسرے انسانوں تک پہنچائے۔ ﴿4﴾ رسول حکمت یعنی بصیرت سکھائے۔وہ خوداپنے ذہن کوقرآن کی تعلیمات میں ڈھالے،اپنی فکرکوروشن کرے،صحیح فیصلے تک پہنچنے کی اہلیت پیدا کرے اورجن کی راہ نمائی کرنی ہے انہیں بھی اس قابل بنائے۔ ﴿5﴾ رسول تزکیہ کا کام کرے یعنی ایسے انسان تیارکرے جن کے سینے اللہ تعالیٰ کی محبت کے علاوہ ہرمحبت سے خالی ہوں۔ ﴿6﴾ رسول انسان کونفسیاتی پیچیدگیوں سے آزادکرے۔وہ انسانوں کواس قابل بنادے کہ وہ کائنات سے اپنے شعور کے لیے رزق پاسکیں۔

سوال8: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا کب اورکیسے پوری ہوئی؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعاایسے پوری ہوئی کہ ان کی نسل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کومبعوث فرمایا گیا۔اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعااورسیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اوراپنی والدہ کا خواب ہوں۔

سوال9: ﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ''یقیناً توسب پر غالب،کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ آپ ہی غلبہ اورحکمت رکھنے والے ہیں۔ ﴿2﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا آخری حصہ ہے جس میں وہ رب سے کہتے ہیں کہ آپ جانتے ہیں کہ اس امت کی تنظیم کس طرح سے ہوگی؟ مرکز کیسے آباد ہوگا؟ ﴿3﴾ آپ کے پاس سارااقتدار ہے۔آپ ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک رسول مبعوث فرما دیجئے جس کے توسط سے خیر کا سلسلہ جاری رہے۔

رکوع نمبر 16

﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (130) ﴾

”اور کون ہے جو ابراہیم کی ملت سے منہ موڑے مگر وہی جس نے خود کو بے وقوف بنالیا ہو حالانکہ ہم نے اسے (ابراہیم کو) دنیا میں چن لیا تھا اور بلاشبہ وہ یقیناً آخرت میں صالحین میں سے ہوگا۔“ (130)

سوال 1: ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ﴾ ”اور کون ہے جو ابراہیم کی ملت سے منہ موڑے مگر وہی جس نے خود کو بے وقوف بنالیا ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ یہود و نصاریٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے بے رغبتی اختیار کی اور یہودیت اور نصرانیت جیسی بدعات کو گھڑ لیا جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں تھیں اور ملت ابراہیم کو چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ملت ابراہیم پر اپنا نبی بنا کر بھیجا۔ (الدرالمنثور: 255/1) ﴿2﴾ ﴿ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ﴾ سے مراد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یعنی خالص اور واضح اسلام اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا طریقہ۔ ﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ آپ کہہ دیں: ”میرے رب نے مجھے سیدھی راہ دکھلائی ہے کہ وہ ایک مضبوط دین ہے، ملت ابراہیم ہے جو ایک ہی طرف کے تھے، مشرکوں میں سے نہ تھے۔“ (الانعام: 161) ﴿4﴾ ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے کہ آپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں۔ (النحل: 123) ﴿5﴾ یعنی ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کو جان لینے کے بعد اب کون ان کی ملت سے روگردانی کرے گا۔ ﴿6﴾ ﴿ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ﴾ صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جس نے اپنے آپ کو جاہل رکھا اور خسارے کے سودے میں اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔ ﴿7﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر عقل مند کوئی نہیں جو ملت ابراہیم میں رغبت رکھتا ہو۔

سوال 2: ﴿ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ﴾ ”حالانکہ ہم نے اسے (ابراہیم کو) دنیا میں چن لیا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دنیا کے حالات کے بارے میں خبر دی کہ ہم نے انہیں چن لیا۔ انہیں ایسے اعمال کی توفیق دی جن کی بنا پر وہ نیک لوگوں میں شمار ہوئے۔

سوال 3: ﴿ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ”اور بلاشبہ وہ یقیناً آخرت میں صالحین میں سے ہوگا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی آخرت کی حالت کے بارے میں رب العزت نے آگاہ فرمایا کہ وہ آخرت میں ان نیک لوگوں میں شامل ہوں گے جو بلند درجات پر ہوں گے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 4: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کیسے انسان تھے،قرآن حکیم اس مقام پر ان کا کیا تعارف پیش کرتا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی تمام آزمائشوں میں پورا اترنے والے۔《2》سب لوگوں کے پیشوا امام تھے۔《3》اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا۔ جہاں وہ عبادت کے لیے کھڑے ہوتے تھے، اسے مستقل جائے نماز بنانے کا حکم ہوا۔《4》وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کو پاک صاف رکھنے والے تھے۔《5》وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی ذات، اپنی اولاد اور اپنی قوم کی دنیا و آخرت کی بھلائیوں کے لیے دعائیں کرنے والے تھے۔《6》وہ اللہ تعالیٰ کا گھر بنانے والے تھے۔《7》وہ یکسو حنیف تھے۔《8》وہ صالح اور مسلم تھے۔《9》اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نصیحت کرنے والے تھے۔

سوال 5: رسول اللہ ﷺ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دیتے تھے، یہودی، عیسائی اور کفار مکہ سبھی اپنے آپ کو ان سے منسوب کرتے تھے پھر وہ آپ ﷺ کے مخالف کیوں ہو گئے؟

جواب: یہود دین کو قومی عزت کا نشان سمجھتے تھے جب کہ نبی ﷺ کی دعوت کے مطابق دین یہ تھا کہ انسان اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگ لے اور یکسو ہو کر اللہ والا ہو جائے۔ اس دعوت دین سے ان کے قومی عزت والے دین پر زد پڑتی تھی اس لیے وہ آپ ﷺ کے دشمن بن گئے۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ کن خصوصیات کی وجہ سے کسی کا انتخاب کرتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اسلام یعنی مکمل اطاعت اور فرماں برداری، احسان یعنی نیکی کا اعلیٰ معیار اخلاص اور رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھنے، وفاداری، یک سوئی اور فرماں برداری کی وجہ سے انتخاب کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

﴿إِذْ قَالَ لَهُۥ رَبُّهُۥٓ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ (131)﴾

”جب اس کے رب نے اس سے کہا: ”فرماں بردار ہو جا“ تو اس نے کہا: ”میں جہانوں کے رب کا فرماں بردار ہو گیا۔“ (131)

سوال 1:﴿إِذْ قَالَ لَهُۥ رَبُّهُۥٓ أَسْلِمْ﴾ ”جب اس کے رب نے اس سے کہا: ”فرماں بردار ہو جا“ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اخلاص اور فرماں برداری کا حکم دیا۔《2》اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اخلاص، کمال عبودیت اور توحید و اسلام پر ثابت رہنے کا حکم دیا، تو انہوں نے رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ (تیسیر الرحمٰن: 73/1)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: ”أَسْلِمْ“ اسلام لانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اپنی سوچ، اپنے خیال، اپنے جذبات، اپنے احساسات اور اپنے عمل کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بننا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: ایک انسان اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار کس طرح بنتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک، حاکم، آقا اور معبود مان کر۔ ﴿2﴾ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ڈھال کر۔ ﴿3﴾ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی گزار کر حقیقتاً انسان اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔

سوال 4: ﴿ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ ''تو اس نے کہا: ''میں جہانوں کے رب کا فرماں بردار ہو گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں خالص توحید اور محبت کے ساتھ رب العالمین کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہوں۔ ﴿ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴾ یقیناً میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف متوجہ کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، یک سو ہو کر، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ (الانعام:79)

﴿ وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِیۡهِ وَیَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (132) ﴾

''اور اس کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب نے بھی: ''اے میرے بیٹو! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو منتخب کیا ہے، تو ہرگز نہ تم مرنا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو۔'' (132)

سوال 1: ﴿ وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِیۡهِ وَیَعۡقُوۡبُ ﴾ ''اور اس کی وصیّت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب علیہ السلام نے بھی'' ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کس چیز کی وصیت کی؟

جواب: ﴿1﴾ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو توحید کی وصیت کی اور اسے ایک ایسا کلمہ بنا دیا جو باقی رہا حتیٰ کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو کلمہ توحید کی وصیت کی۔ ﴿2﴾ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو فرماں بردار بننے کی وصیت کی۔

سوال 2: ﴿ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴾ ''اے میرے بیٹو! یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کو منتخب کیا ہے، تو ہرگز نہ تم مرنا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو'' سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کیا وصیت کی تھی؟

جواب: سیدنا یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو چن لیا ہے لہٰذا اس دین کو قائم کرو، اس کی شریعت پر عمل کرو، اس دین کے رنگ میں رنگے جاؤ پھر اسلام کے سوا کسی اور حالت پر تمہیں موت نہ آئے۔ اسی دین کے اخلاق و اوصاف پر زندگی گزارو گے تو اسی پر موت آئے گی اور ان ہی کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے میں رکاوٹیں آئیں، تم اسلام پر عمل کرنے سے نہ رکنا۔ غلبہ اسلام کی تمنائیں ٹوٹیں، تم نہ ٹوٹنا تم اسی دین پر قائم رہنا۔

سوال 3: دین سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: دین سے مراد زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ﴾ یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔ (آل عمران:19)

سوال 4: ﴿ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے تمہاری زندگی کے لئے اسلام کو بطور دین منتخب کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یقیناً دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے۔

سوال 5: ﴿ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ''تو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو'' اس بات سے سیدنا یعقوب علیہ السلام کی کس چاہت کا اندازہ ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے ایک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا صالح انسان کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ مرتے ہوئے بھی اس کے دل ودماغ پر کیا بات چھائی ہوئی ہے۔ اس دنیا کو چھوڑتے ہوئے بھی یہ فکر ہے کہ اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑ رہے ہیں۔ ﴿2﴾ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام قدیم ہے۔ وہی سارے انبیاء کی دعوت رہی ہے۔ اس کی ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام نے وصیت کی۔ انہوں نے کہا اسلام کو لازم پکڑلو، اس پر دوام اختیار کرو اور اس کو نہ چھوڑنا یہاں تک کہ تم وفات پا جاؤ۔ (تفسیر منیر:346/1)

﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَاۗىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰــهًا وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (133) ﴾

''کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی؟ جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: ''میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے''؟ انہوں نے کہا: ''ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے لیے فرماں بردار ہیں۔'' (133)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: کیا آپ ﷺ نہیں جانتے کہ یعقوب علیہ السلام نے جس دن وفات پائی اس دن یہودیت کی وصیت کی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ ﴾ (تفسیر ابی سعود:297/1)

سوال 2: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ﴾ ''کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی؟'' سیدنا یعقوب علیہ السلام کی موت اور وصیت کا ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل تھا۔ ان ہی کی نسل میں سے بنی اسرائیل تھے۔ ان سے یہود کی گہری وابستگی تھی۔ ان کی موت کا معاملہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور وصیت کا معاملہ یہود کو اندر سے ہلا دینے والا ہے۔ یہود کو زجر و توبیخ کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت کی تھی؟ اگر وہ کہیں کہ موجود تھے تو جھوٹے ہیں اور اگر کہیں کہ نہیں تھے تو یہ ثابت ہو گیا کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ کیا وصیت کی گئی تھی۔

سوال 3: ﴿ **اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ** ﴾ ’’جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: ’’میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟‘‘ سیدنا یعقوب علیہ السلام کو اپنی موت کے وقت کس چیز کی فکر سب سے زیادہ تھی؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا یعقوب علیہ السلام کو اپنی موت کے وقت سب سے زیادہ اپنی اولاد کے ایمان اور عبادت کی فکر تھی۔ ﴿2﴾ ان پر جب اپنی موت کے آثار ظاہر ہوئے تو انہوں نے امتحان کے طور پر اپنے بیٹوں سے دریافت کیا تاکہ بیٹوں کے وصیت پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے سکون نصیب ہو۔ ﴿3﴾ ﴿ **مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ** ﴾ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ یعقوب علیہ السلام نے ان کے توحید اور اسلام پر قائم رہنے کے بارے میں پوچھا اور ان سے اس پر ثابت قدم رہنے کا عہد لیا۔ ﴿4﴾ قرآن حکیم لوگوں کو دو بنیادی امور پر اتفاق کی ترغیب دلاتا ہے۔ ان میں سے پہلا توحید اور شرک اور اس کی اقسام سے برأت ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور تمام اعمال میں اس کے لیے خضوع اور اسلام وہ ہے جس کی طرف قرآن نے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی۔ انہوں نے اس اسلام کی دعوت نہیں دی جن معنوں میں وہ آج کل معروف ہے۔ (تفسیر مراغی:124/1) ﴿5﴾ سارے انبیاء کی وصیت توحید اور اسلام پر قائم رہنے کی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ مشرکین پر بہت گراں ہے جس کی طرف آپ انہیں دعوت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے لیے چن لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اپنی طرف اس کو راستہ دکھاتا ہے، جو رجوع کرتا ہے۔ (الشوریٰ:13)

سوال 4: ﴿ **نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا** ﴾ بیٹوں کے اس جواب میں کیا بات جھلکتی نظر آتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ان الفاظ سے بیٹے اپنے دین کو پہچان لیتے ہیں اور اس ورثے کو قبول کرتے ہیں۔ یعنی ہم اس الٰہ کی عبادت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے آباء کا معبود ہے جس کے وجود اور اس کی عبادت کے واجب ہونے پر عقلی اور حسی دلائل قائم ہیں۔ اس کے ساتھ احکامات پر عمل کرنے والے، خضوع کرنے والے، اس کی عبودیت کا اعتراف کرنے والے اور ہر معاملے میں اس کی طرف رخ کرنے والے ہیں۔ اس دور میں بتوں، ستاروں اور حیوانات کی عبادت ہوتی تھی۔ (تفسیر مراغی:124/1) ﴿2﴾ ان الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی نسلوں تک یہ دین چلتا رہا۔ ہاں یہودی ان کی وفات کے وقت موجود نہیں تھے۔ یہ خبر رب العزت نے دی ہے کہ یعقوب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت کی نہیں دین اسلام کی وصیت کی تھی۔

سوال5: ﴿ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴾ ”اور ہم اسی کے لیے فرماں بردار ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اسلام کا مطلب ہے اپنے آپ کو حوالے کر دینا، سپرد کر دینا۔ اسلام شعوری طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ عبادت اسلام لانے کے بعد کے تقاضوں میں سے ہے یعنی انہوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اب یہاں کہا ہم اس کے فرماں بردار ہیں تو انہوں نے توحید اور عمل کو جمع کر دیا۔

﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (134) ﴾

”وہ ایک امت تھی جو یقیناً گزر گئی، جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے اور تم سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے؟“ (134)

سوال1: ﴿ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ﴾ ”وہ ایک امت تھی جو یقیناً گزر گئی“ سے کون سی جماعت مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کی جماعت اور ان کی اولاد کی جماعت ہے۔

سوال2: ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ﴾ ”جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر آدمی کو جو کچھ ملے گا اپنے ذاتی عمل کی بنیاد پر ملے گا، کسی دوسرے کے عمل کی بنیاد پر نہیں۔ ﴿2﴾ یہ بات اس لیے کہی گئی کہ سب جان لیں کہ دین حق ہے اور حق کے معاملے میں وراثت نہیں۔ بزرگوں کی نیکیوں کا ثواب بعد والی نسلوں کو نہیں ملتا۔ جیسے یہودی غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ثواب منتقل ہوتا ہے، آپ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ ﴿3﴾ عیسائیوں نے یہ سمجھا تھا کہ پچھلی نسلوں کے گناہ اگلی نسلوں تک منتقل ہوتے ہیں جب کہ یہ بات درست نہیں۔ گناہ وراثت میں نہیں ملتے جیسے نیکیاں وراثت میں نہیں ملتیں۔ ﴿4﴾ ہر شخص نے جو خیر اور شر کمایا تو ان کا خیر تمہیں نفع نہیں دے گا اگر تم برائی کماتے ہو۔ (البحر المحیط: 214/1) ﴿5﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو جو کچھ ملے گا اپنے ذاتی اعمال کی وجہ سے ملے گا کسی دوسرے کے اعمال اس پر اثر انداز ہونے والے نہیں ہیں۔ ﴿6﴾ ہر شخص کا عمل اس کا اپنا عمل ہے اس پر اللہ تعالیٰ اسے جزا دے گا۔

سوال3: ﴿ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ ”اور تم سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کام کرتے تھے۔ ﴿2﴾ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کسی کے گناہوں کا مؤاخذہ دوسرے سے نہیں کرے گا۔ ہر شخص کو اس کا ایمان اور تقویٰ کام آئے گا۔ لہٰذا یہ زعم کہ انبیاء کی اولاد ہیں ان کے طریقے پر ہیں، درست نہیں۔ اپنے حالات پر غور کرو اور دیکھو کہ کیا میرے اعمال مجھے اللہ تعالیٰ کے یہاں نجات دلا دیں گے؟

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (135)﴾

”اور انہوں نے کہا کہ تم یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے، آپ کہہ دیں (نہیں) بلکہ ابراہیمؑ کی ملت، جو ایک اللہ کا ہونے والا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔“ (135)

سوال 1: یہ آیت کب نازل ہوئی؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک یہودی نے رحمت عالم ﷺ سے کہا کہ ہم صحیح راہ پر ہیں اگر تم بھی ہماری پیروی کرو گے تو راہ پا جاؤ گے، عیسائیوں نے بھی یہی بات کہی تھی اس پر یہ آیت اتری۔ (مختصر ابن کثیر: 86/1)

سوال 2: ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ تم یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی مسلمانوں سے کہتے تھے: یہودی ہو جاؤ ہدایت ہمارے پاس ہے۔ ﴿2﴾ عیسائی مسلمانوں سے کہتے تھے کہ عیسائی ہو جاؤ ہدایت ہمارے پاس ہے۔ (تفسیر المیسر: 31/1) ﴿3﴾ یہودی کہتے تھے کہ یہودیت کے سوا کوئی دین نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ماسوا کو قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام افضل نبی ہیں اور ان کی کتاب افضل کتاب ہے اور ان کا دین بہترین دین ہے اور وہ عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا اور محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کرتے تھے اور عیسائی کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے عیسائیت کے سوا کچھ بھی قبول نہیں کرنا کیونکہ عیسائیت اس کی خاص ہدایت ہے چونکہ عیسیٰ علیہ السلام سارے انبیاء میں افضل ہیں اور ان کی کتاب سب سے جلیل القدر کتاب ہے اور ان کا دین سب ادیان سے بہتر ہے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام، تورات، محمد ﷺ اور قرآن کا انکار کرتے تھے۔ (تفسیر المراغی: 126/1)

سوال 3: ﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا﴾ ”آپ کہہ دیں (نہیں) بلکہ ابراہیم کی ملت، جو ایک اللہ کا ہونے والا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا بلکہ ابراہیم کا طریقہ اختیار کرنے پر ہدایت ملے گی یعنی توحید کا اقرار کر کے اور شرک کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے۔ ﴿2﴾ ابراہیم علیہ السلام وہ نبی ہیں جن کی پیروی کرنے میں ہدایت اور جن کی ملت کو چھوڑنا کفر اور گمراہی ہے۔ ﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

خَلِيْلًا﴾ اور دین میں اس سے اچھا کون ہے؟ جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو اور اس نے ابراہیم کی ملت کی پیروی کی، جو ایک (اللہ کی) طرف ہوجانے والا تھا اور ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے خاص دوست بنالیا تھا۔(النساء:125)

سوال 4: حنیف کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ حنیف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کو قائم کرتا ہے، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا اور اللہ تعالیٰ کے دین پر سیدھا چلتا ہے۔(ایسر التفاسیر:67,68/1) ﴿2﴾ ایسے شخص کو حنیف کہتے ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر یک سوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے۔

سوال 5: انسان ایک اللہ کا کیسے ہوجاتا ہے؟

جواب: انسان کے اندر یک سوئی پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے قبلے کا تعین کیا۔ دن میں پانچ بار اللہ تعالیٰ کے لیے یک سو ہونا سکھایا جاتا ہے۔ انسان ساری دنیا سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا رخ موڑ لیتا ہے۔ یہ حنیف ہونے کی تصویر ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بھی یہ رویہ انسان اپنی زندگی میں اپنائے۔ ﴿1﴾ اپنے ہر معاملے میں سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرے۔ ﴿2﴾ اپنی زندگی کے سارے فیصلے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے لے۔ ﴿3﴾ اپنی خواہش اور دوسروں کی مرضی کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اہمیت نہ دے۔ ﴿4﴾ اس طرح خدارخی اور یکسوئی والی زندگی اختیار کرلے۔

سوال 6: یک سوئی کا انسان کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یک سوئی سے ہی انسان غور وفکر کرسکتا ہے۔ ﴿2﴾ یک سوئی سے ایک اللہ کا ہونے سے ہی اس کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔

سوال 7: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں یک سوئی کہاں دکھائی دیتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جب عراق میں تھے تو بتوں سے کنارہ کشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر یک سو ہوگئے تھے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ذبح کرتے وقت بھی یک سو تھے۔

سوال 8: ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بہت بڑی گواہی ہے کہ وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا اس لئے مقام بلند تک پہنچا۔ ﴿2﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ یہودی یا عیسائی نہیں تھے۔ ﴿3﴾ اس آیت میں یہود ونصاریٰ پر ان کے دین کے باطل ہونے اور ملت ابراہیم کے حق ہونے کو واضح کیا گیا۔ ﴿4﴾ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سوا نہ کوئی ہدایت ہے، نہ سعادت، نہ کمال۔ (ایسر التفاسیر:68,69/1)

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ مَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (136) ﴾

”آپ سب کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اولادِ یعقوب علیہ السلام کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ ہی کے فرماں بردار ہیں۔“(136)

سوال 1: ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ”آپ سب کہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿قُوْلُوْٓا﴾ یعنی زبان سے کہو اور تمہارا دل اس کی تصدیق کرے اور تمہارے اعمال اس کے مطابق ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہوں۔ ﴿2﴾ یہی وہ قول ہے جس پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔ جیسے دل کے عقیدے کے بغیر محض زبان سے ایمان کا اقرار کرنا اور اس کا اظہار کرنا نفاق اور کفر ہے۔ ﴿3﴾ وہ قول جو عمل سے عاری ہو وہ زبان کا عمل ہے لیکن وہ تاثیر سے محروم رہتا ہے اور اس کا نفع بہت کم ہوتا ہے۔ اگر یہ قول کوئی بھلائی کی بات ہو اور دل میں ایمان بھی ہو تو اس پر اجر ملتا ہے۔ ﴿4﴾ ﴿قُوْلُوْٓا﴾ میں مسلمان اپنے عقیدے کا اعلان کرتا ہے اور اس کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔ ﴿5﴾ ﴿اٰمَنَّا﴾ ہم ایمان لائے جمع کا صیغہ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ساری امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھام لیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے رہیں یہاں تک کہ سب متحد ہو جائیں اور ان کا عمل ایک ہو جائے۔ ﴿6﴾ اس آیت سے فرقہ بندی کی مخالفت بھی نکلتی ہے۔ ﴿7﴾ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ ﴿8﴾ ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ہم اس حقیقت پر ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے، وہ ایک ہے، ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص اور عیب سے منزہ ہے۔ تمام عبادات کا اکیلا ہی مستحق ہے۔ ان عبادات میں کسی پہلو سے بھی کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔ (تفسیر سعدی:166/1)

سوال 2: اللہ رب العزت نے کس کس چیز پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب کے ساتھ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے۔ ﴿2﴾ یہ آیت کریمہ ان تمام امور پر مشتمل ہے جن پر ایمان لانا واجب ہے۔ جان لیجیے کہ ایمان، جو ان اصولوں کے ساتھ دل کی پوری تصدیق کا نام ہے اور اس کا اقرار، قلوب اور اعضاء کے اعمال کو متضمن ہے اور اس اعتبار سے اس میں اسلام داخل ہے اور اس میں تمام اعمال صالحہ بھی داخل ہیں۔ پس تمام اعمال صالحہ ایمان کا حصہ اور اس کے آثار میں سے ہیں۔ جب ایمان کا علی الاطلاق ذکر ہوگا تو مذکورہ امور ان سب میں شامل ہوں گے۔ اسی طرح جب اسلام کا علی الاطلاق ذکر کیا جائے گا تو ایمان بھی اس کے اندر داخل ہوگا۔ جب ایمان اور اسلام کا مقرون اور ایک

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ساتھ ذکر کیا جائے گا تب ایمان، قلب کے اقرار و تصدیق کا نام اور اسلام، اعمال ظاہرہ کا نام ہوگا اور اسی طرح جب ایمان اور اعمال صالحہ کو جمع کیا جائے گا (تو یہی اصول ہوگا۔) (تفسیر سعدی:165/1) کیونکہ عقیدہ دین کی اصل اور اس کی اساس ہے۔

سوال 3: ﴿وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا﴾ ''اور اس پر ایمان لائے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے'' میں قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ دونوں شامل ہیں۔ یعنی ہم قرآن و سنت پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب و حکمت کو نازل کیا۔ (النساء:113) ﴿2﴾ قرآن و سنت پر ایمان لانے میں ان تمام چیزوں پر ایمان لانا بھی شامل ہے جن کا قرآن و سنت میں ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، انبیاء کی صفات، آخرت کے حالات، غیبی امور، تمام شرعی احکامات، اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں، ثواب و عذاب پر ایمان لانا۔

سوال 4: ﴿وَمَآ أُنزِلَ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَمَآ أُوتِىَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَآ أُوتِىَ ٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ﴾ ''اور جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب علیہ السلام کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَمَآ أُنزِلَ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ﴾ کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا۔ ﴿إِنَّ هَٰذَا لَفِى ٱلصُّحُفِ ٱلْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ صُحُفِ إِبْرَٰهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿١٩﴾﴾ بے شک یہ بات یقیناً پہلے صحیفوں میں ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ (الاعلیٰ:18,19) ﴿2﴾ ﴿وَمَآ أُنزِلَ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ﴾ خاص طور پر اس آیت میں جن انبیاء و مرسلین کا ذکر ہے ان پر ایمان لانا کہ وہ بڑی بڑی شریعتیں لے کر دنیا میں آئے۔ آیت کے اس حصے میں ان تمام کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہے جو انبیاء و مرسلین پر نازل کی گئی ہیں۔ ﴿3﴾ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پچھلے انبیاء و مرسلین پر نازل ہونے والی کتابوں پر عمومی طور پر ایمان لائیں اور جس کا تفصیلی علم ہو جائے اس پر مفصل ایمان لائیں۔ ﴿4﴾ ﴿وَمَآ أُوتِىَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ﴾: اس سے مراد تورات اور انجیل ہے۔ ﴿5﴾ ﴿وَمَآ أُوتِىَ ٱلنَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انبیاء کی کتابوں اور شریعتوں پر ایمان لائیں۔ ہمیں ان کی حکومتوں اور مال و متاع پر ایمان لانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دین ہی حقیقی عطیہ ہے جو انسان کو دنیا و آخرت میں سعادت تک پہنچاتا ہے۔ ﴿6﴾ ﴿مِن رَّبِّهِمْ﴾ میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی بنیاد پر کتابیں بھیجیں، رسول بھیجے۔ اس کی ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو یوں ہی بے کار نہ چھوڑا جائے۔ رسول اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتے ہیں اور بھلائی کی دعوت دیتے ہیں اور اور برائی سے روکتے ہیں۔ ان کی دعوت ایک ہے۔ ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا﴾ اور اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں وہ یقیناً بہت زیادہ اختلاف پاتے۔ (النساء:82)

سوال 5: ﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ ''ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ یعنی یہود کی طرح جو کہتے ہیں ہم بعض پر ایمان لائے اور ہم بعض کا انکار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ کہو ہم انبیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انبیائے کرام آپس میں علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔(صحیح بخاری:3443)﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہ کیا، یہی لوگ ہیں انہیں جلد ہی اللہ تعالیٰ ان کے اجر سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(النساء:152)﴿4﴾ یہود و نصاریٰ اگرچہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سارے انبیاء اور کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ تفریق کرتے ہیں۔ کچھ پر ایمان لاتے اور کچھ کو جھٹلاتے ہیں۔ اگر وہ محمد ﷺ کو جھٹلاتے ہیں تو اپنے انبیاء اور ان کی کتابوں کی دی ہوئی خبروں کو جھٹلاتے ہیں اور یہ ان کا اپنے رسول سے کفر ہے۔

سوال6:﴿ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ ''اور ہم اللہ تعالیٰ ہی کے فرماں بردار ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ہم اپنے ظاہر و باطن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے سر جھکاتے ہیں اس کی عبودیت کے لیے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہم اس کی عبادت کو اس کے لیے خالص کرتے ہیں۔﴿1﴾ یہ آیت کریمہ توحید کی تینوں قسموں پر مشتمل ہے یعنی توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات۔﴿2﴾ یہ آیت کریمہ تمام انبیاء ورسل اور کتابوں پر ایمان لانے پر مشتمل ہے۔﴿3﴾ یہ آیت کریمہ دل، زبان اور اعضاء کی تصدیق اور اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص پر مشتمل ہے۔﴿4﴾ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کو تعلیم دینے پر مشتمل ہے کہ وہ اپنے ایمان کا اظہار کیسے کریں۔ شکر ہے اس ذات کا جس نے ایسا دین سکھایا جو دنیا و آخرت کی سعادت اور کمال تک پہنچانے والا ہے۔ پاک ہے وہ جس نے قرآن مجید جیسی معرکۃ الآراء جامع کتاب نازل فرمائی جس میں ہدایت، رحمت اور شفاء ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔ الحمدللہ۔ یا ارحم الراحمین قرآن مجید کو ہمارے دلوں کی بہار، آنکھوں کا نور اور غموں کا مداوا بنا دے۔(آمین)

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (137) ﴾

''پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ پھر جائیں تو یقیناً اب وہ مخالفت میں ہیں، چنانچہ عنقریب ان سے اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہو جائے گا اور وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(137)

سوال1:﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ ''پھر اگر وہ اس جیسی چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ﴾ یعنی اہل کتاب بھی اگر اسی طرح تمام انبیاء اور تمام کتابوں پر ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لائے ہو، اور اس میں سب سے پہلے محمد ﷺ پر ایمان لائیں، جن پر ایمان لانے کا حکم وہ اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں اور قرآن مجید پر ایمان لائیں جو آخری کتاب ہے جس میں کوئی تحریف اور تبدیلی نہیں، جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تو انہوں نے اللہ رب العزت کے سامنے سر جھکا دیا اور اس کے رسولوں میں تفریق نہ کی۔ ﴿2﴾ ﴿فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ تو ان کو سیدھے راستے کی ہدایت مل گئی یعنی راستے کا پتہ بھی لگ گیا اور وہ نفع مند علم ہے اور چلنے کا طریقہ بھی جو اعمال صالح ہیں۔ یہ راستہ جنت تک پہنچانے والا ہے۔ ہدایت توفیق کو جاننے اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے۔ اس ایمان کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ہدایت یعنی علم نافع اور عمل صلاح کی توفیق نہیں ملے گی اور اپنی منزل یعنی جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا تک نہیں پہنچیں گے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایمان معتبر ہے جس میں انسان حق کو پہچانے، حق کا اعتراف کرے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے دور میں اسی طرح ایمان لائے تھے۔ اس لیے آئندہ آنے والے انسانوں کے سامنے ان کی زندگیوں کو مثال کے طور پر رکھا کہ اگر ان جیسا ایمان لاؤ گے تب ہدایت پاؤ گے۔ ﴿4﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو اللہ تعالیٰ نے معیار اور کسوٹی قرار دیا ہے۔ اب اگر لوگ اسی طرح ایمان لائیں گے تو ہدایت یافتہ ہوں گے۔

سوال 2: ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ﴾ ''اور اگر وہ پھر جائیں تو یقیناً اب وہ مخالفت میں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''اور اگر وہ پھر جائیں'' یعنی ہدایت سے جس کی ضد علم سے محرومی اور علم کے بعد عملی گمراہی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ﴾ یہی وہ شقاق ہے یعنی دشمنی اور مخالفت جس پر وہ قائم تھے۔ یعنی علم سے محرومی اور عملی گمراہی۔ ﴿3﴾ ''اگر وہ پھر جائیں'' سے مراد ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے سے منہ پھیریں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ضد اور تعصب کی وجہ سے سیدھے راستے پر نہیں آتے۔ ﴿4﴾ شقاق میں وہ شخص مبتلا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول سے ہمیشہ متضاد راستے پر ہوتا ہے یعنی اگر ایک طرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہے تو دوسری طرف شقاق والا ہوگا۔ ﴿5﴾ شقاق سے انتہا درجے کی عداوت پیدا ہوتی ہے ایسے دشمن رسول کو سخت ایذائیں دیتے ہیں اور اپنا وقت، مال، صلاحیتیں اپنا سب کچھ رسول کی دشمنی میں لگا دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

سوال 3: ﴿فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''چنانچہ عنقریب ان سے اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہو جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ پھر ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کافی ہے یعنی ان کی کسی ضد، مخالفت اور دشمنی سے تم خوف نہ کھاؤ۔ سیدھے راستے پر جمے رہو، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے وعدہ کیا ہے کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں ان کے لیے کافی ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سمیع ہے وہ سب کچھ سنتا ہے وہ علیم ہے سب کچھ جانتا ہے جو کچھ پیچھے ہے اور جو آگے ہے، غائب اور حاضر سب اس کے علم کے دائرے میں ہے۔ اس لیے ان کے شر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لیے کافی ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ آپ ﷺ کو غلبہ عطا کیا۔ یہ لوگ جلاوطن کر کے تتر بتر کر دیے گئے، ان کے جوان قتل ہوئے۔ ان میں سے بعض کو قیدی اور غلام بنا لیا گیا۔ ﴿5﴾ یہ آیت قرآن حکیم کے معجزات میں سے ایک معجزے کو ظاہر کر رہی ہے اور وہ ہے ایک واقعہ کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وقوع ہونے سے پہلے خبر دینا اور پھر اس کا اسی کے مطابق واقع ہونا۔《6》سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت مصحف ان کی گود میں تھا۔《فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ》کے الفاظ پر ان کے خون کے چھینٹے پڑے۔ یہ مصحف آج بھی ترکی میں موجود ہے۔《7》یہودیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ حمایت کے لئے کافی ہوگیا۔ جب بنونضیر جلاوطن ہوئے اور بنوقریظہ قتل ہوئے تو نبی ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا وعدۂ حفاظت اور نصرت پورا ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائیں گے۔

سوال 4:《وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ》یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات السمیع اور العلیم آئی ہیں، ان کی حکمت واضح کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی صفات السمیع اور العلیم اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کو ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ ہر بات اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور ہر بات کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، اس لئے وہ کافی ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور اظہار کرنے کا حکم دے کر اپنے السمیع اور العلیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کا علم رکھتا ہے اور تمہارے اقرار، اعتراف اور اظہار کو سنتا ہے، وہ السمیع ہے۔

《صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عٰبِدُونَ (138)》

''اللہ تعالیٰ کا رنگ (اختیار کرو) اور رنگ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ اچھا کون ہے؟ اور ہم اسی کے لیے عبادت کرنے والے ہیں۔''(138)

سوال 1:《صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً》''اللہ تعالیٰ کا رنگ (اختیار کرو)، اور رنگ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ اچھا کون ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《صِبْغَةَ اللّٰهِ》سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔《2》اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے کہ اس دین کے تمام عقائد اور احکامات پر تمام اوقات میں عمل کرو۔ یہاں تک کہ یہ دین تمہاری صفات میں سے ایک صفت بن جائے، تم پر اس دین کا رنگ چڑھ جائے جب تم اپنے اختیار اور دل کی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کے آگے جھک جاؤ گے، ان پر عمل کرو گے تو یہ دین تمہارا مزاج، تمہاری فطرت اور تمہاری طبیعت بن جائے گا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کپڑے کو رنگ دیا جائے تو یہ رنگ اس کی صفت بن جاتا ہے جب تم پر اس دین کا رنگ چڑھ جائے گا تو تمہیں دنیا اور آخرت کی فلاح، سعادت اور کمال حاصل ہوگا کیونکہ دین حسن اخلاق اعلیٰ درجے کے اعمال اور عالی مرتبت کاموں کو اختیار کرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔《3》《وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً》یعنی اللہ تعالیٰ کے رنگ سے اچھا کوئی اور رنگ نہیں۔ عملی طور پر آپ متضاد رنگوں کا مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ بندۂ مومن جو اپنے رب پر صحیح ایمان رکھتا ہے، اس کا دل اپنے رب کے آگے جھک جاتا ہے۔ اس کی زبان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات کرتی ہے، اس کے اعضاء اللہ تعالیٰ ور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو وہ ہر اچھی صفت سے خود کو آراستہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ احسن اعمال اور کمال درجے کے اخلاق کو اپناتا ہے اور گندی اور قبیح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صفات و عادات سے اور تمام عیوب سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتا ہے۔اس طرح قول و فعل میں سچائی، راست بازی، امانت، دیانت، ایفائے عہد، حیا، صبر، بردباری، شجاعت، پاکیزگی، قولی و فعلی احسان، حبِ الٰہی، خشیت الٰہی، توکل، اخلاص، اللہ تعالیٰ سے خوف اور امید رکھنا اس کا وصف بن جاتا ہے اور وہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے۔اگر سادگی سے دیکھیں تو مومن معبود کے لیے اخلاص اور اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرتا ہے۔اس کے مقابلے میں جس نے اپنے رب کا انکار کیا اس نے رب سے منہ موڑتے ہی بندوں کی طرف توجہ کی اور کفر، شرک، نفاق، جھوٹ، بدعہدی، دھوکہ وفریب، خیانت، مکروفریب اور اپنے اقوال و افعال سے مخلوق کے ساتھ برے سلوک جیسی بری عادات سے اپنے آپ کو متصف کیا۔جو معبود کے لیے کھوٹا ہے وہ بندوں کے لیے بھی کھوٹا ہو جاتا ہے۔وہ بندوں سے حسن سلوک نہیں کر پاتا۔اس طرح وہ فرق نمایاں ہو جاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کوئی رنگ اچھا نہیں اور جس نے غیر اللہ کا رنگ اختیار کیا اس سے برا کوئی رنگ نہیں۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کا رنگ اس کی بندگی سے چڑھتا ہے اور غیر اللہ کا رنگ پانی سے جیسے یہودی اور عیسائی نئے پیدا ہونے والے بچے کو زرد رنگ کا پانی چڑھاتے تھے اور ہر اس شخص کو بھی یہ رنگ دیا جاتا ہے جسے عیسائی بنانا مطلوب ہوتا ہے۔اس کے بغیر کسی کو پاک تصور نہیں کیا جاتا۔﴿5﴾ اس آیت کریمہ میں نزول قرآن کے دور کے یہودیوں اور عیسائیوں کی تردید کی گئی ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زرد رنگ کی کوئی حیثیت نہیں۔اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اسلام کے رنگ میں رنگو۔﴿6﴾ اللہ تعالیٰ کے رنگ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے رنگ اور ان کے طریقہ زندگی کو اختیار کرنا بندے کو ان میں شامل کروا دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی پھر وہ انہی میں سے ہے۔“ (سنن ابی داؤد: 4031)

سوال 2: یہ رنگ انسان پر کیسے چڑھتا ہے؟

جواب: یہ رنگ اللہ تعالیٰ کے دین سے چمٹ جانے سے چڑھتا ہے۔دین کو مضبوط پکڑنے سے، اس کا علم حاصل کرنے سے، اس پر عمل کرنے، اس کے دین کے پیغام کو پھیلانے سے، اس دین کا کام کرنے سے انسان پر اللہ تعالیٰ کا رنگ چڑھتا ہے۔

سوال 3: ﴿وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ﴾ ”اور ہم اسی کے لیے عبادت کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ”اور ہم اسی کے لیے عبادت کرنے والے ہیں“ اللہ تعالیٰ کے رنگ کی وضاحت ہے۔یہ رنگ دو بنیادوں کو قائم کرتا ہے (الف) اخلاص (ب) متابعت۔﴿2﴾ کیونکہ عبادت ان تمام کاموں کے لیے جامع اسم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے، وہ اقوال ہوں یا ظاہری یا باطنی اعمال ہوں۔(رسالۃ العبودیۃ: 149/10) ﴿3﴾ یہ اعمال و اقوال اس وقت تک درست نہیں قرار نہیں پاتے جب تک اللہ تعالیٰ انہیں رسول ﷺ کی زبان پر مشروع قرار نہ دیں اور اخلاص یہ ہے کہ بندہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے۔یعنی ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کے لیے اخلاص اور نبی ﷺ کی متابعت میں کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فرمائے۔(آمین)

﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (139)﴾

''آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا رب اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اس کے لیے خالص کرنے والے ہیں۔''(139)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: جب یہود ونصاریٰ نے مسلمانوں سے یہ کہا کہ انبیاء ہم میں آئے اور ہمارے دین پر تھے اور ہمارا دین تمہارے دین سے افضل اور ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔(واضح المیسر :53)

سوال 2: ﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا رب اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا﴾ کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو؟ یہ جھگڑے یہودی اور عیسائی آپس میں بھی کرتے تھے اور مسلمانوں سے بھی۔(الوسیط :223/1) ﴿2﴾ ﴿فِی اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں یعنی کیا تم اس بارے میں جھگڑا کرتے ہو کہ یہودیت اور عیسائیت ہی دین حق ہے اور تم کہتے ہو کہ ﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو۔(البقرۃ:111) اور یہ کہتے ہو ﴿كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا﴾ تم یہودی ہو جاؤ یا عیسائی تو ہدایت پا جاؤ گے۔(البقرۃ:135) ﴿3﴾ ﴿وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾ یعنی جس رب کے بارے میں تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو جب کہ سب لوگوں کا رب ایک ہے تمہارا کوئی اور رب نہیں۔ ﴿وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ﴾ لیکن اعمال اپنے اپنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی محبت تو خالص اعمال ہی سے ملے گی۔ اور یہ حالت صرف اہل ایمان کی ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں وہی اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے کہ ایمان والے ہی اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص رکھتے ہیں اور اخلاص ہی نجات کا راستہ ہے۔

سوال 3: ﴿وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ﴾ ''اور ہم اس کے لیے خالص کرنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ہم اسی کے لیے اخلاص سے عبادت کرتے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور تم شرک کرتے ہو۔(ایسر التفاسیر: 69/1)

﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ(140) ﴾

”یاتم کہتے ہو کہ یقیناً ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد سب یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دو: ”کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ“؟ اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اس گواہی کو چھپائے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے پاس ہے؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے۔“(140)

سوال1:﴿ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی ﴾ ”یا تم کہتے ہو کہ یقیناً ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد سب یہودی یا عیسائی تھے؟“ یہ بات کن سے کہی گئی اور کیوں؟

جواب:﴿1﴾ یہ یہودیوں کی طرف سے ایک اور مباحثہ ہے۔ انہوں نے یہ گمان رکھا کہ وہ رسولوں سے زیادہ قریب ہیں۔﴿2﴾ یہ بات یہودی اور عیسائی اس لئے کہتے تھے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام سے یہودی، عیسائی اور مشرک عقیدت رکھتے تھے۔﴿3﴾ اپنے دین کو سچا ثابت کرنے اور سچے دین کے بارے میں شک ڈالنے کے لئے یہ بات کہتے تھے کہ سیدنا ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق اور یعقوب یہودی تھے یا عیسائی تھے۔

سوال2:﴿ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ﴾ ”کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے رسولوں سے یہود و نصاریٰ کی قربت کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴾ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہ یکسو مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہیں تھے۔ (آل عمران:67)﴿3﴾ یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے یا عیسائی۔ اس بارے میں یا تو وہ سچے ہیں یا اللہ تعالیٰ۔ جواب اگرچہ غیر واضح ہے مگر حقیقتاً واضح ہے کہ جواب دینے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ اللہ تعالیٰ زیادہ سچا ہے۔

سوال3:﴿ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ﴾ ”اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اس گواہی کو چھپائے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے پاس ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ یہودی اور عیسائی جانتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی۔ انہوں نے اس گواہی کو چھپایا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب اپنی کتاب میں پڑھا کرتے تھے کہ سچا دین ”اسلام“ ہے۔ اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، اور ان کے بیٹے یہودیت و نصرانیت سے بری تھے۔ (تیسیر الرحمٰن:77/1) یہ سب سے بڑا ظلم تھا۔ یہ گواہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں سپرد کی گئی تھی۔ اس لیے اس کی ادائیگی ان پر لازم تھی۔ انہوں نے یہ گواہی چھپائی اور اس کی مخالف باتوں کا اظہار کیا۔﴿2﴾ انہوں نے حق کو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چھپایا، اسے بیان نہ کیا، انہوں نے باطل کا اظہار کیا، اس کی طرف دعوت دی اور ان تمام کاموں کو جمع کر دیا۔ کیا یہ سب سے بڑا ظلم نہیں؟ قیامت کے دن انہیں اس ظلم پر سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سوال 4: ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے'' اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کو اور ان کی جزا کو محفوظ کر لیا ہے اور یہ جزا جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو ظالموں کے ظلم کی جزا ہے۔

﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (141) ﴾

''وہ ایک امت تھی جو یقیناً گزر چکی، جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے اور تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔'' (141)

سوال 1: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ﴾ ''وہ ایک امت تھی جو یقیناً گزر چکی جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ﴾ یعنی انبیاء اور یہود و نصاریٰ کے اسلاف گزر چکے۔ ﴿2﴾ ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ﴾ ''جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لیے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لیے ہے'' یعنی ہر شخص کا اپنا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کے عمل کی جزا دے گا۔ کسی دوسرے شخص کے گناہوں کا اس سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ ہر شخص کو اپنا ایمان اور تقویٰ ہی نفع دے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ ﴾ یہ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی خود اس نے کوشش کی۔ (النجم: 38,39) ﴿3﴾ گزشتہ بات کی یاد دہانی کرائی ہے کہ انسان کا ذاتی عمل ہی اس کے کام آئے گا محض، انبیاء و رسل کی طرف نسبت، قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئے گی۔ اس لئے گزشتہ لوگوں کے بارے میں باتیں نہ بناؤ، تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا تم سے تو تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تم سے سوال کیا جائے گا کہ خاتم النبیین محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے یا نہیں؟ ان کی شریعت پر عمل کیا تھا یا نہیں؟ (تیسیر الرحمٰن: 77/1)

سوال 2: ﴿ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور تم سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے'' یعنی آپ کے بزرگ جو کچھ کرتے رہے ان کے بارے میں آپ سے سوال نہیں ہوگا اس لیے آپ اپنے اعمال کی فکر کر لو۔ نجات کا دارو مدار سارے کا سارا عمل پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا:''جس کا عمل اسے پیچھے کر دے اس کا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔''(مسلم:6853)《2》اللہ تعالیٰ اس آیت کو لے کر آئے تا کہ ہر کوئی اپنے عمل کی فکر کرے اور مخلوق سے اپنا تعلق منقطع کر لے یعنی ایسی نسبت جس پر بھروسہ کر کے دھوکے میں رہیں۔ اعمال ہی فائدہ دیتے ہیں نہ کہ بڑوں کی طرف انتساب۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ہمیں اپنے اعمال کی فکر نصیب فرمائے۔ نفع مند علم اور اعمال صالحہ کی رغبت نصیب فرمائے۔ یاارحم الراحمین ایسی زندگی نصیب فرمادے کہ آپ ہم سے راضی ہو جائیں۔(آمین)

رکوع نمبر17

《سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ(142)》

''جلد ہی لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ انہیں کس چیز نے ان کے اس قبلے سے پھیر دیا ہے جس پر وہ تھے؟ آپ کہہ دو: مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''(142)

سوال1: 《سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا》''جلد ہی لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے کہ انہیں کس چیز نے ان کے اس قبلے سے پھیر دیا ہے جس پر وہ تھے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ》''جلد ہی لوگوں میں سے بے وقوف کہیں گے''اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم سے یہ خبر دی ہے کہ جلد ہی لوگوں میں سے بے وقوف اعتراض کریں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کے مصالح کو نہیں پہچانتے۔《2》اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ سے پہلے اعتراضات کی خبر اس لیے دی تا کہ مومنوں کے دلوں پر اس کا اثر کم ہو اور ان کے دل زیادہ متاثر نہ ہوں۔(ایسر التفاسیر:70/9) تا کہ مومن قبل از وقت اعتراضات کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔《3》《مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا》کس چیز نے انہیں ان کے قبلے سے پھیر دیا ہے۔《4》یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی شریعت اور اس کے فضل و کرم پر اعتراض ہے۔《5》اللہ رب العزت نے یہ بات اس لیے کہی کہ عقل مند شخص کو بے وقوف کی باتوں پر دھیان نہیں دینا چاہئے۔《6》یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر وہی شخص اعتراض کرتا ہے جو بے وقوف اور جاہل ہو اور عقل مند یعنی ہدایت یافتہ مومن تو اپنے رب کے ہر حکم کی اطاعت کرتا ہے اور اس کو راضی کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔《7》رب العزت نے فرمایا:《فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ》پس! تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کو اس معاملے میں فیصلہ کرنے والا مان لیں، جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے۔(النساء:65)《8》《اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا》درحقیقت مومنوں کی بات ہی یہ ہوتی ہے جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، وہ کہتے ہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرماں برداری کی۔ (النور:51) ﴿9﴾ ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾ اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے خود اپنے معاملے میں اختیار رہو۔ (الاحزاب:36)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو ﴿ **السُّفَهَآءُ** ﴾ کہا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے یہود کو السُّفَهَآءُ (بے وقوف) کہا ہے۔ (جامع البیان) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے عرب کے مشرکوں، علمائے یہود اور منافقوں کو سفہاء کہا ہے۔

سوال 3: قبلہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قبلہ سے مراد وہ مرکز عبادت ہے جس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی جاتی ہے۔ ﴿2﴾ اصطلاحًا وہ بیت العبادت ہے جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ (سراج البیان:49/1)

سوال 4: قبلہ مقرر کرنے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: قبلہ مقرر کرنے کا اصل مقصد عبادت کو منظّم کرنے کے لیے ایک عام رخ کا تعین کرنا ہے۔

سوال 5: قبلہ اول بیت المقدس کو تقدس کیسے حاصل ہو گیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ قبلہ اول بیت المقدس کو تقدس اس لیے حاصل ہو گیا تھا کہ بیت المقدس پہلے انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہا تھا۔ ﴿2﴾ مدینہ میں رہنے والے یہودی اور عیسائی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے تھے۔ ﴿3﴾ مدینہ آنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی نازل ہونے سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی سنت پر عمل کیا، یوں بیت المقدس کو تقدس حاصل ہو گیا۔

سوال 6: قبلے کی تبدیلی کا حکم مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے کتنے عرصے بعد آیا؟

جواب: قبلے کی تبدیلی کا حکم مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے تقریباً سولہ یا سترہ ماہ کے بعد آیا۔

سوال 7: مدینہ میں ہجرت کے بعد بیت المقدس کو قبلہ کیوں ٹھہرایا گیا؟

جواب: مدینہ میں ہجرت کے بعد بیت المقدس کو قبلہ ٹھہرایا گیا۔ اس میں مہاجر مسلمانوں کی آزمائش تھی کہ جن لوگوں نے ہجرت کی ہے، کیا ان کے دلوں کی ہجرت بھی ہوئی ہے یا نہیں؟ اور گھر بار چھوڑنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق قبلے کو بھی چھوڑ دیا ہے یا نہیں؟

سوال 8: قبلے کو کیوں تبدیل کیا گیا؟

جواب: قبلے کی تبدیلی کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو امامت سے معزول کر کے امت مسلمہ کو ان کی جگہ دے دی جائے اور قیامت تک بیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المقدس کی بجائے بیت اللہ کو دین کی دعوت اور خدا پرستوں کے باہمی اتحاد کا عالمی مرکز بنا دیا جائے۔

سوال 9: قبلے کی تبدیلی کے حکم پر یہود کا پروپیگنڈا کیا تھا؟

جواب: قبلے کی تبدیلی کے حکم پر یہود کا پروپیگنڈا یہ تھا: ﴿1﴾ بیت المقدس ہمیشہ سے نبیوں کا قبلہ رہا ہے پھر اس کی مخالفت کیوں؟ ﴿2﴾ قبلے کی تبدیلی یہودیوں کی مخالفت کے لیے ہے۔ ﴿3﴾ علامہ بغوی کہتے ہیں کہ تحویل قبلہ پر یہود نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے کہا: محمد ﷺ نے ہمارے قبلہ کو حسد سے ترک کر دیا۔ (تفسیر مظہری: 180/1) ﴿4﴾ یہ نبی خود اپنے مشن کے بارے میں حیران و پریشان ہے، کبھی ایک (بیت اللہ کی) طرف رخ کرتا ہے کبھی دوسری (بیت المقدس کی) طرف۔ ﴿5﴾ اگر بیت اللہ ہی اصل قبلہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے مسلمانوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے جو نمازیں پڑھی ہیں وہ بے کار ہیں۔

سوال 10: یہود نے قبلے پر اعتراضات کیوں کیے؟

جواب: یہود نے قبلے پر اعتراضات اس لیے کیے کہ بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا جس کی منسوخی کا اعلان رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہود کو بہت ہی ناگوار گزرا، یوں بھی وہ رسول ﷺ کو اپنا دشمن اور اپنے دین کی بیخ کنی کرنے والا سمجھنے لگے تھے۔ تحویل قبلہ کے اس تازہ اعلان کو وہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی سمجھے اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرنے لگے۔ ان کے ہم نوا کچھ اور لوگ بھی منافقوں اور بے دینوں میں سے ہو گئے۔ (تفسیر ماجدی: 267,268/1) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا حسد تین چیزوں پر ہے: ایک تو یہ کہ ہفتے میں ایک دن عبادت کے لئے مخصوص کرنے کا حکم ساری امتوں کو ملا تھا، یہود نے ہفتے کے دن کو مقرر کر لیا اور انصار نے اتوار کا دن اور درحقیقت عند اللہ وہ جمعہ کا دن تھا جو مسلمانوں کے انتخاب میں آیا۔ دوسرے وہ قبلہ جو تحویل کے بعد مسلمانوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا اس کی کسی اور امت کو توفیق نہیں دی گئی۔ تیسرے امام کے پیچھے آمین کہنا۔ یہ تینوں خصلتیں صرف مسلمانوں کو میسر ہوئیں اور اہل کتاب ان سے محروم ہیں۔ (مسند احمد) (معارف: 364/1)

سوال 11: قبلے کی تبدیلی کے حکم پر کفار قریش نے کیا پروپیگنڈا کیا تھا؟

جواب: کفار قریش نے کہا تھا کہ محمد ﷺ اپنی جائے پیدائش کے مشتاق تو ہو گئے ہیں عنقریب وہ اپنے دین کی طرف بھی لوٹ آئیں گے۔ (قرطبی: 113/1)

سوال 12: مومنوں نے قبلے کے حکم سے کیا سمجھا؟

جواب: مومنوں نے قبلے کے حکم سے یہ سمجھا کہ اصل چیز قبلے کی سمت نہیں بلکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس وقت جو حکم آ جائے وہی اس وقت کا قبلہ ہوگا۔

سوال 13: ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ "آپ کہہ دو: مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں" کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ ﴿قُلْ﴾ کہہ دو۔ ﴿2﴾ ﴿لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ ''مشرق اور مغرب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں'' یعنی مشرق ومغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی سمت اس کی ملکیت سے باہر نہیں اور وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ بھی دکھاتا ہے۔اس قبلے کی طرف بھی اس نے راہ نمائی کی ہے جو ملت ابراہیم کا حصہ ہے پھر اعتراض کرنے والے اس چیز پر اعتراض کرتے ہیں جو ان کی ملکیت نہیں۔ یہ ایک وجہ اس حکم کو تسلیم کرنے کو واجب کر دینے والی ہے۔ ﴿3﴾ یعنی حکم اور تصرف کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے لہٰذا کسی سمت کی طرف منہ پھیرنا نیکی نہیں اصل نیکی فرماں برداری میں ہے۔ ﴿4﴾ قبلے کی طرف رخ نماز پڑھنے کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کرنا ہے۔عبادت میں جس طرح معبود حکم دے عبادت کرنے والا اس کا پابند ہوتا ہے۔جس طرف معبود نے رخ پھیر دیا ادھر رخ پھیرنا ضروری تھا۔ ﴿5﴾ مشرق ومغرب کی ہر سمت اللہ تعالیٰ کی ہے۔اصل بات سمت کی نہیں، ہر سمت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جا سکتی ہے اگر اس کی طرف رخ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔

سوال 14: اللہ تعالیٰ نے مشرق ومغرب کی ملکیت کا شعور دے کر کیا سمجھایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مشرق ومغرب کی ملکیت کا شعور دے کر انسان کو یہ سمجھایا ہے کہ مالک کی طرف توجہ رکھو اور اس کا حکم پورا کرنے کے پابند رہو۔

سوال 15: ﴿يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے۔ ﴿2﴾ صراط مستقیم ہی میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آنے کے بعد قبلہ ابراہیم کی طرف رخ کرنا ہے۔ ﴿3﴾ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہدایت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے ہدایت کے اسباب پیدا کر دیتا ہے اس لیے اسی سے ہدایت طلب کرنی چاہئے۔ ﴿4﴾ ہدایت اور گمراہی کے کچھ اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عدل کی وجہ سے پیدا کیے جاتے ہیں۔ ﴿5﴾ بندہ جب ہدایت کے ان اسباب کو اختیار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں تو اسے ہدایت مل جاتی ہے۔رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس کو سلامتی کے راستے کی ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کے پیچھے چلا اور وہ اپنے حکم سے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (المائدہ:16)

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (143) ﴾

’’اوراسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہوجاؤ اور رسول تم پر گواہ ہوجائیں اور جس قبلے پر آپ پہلے تھے اس کو ہم نے صرف اسی لئے (قبلہ) بنایا تھا کہ ہم جانیں کون رسول کی اتباع کرتا ہے اس سے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے؟ اور یقیناً یہ بلاشبہ بہت بڑی بات تھی مگر ان لوگوں کے لیے نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ کبھی ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کردے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر یقیناً بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔‘‘(143)

سوال1: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ ’’اوراسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا ہے‘‘اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ ’’اوراسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا ہے‘‘ اس سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کعبہ تمام کائنات کا روحانی مرکز ہے۔ اسی طرح سے مسلمانوں کو بہترین امّت بنایا گیا ہے اور انہیں عمل وتبلیغ کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں تاکہ وہ دنیا کے لئے حیات وعمل کا بہترین نمونہ بنیں۔ (سراج البیان:49,50/1)

سوال2: ﴿ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ ’’امت وسط‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ وسط کے لغوی معنی درمیان کے ہیں لیکن وسط افضل اور بہتر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (الاساس فی التفسیر:308/1) ﴿2﴾ وسط کے معنی اعتدال کے بھی ہیں یعنی دین کے ہر معاملے میں اس امت کو معتدل امت بنایا ہے۔ ﴿3﴾ امت وسط سے مراد سب سے افضل امت ہے۔ ﴿4﴾ امت وسط سے مراد اعتدال والی امت ہے جس کے معاملات میں افراط وتفریط نہیں۔ مثلاً (الف) انبیاء کے ساتھ عقیدت میں معتدل ہے جب کہ عیسائی غلو سے کام لیتے ہیں اور یہودی توہین کرتے ہیں۔ (ب) شریعت کے اعتبار سے بھی امت مسلمہ معتدل امت ہے نہ یہودیوں کی طرح سختی ہے نہ عیسائیوں کی طرح نرمی اور لاپرواہی۔ (ج) امت مسلمہ طہارت کے اعتبار سے بھی معتدل امت ہے نہ یہودیوں کی طرح سختی ہے کہ پانی ان کو نجاست سے پاک نہیں کرسکتا۔ ان کی عبادت کنیسہ کے سوا کہیں نہیں ہوتی، ان پر سزا کے طور پر طیبات کو حرام کردیا گیا اور نہ عیسائیوں کی طرح نرمی ہے کہ کسی چیز کو نجس ہی نہیں مانتے نہ ان کے ہاں کوئی چیز حرام ہے۔ انہوں نے ہر چیز کو حلال کررکھا ہے۔ امت مسلمہ کی طہارت کامل طہارت ہے۔

سوال3: امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے امت وسط کیوں بنایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو بہترین قبلہ عطا کیا، ان کے لیے طیب مشروبات، ماکولات، ملبوسات اور پاک عورتیں مباح ٹھہرائی ہیں۔ ان کے لیے تمام خبیث چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں۔ اس امت کا دین مکمل، اس کے اعمال سب سے افضل، اخلاق سب سے اچھے۔ اللہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ نے اس امت کو علم، حلم، عدل اور احسان سے نوازا ہے اور سب سے افضل قرار دیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ امت دوسروں پر گواہی دے۔ جیسا کہ سورۃ الحج میں فرمایا: ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ تا کہ رسول تم پر گواہ ہو جائیں اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ (الحج:78)

سوال 4: ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ ''تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے امت وسط اس لیے بنایا تا کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کے سبب لوگوں پر گواہ ہوں اور رسول ان پر گواہ ہوں تا کہ وہ تمام ادیان سے تعلق رکھنے والوں کے بارے میں فیصلے کریں اور ان کے بارے میں دوسرے فیصلے نہ کریں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا۔ وہ عرض کریں گے: لبیک وسعدیک یا ربّ! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ نوح علیہ السلام عرض کریں گے: میں نے پہنچا دیا تھا۔ پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا: کیا انہوں نے تمہیں میرا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ لوگ کہیں گے: ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ (نوح علیہ السلام سے) فرمائے گا: آپ کے حق میں کوئی گواہی بھی دے سکتا ہے؟ وہ کہیں گے: محمد ﷺ اور ان کی امت میری گواہ ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کی امت ان کے حق میں گواہی دے گی کہ انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا اور رسول ﷺ اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے (کہ انہوں نے سچی گواہی دی ہے)۔'' (بخاری:4487) ﴿2﴾ ''تم لوگوں پر گواہ ہو'' سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کا پیغام تمام انسانوں تک پہنچانے کے لیے ان کے ماننے والے ذمہ دار ہیں اور قیامت کے دن یہ گواہی دینی ہوگی کہ جو رسول اللہ ﷺ سے ہمیں پہنچا وہ پہنچانے میں اور جو انہوں نے ہمیں کر کے دکھایا وہ کر کے دکھانے میں ہم نے کوئی کمی نہیں کی۔ ﴿3﴾ ''رسول تم پر گواہ ہوں'' اس گواہی سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب انسانوں کا اکٹھا حساب لیا جائے گا اس وقت رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نمائندے کی حیثیت سے گواہی دیں گے کہ سوچ، عمل اور اسلامی نظام کی جو تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی تھی وہ انہوں نے اپنے قول و فعل سے پوری طرح پہنچا دی تھی۔

سوال 5: ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ ''تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ'' امت مسلمہ گواہی کی ذمہ داری پر مقرر ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ'' اس سے مراد یہ ہے کہ ﴿1﴾ اس امت کے افراد اپنے اعمال کے نیک ہونے اور اپنے حق پرست ہونے کے زندہ گواہ ہیں۔ ﴿2﴾ امت کے ہر فرد کی بات، اس کا عمل، اس کا برتاؤ دیکھ کر ساری دنیا یہ پہچان لے کہ اللہ والے کیسے ہوتے ہیں؟ نیکی کس کا نام ہے؟ حق پرستی کسے کہتے ہیں؟ ﴿3﴾ جس طرح اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی ہم تک پہنچانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری سخت تھی کہ ذرا سی کوتاہی پر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پکڑے جانے کا ڈر تھا، ایسے ہی مسلمانوں پر بھی یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے پاس یہ گواہی نہ دے سکے کہ ہم نے آپ کی ہدایت جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچی تھی آپ کے بندوں تک پہنچا دینے میں کوئی کمی کوتاہی نہیں کی تو ہم بری طرح پکڑے جائیں گے۔ہم سے یہ پوچھا جائے گا کہ جب دنیا میں نافرمانیاں ہو رہی تھیں، جب برائی اور بے حیائی کا طوفان برپا تھا تب تم کہاں تھے!

سوال 6: آخرت میں گواہی دینے سے نبی ﷺ کتنا خوف کھایا کرتے تھے؟

جواب: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ'' میں نے عرض کیا: میں پڑھ کر سناؤں جب کہ وہ تو آپ ﷺ پر نازل ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں'' چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو سورۃ النساء سنانی شروع کی۔جب میں ﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴾ پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امّت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ ﷺ کو ان پر گواہ لائیں گے، پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھہر جاؤ'' میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔(بخاری:4582)

سوال 7: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ﴾ ''اور جس قبلے پر آپ پہلے تھے اس کو ہم نے صرف اسی لیے (قبلہ) بنایا تھا کہ ہم جانیں کون رسول کی اتباع کرتا ہے اس سے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ **وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا** ﴾ ''اور جس قبلے پر آپ پہلے تھے اس کو ہم نے صرف اسی لئے (قبلہ) بنایا تھا'' اس قبلے سے مراد بیت المقدس ہے۔(جامع البیان:14/2) ﴿2﴾ ﴿ **إِلَّا لِنَعْلَمَ** ﴾ تا کہ ہم جان لیں یعنی ایسا جاننا جس سے ثواب وعقاب متعلق ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تمام امور کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کامل عدل اور اپنے بندوں پر حجت قائم کرنے کی بنا پر اس علم کے ساتھ ثواب وعقاب کا تعلق نہیں بلکہ جب ان کے اعمال وجود میں آتے ہیں تب ان پر ثواب وعقاب مرتب ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:178,179/1) لِنَعْلَمَ کا مطلب ہے تا کہ ہم اتباع کرنے والے اور منہ موڑنے والے کے درمیان امتیاز کر سکیں اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے سامنے ان کا حال منکشف ہو جائے۔(حاشیہ تفسیر سعدی:178/1) ﴿3﴾ یہاں اللہ تعالیٰ کے معلوم کرنے سے مراد دیکھنا ہے۔(فتح القدیر 192/1) اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا پھر اسے منسوخ کر کے بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا تا کہ پیروی کرنے والوں، فرماں برداروں اور دین سے پھرنے والوں کے بارے میں معلوم ہو جائے۔﴿4﴾ ﴿ **مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ** ﴾ ''کون رسول کی اتباع کرتا ہے اس سے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ کون لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی ہر بات ماننے کو ہی آخرت کی کامیابی کا ذریعہ سمجھنے والے ہیں۔﴿5﴾ ﴿ **يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ** ﴾ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جانے سے مراد جاہلیت کی طرف پلٹ جانا ہے، یعنی کون لوگ ہیں جو ابھی تک نسل، رنگ، وطن اور باپ دادا کے طریقوں کی طرف پلٹ جاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔﴿6﴾اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا:﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ کیا لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اس پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہہ دیں ہم ایمان لائے ہیں اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ اور یقیناً ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا جو ان سے پہلے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جنہوں نے سچ کہا اور یقیناً وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔ (العنکبوت:2,3)

﴿7﴾ پہلی کتابوں میں یہ خبر دی گئی ہے کہ آخری نبی کعبہ کو قبلہ بنائیں گے۔ جو حق کی پیروی کرنا چاہتا ہے اس کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے اور جو حق سے منہ موڑ لیتا ہے تو وہ نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ اس طرح اس کا کفر بڑھتا جاتا ہے۔

سوال 8: ﴿ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ﴾ ''اور یقیناً یہ بلاشبہ بہت بڑی بات تھی مگر ان لوگوں کے لیے نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاِنْ كَانَتْ ﴾ یعنی آپ ﷺ کا بیت المقدس سے منہ پھیرنا عام لوگوں کے لیے۔ ﴿2﴾ ﴿ لَكَبِيْرَةً ﴾ بہت بڑی بات ہے یعنی شاق ہے۔ اہل ایمان پر اس لیے آسان ہو گیا کہ اس گھر کا قصد کرنا ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ ﴿3﴾ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ تحویل قبلہ کے معاملے میں رسول ﷺ کی پیروی کرنا بڑا بھاری تھا سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور جنہوں نے رسول ﷺ کی ہر بات ماننے کو آخرت کی کامیابی کا ذریعہ سمجھا۔ ﴿4﴾ ﴿ اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ﴾ ''مگر ان لوگوں کے لیے نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی'' اس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے سچے پیروکار تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسان پر اللہ تعالیٰ کے عظیم گھر کی طرف رخ پھیر دیا۔ ﴿5﴾ اس آیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وفضیلت بھی نکلتی ہے کہ انہوں نے رسول ﷺ کی پیروی میں اپنا رخ شمال سے جنوب کی جانب پھیر دیا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچان لیا اور شکر ادا کیا۔

سوال 9: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کبھی ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اللہ تعالیٰ کبھی ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے'' یہاں ایمان سے مراد نماز ہے۔ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے حوصلہ دلایا ہے کہ وہ نمازیں جو تم نے تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھیں وہ ضائع نہیں ہوں گی۔ ﴿2﴾ ان لوگوں کی نمازیں بھی ضائع نہیں ہوں گی جو تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے فوت ہو چکے۔

سوال 10: نماز کو ایمان کیوں کہا گیا؟

جواب: نماز نیت، قول اور عمل پر مشتمل ہے، اس لیے نماز کو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ (قرطبی)

سوال 11: نماز کو ایمان قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے کیا شعور دلایا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ نماز کو ایمان قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دلایا ہے کہ نماز کے بغیر ایمان کی کوئی حیثیت نہیں۔ایمان اسی وقت قابل اعتبار ہوسکتا ہے جب ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہوا جائے۔﴿2﴾ ایمان میں اعضاء اور جوارح کے اعمال بھی داخل ہیں۔

سوال 12: اللہ تعالیٰ کا ایمان کی حفاظت کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا ایمان کی حفاظت کرنا دو طرح سے ہے۔﴿1﴾ ان (اہل ایمان) کو ہر فساد، ایمان میں نقص پیدا کرنے والی تکلیف دہ آزمائشوں اور ایمان سے روکنے والی خواہش نفس سے بچا کر ان کے ایمان کو ضائع اور باطل ہونے سے محفوظ رکھنا۔﴿2﴾ ایمان کی نشو ونما کے لیے انہیں ایسے اعمال کی توفیق عطا کرنا جس سے ان کے ایمان میں اضافہ اور یقین کامل حاصل ہوتا ہے۔پس ابتدائی طور پر جس نے ایمان کی طرف تمہاری راہ نمائی کی اسی طرح وہ تمہارے ایمان کی حفاظت کرے گا۔اس کو اور اس کے اجر وثواب کو نشو ونما دے کر اپنی نعمت کا اتمام کرے گا، ایمان کو مکدر کرنے والے ہر عمل سے اس کی حفاظت کرے گا، بلکہ جب ایسی آزمائشیں آئیں جن سے مقصود سچے مومن کو جھوٹے دعوے دار سے الگ کرنا ہوتو یہ آزمائشیں مومن کو کھرا ثابت اور ان کی سچائی کو ظاہر کر دیتی ہیں۔(تفسیر سعدی:179,180/1)

سوال 13:﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ”بلا شبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر یقیناً بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات رؤوف اور رحیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ عظیم رأفت ورحمت والا ہے۔اس نے ایمان والوں کو ایمان عطا کر کے ان پر اپنی نعمت کو مکمل کیا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو علیحدہ کر دیا جو ایمان کو زبانی اقرار کا معاملہ سمجھتے ہوئے صرف زبانی دعوے کرتے تھے اور ان کے دل ایمان سے خالی تھے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا امتحان لیا، ان کے درجات بلند کیے۔﴿4﴾ وہ اپنے بندوں کے لیے رؤف ہے کیونکہ وہ وسیع رحمت والا ہے۔اس لیے وہ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ نے عزت والے گھر کی طرف منہ موڑ دیا یقیناً وہ رؤف ورحیم ہے۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی جانے والی نمازوں سے اپنے رؤف اور رحیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا کیونکہ وہ لوگوں پر رحم کرنے والا ہے اور ان پر بے حد شفقت کرنے والا ہے۔

سوال 14: رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا شعور کیسے دلایا؟

جواب: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قیدی عورت جس کا بچہ چھڑا لیا گیا تھا، دیکھی۔یہ عورت دوسری عورت کا بچہ دیکھ کر ممتا سے اسے چمٹا لیتی تھی اور اپنے بچے کو ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔جب اسے اپنا بچہ مل گیا تو بے تابانہ اسے سینے سے چمٹا کر سینہ اس کے منہ میں دے دیا۔آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: کیا یہ عورت اپنا بچہ آگ میں ڈال سکتی ہے؟ جب کہ آگ میں ڈالنے پر قادر بھی ہو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: نہیں۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: خوب یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اس سے بھی کہیں زیادہ اپنے بندوں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پر مہربان ہے۔

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ(144)﴾

''یقیناً ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، تو یقیناً ہم آپ کو لازماً اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، سو آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کو اسی کی طرف پھیر لو، اور بلاشبہ وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے بے شک وہ جانتے ہیں بلاشبہ ان کے رب کی جانب سے یہ واقعی حق ہے اور جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز بے خبر نہیں۔''(144)

سوال1:﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾''یقیناً ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، تو یقیناً ہم آپ کو لازماً اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾''یقیناً ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں'' سے مراد یہ ہے کہ قبلے کی تبدیلی کے بارے میں نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل کی خواہش کو یہاں واضح کیا ہے کہ ہم آپ ﷺ کے حالات سے لاعلم نہیں۔ہم آپ ﷺ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں۔

﴿2﴾﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾''تو یقیناً ہم آپ کو لازماً اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں'' اور ہم ضرور آپ ﷺ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ ﷺ پسند کرتے ہو اور وہ ہے کعبہ۔اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے شرف کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کے پسندیدہ قبلہ کے متعلق حکم نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ نے جلدی فرمائی۔

سوال2:ہجرت کر کے مدینہ جانے کے بعد مسلمان کس طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے؟

جواب:مسلمان مدینہ ہجرت کرنے کے بعد سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

سوال3:مسلمانوں نے کس بناء پر بیت المقدس کو قبلہ بنایا؟

جواب:رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جن امور میں وحی نہیں آتی تھی ایسے کاموں میں آپ ﷺ پہلے انبیاء علیہم السلام کی پیروی کیا کرتے تھے،اسی بناء پر آپ ﷺ نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا۔

سوال4:رسول اللہ ﷺ کو قبلے کی تبدیلی کے حکم کا انتظار کیوں تھا؟

جواب:رسول اللہ ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ دین اسلام اپنی اصل شکل میں نمایاں ہو جائے۔اسی لیے آپ ﷺ کو قبلے کی تبدیلی کے حکم کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انتظار تھا۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال یہ حکم آ گیا۔

سوال5: قبلے کی تبدیلی کیوں ضروری ہو گئی تھی؟

جواب: یہود کو جب اللہ تعالیٰ نے امامت کے منصب سے ہٹایا تو یہ ضروری ہو گیا تھا کہ دین کو یہودی روایات سے الگ کر دیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کا دین اپنی خالص شکل میں نمایاں ہو سکے۔

سوال6: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ ''سو آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کو اسی کی طرف پھیر لو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''سو آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں'' اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا تھا کہ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔ ﴿2﴾ ﴿وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کو اسی کی طرف پھیر لو'' سے تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔

سوال7: ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ﴾ ''اور بلاشبہ وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے بے شک وہ جانتے ہیں بلاشبہ ان کے رب کی جانب سے یہ واقعی حق ہے'' اہل کتاب کیسے جانتے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم رب کی طرف سے ہے اور برحق ہے؟

جواب: اہل کتاب اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں کی وجہ سے یہ جانتے تھے کہ آخری نبی آئے گا تو قبلہ بیت اللہ ہو جائے گا۔ یہودی حسد، کفر اور سرکشی کی وجہ سے انہیں چھپاتے تھے۔

سوال8: کیا غیر قبلے کی طرف رخ کر کے کوئی نماز ادا کی جا سکتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سفر میں سواری پر نفلی نماز غیر قبلہ کی طرف جائز ہے جب کہ دل کا رخ بیت اللہ کی طرف ہو۔ ﴿2﴾ حالت جنگ میں غیر قبلہ کی طرف نماز جائز ہے۔ ﴿3﴾ جسے قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ کوئی بتانے والا ہو وہ اپنے اجتہاد سے قبلے کی سمت مقرر کر کے نماز پڑھ لے۔ ﴿4﴾ اگر کسی نے غیر قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ (مختصر ابن کثیر:92/1)

سوال9: ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ ''اور جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز بے خبر نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز بے خبر نہیں'' اللہ تعالیٰ نے یہود کو تنبیہ کی ہے کہ وہ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ اس میں اعتراض کرنے والوں کے لیے وعید اور اہل ایمان کے لیے تسلی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے کہ اہل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کتاب جانتے ہیں کہ یقیناً یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کے توسط سے شعور کو جھنجھوڑا ہے کہ تمہارا معاملہ کسی بے خبر ہستی سے نہیں بلکہ علیم وخبیر رب سے ہے اس لیے اپنے اعمال کی فکر کرلو۔

﴿ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ (145) ﴾

''اور یقیناً اگر آپ ان لوگوں کے پاس جنہیں کتاب دی گئی ہر نشانی لے آئیں (تب بھی) وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ کسی صورت ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ کسی صورت ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں اور یقیناً اگر آپ نے اس کے بعد جو آپ کے پاس علم میں سے آیا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تب تو یقیناً آپ ضرور ظالموں میں سے ہوں گے۔''(145)

سوال 1: ﴿ وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ ﴾ ''اور یقیناً اگر آپ ان لوگوں کے پاس جنہیں کتاب دی گئی ہر نشانی لے آئیں (تب بھی) وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے'' اہل کتاب کے پاس ہر نشانی لانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اہل کتاب کے پاس ہر نشانی لانے سے مراد قبلے کی دلیلیں لانا ہے یعنی اگر آپ ہر طرح کے دلائل دے دیں تب بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں۔

سوال 2: رسول اللہ ﷺ سے یہ کیوں کہا گیا کہ ﴿ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ﴾ ''اور نہ آپ کسی صورت ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ کسی صورت ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں''؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ﴾ ''اور نہ آپ کسی صورت ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں'' کیونکہ آپ ﷺ جانتے ہیں کہ بیت اللہ کو قبلہ بنانا اللہ تعالیٰ کی جانب سے حق ہے۔﴿2﴾ اس سے رسول اللہ ﷺ پر واضح کر دیا گیا کہ قبلے پر مصالحتی کوشش کرنے کا فائدہ نہیں۔انہوں نے گروہی تعصبات کے تحت اپنے قبلے کی سمت مقرر کی ہے اور آپ ﷺ نے رب کے حکم کے تحت۔ بنیادی فرق ہے لہٰذا سمجھوتہ ممکن نہیں۔ ﴿3﴾ اہل کتاب نے بیت اللہ کو قبلہ نہ مانا۔ان کے نہ ماننے کی وجہ ان کی خواہش پرستی تھی۔ وہ اپنی فضیلتوں کے خوابوں میں جی رہے تھے اور اس سے نکلنا نہیں چاہتے تھے۔ ﴿4﴾ ﴿ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ﴾ ''اور نہ وہ کسی صورت ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں'' یہاں ایک دوسرے سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ یہود بیت المقدس کے مشرق کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے تھے اور عیسائی بیت المقدس کے مغرب کی طرف رخ کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراضات پر توجہ دلائی ہے کہ مسلمانوں کی قبلے کی تبدیلی پر تو آپ کا مؤقف ایک ہے۔ یہ تو بتاؤ خود ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے کے لیے تیار ہو؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال3: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ”اور یقیناً اگر آپ نے اس کے بعد جو آپ کے پاس علم میں سے آیا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تب تو یقیناً آپ ضرور ظالموں میں سے ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ﴾ ”اور یقیناً اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی“ یہاں اس سے مراد اہل کتاب کی یہ خواہش ہے کہ نبی ﷺ ان کے قبلے کو اختیار کر لیں۔ ان کی ایک خواہش یہ بھی تھی کہ نبی ﷺ ان کے دین کی پیروی کر لیں۔ ﴿2﴾ ﴿مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ”اس کے بعد جو آپ کے پاس علم میں سے آیا ہے“ یہاں اس علم سے مراد دین اسلام ہے جو کہ حق ہے اور اس بات کا علم کہ کعبہ ہی قبلہ ہے۔ (تفسیر سمرقندی:101/1) ﴿3﴾ ﴿إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ”تب تو یقیناً آپ ضرور ظالموں میں سے ہوں گے“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا حکم آ چکا اور آپ ﷺ وحی کے پابند ہونے کی وجہ سے اس قبلے کو اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ اب یہ نافرمانی ہو گی اور نافرمانی ظلم ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (146)﴾

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے بالکل ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسا وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور واقعتاً ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یقیناً حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔“ (146)

سوال1: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے بالکل ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسا وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے“ اس سے مراد علماء یہود و نصاریٰ ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ ”وہ اسے بالکل ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسا وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں“ یہ ایک ضرب المثل ہے جو کسی بات کا یقین دلانے کے لیے کہی جاتی ہے۔ اس سے تین چیزیں مراد ہیں: (الف) وہ قبلے کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (ب) وہ نبی ﷺ کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (ج) وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

سوال2: ﴿وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ”اور واقعتاً ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یقیناً حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں“ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ”اور واقعتاً ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یقیناً حق کو چھپاتے ہیں“ اس سے مراد ان کے علماء اور خواص ہیں۔ (تفسیر ماوردی:204/1) ﴿2﴾ یہاں حق سے مراد محمد ﷺ کی نبوت اور کعبے کا قبلہ ہونا ہے۔ ﴿3﴾ ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ”حالانکہ وہ جانتے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہیں'' کہ وہ حق ہے یعنی محمد ﷺ کی نبوت اور کعبے کا قبلہ ہونا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم رحمت عالم ﷺ کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہو؟ بولے: ہاں بلکہ اولاد سے بھی زیادہ ۔آسمان والے امین نے زمین والے امین (عیسٰی) کو آپ کی صفتیں بتادی ہیں۔ہم ان ہی صفات سے آپ ﷺ کو پہچانتے ہیں۔ہمیں آپ ﷺ کے پیغمبر آخرالزمان ہونے میں ذرا سا شک بھی نہیں۔جیسے انسان بھرے مجمع میں لاکھوں میں اپنی اولاد پہچان لیتا ہے اسی طرح اہل کتاب آپ ﷺ کو پہچانتے ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں نبی آخری الزماں کے جو اوصاف ہیں وہ اوصاف آپ ﷺ میں پائے جاتے ہیں لیکن پھر بھی اہل کتاب اس صداقت کو چھپاتے ہیں اور آپ ﷺ کی صفات پر پردہ ڈالے ہوئے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:94/5)

سوال 3: اہل کتاب حق کو پہچاننے کے بعد اسے کیوں چھپاتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ حق سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے۔﴿2﴾ تعصب کی وجہ سے۔﴿3﴾ حق چھپا کر وہ محسوس کرتے تھے کہ ہماری بالا دستی قائم رہے گی۔

﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (147) ﴾

'' آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے، پس آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہوجانا۔''(147)

سوال 1: ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ '' آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ '' آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے'' یہاں اَلْحَقُّ سے مراد قبلے کی حقیقت ہے۔﴿2﴾ پہلا قبلہ کون سا تھا؟ اس کی وضاحت رب العزت کی جانب سے ہے۔﴿3﴾ قبلے کی تبدیلی کسی انسان کی خواہش سے نہیں بلکہ رب کے حکم سے ہوئی اور رب کا حکم حق ہے۔﴿4﴾ حق کے بارے میں شک میں مبتلا نہ ہوں۔﴿5﴾ حق پر غور وفکر کر کے یقین کے مرتبے تک پہنچ جائیں۔

سوال 2: حق بات کو قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کس صفت کا شعور دلایا ہے؟

جواب: حق کو قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے'' رَبّ '' ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو رب تمہیں پالنے والا ہے، تمہارے لئے تدبیر اور انتظام کرنے والا ہے، وہی رب حق عطا کرنے والا ہے۔اس کے دیئے ہوئے رزق کو قبول کرتے ہو، جو کچھ بھی اس کی طرف سے ہے وہ حق ہے اسے بھی قبول کرلو۔

سوال 3: ﴿ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴾ ''پس آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہوجانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''پس آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہوجانا'' اس آیت میں نبی ﷺ کو اور ان کی امت کو ثابت قدمی کا حکم دیا گیا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو کچھ رسول لے کر آئے ہیں وہ حق ہے لہٰذا اس میں شک نہ کرنا اور حق کو حق ہی سمجھنا۔

رکوع نمبر18

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ(148)﴾

''اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرنے والا ہے، سو نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو، تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔''(148)

سوال1: ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾ ''اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرنے والا ہے''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک شریعت اور ایک راستہ مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ (المائدہ:48) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے معزز رسولوں کو مبعوث فرما کر مختلف شریعتیں عطا کی ہیں تا کہ لوگ ان کی پابندی کریں۔

سوال2: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ ''سو نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿الْخَيْرَاتِ﴾ سے مراد تمام اعمال صالحہ ہیں۔ (صفوۃ التفاسیر:92/1) ﴿2﴾ ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ ''سو نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو'' سے مراد ہے کہ نیکیوں اور بھلائیوں کے حصول اور قبول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ ﴿3﴾ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: نیکی کے کاموں میں جلدی کرو۔ (فتح القدیر:201/1) ﴿4﴾ نماز کی ادائیگی کے لیے ہر ایک کو کسی سمت تو رخ کرنا ہوگا مگر اصل چیز سمت نہیں ہے بلکہ اصل چیز بھلائی ہے، جس کے لیے نماز پڑھی جاتی ہے لہٰذا بھلائیوں کے حصول اور اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی فکر کرو۔

سوال3: نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے کا راستہ کون سا ہے؟

جواب: نیکیوں اور بھلائیوں میں سبقت لے جانے کا راستہ وحی الٰہی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا راستہ ہے۔

سوال4: ﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا کر کے لے آئے گا'' اس سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اس سے مراد یہ ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم سب کو جواب دہی کے لیے اکٹھا کر کے لے آئے گا۔(فتح القدیر:199/1)﴿2﴾اس یقین سے انسان کے ضمیر کے اندر ہلچل پیدا ہوتی ہے۔﴿3﴾انسان اپنے پوشیدہ معاملے کے بارے میں بھی حساس ہو جاتا ہے کہ میرا ہر عمل کھل جانے والا ہے۔﴿4﴾انسان برائی کرتے ہوئے خوف محسوس کرنے لگتا ہے۔

سوال5:﴿ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ﴾"یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے"کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾"یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے"اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تمہارے جسموں کو زمین سے نکال کر جمع کر دے گا اگرچہ وہ گل سڑ کر بکھر گئے ہوں۔(صفوۃ التفاسیر:92/1)﴿2﴾انسان گل سڑ کر فنا ہو جائیں گے تب بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انہیں سمیٹ لے گا اور میدان حشر میں لا کھڑا کرے گا اور اعمال کا حساب کتاب لے گا۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ **لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى** ﴾ تاکہ جنھوں نے برائیاں کیں انہیں اس کا بدلہ دے جو انہوں نے عمل کیا اور جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں بھلائی کے ساتھ بدلہ دے۔(النجم:31)

سوال6: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے قدیر ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیر ہونے کا شعور اس حوالے سے دلایا ہے کہ ﴿1﴾انسان جہاں بھی ہے اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کے ارادے کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔(الاساس فی التفسیر:314/1)اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ہر اس فضیلت کو اختیار کرنا چاہئے جس سے کوئی عمل متصف ہو سکتا ہے مثلاً اول وقت نماز ادا کرنا، روزہ، حج، عمرہ اور زکوۃ کی ادائیگی سے فوری طور پر بری الذمہ ہونا، تمام سنن و آداب کو پوری طرح ادا کرنا۔ کتنی جامع اور کتنی نفع مند آیت ہے۔(تفسیر سعدی:185/1)

﴿ **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ** (149)﴾

"اور آپ جہاں سے بھی نکلیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور یقیناً آپ کے رب کی جانب سے بلا شبہ وہ حق ہے اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے۔"(149)

سوال1:﴿ **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ﴾"اور آپ جہاں سے بھی نکلیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں"اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ **وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ** ﴾"اور آپ جہاں سے بھی نکلیں"یعنی اپنے سفر وغیرہ میں۔﴿2﴾﴿ **فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** ﴾"تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں"اس میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ قبلے کی تبدیلی کا معاملہ صرف مدینہ تک محدود نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ مستقل حکم ہے۔ اب قبلہ ہر جگہ، ہر مقام پر ہر حال میں بیت اللہ ہی ہوگا لہٰذا اپنا رخ نماز میں کعبہ کی طرف کرلو۔

سوال 2: مسجد حرام کو قبلہ مقرر کیا گیا، یہ کس چیز کی علامت تھی؟

جواب: ﴿1﴾ مسجد حرام کو قبلہ مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمت ''اسلام'' کی تکمیل کی علامت تھی۔ ﴿2﴾ بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے سب سے بڑی بھلائی یعنی اسلام کے لئے مرکز متعین ہونے کی علامت تھی۔ ﴿3﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دعا کے مطابق آخری نبی کے آنے کی علامت تھی۔ ﴿4﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آخری ہدایت کا دروازہ کھلنے کی علامت تھی۔ ﴿5﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنی ہدایت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی علامت تھی۔

سوال 3: ﴿وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ''اور یقیناً آپ کے رب کی جانب سے بلاشبہ وہ حق ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور یقیناً آپ کے رب کی جانب سے بلاشبہ وہ حق ہے'' سے مراد قبلے کی تبدیلی کا حکم ہے کہ وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، اس میں ادنیٰ سے شبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

سوال 4: ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو بھی تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے'' اس میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام کی طرف رخ پھیرنے کا حکم دے کر یہ شعور دلایا ہے کہ جو تم عمل کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ہرگز غافل نہیں ہے لہٰذا رخ پھیرلو۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے باخبر ہونے سے خیر کی طرف ترغیب بھی دلائی ہے اور اپنی مخالفت سے بھی ڈرایا ہے۔ (تفسیر ماوردی:206,207/1)

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ(150)﴾

''اور جہاں سے آپ نکلیں سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی جانب پھیرلیں اور تم جہاں بھی کہیں ہو سو اپنے چہرے اسی کی طرف پھیرلو، تاکہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے، مگر ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا ہے، چنانچہ تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو، اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کردوں اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''(150)

سوال 1: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''اور جہاں سے آپ نکلیں سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی جانب پھیر لیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جہاں سے آپ نکلیں سو اپنا چہرہ مسجد حرام کی جانب پھیرلیں'' اس سے مراد ہے کہ اپنے سفروں میں خواہ قریب کے مقام پر ہوں یا دور کے مقام پر نماز میں بیت اللہ کی طرف ہی رخ کروگے۔ (تفسیر مراغی:202/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ﴾ ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی طرف پھیرلو'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو سو اپنے چہرے اسی کی طرف پھیرلو'' اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم سب کے لیے ہے اور ہر مقام کے لیے ہے۔

سوال 3: قبلے کی تبدیلی کا حکم تین دفعہ آیا ہے، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: پہلے حکم ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ ﴾ میں آپ ﷺ کی دعا اور دعا کی قبولیت کا بیان ہے اور تنسیخ قبلہ کا حکم ہے۔ دوسرے حکم ﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ ﴾ میں بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی چاہت ہماری چاہت کے خلاف نہیں تھی اور حقیقی قبلہ بھی یہی تھا جس کی آپ ﷺ کو چاہت تھی۔ تیسرے حکم میں یہودیوں کے اعتراض کا جواب ہے کہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ کو بیت المقدس سے قبلہ کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ (مختصر ابن کثیر: 95/1)

سوال 4: ﴿ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ﴾ ''تا کہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''تا کہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت نہ رہے'' یہاں لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں کہ وہ یہ نہ کہیں کہ ہماری کتابوں میں تو اس امت کا قبلہ بیت اللہ ہے اور یہ نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھتے ہیں۔ اگر یہ صفت پوری نہ ہوتی تو یہود مسلمانوں سے یہ کہہ سکتے تھے کہ تم وہ امت نہیں ہو۔

سوال 5: ﴿ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ﴾ ''مگر ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا ہے'' ظالموں سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: ''مگر ان میں سے جن لوگوں نے ظلم کیا ہے'' میں ظالموں سے مراد مشرکین عرب ہیں۔ مشرک نبی ﷺ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تم تو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم دین ابراہیم پر ہیں مگر ان کا قبلہ چھوڑے ہوئے ہو۔ اب ان کی دلیل باطل ہوگئی۔ (مختصر ابن کثیر: 95/1) اگر چہ دلیل باطل ہوگئی ہے مگر مشرک پھر بھی نہیں مانیں گے۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ﴾ ''چنانچہ تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ ﴾ ''چنانچہ تم ان سے مت ڈرو'' اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکوں کی پرواہ نہ کرو جنہوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں نے ہمارا قبلہ اختیار کر لیا ہے تو ہمارا دین بھی اختیار کر لیں گے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَاخْشَوْنِي ﴾ اور مجھ ہی سے ڈرو یعنی آپ میرے سوا کسی کی پرواہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی ہی یہ شان ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کے سوا کسی کی پرواہ نہ کی جائے۔

سوال 7: انسانوں کا ڈر انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسانوں کے ڈر کی وجہ سے انسان بے چینی، اضطراب، پریشانی اور خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ﴿2﴾ انسان بھلائی کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑے کاموں سے رکتا ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق درست نہیں رہتا۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے انسان برائیوں سے رکتا ہے اور سکون پاتا ہے۔﴿2﴾خوف الٰہی ہر قسم کی مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہے۔﴿3﴾خوف الٰہی قیامت کے دن کی ہولناکی اور جہنم کی آگ سے نجات کا ذریعہ ہے۔﴿4﴾خوف الٰہی سے اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کی رحمت، مغفرت اور جنت حاصل ہوتی ہے۔

سوال 9: اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنا کس چیز کی ضمانت ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے خوف رکھنا اس بات کی ضمانت ہے کہ انسان کو ہر دوسرے خوف سے بے نیاز کر دیا جائے گا۔

سوال 10: اللہ تعالیٰ کا خوف کیسے پیدا ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾موت کے معاملات اور آخرت کے حالات پر مذاکرہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کی کائنات میں غور وفکر کر کے اپنی حیثیت اور موت کو یاد کرنے سے اس کا خوف پیدا ہوتا ہے۔﴿3﴾قرآن مجید میں غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ کی عظمت کی یاددہانی سے اس کا خوف پیدا ہوتا ہے۔﴿5﴾حدیث رسول ﷺ اور سیرت حبیب ﷺ میں غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔﴿6﴾گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔﴿7﴾برے انجام کے اندیشے سے خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے۔﴿8﴾خوف الٰہی رکھنے والوں کی سیرت کے مطالعے سے خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے۔

سوال 11:﴿**وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ**﴾"اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾یعنی کعبہ کو قبلہ بنا کر میں اپنی نعمت (شریعت مطہرہ) تم پر ہر طرح سے مکمل کرنا چاہتا ہوں۔(مختصر ابن کثیر:95/1)اس سے یہ یقین ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا دین ہر پہلو سے مکمل کرنا چاہتے ہیں۔﴿2﴾حدیث میں ہے "تمام النعمة دخول الجنة" "نعمتوں کا اتمام جنت میں داخلہ ہے۔(ترمذی:3527)﴿3﴾نعمت سے مراد "امامت اور پیشوائی" کی نعمت ہے جو بنی اسرائیل سے لے کر امت مسلمہ کو دی گئی تھی تاکہ اب ساری انسانیت کو اللہ تعالیٰ کے راستے اور نیکی کے راستے پر چلانے کی خدمت اس امت کے سپرد کی جائے۔

سوال 12: اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کی تکمیل کے لیے کیا طریقۂ کار اختیار کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کی تکمیل کے لیے اپنے رسول محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے تھے، ان کی تعلیم دیتے تھے تاکہ لوگ ہدایت پائیں۔ وہ لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کرتے تھے تاکہ وہ جنت میں داخلے کے قابل ہو جائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال13: ﴿ **وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ** ﴾ ''اور تا کہ تم ہدایت پاؤ'' ہدایت کا راستہ کس کو اور کیسے ملتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو ہی ہدایت کا راستہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے ہدایت کے اسباب آسان فرما دیے ہیں اور ہدایت کے راستوں پر چلنے کے بارے میں آگاہ فرما دیا گیا اور ان کے لیے اس ہدایت کو پوری طرح واضح کر دیا۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل عناد کو حق کی مخالفت پر مقرر کر دیتا ہے، چنانچہ وہ حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں، جس سے حق واضح ،حق کی نشانیاں اور علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور باطل کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے اور یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ باطل کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر باطل حق کے مقابلے میں کھڑا نہ ہو تو بسا اوقات اکثر مخلوق پر باطل کا حال واضح نہ ہو۔ اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ اگر رات نہ ہوتی تو دن کی فضیلت کا اعتراف نہ ہوتا۔ اگر قبیح اور بدصورت نہ ہو تو خوب صورت کی فضیلت معلوم نہیں ہو سکتی، اگر اندھیرا نہ ہو تو روشنی کے فوائد کو نہیں پہچانا جا سکتا، اگر باطل نہ ہو تو حق واضح طور پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی تعریف کا مستحق ہے۔ (تفسیر سعدی:188/1)

سوال14: اس آیت کے اختتام پر تحویل قبلہ کے دو خاص مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان کے بارے میں بتائیے۔

جواب: ﴿1﴾ تحویل قبلہ کا پہلا مقصد یہ ہے کہ دین ہر پہلو سے مکمل ہو جائے۔ ﴿2﴾ تحویل قبلہ کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ تم ہدایت پا جاؤ۔ ہدایت نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق کو کہتے ہیں یعنی شاید کہ تم حق کو جانو اور اس پر عمل کرو۔

﴿ **كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ** (151) ﴾

''جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور وہ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔'' (151)

سوال1: ﴿ **كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ** ﴾ ''جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ کعبہ کو قبلہ بنا کر جو احسان تم پر کیا ہے کوئی پہلی نعمت نہیں۔ ان میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تمہارے لیے عزت و شرف کا باعث ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ **رَسُوْلًا مِّنْكُمْ** ﴾ ''تم ہی میں سے ایک رسول'' یہاں رسول سے مراد محمد ﷺ ہیں یعنی وہ تمہیں (i) اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کر کے سنائے۔ (ii) اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم دے۔ (iii) حکمت کی تعلیم دے۔ (iv) انسانوں کے نفوس کو پاک کرے۔ (v) انسانوں کو وہ کچھ سکھا دے جو اس سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پہلے وہ نہیں جانتے تھے۔

سوال2:﴿ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا ﴾ ''جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ''جو تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے'' میں آیات سے مراد قرآن مجید ہے۔(تفسیر ماوردی:208/1)﴿2﴾ آیات کی تلاوت سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کو آپ پر پڑھتے ہیں۔(الاساس فی التفسیر:320/1)

سوال3:﴿ وَيُزَكِّيْكُمْ ﴾ ''اور تمہیں پاک کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿ وَيُزَكِّيْكُمْ ﴾ ''اور تمہیں پاک کرتا ہے'' سے مراد ہے کہ ﴿1﴾ وہ تمہیں شرک سے، گناہوں سے، برے اخلاق اور جاہلیت کی رسموں سے پاک کرتا ہے۔ مثلاً شرک سے توحید کی طرف، ریاکاری سے اخلاص کی طرف، جھوٹ سے صدق کی طرف، خیانت سے امانت کی طرف، تکبر سے تواضع کی طرف، بغض، قطع رحمی اور قطع تعلقی سے ایک دوسرے سے محبت، مودت اور صلہ رحمی کی طرف تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تزکیہ کی دیگر انواع سے تمہیں پاک کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:189/1)﴿2﴾ وہ تمہیں اطاعت کے ایسے کاموں پر آمادہ کرتا ہے اور ان امور کی نشو نما کرتا ہے جس کی وجہ سے آپ اللہ تعالیٰ کے یہاں ازکیاء میں شمار ہو سکیں۔﴿3﴾ تزکیہ کی ابتداء اور انتہاء توحید ہے تو وہ تمہیں توحید سکھاتا ہے۔

سوال4:﴿ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور وہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور وہ تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے'' اور اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔﴿1﴾ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔﴿2﴾ حکمت سے مراد سنت رسول ﷺ ہے۔(تفسیر امام شافعی:241/1)﴿3﴾ وہ آپ کو حکمت کی تعلیم دیتا ہے یعنی زندگی کے ہر طرح کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پانے کے لیے جو کچھ محمد ﷺ نے کیا وہ سب سنت ہے اور ہمارے لیے اس کی پیروی لازم ہے۔

سوال5:﴿ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ''اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے'' اس سے مراد ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو، غیب کی خبروں کو، انبیاء کے حالات وواقعات کو، دین کے احکامات، اور دنیا کے معاملات کو نہیں جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں تعلیم دی۔﴿2﴾ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے اہل عرب گمراہی میں مبتلا تھے۔

﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (152) ﴾

''لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری مت کرو۔''(152)

سوال1: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ ﴾ ''لہٰذا تم مجھے یاد رکھو'' کی وضاحت کریں؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب: اللہ تعالیٰ نے ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ ﴾ تم مجھے یاد رکھو کا حکم دیا ہے اور اس پر ایسے اجر کا وعدہ کیا ہے جس کا انسان تصور نہیں کر سکتا جو بہترین اجر ہے اور وہ یہ ہے کہ اَذْكُرْكُمْ میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرماتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور جب بھی وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے مجلس میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر (فرشتوں کی) مجلس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے (ایک ہاتھ) قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف چلتا ہوا آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں۔ (بخاری:7405)

سوال 2: ذکر کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ذکر سے مراد ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے یعنی اس کی حمد، تسبیح تہلیل اور تکبیر بلند کرو۔ ﴿2﴾ امام مسلم نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گواہی دی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لیے بیٹھتی ہے تو فرشتے انہیں گھیرے میں لے لیتے ہیں، رحمت انہیں ڈھانک لیتی ہے، ان پر سکون واطمینان نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پاس رہنے والوں کے درمیان یاد کرتا ہے۔ (مسلم:6855) ﴿3﴾ ذکر الٰہی صرف تسبیح وتہلیل اور تکبیر وتحمید میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل جو قرآن وسنت کے مطابق ہو اور جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو وہ ذکر الٰہی ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:84/1) ﴿4﴾ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ کے پیچھے چل رہا تھا اور دل میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عبداللہ بن قیس (یہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے) کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ہے۔ (صحیح مسلم:364/2) ﴿5﴾ ایک صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اسلام کی باتیں تو بہت ہیں آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس میں لگا رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں تر رہے۔ (ترمذی) ﴿6﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری ہوں گے اور رحمٰن کو محبوب ہیں اور وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (بخاری:7563) ﴿7﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے یوں کہا سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اس کے لئے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جائے گا۔ (ترمذی)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا انسان کو کس چیز کا مستحق بناتا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ہی کسی انسان کو اس کا مستحق بناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو یاد رکھے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے بھلا دیا، سمجھو کہ وہ ڈوب گیا۔ زمین پر اس کا نہ اچھا ذکر رہے گا اور نہ آسمانوں میں اس کا کوئی خیر خواہ ہوگا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو ہی شکر کرنا نصیب ہوتا ہے کیونکہ انسان جب اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے تو ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

سوال 4: تحویل قبلہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہدایت کس مناسبت سے کی؟

جواب: ذکر کی ہدایت، تحویل قبلہ کے موقع کی مناسبت سے دی گئی ہے۔ اس لیے کہ ذکر الٰہی سے ایک مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے فوائد کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ جو اللہ تعالیٰ کا زبان سے اس طرح ذکر کرتا ہے کہ اس کا دل بھی موافقت کرتا ہے تو ایسے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت نصیب ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو اس کا ثواب نصیب ہوتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ یاد رکھتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے ''جس نے مجھے دل میں یاد کیا میں بھی اسے دل میں یاد کروں گا اور جس نے مجھے مجلس میں یاد کیا میں بھی اس سے بہتر مجلس میں اسے یاد کروں گا۔'' (بخاری: 6805) ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو دل کا اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ ﴿5﴾ ذکر کرنے والا اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلتا ہے۔ ﴿6﴾ ذکر کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ﴿7﴾ ذکر الٰہی کرنے والے کی ساری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے۔ ﴿8﴾ ذکر الٰہی کرنے والا دنیا کی محبت سے نکل آتا ہے۔ ﴿9﴾ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے کو ہی شکر کرنا نصیب ہوتا ہے کیونکہ ذکر شکر کی بنیاد ہے۔

سوال 6: ﴿وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ ''اور میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری مت کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ﴿وَاشْكُرُوا لِي﴾ میرا شکر ادا کرو یعنی میں نے جو نعمتیں تمہیں عطا کی ہیں، تم سے جو غم، تکالیف اور مصیبتیں دور کی ہیں اس پر میرا شکر ادا کرو۔ شکر دل کی عبادت ہے، جو تب ادا ہوتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرے اور زبان سے ان کا اقرار کرے اور اعضاء سے اس کی اطاعت کرے اور اس نے جن کاموں سے روکا ہے ان سے رک جائے اور ان نعمتوں کا اعتراف نہ کرنا ناشکری ہے۔ رب العزت نے شکر کا حکم دیا اور ناشکری سے روکا ہے۔

سوال 7: شکر کے کیا فوائد ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ شکر سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ شکر سے ہدایت اور استقامت نصیب ہوتی ہے۔ ﴿3﴾ شکر سے خیر و برکت نصیب ہوتی ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ اور جب تمہارے رب نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ یقیناً اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں ضرور ہی زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عذاب بلاشبہ بڑا سخت ہے۔(ابراہیم:7)

سوال 8: ناشکری کا انسان کو کیا نقصان ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ناشکری سے انسان حق شناس نہیں رہتا۔ ﴿2﴾ ناشکری سے انسان کے اندر تکبر پروان چڑھتا ہے۔ ﴿3﴾ ناشکری سے انسان ظالم بن جاتا ہے۔ ﴿4﴾ ناشکری سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

سوال 9: انسان اللہ تعالیٰ کا شکر کیسے ادا کرسکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرسکتا ہے۔اس بات پر یقین کرتے ہوئے کہ جو نعمتیں ملی ہیں رب العزت کی چاہت سے ملی ہیں، یہ اعتراف نعمت ہے۔ ﴿2﴾ انسان اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرسکتا ہے، زبان دل کی ترجمان ہے۔آپ ﷺ اپنے ہر کام کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔نیند پوری کرنے کے بعد، کھانا کھانے کے بعد، ہر کام کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے تھے۔ ﴿3﴾ انسان اعضاء و جوارح سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرسکتا ہے۔اس میں سجدہ شکر، نماز اور اطاعت کے دیگر کام شامل ہیں۔ نبی ﷺ کی دعا ہے: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ اے اللہ! اپنی یاد، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔(حاکم:499/1) ﴿4﴾ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنا لمبا قیام فرماتے یا اتنی لمبی نماز پڑھتے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک یا پنڈلیاں سوج جاتیں۔جب ان سے اس بارے میں کہا جاتا تو فرماتے: اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں!''(بخاری:1130)

رکوع نمبر 19

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ(153)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر اور نماز سے مدد مانگو۔یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''(153)

سوال 1: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ ''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اے وہ لوگو جنہوں نے اپنے رب کو، اس کے وعدوں کو سچا مانا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿اسْتَعِينُوا﴾ مدد مانگو اس پر جس کا آپ سے مطالبہ کیا گیا، ثبات، ذکر اور شکر پر اور کفر اور نسیان کے چھوڑنے پر صبر کے ساتھ مدد مانگو۔ ﴿3﴾ یہاں استعانت سے مراد دین پر قائم رہنے کے لیے مدد اور قوت مانگنا ہے۔یہ قوت صبر اور نماز سے ملتی ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ایمان والے صبر اور نماز سے مدد لیں۔ ﴿5﴾ ایمان والوں کو صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ مشکلات میں کامیابی کا ذریعہ صبر اور نماز ہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے اور خوشخبری دی ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی دی ہوئی توفیق سے صبر کو اپنا وصف بنایا ہے۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ نے نماز سے مدد لینے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ دین کا ستون اور رب سے رابطے کا ذریعہ ہے۔ ﴿8﴾ وہ نماز مومن کی مددگار رہوتی ہے جو کامل ہو جس میں ارکان، آداب، شرائط اور سنتیں جمع ہوں۔ جس میں دل کی حاضری ہو۔ اس طرح جب مومن نماز میں داخل ہوتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوا ہے۔ وہ باادب اپنے مالک کے حضور کھڑا ہوتا ہے پھر جو کچھ کہتا اور کرتا ہے اس کو اپنے شعور میں حاضر رکھتا ہے اور رب سے دعائیں مانگتا ہے تو یقیناً ایسی نماز تمام امور میں مددگار رہوتی ہے کیونکہ وہ برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ اس دل کی حاضری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب ہوتا ہے۔ اسی نماز سے مدد لینے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ﴿9﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب السیاسۃ الشرعیۃ میں لکھتے ہیں کہ حاکم کے لیے بالخصوص اور رعایا کے لیے بالعموم تین چیزیں عظیم مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ (الف) اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور دعا اور غیر دعا کے ذریعے اس پر توکل اور دل وجان سے نماز کی حفاظت و پابندی جو اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کی اصل ہے۔ (ب) مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ (ج) تکلیف مصیبت اور حادثات زمانہ کے وقت صبر کرنا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ صبر اور نماز کو جمع کر دیتا ہے جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰ لِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۚ‏ ﴿۱۱۴﴾ وَاصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴾ اور آپ نماز قائم کریں دن کے دونوں اطراف میں اور رات کی چند گھڑیوں میں، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔ اور آپ صبر کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ہود: 114,115) ﴿ فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ وَمِنۡ اٰنَآىِٕ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ﴾ چنانچہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں آپ ان پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی پس تسبیح کریں اور دن کے کناروں پر بھی تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔ (طٰہٰ: 130) (تفسیر قاسمی: 2/317)

سوال 2: صبر سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نفس کو مرغوب چیزوں سے روکنے کی مشقت برداشت کرنا اور خواہشات میں گرفتار ہونے سے نفس کو بچائے رکھنا صبر ہے۔ ﴿2﴾ نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر گامزن رکھنا صبر ہے۔ ﴿3﴾ نفس کو اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے روکے رکھنا صبر ہے۔ ﴿4﴾ مصائب کو برداشت کرنا اور جزع فزع سے رکے رہنا صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قضاؤ قدر پر صبر کرنا اور اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرنا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”جس مومن بندے کی محبوب چیز میں نے دنیا سے اٹھا لی (جیسے بیٹا، بھائی وغیرہ) اور اس نے اس پر صبر کیا تو اس کی جزا میرے یہاں جنت کے سوا اور کچھ نہیں (یعنی اس کو جنت ملے گی)۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(بخاری:6424)

سوال 3: حق کی راہ میں مشکلات ومصائب کا بڑا سبب کیا ہے؟

جواب: حق کی راہ میں مشکلات کا سبب بندہ مومن کا تبلیغی کردار ہے۔اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ایک طرف نصیحت کا کام ہے اور دوسری طرف تنقید کا۔ایسے انسان کی عزت، جان اور مال سب کچھ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"جو مومن لوگوں سے مل کر رہتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے،اس کو اس مومن کی نسبت زیادہ ثواب ملتا ہے جو نہ لوگوں سے ملتا ہے اور نہ ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے۔"(ابن ماجہ:4032)

سوال 4: مشکلات میں کون حق پر جمارہتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مشکلات اور مصائب میں ایمان والوں کو ستایا جاتا ہے۔یہ موقع واضح کر دیتا ہے کون حق پر جمارہنے والا ہے اور کون پھسل جانے والا۔اس مرحلے پر جو ثابت قدم رہتا ہے وہ حق پر ہے۔﴿2﴾ حق پر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت کچھ کھودے۔جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ کھودیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں بہت کچھ پالیتا ہے۔﴿3﴾ حق پر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان دے دے۔دنیا میں جان دینے والا ہمیشہ کی زندگی پالیتا ہے۔﴿4﴾ حق پر وہ ہے جو دنیا کی جنت سے محروم ہوا۔آخرت کی جنت اسی کے لیے ہے۔

سوال 5: صبر کرنے والے کو کون سے رویے چھوڑنے پڑتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ خودترسی۔﴿2﴾ خودغرضی۔﴿3﴾ اپنی ذات سے محبت۔﴿4﴾ ناراضی اور غصہ۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے نماز سے مدد لینے کا حکم دیا،اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ نماز اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہے۔ایک تنہا انسان کی سارے جہانوں کے خالق اور مالک سے ملاقات۔﴿2﴾ نماز تھکے ہوئے انسان کے لیے ایک خوش گوار احساس ہے۔﴿3﴾ نماز وہ عبادت ہے جس سے انسان سکون پاتا ہے۔﴿4﴾ باجماعت نماز سے باہمی رابطے مضبوط ہوجاتے ہیں اور کام آسان ہوجاتا ہے۔﴿5﴾ نماز انسان کو ریچارج کرتی ہے اسی لیے وہ قوت کا سرچشمہ ہے۔﴿6﴾ نماز ام العبادات ہے،مومن کی معراج اور رب العالمین سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نماز سے مدد لینے کا حکم دیا ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا:"**جعلت قرة عيني في الصلوٰة**" میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

سوال 7: مومن زندگی میں کس قوت کے سہارے چلتا ہے؟

جواب: مومن کی زندگی میں سب سے بڑی قوت اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ذریعہ نماز ہے۔لہٰذا نماز قوت کا سرچشمہ اور خزانوں کی چابی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 8: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھ کیسے دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا ساتھ ایسے دیتا ہے کہ دنیا میں صبر کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ جو اس راستے پر چلنا چاہتا ہے اسے چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ صبر کی وجہ سے معاملات میں آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ آخرت میں صبر کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے۔ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ اٹھیں اور بغیر حساب کتاب کے جنت چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے۔ فرشتے انہیں دیکھنے پر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے جنت میں، وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا، کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے، پوچھیں گے آخر آپ کون لوگ ہیں؟ جواب دیں گے: ہم صابر لوگ ہیں۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہارا صبر کیسا تھا؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے، مرتے دم تک اس پر صبر کیا اور جمے رہے، فرشتے کہیں گے: پھر تو ٹھیک ہے۔ بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو۔ جاؤ، جنت میں مزے کرو اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے۔ (ابن کثیر: 232/1)

﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (154) ﴾

''اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جائیں تم انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔'' (154)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: غزوہ بدر میں 14 مسلمان شہید ہوئے تھے۔ ان کے وارث حسب طبیعت انسانی ان کا رنج رکھتے تھے اور ان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے کہ ''فلاں شخص مر گیا'' فلاں قتل ہوا'' ان کو ملال ہوتا تھا۔ ادھر کفار نے یہ بھی کہنا شروع کیا کہ یہ لوگ ناحق ایک شخص (محمد ﷺ) کے پیچھے جان دیتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کے شہداء کو مردہ کہنے سے، جو ان کے حق میں باعث رنجیدگی ہو، روکنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

سوال 2: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں تم انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں تم انہیں مردہ نہ کہو'' اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے حالات میں صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا ہے جو نفس پر گراں گزرتا ہے اور اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کا نتیجہ موت ہے جب کہ سب لوگ زندگی سے محبت کرتے ہیں۔ ہر وہ چیز جس سے لوگ محبت رکھتے ہیں اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی ضد کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ موت کو دور تو نہیں کیا جا سکتا لیکن ناپسندیدگی رکھنی ممکن ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ بَلْ اَحْيَآءٌ ﴾ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ انسان اپنی من پسند چیز اس وقت چھوڑتا ہے جب اس سے زیادہ محبوب چیز حاصل

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہونے کی امید ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بشارت دی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے جنگ کرتا ہے تاکہ اس کا دین غالب ہو اور اس کے سوا اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو تو وہ اپنی محبوب زندگی کو کھو نہیں دیتا بلکہ اسے اس زندگی سے زیادہ کامل زندگی مل جاتی ہے۔ ﴿3﴾ رب العزت نے شہید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہو گئے انہیں تم مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو دیا ہے اس پر وہ بہت خوش ہیں اور جو ان کے پیچھے سے ان کے ساتھ نہیں ملے وہ ان پر خوشی محسوس کرتے ہیں کہ ان کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ (آل عمران: 169,170) کیا اس سے بڑی خوشی کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی غم نہ ہو، ہر قسم کا بدنی اور روحانی رزق میسر ہو۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی شخص بھی ایسا نہ ہو گا جو جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنا پسند کرے خواہ اسے ساری دنیا مل جائے سوائے شہید کے، اس کی یہ تمنا ہو گی کہ دنیا میں دوبارہ واپس جا کر دس مرتبہ اور (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) قتل ہو کیونکہ وہ شہادت کی عزت وہاں دیکھتا ہے۔'' (صحیح بخاری: 2817) ﴿4﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مسلمانوں کے دلوں میں اس سے رنج نہ ہوتا کہ میں ان کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکل جاؤں اور مجھے اتنی سواریاں میسر نہیں ہیں کہ ان سب کو سوار کر کے اپنے ساتھ لے چلوں تو میں کسی چھوٹے سے چھوٹے ایسے لشکر کے ساتھ جانے سے بھی نہ رکتا جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں غزوہ کے لیے جا رہا ہوتا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری تو آرزو ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔'' (صحیح بخاری: 2797) ﴿5﴾ ﴿ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴾ ''لیکن تم شعور نہیں رکھتے'' اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس بات کا شعور نہیں رکھتے کہ وہ کس عزت کے مقام پر اور کن نعمتوں میں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں چرتی رہتی ہیں پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں میں جا کر بسیرا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھانک کر دیکھا اور پوچھا کہ اب تم کیا چاہتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اے اللہ! تو نے ہمیں وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہو گی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں کوئی جواب دینا ہی ہو گا تو کہا اللہ تعالیٰ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیں۔ ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دوگنا درجہ پائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔ (مسلم: 1887) ﴿6﴾ سیدنا مسروق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا: ''جنہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیا جائے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے رزق دیئے جاتے ہیں۔'' تو انہوں نے کہا: ہم نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کی روحیں سرسبز پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں، ان کے لیے ایسی قندیلیں ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں اور وہ جنت میں پھرتی رہتی ہیں جہاں چاہیں، پھر انہی قندیلوں میں واپس آ جاتی ہیں۔ ان کا رب ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے: کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم کس چیز کی خواہش کریں حالانکہ ہم جہاں چاہتے ہیں جنت میں پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے اس طرح تین مرتبہ فرماتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ انہیں کوئی چیز مانگے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا تو وہ عرض کرتے ہیں: اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دیں یہاں تک کہ ہم تیرے راستے میں دوسری مرتبہ قتل کیے جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ انہیں اب کوئی ضرورت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 4885)

سوال 3: شہید کون ہے؟

جواب: شہید وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے اور کوئی دوسرا مقصد اس کی نظر میں نہ ہو۔ صرف دین کی راہ میں، صرف سچائی کے لیے لڑ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے والا شہید ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ایک شخص غنیمت کے لئے جنگ کرتا ہے، ایک شخص اپنی شہرت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ بہادری میں اس کا مقام اور مرتبہ مشہور ہو جائے۔ سو ان میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اس لیے جنگ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے۔ (صحیح بخاری 394، صحیح مسلم: 2/139)

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (155) ﴾

''اور یقیناً ہم تمہیں خوف اور بھوک سے، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان میں سے کسی نہ کسی چیز سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو آپ خوشخبری دے دیں۔'' (155)

سوال 1: ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ﴾ ''اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ رب العزت نے خبر دی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ضرور آزماتا ہے تاکہ سچے جھوٹے اور صابر اور بے صبرے کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ اپنے بندے کے معاملے میں یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ (تفسیر سعدی: 1/194) ﴿2﴾ اگر مومنوں کو آزمائش نہ آئے ہمیشہ خوش حالی ملے تو فساد واقع ہو جائے۔ ﴿3﴾ آزمائش سے اہل ایمان کا ایمان ضائع نہیں ہوتا، نہ ہی آزمائش دین سے ہٹاتی ہے۔ آزمائش کا مقصد پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے رب العزت نے فرمایا۔ ﴿4﴾ ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ﴾ ''اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گے’’عطاء، ربیع اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے بعد کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔(احکام القرآن للجصاص:114/1) ﴿5﴾ ﴿بِشَیۡءٍ﴾’’کسی نہ کسی چیز سے‘‘اللہ تعالیٰ انسان کو جن طریقوں سے آزماتا ہے ان میں خوف، بھوک، مالی نقصانات، جانی نقصانات، پھلوں اور رزق کے نقصانات وغیرہ شامل ہیں۔﴿6﴾﴿مِّنَ الۡخَوۡفِ﴾’’خوف سے‘‘امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خوف سے مراد دشمنوں کا خوف ہے۔(تفسیر امام شافعی:242/1) خوف سے مراد وہ ہنگامی صورت حال ہے جو جنگ احزاب سے پہلے ہر وقت مدینہ کی آزاد چھوٹی سی ریاست کے گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ایک دفعہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش آج رات میرا کوئی پہرہ دے تاکہ میں سو سکوں۔یہ سن کر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مسلح ہو کر آ گئے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں پہرہ دیتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جائیں۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح آرام فرمایا۔(بخاری کتاب الجہاد) ایک رات اہل مدینہ ایک خوف ناک آواز سن کر گھبرا گئے پھر وہ اس آواز کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے واپس آ رہے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے ہی اس آواز کی جانب روانہ ہو گئے تھے اور خبر معلوم کر کے آ رہے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا ڈرو نہیں ڈرو نہیں۔(صحیح بخاری:2908)﴿7﴾﴿وَالۡجُوۡعِ﴾’’اور بھوک سے‘‘بھوک کی آزمائش سے مراد قحط بھی، خوراک کی کمی و رمضان کے مہینے کی بھوک بھی ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ انہوں نے مسلسل تین دن پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔(بخاری کتاب الاطعمہ) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا اے بھانجے! ہم پر ایسا وقت گزر چکا ہے کہ ہم ایک چاند دیکھتے پھر دوسرا چاند پھر تیسرا چاند یعنی دو دو مہینے آپ کے گھر آگ نہیں جلتی تھی۔عروہ نے کہا کہ خالہ پھر تمہاری گزر کس چیز پر ہوتی تھی؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا انہی دو کالی چیزوں پر یعنی کھجور اور پانی پر۔اتنا ضرور تھا کہ چند انصاری لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسائے تھے جن کے پاس بکریاں تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکریوں کا دودھ تحفہ کے طور پر بھیجا کرتے تھے۔جس سے وہ ہم کو بھی پلاتے۔(صحیح بخاری:2567)﴿8﴾﴿وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ﴾’’اور مالوں کے نقصان سے‘‘ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مالی نقصان سے مراد مال کا چلا جانا ہے۔مالی نقصان چوری، ڈاکے، حکومت کے مال غصب کر لینے، مال کے ہلاک ہونے اور دیوالیہ نکل جانے سے ہوتا ہے۔(زاد المسیر:146/1)﴿9﴾﴿وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ﴾’’مالوں اور جانوں کے نقصان سے‘‘جانی نقصانات سے مراد قتل، موت اور امراض وغیرہ ہیں۔جانی نقصانات امراض کے پھیلنے سے، قتل و غارت گری سے، خانہ جنگیوں سے اور جہاد میں شہادتوں سے ہوتا ہے۔﴿10﴾ ﴿وَالثَّمَرٰتِ﴾’’ اور پھلوں کے‘‘پھلوں کے نقصانات سے مراد فصلوں اور پھلوں کا نقصان ہے۔اس سے مراد اولاد کا وفات پانا بھی ہے کیونکہ اولاد قلب کا پھل ہے۔(فتح القدیر:202/1) چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ (زینب رضی اللہ عنہا کا بیٹا) فوت ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی سے فرمایا: یوں کہو: جو اس نے لیا وہ اسی (اللہ تعالیٰ) ہی کا تھا اور جو دے رکھا ہے وہ بھی اس کا ہے اس کے ہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ صبر کرو اور اس سے ثواب کی امید رکھو۔(بخاری کتاب المرضیٰ) پھلوں کا نقصان ناگہانی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آفتوں کے آنے سے، خانہ جنگیوں سے، کیڑوں کے حملہ آور ہونے سے اور ٹڈی دل سے ہوتا ہے۔ پھلوں کے نقصان سے مراد رزق کا نقصان ہے اور رزق سے برکت کا اٹھ جانا نقصان ہے۔

سوال 2: انسان کو مشکلات (آزمائش) میں کیوں مبتلا کیا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات رکھے ہیں کہ انسان کے راستے میں رکاوٹیں آئیں تا کہ پتہ چل جائے کہ کون اپنے ایمان میں سنجیدہ ہے اور کون سنجیدہ نہیں ہے؟ ﴿2﴾ آزمائشوں سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ ﴿3﴾ آزمائشیں اس لیے بھی آتی ہیں تا کہ یہ جانچا جائے کون قضا پہ صبر کرتا ہے، کون نہیں کرتا؟ ﴿4﴾ آزمائش کے بعد انسان کا نفس پاک اور صاف ہوتا ہے۔ ﴿5﴾ آزمائشیں درجات کی بلندی کا باعث بنتی ہیں۔ ﴿6﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن مرد اور مومن عورت پر اس کی جان، اولاد اور مال میں آزمائشیں آتی رہتی ہیں (جن سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں اور کبیرہ گناہوں سے مومن ویسے ہی اجتناب کرتے ہیں)۔ (جامع ترمذی:2399) ﴿7﴾ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کن لوگوں کا امتحان سخت ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پیغمبروں کا پھر جوان کے بعد مرتبے میں افضل ہیں پھر جو ان کے بعد افضل ہیں اور آدمی پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر اس کا دین سخت اور قوی ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں نرمی ہوتی ہے تو اسی انداز سے وہ مشکل آتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر چلتا ہے اور کوئی گناہ اس پر باقی نہیں رہتا۔'' (ابن ماجہ:4023)

سوال 3: آزمائش میں انسان کیا کرے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان فتنوں کو پہچانے۔ ﴿2﴾ استغفار کرے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے۔ ﴿4﴾ صبر کرے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور دعا کرے۔ ﴿6﴾ فتنوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانے کو یاد رکھے۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف دل سے توجہ کرے، اسے یاد رکھے اور اس کا شکر ادا کرے اور اس کا ہو کر رہے۔ ﴿9﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: میرے لیے آسمان سے گر جانا اس امر سے بڑھ کر پسندیدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے کے بارے میں لب کشائی کروں اور کہوں کاش ایسا فیصلہ نہ ہوتا۔ (تفسیر احکام القرآن للجصاص:114/1) ﴿10﴾ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے **اَللّٰهُمَّ اَجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا** یعنی اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گویا وہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ **اِنَّـا لِلّٰهِ** پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا۔ (ابن کثیر:233/1)

سوال 4: ﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾سے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے اور ہر اس شخص کو جو بشارت دینے کی قدرت رکھتا ہو۔(فتح القدیر:202/1)﴿2﴾صبر کرنے والوں کے لیے اچھے انجام کی خوشخبری ہے۔﴿3﴾صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ آپ کہہ دیں کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب سے ڈر جاؤ، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی، بڑی بھلائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی وسیع ہے، یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے پورا دیا جائے گا۔(الزمر:10)﴿4﴾صبر اللہ تعالیٰ کی معیت کا ذریعہ ہے۔رب العزت کا فرمان ہے:﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔(البقرہ:153)﴿5﴾ صبر اور یقین اللہ تعالیٰ کی مدد کے حصول کا ذریعہ ہے۔﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ﴾ اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو اور بلاشبہ وہ (نماز) یقیناً بہت بڑی ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر۔(البقرہ:45)﴿6﴾صبر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ہدایت کے حصول کا ذریعہ ہے۔﴿ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔(البقرہ:157)﴿7﴾صبر اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ اور کتنے ہی نبی تھے جن کے ساتھ مل کر بہت سے رب والوں نے جنگ کی اور اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہیں تکلیف پہنچی، انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے عاجزی دکھائی اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔(آل عمران:146)﴿8﴾اللہ تعالیٰ صبر کا نعم البدل عطا کرتا ہے۔سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''ہر وہ مسلمان شخص جس کو مصیبت اپنے نرغے میں لے لے اور وہ زبان سے وہی کلمات نکالے جس کے نکالنے کا اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حکم دیا ہے۔'' اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْراً مِّنْهَا''، ہم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔اے اللہ مجھے میری اس مصیبت میں ثواب سے نواز دے اور اس کا نعم البدل عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا سے اس کو نعم البدل عطا فرماتا ہے۔(مسلم:918)﴿9﴾صبر دنیا میں عزت و شرف کا ذریعہ ہے۔

﴿ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ(156) ﴾

''وہ لوگ کہ جب کوئی مصیبت ان پر آتی ہے تو وہ کہتے ہیں:''بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی جانب لوٹنے والے ہیں۔''(156)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1: ﴿الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ﴾ ’’وہ لوگ کہ جب کوئی مصیبت ان کو پہنچتی ہے‘‘ مصیبت سے کیا مراد ہے؟

جواب: مصیبت سے مراد ہر وہ تکلیف اور مشقت ہے جو اپنی ذات کو، گھر والوں کو یا مال کو پہنچے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ کا چراغ بجھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾ آپ ﷺ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ جو چیز بھی مسلمان کو نقصان دیتی ہے وہ مصیبت ہے۔

سوال2: مصیبت کے وقت ایک مومن کا طرز عمل کیسا ہونا چاہیئے؟

جواب: مصیبت کے موقع پر سچا مومن یہ سوچتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس حال میں چاہے رکھے اسے اختیار ہے، ہم اس کی رضا پر راضی ہیں، ایک دن ہم نے اس کے پاس لوٹ کر جانا ہے پھر وہ ہمارے صبر پر بے حساب اجر دے گا۔

سوال3: ﴿قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾ ’’وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ﴾ وہ پکار اٹھتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، اسی کے تصرف وتدبیر کے تحت ہیں۔ ہماری جانوں اور مالوں پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ (تفسیر سعدی: 195/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کو مصیبت زدہ کے لیے پناہ اور آزمائش میں مبتلا کے لیے حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ میں اللہ تعالیٰ کے معبود اور بادشاہ ہونے کا اقرار ہے، یہ دراصل بندے کی طرف سے عبودیت کا اقرار ہے اور دراصل اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے اور آزمائش میں اس کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ ﴿3﴾ ﴿وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ﴾ میں اپنی جان کے ہلاک ہونے، قبروں سے اٹھنے کا اقرار ہے اور یہ یقین ہے کہ سارے امور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ ﴿4﴾ یہ کہہ کر بندہ اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہے اور اس پر جو مصائب آتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سمجھ کر راضی ہو جاتا ہے۔ ﴿5﴾ بے صبری پر بڑی وعید ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے جو رخساروں پر طمانچے مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی دھائی دے۔ (صحیح مسلم: 70/1) ﴿6﴾ بعض علاقوں میں مرنے والے کے سوگ میں بال منڈا دیتے ہیں اور خاص کر عورتیں تو بہت ہی چیختی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے بری ہوں جو (کسی کی موت پر) سر مونڈے، آوازیں بلند کرے اور کپڑے پھاڑے۔ (صحیح مسلم: 70/1)

﴿اُولٰٓئِكَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ (157)﴾

’’یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے کئی مہربانیاں اور بڑی رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔‘‘ (157)

سوال1: ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے برکتیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں‘‘ صبر کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا خوش خبریاں دی ہیں؟

جواب:《1》《أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ》’’یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمت ہے‘‘ صبر کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں ہیں۔《2》《وَرَحْمَةٌ》’’اور رحمت ہے‘‘ صبر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم رحمت ہے۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو جو بھی تکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ (بخاری:5641) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دنیا ہی میں سزا دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا کو روکے رکھتے ہیں یہاں تک کہ اس کو قیامت کے دن پوری سزا دے دیں گے۔ (ترمذی: ابواب الزھد)《3》《وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ》’’اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں‘‘ صبر کرنے والے ہی ہدایت پانے والے ہیں۔

سوال 2:《صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ》’’ان کے رب کی طرف سے برکتیں ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ》’’ان کے رب کی طرف سے برکتیں ہیں‘‘ سے مراد ہے کہ ان کے رب کی طرف سے رحمت اور مغفرت ہے۔《2》صَلوٰۃ کی اصل دعا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تزکیہ اور مغفرت ہے۔

سوال 3:《وَرَحْمَةٌ》’’رحمت‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں رحمت سے مراد تکلیف کا دور کرنا اور حاجت کا پورا کرنا ہے۔ (فتح القدیر:203/1)

سوال 4:《وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ》’’اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ》’’اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں‘‘ اَلْمُهْتَدُونَ سے مراد یہ ہے کہ وہ سعادت اور ایمان میں کمال کے راستے کی طرف ہدایت پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمایا اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔《2》ہدایت پانے سے مراد جنت اور ثواب کی طرف راہ پانا ہے۔ ہدایت سے مراد علم نافع اور عمل صالح کی توفیق ہے۔ جنت اور ثواب کی طرف وہی راہ پاتا ہے جو علم نافع کا راستہ اختیار کرتا ہے۔《3》ہدایت پانے والے سے مراد یہ ہے کہ مصیبتیں آسان کر دی گئیں۔《4》وہ ہدایت پانے والے ہیں حق ربوبیت اور عبودیت کی۔ اسی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں اور نوازشیں ہیں۔

《إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (158)》

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں کا خوب طواف کرے اور جو کوئی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ قدر دان ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (158)

سوال 1: ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾ ''یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں'' صفا اور مروہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ﴾ ''یقیناً صفا اور مروہ'' صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں'' یعنی دین کی ظاہری علامتیں ہیں۔ ﴿3﴾ شعائر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ اور جو اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یقیناً وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ (الحج:32) شعائر کی تعظیم کرنا دلوں کا تقویٰ ہے جو ہر مومن پر فرض ہے۔ ﴿4﴾ اس سے مراد عبادت کی جگہیں ہیں۔ (فتح القدیر:204/1) ﴿5﴾ صفا اور مروہ دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑنا یعنی سعی کرنا فرض اور حج اور عمرے کا لازمی رکن ہے۔ ﴿6﴾ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا مناسک حج وعمرہ میں سے ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دور سے یہ طریقہ رائج تھا۔ دور جاہلیت میں صفا پر ''اساف'' اور مروہ پر ''نائلہ'' نامی بتوں کو رکھ دیا گیا تو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کے بارے میں لوگوں کو شک ہوا کہ کہیں یہ زمانۂ شرک کی ایجاد تو نہیں لہٰذا یہاں یہ واضح کر دیا گیا کہ ان مقامات کا تقدس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

سوال 2: صفا اور مروہ کو شعائر اللہ کیوں کہا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ صفا اور مروہ کو ان معنوں میں اللہ تعالیٰ کے شعائر کہا گیا کہ ان سے مناسک کا وہ حصہ وابستہ ہے جس کی ادائیگی سے عجیب طرح کی للّٰہیت پیدا ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ اس لیے بھی کہ یہ مقامات خلوص وایمان کے لیے بے پناہ جذبات کے پیدا کرنے میں ممد ومعاون ہیں۔ ﴿3﴾ انہیں اللہ تعالیٰ کے شعائر اس لیے کہا کہ ہم مناسک کی روحانیت کو فراموش نہ کریں اور صرف ظاہری رسوم کو صحیح نہ سمجھیں، بلکہ اس کی روحانیت اور اثر کو برقرار رکھیں۔ (سراج البیان:54,55/1)

سوال 3: ﴿ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ ''تو جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ اِن دونوں کا طواف کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ اِن دونوں کا طواف کرے'' طواف سے مراد سعی ہے۔ سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے: ''یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پھر جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔'' میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ان کی سعی نہ کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہونا چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہرگز نہیں! جیسا کہ تمہارا خیال ہے، اگر مسئلہ یہی ہوتا تو پھر واقعی ان کی سعی نہ کرنے میں کوئی گناہ نہ تھا لیکن یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ (اسلام سے پہلے) انصار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منات بت کے نام سے احرام باندھتے تھے۔ یہ بت مقام قدید میں رکھا ہوا تھا اور انصار صفا اور مروہ کی سعی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے سعی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (بخاری:4495) ﴿2﴾ عاصم بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ انہوں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صفا اور مروہ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ اسے ہم جاہلیت کے کاموں میں سے سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ہم ان کی سعی سے رک گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ﴾ سے ارشاد ﴿ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ تک۔ یعنی بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں پس ان کی سعی کرنے میں حج اور عمرہ کے دوران کوئی گناہ نہیں ہے۔ (بخاری:4496) ﴿3﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سعی فرض کر دی ہے، لہٰذا سعی کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: ''مجھ سے مناسک حج سیکھ لو۔'' اور ان میں سعی بھی داخل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفا سے شروع کیا اور کہا: ''نبدأ بما بدأ اللہ به'' ''تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ (تفسیر امام شافعی:243/1) ﴿4﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اس لیے کسی کے لیے اسے چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔ (بخاری:1643)

سوال 4: ﴿ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ﴾ ''اور جو کوئی شوق سے کوئی بھلائی کرے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو کوئی شوق سے کوئی بھلائی کرے'' یہاں اس سے مراد ''سعی'' ہے۔ جب شوق سے ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دلی جذبوں اور شوق کا خوب علم ہے۔ ﴿2﴾ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے یعنی نماز، روزہ، صلہ رحمی وغیرہ تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ ﴿3﴾ جو کوئی جتنی زیادہ اطاعت کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ﴿4﴾ نیکیوں پر بھلائیوں کی قید دلیل ہے کہ جو کوئی بدعات کا مرتکب ہوتا ہے وہ اس کے لیے شر بن جاتی ہیں۔

سوال 5: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴾ ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ قدردان ہے، خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات شَاكِر اور عَلِیْم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے لیے انسان کا سینہ کھل جانے سے، جس کی وجہ سے انسان کو خوشی نصیب ہوتی ہے اپنے شاکر اور علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔ اگر انسان خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ کے علم میں خوشی بھی ہے اور نیکی بھی اور پھر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی قدر دان نہیں کیونکہ وہ بھلائیوں پر کثیر اجر عطا فرماتا ہے۔ ﴿2﴾ الشاکر اور الشکور اس ہستی کو کہتے ہیں جو بندوں کے تھوڑے عمل کو بھی قبول کر لیتی ہے اور اس پر بہت بڑا اجر عطا کرتی ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لاتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے، اس کی مدح و ثنا کرتا ہے اور اس کو یہ بدلہ دیتا ہے کہ وہ اس کے قلب کو نور اور ایمان سے لبریز کر دیتا ہے اور اس کے بدن میں قوت و

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نشاط، اس کے احوال میں برکت اور نشو ونما اور اس کے اعمال میں مزید توفیق عطا کرتا ہے۔ پھر یہ بندۂ مومن آخرت میں جب رب کے پاس حاضر ہوگا تو وہاں اسے وافر اور کامل ثواب ملے گا، مذکورہ دنیاوی جزائیں اس کے اخروی ثواب میں کمی نہیں کریں گے۔ ﴿3﴾ اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کے لیے قدر دانی یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہے، جو چل کر اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے اللہ تعالیٰ بھاگ کر اس کی طرف بڑھتا ہے، جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کئی گنا منافع سے اسے نوازتا ہے۔ ﴿4﴾ اور باوجود یہ کہ وہ بندوں کے اعمال کا قدر دان ہے، وہ یہ بات بھی خوب جانتا ہے کہ کون اپنی نیت، ایمان اور تقویٰ کے مطابق کامل ثواب کا مستحق ہے اور کون اس ثواب کا حق دار نہیں۔ وہ بندوں کے اعمال کا علم رکھتا ہے، پس وہ ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی نیتوں کے مطابق، جن کو اللہ علیم وحکیم جانتا ہے، ان عملوں کا ثواب پائیں گے۔ (تفسیر سعدی: 198/1)

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (159) ﴾

”بے شک جو لوگ واضح دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جس کو ہم نے نازل کیا ہے اس کے بعد کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔“ (159)

سوال 1: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ ﴾ ”یقیناً جو لوگ کھلی نشانیوں اور ہدایت میں سے چھپاتے ہیں جس کو ہم نے نازل کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ”یقیناً جو لوگ کھلی نشانیوں اور ہدایت میں سے چھپاتے ہیں جس کو ہم نے نازل کیا ہے“ اس آیت کے بارے میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل کتاب نے اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات کو چھپایا۔ حالانکہ وہ اپنے یہاں تورات اور انجیل میں اسے لکھا ہوا پاتے تھے۔ (جامع البیان: 59/2) ﴿2﴾ ﴿ مِنَ الْبَيِّنَاتِ ﴾ ”کھلی نشانیوں میں سے“ حق پر دلالت کرنے والی اور اس کو ظاہر کرنے والی باتیں۔ (تفسیر سعدی: 199/1) ﴿3﴾ اس سے مراد حلال وحرام اور حدود وفرائض ہیں۔ ﴿4﴾ یہاں: بَیِّــنَــات سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفات ہیں جو پہلی کتابوں میں آئیں۔ ﴿5﴾ ﴿ وَالْهُدَىٰ ﴾ ”اور ہدایت“ ھدیٰ وہ علم ہے جس کے ذریعے سے صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے اور جس سے اہل جنت اور اہل جہنم کے راستوں کا فرق واضح ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 199/1)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿ مِنۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي ٱلۡكِتَٰبِ ﴾ ''اس کے بعد کہ ہم اس کو کتاب میں لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر چکے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہاں کتاب میں لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرنے سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔(زادالمسیر :148/1) ﴿2﴾ یہاں کتاب سے مراد تورات، زبور، انجیل اور قرآن ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے وعدہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتاب کا جو علم عطا کیا ہے اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسے ہرگز نہیں چھپائیں گے۔(تفسیر سعدی:199/1)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو کیسے چھپایا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو عام لوگوں تک نہ پہنچانے سے یہ تعلیمات چھپ جاتی ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو ہدایت کی بجائے دنیا کے فائدوں کے حصول کا ذریعہ بنا کر یہ تعلیمات چھپ جاتی ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو خاص لوگوں کی کتاب بنانے سے یہ تعلیمات عام لوگوں سے چھپ جاتی ہیں۔ ﴿4﴾ جب کسی موقع پر حق اور باطل کے درمیان کشمکش ہو جائے تو جاننے کے باوجود خاموشی اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات چھپ جاتی ہیں۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم نہ دینے سے یہ تعلیمات چھپ جاتی ہیں۔ ﴿6﴾ جب زندگی کے معاملات کے حوالے سے عام لوگ راہ نمائی چاہیں اور کتاب کا علم رکھنے والے اصل حکم کو چھپا لیں تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیمات چھپ جاتی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے علم کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ اسے چھپائے تو اسے روز قیامت جہنم کی آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔(ابوداؤد:3658)(مسند احمد:305/2)

سوال 4: ﴿ أُوْلَٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلۡعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ﴾ ''تو ان ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں'' سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ أُوْلَٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ ٱللَّهُ ﴾ ''ان ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے'' سے اس آیت میں یہ مراد ہے کہ علم کے چھپانے والوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت اور قربت سے دور کر دے گا۔ ﴿2﴾ ﴿ وَيَلۡعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ ﴾ اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر با زبان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی۔(ابن کثیر:236/1) ﴿3﴾ لعنت کا سبب حق کو چھپانا اور مخلوق کے ساتھ دھوکا کرنا ہے۔ ﴿4﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کا دین برباد کر دیا۔ ﴿5﴾ اعمال کی جزا اسی جنس سے دی جاتی ہے جیسے لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والے پر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتے ہیں۔ اس کے فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتی ہیں کیونکہ اس کی بھاگ دوڑ مخلوق کی بھلائی اور ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے صلے میں رحمتیں نازل کرتے ہیں، فرشتے اور سمندر کی مچھلیاں بھی دعائیں کرتی ہیں جب کہ حق کو چھپانے والا اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھپانے اور مٹانے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرشتوں اور مخلوقات کی لعنت ہے۔﴿6﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ''لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) بہت حدیثیں بیان کرتے ہیں اور (میں کہتا ہوں کہ) قرآن میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر یہ آیت پڑھی: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی دلیلوں اور آیات کو چھپاتے ہیں۔۔۔(واقعہ یہ ہے کہ) ہمارے مہاجر بھائی تو بازاروں کی خرید و فروخت میں لگے رہتے تھے اور انصار بھائی اپنی جائیدادوں میں مشغول رہتے اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جی بھر کر رہتا (تاکہ آپ ﷺ کی رفاقت میں شکم پری سے بھی بے فکری رہے) اور (ان مجلسوں میں) حاضر رہتا جن (مجلسوں) میں دوسرے حاضر نہ ہوتے اور وہ (باتیں) محفوظ رکھتا جو دوسرے محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔'' (صحیح بخاری:118) سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ابو بکر بن حازم کو لکھا کہ ''تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کی جتنی بھی حدیثیں ہوں، ان پر نظر کرو اور ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم دین کے مٹنے اور علمائے دین کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کی حدیث قبول نہ کرو اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور (ایک جگہ جم کر) بیٹھیں تا کہ جاہل بھی جان لے اور علم چھپانے ہی سے ضائع ہوتا ہے۔'' (صحیح بخاری: کتاب العلم: باب 34)

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (160)﴾

''مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کر دیا تو یہی لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کرتا ہوں اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔'' (160)

سوال 1: ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا﴾ ''مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور انہوں نے کھول کر بیان کر دیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہاں لعنت سے بچانے والے رویوں کو واضح کیا گیا ہے: (الف) توبہ۔ (ب) اصلاح۔ (ج) جو کچھ پہلے چھپایا تھا اسے بیان کرنا۔ ﴿2﴾ ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ ''مگر جن لوگوں نے توبہ کی'' جو لوگ ندامت کے ساتھ گناہ چھوڑ کر آئندہ کبھی نہ کرنے کا عزم لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے۔ ﴿3﴾ اس سے مراد ہے کہ جنہوں نے اپنے کفر سے توبہ کرنے کے بعد اسلام کی طرف رجوع کیا۔ ﴿4﴾ ﴿وَأَصْلَحُوا﴾ ''اور اصلاح کر لی'' اس سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے آپس کے معاملات کی اصلاح کی اور اس کی اصلاح کی جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان تھا۔ ﴿5﴾ محض برے کاموں کو چھوڑ دینا کافی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ جن لوگوں نے اپنی اصلاح کی۔ ﴿6﴾ ﴿وَبَيَّنُوا﴾ ''اور انہوں نے کھول کر بیان کر دیا'' انہوں نے اس چیز کو کھول دیا جو اللہ تعالیٰ اور ان کے درمیان تھا۔ نہ انہوں نے چھپایا اور نہ اس کا انکار کیا۔

سوال 2: ﴿فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ﴾ ''تو یہی لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کرتا ہوں'' کی وضاحت کریں؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿ **فَأُولٰٓئِكَ أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ** ﴾"تو یہی لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کرتا ہوں"﴿ **أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ** ﴾سے مراد ہے کہ میں رحمت کے ساتھ ان کی طرف لوٹوں گا۔﴿2﴾بندوں کی طرف سے توبہ گناہوں سے رجوع کر لینا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہربانی یہ ہے کہ اپنے بندوں سے توبہ قبول کر لے۔﴿3﴾جو توبہ لے کر اللہ تعالیٰ کے آگے حاضر ہوتا ہے وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

سوال3:﴿ **وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ** ﴾"اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہوں" اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات التَّوَّابُ اور الرَّحِيْمُ کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے پلٹ آنے والوں اور اصلاح کرنے والوں کو اپنی صفت ﴿ **التَّوَّابُ** ﴾ کا شعور دلایا ہے کہ اگر پلٹ آ ؤ گے تو گناہ گار نہیں رہو گے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ گناہ کے بعد توبہ کر لینے والے کے ساتھ عفو و درگزر سے پیش آتا ہے۔ان پر پھر اپنے انعامات کی بارش برسا دیتا ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے پلٹ آنے والوں اور اصلاح کرنے والوں کو اپنی صفت ﴿ **الرَّحِيْمُ** ﴾ کا شعور دلایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ممکن ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ آئے، اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کرنا شروع کر دیا۔

﴿ **إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ** (161)﴾

"یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔"(161)

سوال1:﴿ **إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ** ﴾"یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ **إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** ﴾جو لوگ اپنے کفر پر اصرار کرتے رہے انہوں نے توبہ کی نہ اپنے رب کی طرف رجوع کیا، نہ اس کی طرف پلٹے۔﴿2﴾﴿ **وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ** ﴾"اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے" انہوں نے کفر ہی کی حالت میں جان دے دی۔

سوال2: کفر کسے کہتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾حق کو چھپانے اور اس کو تسلیم کرنے سے انکار کرنے کو کفر کہتے ہیں۔﴿2﴾قرآن حکیم کو اپنی زندگی کی راہ نمائی کی کتاب ماننے سے انکار کرنے کو کفر کہتے ہیں۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے احکامات کو ماننے سے انکار کرنے کو کفر کہتے ہیں۔

سوال3: لعنت سے کیا مراد ہے؟

جواب: لعنت سے مراد ہے غصے، قہر اور غضب سے کسی کو دھتکارنا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ **ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا** ﴾ قیامت کے دن تم میں سے کوئی کسی دوسرے کا انکار کرے گا اور تم میں سے کوئی دوسرے پر لعنت کرے گا۔(العنکبوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

:25)(الاحکام القرآن،ابن عربی:76/1)

سوال4: ﴿ أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ ٱللَّهِ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ وَٱلنَّاسِ أَجۡمَعِينَ ﴾ ''وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی ،فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ لَعۡنَةُ ٱللَّهِ ﴾ ''وہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے'' ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کا سبب ان کا کفر ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی لعنت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نکال دے۔ ﴿3﴾ ﴿ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةِ ﴾ ''اور فرشتوں کی'' فرشتوں کی لعنت سے مراد آسمان والوں کی لعنت ہے۔ ﴿4﴾ ﴿ وَٱلنَّاسِ أَجۡمَعِينَ ﴾ ''اور سب لوگوں کی'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سب لوگوں سے مراد خاص طور پر مومن ہیں۔

سوال5: کافروں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی لعنت کا سبب کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کافروں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی لعنت کا سبب یہ ہے کہ کافر ہدایت کے کھلے دروازے کو اپنے لیے بند کرتا ہے۔ ﴿2﴾ کافر حق کو چھپاتا ہے۔ ﴿3﴾ کافر گمراہی پر اصرار کرتا ہے۔

﴿ خَٰلِدِينَ فِيهَاۖ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ ٱلۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنظَرُونَ (162) ﴾

''اس (جہنم) میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔''(162)

سوال1: ﴿ خَٰلِدِينَ فِيهَا ﴾ ''اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ کافر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی لعنت میں رہیں گے۔ ﴿2﴾ یعنی جب کفر کی علت موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کا حکم اس کی لعنت بھی موجود رہے گی۔ ﴿3﴾ لعنت اور عذاب دونوں ان کے لیے لازم وملزوم رہیں گے۔

سوال2: ﴿ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ ٱلۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنظَرُونَ ﴾ ''ان پر سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ لَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ ٱلۡعَذَابُ ﴾ ''ان پر سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا'' ان کا عذاب ہلکا نہ ہوگا۔ انہیں سخت اور دائمی عذاب دیا جائے گا۔ ﴿2﴾ ﴿ وَلَا هُمۡ يُنظَرُونَ ﴾ ''اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے'' مہلت کا وقت اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی زندگی میں دیا ہے۔ اس زندگی کے گزر جانے کے بعد ان کے لیے کوئی عذر نہیں رہے گا۔

سوال3: جو لوگ کفر کی حالت میں مرجائیں ان کی کیا سزا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ان پر اللہ تعالیٰ ،فرشتوں اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ خَٰلِدِينَ فِيهَا ﴾ اس لعنت کی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گے۔﴿3﴾﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ﴾ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی۔﴿4﴾﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ان کو کسی قسم کی مہلت نہیں دی جائے گی۔

﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (163) ﴾

''اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں وسیع رحمت والا،نہایت رحم والا ہے۔''(163)

سوال1: اس آیت کا سبب نزول بیان کریں؟

جواب: مشرکین عرب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ (ﷺ) جس خدا کی عبادت کو ہمیں بتلاتے ہیں اس کا کچھ حال تو بیان کیجئے۔ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔(معالم)(تفسیر ثنائی:111/1)

سوال2: ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾''تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾''تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے''﴿1﴾یعنی وہ اپنی ذات،اسماء وصفات اور افعال میں اکیلا ہے۔اس کی ذات میں نہ کوئی اس کا شریک ہے نہ ہم نام،نہ ہمسر،نہ اس کی کوئی مثال ہے۔﴿2﴾اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا ثبوت ہے۔﴿3﴾اس کے سوا کوئی کائنات کو پیدا کرنے والا ہے نہ تدبیر اور انتظام کرنے والا۔جب حقیقت یہ ہے تو وہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ(الف)انسان صرف اس کی عبادت کرے۔(ب)انسان اس کے لیے جئے اور اسی کے لیے مرے۔(ج)انسان اپنی تمام امیدوں اور تمناؤں کو اس کے ساتھ وابستہ کر دے۔(د)انسان اس کی طرف توجہ رکھے۔(ہ)انسان اسے اپنا سب کچھ بنالے۔﴿4﴾اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں وہ اپنی ذات اسماء وصفات اور افعال میں اکیلا ہے۔کوئی اس کا شریک نہیں۔اس کے علاوہ کوئی خالق ومدبر نہیں۔اس لیے عبادت کی تمام صورتیں صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔(تیسیر الرحمٰن:89/1)

سوال3: ﴿هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾''وہ وسیع رحمت والا،نہایت رحم والا ہے''اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی صفات الرَّحْمٰنُ اور الرَّحِيْمُ کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی تخلیق کو رحمت قرار دیا ہے اور تخلیق کی نشانیوں سے اپنے الرحمٰن اور الرحیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم بے پایاں ہے۔وہ رحمٰن ہے،وہ رحیم ہے۔اس لئے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی بھی جہنم میں جائے یا اس کے غضب وجلال کا مستحق ہو۔اس لیے اگر کوئی خواہ مخواہ اس کی مخالفت کرے یا اس کی آغوش رحمت سے نکلنا چاہے تو وہ مجبور نہیں کرتا۔(سراج البیان:56/1)﴿2﴾اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مثل کسی کی رحمت نہیں۔﴿3﴾اس کی رحمت نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔﴿4﴾اس کی رحمت کی وجہ سے کائنات اور مخلوقات وجود میں آئے۔﴿5﴾اس کی رحمت سے مخلوقات کمالات حاصل کرتی ہیں۔﴿6﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس نے اپنی رحمت سے رسول بھیج کر، کتابیں بھیج کر اپنے بارے میں علم دیا اور اس کے بندوں نے اسے پہچان لیا۔﴿7﴾ بندوں کو جو نعمت حاصل ہوئی ہے، اس کی رحمت سے ہوئی ہے اس لیے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔﴿8﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا ثبوت ہے۔

رکوع نمبر 20

﴿ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَالۡفُلۡکِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَبَثَّ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ (164)﴾

’’بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے بدلنے میں اور ان کشتیوں میں جو وہ چیزیں لے کر سمندر میں چلتی ہیں جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں یقیناً ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔‘‘(164)

سوال 1: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت کے لیے کیا دلائل دیے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور آپ کا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ سیدنا جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا: تمہاری دعا قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے: نہیں اللہ تعالیٰ تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا۔ کیا عجب آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ کچھ کم ہیں۔ (ابن کثیر: 238/1) ﴿2﴾ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے کتاب التفکر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴾ کو پڑھ کر فرمایا: ’’افسوس ہے اس شخص کے حال پر جو ان آیات کو پڑھے اور پھر غور و فکر نہ کرے۔‘‘ اوزاعی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ فکر کا غایت درجہ کیا ہے؟ فرمایا: ان آیات کو پڑھنا اور ان کے مضمون کو سمجھنا واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری: 279/1) ﴿3﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت کے لیے کائنات کی تخلیق

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اوراس کے نظم اور تدبیر کے بارے میں سات اہم معاملات سے دلائل دیئے ہیں۔(الف) آسمان وزمین کی پیدائش۔(ب) رات اوردن کا اختلاف۔(ج) سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا۔(د) بارش جوزمین کی روئیدگی اور تازگی کے لیے ضروری ہے۔(ہ) ہرقسم کے جانوروں کی پیدائش۔(و) ہواؤں کی گردش۔(ز) بادل جنہیں اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے برساتا ہے۔اس نظم وتدبیر میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں۔اس لیے عدل کا تقاضا ہے کہ اسی کو عظمت اور عبادت میں اکیلا مانا جائے۔

سوال 2: ﴿**اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ**﴾ ''بے شک آسمانوں اورزمین کی تخلیق میں'' اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی پہلی دلیل ہے کیسے؟اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿**اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ**﴾ ''بے شک آسمانوں کی تخلیق میں'' اللہ تعالیٰ آسمانوں کا خالق ہے یہ اس کے تنہا معبود ہونے کی پہلی دلیل ہے۔اس اعتبار سے کہ آسمان کی بلندی اور وسعت کو ہم دیکھتے ہیں۔اس کے سیاروں اور ستاروں کی گردش کا ایک نظام ہے۔ ہرنظام کا کوئی بنانے والا، چلانے والا اور قائم رکھنے والا ہوتا ہے۔کوئی نظام نہ خودبخود بنتا ہے اور نہ قائم رہتا ہے۔اس جہان میں کوئی بھی معمولی سے معمولی چیز نہ پیدا کرسکتا ہے نہ اسے قائم رکھ سکتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ ہے جو اس کی تخلیق،اس کے چلانے اور قائم رکھنے میں منفرد ہے۔

﴿2﴾ ﴿**وَالۡاَرۡضِ**﴾ ''اورزمین میں (کی تخلیق میں)'' اللہ تعالیٰ کے تنہا ہونے کی دلیل ہے اس اعتبار سے کہ زمین کی پستی،اس کے سمندر، پہاڑ،صحرا،میدان،اس کی نباتات کے خواص اس کے حیوانات اور جمادات کے اثرات،اس کے رات اوردن کی لگاتار آمدورفت ایک باقاعدہ نظام کے ساتھ جاری ہے۔یہ سارا نظام نہ خودبخود قائم ہے نہ قائم رہ سکتا ہے۔اس کا کوئی نہ کوئی بنانے والا، چلانے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ واحد نے زمین کو پیدا کیا اور اس کی ہر چیز کو تخلیق کیا۔

سوال 3: ﴿**وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ**﴾ ''اوررات اوردن کے بدلنے میں'' اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی دلیل ہے کیسے؟ وضاحت کریں؟

جواب: ﴿**وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ**﴾ ''اوررات اوردن کے بدلنے میں'' رات اور دن کی تبدیلی کائناتی عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس کے رات اوردن کی لگاتار آمدورفت ایک باقاعدہ نظام کے ساتھ جاری ہے۔کبھی دن بڑا ہو جاتا ہے کبھی رات، کبھی دن گھٹ جاتا ہے کبھی رات، کبھی برابر ہوجاتے ہیں۔وہ اللہ تعالیٰ ہے جو رات کو دن میں اوردن کو رات میں داخل کرتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ خِلۡفَةً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّذَّكَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُكُوۡرًا﴾ اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا ہر اس شخص کے لیے جو چاہے کہ نصیحت حاصل کرے یا شکرگزار بننا چاہے۔ (الفرقان:62) ﴿وَ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیۡنِ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَةَ الَّیۡلِ وَ جَعَلۡنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبۡصِرَةً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰهُ تَفۡصِیۡلًا﴾ ہم نے رات اوردن کو دو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی کو بے نور کردیا اوردن کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نشانی کو روشن بنایا ہے تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو اور تاکہ تم برسوں کی تعداد اور حساب معلوم کرسکو اور ہر چیز کو ہم نے خوب کھول کر بیان کیا ہے، خوب کھول کر بیان کرنا۔(بنی اسرائیل:12)﴿يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ﴾ وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور سورج اور چاند کو اس نے مسخر کر رکھا ہے، ہر ایک مقررہ وقت تک کے لیے چل رہا ہے، یہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب، بادشاہی اسی کی ہے اور اس کے سوا جن لوگوں کو بھی تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کی ملکیت بھی نہیں رکھتے۔(فاطر:13) یہ سارا نظام خود سے قائم نہیں ہے۔اس کا کوئی بنانے والا، چلانے والا اور قائم رکھنے والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس نظام کو پیدا کیا اور اس کی ہر چیز کو تخلیق کیا۔

سوال 4: ﴿وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ ''اور ان کشتیوں میں جو وہ چیزیں لے کر سمندر میں چلتی ہیں جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں'' اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی تیسری دلیل کیسے ہے؟ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لیے ہوئے سمندر میں چلتی ہیں'' کشتیوں کا سمندر میں چلنا، پانیوں کا راستہ دینا اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی تیسری دلیل ہے۔اس اعتبار سے کہ سمندر حیات کا لامتناہی سلسلہ سموئے ہوئے ہیں۔سمندروں کی سطح پر جہاز چلتے ہیں جس کے ذریعے سامان ضرورت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے۔سمندروں کا حیرت انگیز نظام چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

سوال 5: ﴿وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ ''اور اس پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا'' اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی چوتھی دلیل کیسے ہے؟ وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا'' آسمان سے بارش کا اتارنا ایک کائناتی عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی چوتھی دلیل ہے۔اس اعتبار سے کہ آسمانوں سے جو پانی برستا ہے، زمین سے اوپر اٹھتا ہے، پھر وہی پانی زمین کو زندہ کرتا ہے۔یہ سارا نظام بنانے والا، چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

سوال 6: ﴿وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ ''اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے'' اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی پانچویں دلیل کیسے ہے؟ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ ''اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے'' اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیے، تخلیق اور پھیلانا اس کے تنہا معبود ہونے کی پانچویں دلیل ہے اس اعتبار سے کہ زمین پر پیدا ہونے والے جانوروں کی رنگت، شکلیں، جسامت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

،فائدے مختلف ہیں۔ ہر جانور کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہی ان کے رزق کا انتظام کرتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾ زمین میں چلنے والا کوئی جان دار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اور وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو بھی جانتا ہے اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی، سب کچھ ایک واضح کتاب میں ہے۔ (ہود:6) اللہ تعالیٰ ہی ہر جانور کے ٹھہرنے اور سپرد ہونے کی جگہ کو جانتا ہے اور وہ تنہا معبود اللہ تعالیٰ ہے۔

سوال 7:﴿ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ ﴾ ''اور ہواؤں کی گردش میں'' اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی چھٹی دلیل کیسے ہے؟ وضاحت کریں؟

جواب:﴿ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ ﴾ ''اور ہواؤں کی گردش میں'' ہواؤں کی تخلیق اور ان کی گردش اتنا بڑا عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی چھٹی دلیل ہے اس اعتبار سے کہ ہوائیں رحمت والی بھی ہوتی ہیں اور عذاب والی بھی۔ کبھی بادل لے کر آتی ہیں، کبھی ان کو منتشر کر دیتی ہیں۔ ہواؤں کا وسیع پیمانے پر چلانا کسی چلانے والے کے بغیر ممکن نہیں۔ ان کو چلانے والا تنہا معبود اللہ تعالیٰ ہے۔

سوال 8:﴿ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ﴾ ''اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہیں'' اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی ساتویں دلیل کیسے ہے؟ وضاحت کریں؟

جواب: ''اور بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر ہیں'' بادلوں کا مسخر ہونا اللہ تعالیٰ کے تنہا معبود ہونے کی ساتویں دلیل ہے اس اعتبار سے کہ بادلوں کا وسیع وعریض سلسلہ جو آسمان کے مختلف حصوں میں پھیلا رہتا ہے، کہیں وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں، کہیں منتشر ہو جاتے ہیں۔ کسی چلانے والے کے بغیر یہ بادل نہ چلتے ہیں نہ برستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جہاں جس وقت بھیجتا ہے چلے جاتے ہیں۔ جہاں سے چاہتا ہے وہ بادلوں کو واپس بلا لیتا ہے۔

سوال 9: رب کی پہچان کے لیے پہلا کام کیا کرنا چاہیے؟

جواب:﴿1﴾ زمین وآسمان اور پوری کائنات پر غور وفکر کرنا چاہیے۔ ﴿2﴾ کائنات کی نشانیاں کائنات کے خالق کا پتہ دیتی ہیں۔ کیونکہ (i) عظیم الشان کائنات کا ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ (ii) مختلف طرح کے اختلافات اور تضادات کے باوجود کائنات کی تمام چیزوں میں حد درجہ ہم آہنگی یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کا خالق اور مالک صرف ایک ہے۔ (iii) کائنات کی ہر چیز میں نفع بخشنے کی صلاحیت کا ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس کی منصوبہ بندی پورے شعور اور ارادے کے ساتھ کی گئی ہے۔ (iv) بے جان چیزوں میں زندگی کا آنا یہ ثابت کرتا ہے کہ موت عارضی ہے اور دوسری زندگی آنی ہے۔ کوئی ہے جو پہلی زندگی کے بعد دوسری زندگی کا سسٹم بنا چکا ہے۔ (v) ایک ہی پانی، ایک ہی مٹی سے قسم قسم کے جانداروں کا پیدا ہونا بے حساب قدرت والے کا پتہ دیتا ہے۔ (vi) ہوا کا انسان کو گھیرے رکھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان اپنے رب کے قبضے میں ہے۔ (vii) کائنات کی ہر چیز کا انسان کی ضرورت کے مطابق ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا خالق بے حد مہربان ہے۔ وہ اس کی ضروریات کا اہتمام اس وقت سے کر رہا ہوتا ہے جبکہ اس کا وجود بھی نہیں ہوتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 10: کائنات اور انسان کا کیسا تعلق ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کائنات کو انسان کے لیے بنایا ہے۔ مثال کے طور پر انسان کے لیے بارش برستی ہے۔ انسان کی ایک خوراک کے لیے سارے نظام مصروف ہو جاتے ہیں۔

سوال 11: ﴿ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ ''یقیناً ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں'' عقل والے کائنات کی نشانیوں سے کیا سبق لیتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ عقل والے کائنات کی نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتے ہیں۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ یقیناً آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیں۔ (آل عمران: 190، 191)

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ (165) ﴾

''اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں، وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ شدید ہیں اور کاش! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ دیکھ لیں (اس وقت کو) جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (تو سمجھ جائیں گے) کہ یقیناً ساری کی ساری قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب والا ہے۔'' (165)

سوال 1: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ ''اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ہمسر بنا لیتے ہیں۔ انہیں وہ عبادت، محبت، تعظیم اور اطاعت میں اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ ﴿2﴾ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمسر بناتے ہیں وہ تخلیق، رزق اور تدبیر میں اللہ تعالیٰ کے برابر قرار نہیں دیتے بلکہ صرف عبادت میں برابر قرار دیتے ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے ماسوا جن بتوں کی عبادت کی جاتی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ ﴿4﴾ ﴿ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ ''جو غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں''، یعنی کوئی خود سے اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے،لوگ غلط فہمی سے انہیں یہ درجہ دے دیتے ہیں۔ ﴿5﴾ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ﴾ اورانہوں نے اللہ تعالیٰ کے کچھ شریک بنا لیے ہیں۔آپ کہہ دیں تم ان کا نام پکارو، یا تم اللہ تعالیٰ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جس کو وہ زمین میں جانتا ہی نہیں ہے؟ یا یہ ظاہری باتوں میں سے ہیں۔(الرعد:33) ﴿اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى﴾ یہ (بت) کچھ نہیں سوائے چند ناموں کے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں، ان کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی نہیں وہ پیچھے چلتے مگر وہم وگمان کے اور جو ان کے دل چاہتے ہیں۔ حالانکہ بلاشبہ یقیناً ان کے رب کی جناب سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔(النجم:23) ﴿6﴾ مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہمسر نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ رب ہے اور باقی مربوب، وہ خالق ہے اور باقی مخلوق، وہ رازق ہے اور باقی مرزوق۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور مخلوق محتاج ہے اس لیے برابر نہیں ہو سکتے۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ کامل ہے اور مخلوق ناقص ہے۔ ﴿9﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نفع ونقصان ہے اور مخلوق کو نفع ونقصان میں سے کسی چیز کا اختیار نہیں۔ ﴿10﴾ وہ باطل پرست ہے جو کسی فرشتے، نبی، بت، بزرگ یا کسی اور کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں شریک ٹھہرا لیتا ہے۔

سوال 2: شرک کیا ہے؟

جواب: عبادت کے جذبے کی تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ کی جگہ کسی فرضی خدا کو الٰہ بنالینا۔

سوال 3: انسان اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری ہستیوں کو بڑا کیوں بنالیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کوئی اپنے غیر معمولی ذاتی اوصاف سے دوسروں کو متاثر کر لیتا ہے۔ ﴿2﴾ کسی کے یہاں انسانوں کی بڑی تعداد دیکھ کر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ وہ عام انسانوں سے بلند تر کوئی انسان ہے۔ ﴿3﴾ کسی انسان کے بارے میں یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ غیر معمولی قوتوں کا حامل ہے۔ ﴿4﴾ کسی کے لیے پراسرار کہانیاں گھڑ لی جاتی ہیں۔اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں میں بھی بڑائی دیکھنے لگتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کوئی بڑائی نہیں۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا ہم سر ٹھہرانا دراصل شرک کرنا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر اعتماد کرنا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے امید باندھنا۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سہارا بنانا۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنی توجہ کا مرکز بنانا۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے دعائیں مانگنا۔

سوال 5: ﴿یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ ''وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں'' انسان خودساختہ شریکوں سے شدید محبت کیسے کرتا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: جب انسان کسی ہستی کو اپنا معبود بناتا ہے تو اس کی عقیدت اور محبت کے جذبات اس کے لیے خالص ہو جاتے ہیں۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے کہ وہ کسی سے شدید محبت کرے۔ انسان کی فطرت کے اس خلا کو رب العالمین کی محبت سے پر ہونا چاہئے لیکن وہ اس کی جگہ دوسری ہستیوں کو ان کی کسی ظاہری خصوصیت کی بناء پر بٹھالیتا ہے۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے محبت کرنے کے نقصانات کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کا اعتماد ٹوٹتا ہے کیونکہ جن سے انسان محبت کرتا ہے وہ اس کے اعتماد پر پورا نہیں اتر سکتے۔ ﴿2﴾ انسان ناامید ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی انسان کی امیدوں پر پورا نہیں اتر سکتا۔ ﴿3﴾ انسان کے اندر کی تشنگی اور کمی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ ﴿4﴾ انسان جب کسی اور کو مرکز توجہ بناتا ہے تو اپنی زندگی میں وہ دن دیکھتا ہے کہ اسی کے ہاتھوں انسان ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے۔ ﴿5﴾ انسان اگر دوسروں سے دعائیں مانگے تو پوری نہیں ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کوئی پورا کر ہی نہیں سکتا۔ ﴿6﴾ انسان کی ذات کا خلا کسی کی محبت پر نہیں کر سکتی۔ اس طرح انسان ہمیشہ غیر مطمئن رہتا ہے۔ ﴿7﴾ انسان جب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ انسان کا مالک بن بیٹھتا ہے اور محبت کرنے والوں کے ساتھ غلاموں جیسا برتاؤ کرتا ہے۔

سوال 7: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادہ شدید ہیں'' ایمان والے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کیوں کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ایمان لانے کا لازمی تقاضا اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ یہ محبت مومن کا سرمایہ ہے۔ اسی محبت کے لئے سبقت لے جانے والوں کو سبقت لے جانی چاہئے۔ اسی کے لیے عمل کرنے والوں کو بڑھ چڑھ کر عمل کرنا چاہئے۔ ﴿2﴾ اہل ایمان کی محبت اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہوتی ہے اور اہل شرک دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں شریک کر لیتے ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی محبت باد نسیم ہے جو عبادت کرنے والوں کے لیے راحت کا سامان بنتی ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے اپنی ہمت، کوشش، اپنا وقت، صلاحیتیں، قوتیں، مال سبھی کچھ لگا دیتے ہیں۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کی محبت دل کی عبادت اور اطاعت کی روح ہے۔ ہر محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کو اپنے لیے بڑا انعام سمجھتا ہے۔ محبت میں اطاعت ناپسندیدہ نہیں رہتی، بوجھ نہیں رہتی۔ اطاعت سے قوت ملتی ہے، لذت ملتی ہے۔ ﴿6﴾ محبت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول سب سے بڑی سرگرمی بن جاتا ہے۔ ﴿7﴾ محبت سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا اشتیاق بڑھ جاتا ہے۔ محبت میں انس ہے، رضا ہے، شوق ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پالے گا، ایک یہ کہ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ عزیز ہوں اور دوسرے یہ کہ جو کسی بندے سے محض اللہ تعالیٰ ہی کے لیے محبت کرے اور تیسری بات یہ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے کفر سے نجات دی ہو پھر دوبارہ کفر اختیار کرنے کو وہ ایسا برا سمجھے جیسا آگ میں گر جانے کو برا جانتا ہے۔ (بخاری:21) ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مومن صالحین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے، انبیاء سے، اللہ تعالیٰ سے، دین سے اور محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ ﴿9﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں: میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اسے محبوب رکھو۔ فرمایا: پس جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر آسمان میں منادی کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کے لیے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔“ (صحیح مسلم: 6705) ﴿10﴾ اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے انسان میں وسعت آتی ہے وہ انسانوں، جانوروں اور ہر مخلوق کے لئے شفیق ہو جاتا ہے۔ ﴿11﴾ اللہ تعالیٰ کی محبت زندگی کا دھارا بدل دیتی ہے، تمنائیں بدل جاتی ہیں، دل چسپیوں کے مرکز بدل جاتے ہیں، سرگرمیاں بدل جاتی ہیں، تعلقات اور روابط بدل جاتے ہیں، دوستیاں، دشمنیاں بدل جاتی ہیں، معیارات بدل جاتے ہیں۔ ﴿12﴾ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی رکھی، اللہ تعالیٰ کے لیے دیا اور اللہ تعالیٰ کے لیے روک لیا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا (ورنہ اس کا ایمان ناقص ہے)۔“ (ابوداؤد: 4681) ﴿13﴾ اللہ تعالیٰ کی محبت زندگی میں کلی تبدیلی لے کر آتی ہے جیسی تبدیلی انبیاء اور ان کے ساتھیوں میں آئی۔ اسی لیے ایمان والے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں۔ یا ارحم الرّاحمین! ہمیں اپنی محبت نصیب فرما دے۔ نبی ﷺ کی دعا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِی یُبَلِّغُنِی حُبَّکَ ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِی وَمَالِی وَاَھْلِی وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ ۔ الٰہی میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کی محبت کا۔ اور آپ سے محبت کرنے والے کی اور ایسے عمل کی محبت جو مجھ کو پہنچا دے آپ کی محبت تک۔ الٰہی اپنی محبت میری طرف بہت محبوب کر دے، میری جان سے اور میرے مال سے اور میرے اہل سے اور ٹھنڈے پانی سے۔ (مشکوۃ باب جامع الدعا) اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِی حُبُّهٗ عِنْدَکَ اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِی مِمَّآ اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّی فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ مَا زَوَیْتَ عَنِّی مِمَّآ اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّی فِیْمَا تُحِبُّ اے اللہ! مجھ کو اپنی محبت عطا کر اور اس شخص کی محبت دے جس کی محبت مجھے تیرے نزدیک ہونے میں فائدہ دے۔ اے اللہ! جو تو نے مجھے عطا کیا ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں تو اس کو میرے ان کاموں کے لیے قوت کا سبب بنا دے جن سے تو محبت رکھتا ہے۔ اے اللہ! جو تو نے مجھ سے لے لیا ہے جس سے میں محبت کرتا ہوں تو اس کو میرے ان کاموں کے لیے فراغت کا باعث بنا دے جس سے تو محبت کرتا ہے۔ (ترمذی: 5/523) اے اللہ! تیری محبت کے لیے سبقت لے جانے والے سبقت لے جاتے ہیں تو ہمیں اپنی محبت نصیب فرما دے۔ اے اللہ! عمل کرنے والے تیری طرف بھاگتے ہیں، ہمیں بھاگنے والوں میں شامل فرما دے۔ اے ہر قوی سے زیادہ قوت والے! تیری محبت دلوں کی قوت ہے، دل کا سرور، امیدوں کی تکمیل اور زندگی کی روح ہے۔ الٰہی تیری محبت ہی سب سے بڑی دولت ہے۔ ہمیں اپنی محبت نصیب فرما دے۔ آمین۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ سے محبت کا دین میں کیا درجہ ہے؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ سے محبت دین کی اصل اور بنیاد ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ سے محبت واجب ہے۔ایک دفعہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ابوالعباس سریج رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابن سریج رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے مخاطب ہوکر سوال کیا: کیا تمہارے علم کے مطابق کتاب اللہ میں کہیں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت فرض ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''مجھے اس کا علم نہیں'' ابن سریج نے جواب دیا: ''اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے:﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبہ:24) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت نہ کرنے پر شدید وعید سنائی گئی ہے اور وعید فرض ترک کرنے پر ہی ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محبت فرض ہے۔(شعب الایمان:365)﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی محبت ایمان کی روح اور اعمال کی بنیاد ہے۔ اگر بندے میں یہ ایمانی کیفیت نہ ہو تو اس کی حیثیت اس جسم کی سی ہے جو بے جان ہے۔

سوال 9: اللہ تعالیٰ جیسی محبت کسی اور سے کرنا شرک ہے، وضاحت کریں؟

جواب: محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک عام محبت اور دوسری خاص محبت۔ عام محبت وہ ہے جو طبعی طور پر ہوتی ہے۔ جیسی کھانے پینے سے محبت یا رحم و کرم کی بناء پر ماں باپ کی اولاد سے محبت یا میل جول اور انس کی وجہ سے محبت جو انسانوں کے باہم میل جول کی وجہ سے ان کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ محبت شرک نہیں ہے۔ دوسری قسم کی محبت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خاص ہے۔ جب بھی بندہ اس قسم کی محبت کسی اور سے کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ شرک شمار کیا جائے گا۔ اس کا نام محبت عبودیت ہے جس میں محبت کرنے والا محبوب کے سامنے ذلت و خواری، خشوع و خضوع اختیار کرتا ہے، محبوب کی تعظیم کرتا ہے۔ اس کی بھرپور اطاعت کرتا ہے اسے دوسروں پر ترجیح دیتا ہے۔ غیر اللہ سے اس قسم کی محبت روا رکھنے کا کسی صورت کوئی جواز نہیں۔(تیسیر العزیز الحمید:411)

سوال 10: بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامتیں اور نشانیاں کیا ہیں؟

جواب:﴿1﴾بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت ہے: اس سے ملاقات کا بے تابی سے خواہش مند ہونا۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوت، مناجات اور تلاوت میں سکون پانا۔﴿3﴾صالح لوگوں سے محبت کرنا۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا اور اس میں لذت محسوس کرنا۔﴿5﴾ مکروہات پر صبر کرنا۔﴿6﴾ذکر الٰہی کا عادی ہونا۔﴿7﴾خلوت میں اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت سے رونا۔﴿8﴾ قرآن مجید سے محبت اور لگاؤ۔﴿9﴾نیک اعمال میں سستی پر حسرت و ندامت کا اظہار۔﴿10﴾اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کی عظمت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سامنے ہیچ سمجھنا۔ ﴿11﴾دوستی اور دشمنی کا معیار اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہونا۔ ﴿12﴾مسلمانوں کے لیے نرم خو اور کافروں کے لیے شدت پسند ہونا۔ ﴿13﴾شرعی احکامات کی اتباع۔

سوال 11: اللہ تعالیٰ کی محبت کے اسباب اور ذرائع کون سے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا۔ ﴿2﴾فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل ادا کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا۔ ﴿3﴾زبان، دل اور اعضاء سے اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنا۔ ﴿4﴾اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر غور وفکر کرنا۔ ﴿5﴾اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عبرت کے ارادے سے مشاہدہ کرنا۔ ﴿6﴾اللہ تعالیٰ کے آسمان سے نزول کے موقع پر مناجات کرنا۔ ﴿7﴾قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔

سوال 12: اللہ تعالیٰ سے محبت کے کیا فوائد اور ثمرات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾جنت میں داخلہ اور جہنم سے دوری۔ ﴿2﴾اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس سے محبت کرتی ہے اور اس کی مدح سرائی کرتی ہے۔ ﴿3﴾انسانوں کی لعنت ملامت اور ان کے طعنوں سے حفاظت کی جاتی ہے۔

سوال 13: ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوٓا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ﴾ ”اور کاش! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ دیکھ لیں (اس وقت کو) جب وہ عذاب کو دیکھیں گے (تو سمجھ جائیں گے) کہ یقیناً ساری کی ساری قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوٓا﴾ ”اور کاش! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ دیکھ لیں“ ﴿1﴾یہاں اللہ تعالیٰ نے شرک کرنے والوں کو ظالم کہا ہے جو اللہ تعالیٰ جیسی محبت غیر اللہ سے کرتے ہیں۔ ﴿2﴾جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسروں کی اطاعت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کے راستے سے روکتے ہیں اور ان کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اور آخرت میں جنت اور رب کی قربت سے دور کر دیتے ہیں۔ ﴿3﴾﴿إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ﴾ ”(اس وقت کو) جب وہ عذاب کو دیکھیں گے“ یعنی جب اپنی آنکھوں سے دوزخ کا عذاب دیکھیں گے۔ ﴿4﴾﴿أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ ”یقیناً ساری کی ساری قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے“ اس وقت یقینی طور پر سب کو معلوم ہو جائے گا کہ قوت اور قدرت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی کی کوئی قوت اور قدرت نہیں ہے۔ ﴿5﴾اس وقت جھوٹے معبودوں کی کمزوری اور بے بسی ظاہر ہو جائے گی۔ ﴿6﴾﴿وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ﴾ ”اور یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب والا ہے“ اس وقت شرک کرنے والوں کو یقین آ جائے گا کہ ان کا گمان درست نہیں تھا۔ ان کی تو ساری بھاگ دوڑ باطل کے لیے تھی جس نے عذاب واجب کر دیا۔

سوال 14: اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے اپنی قوت کا شعور دلایا ہے کہ جو چیز اب تمہارے شعور کے اندر بے دار نہیں ہو پا رہی عذاب دیکھ کر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بے دار ہو جائے گی لیکن آج بھی اگر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بارے میں یقینی علم سے جان لو تو اس کی قوتوں کا یقین آ جائے گا۔

سوال 15: اللہ تعالیٰ نے اپنے ﴿شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾ ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اعمال کے حسرت بنا دینے سے، ظالموں کے دوزخ سے کبھی نہ نکل سکنے سے اپنے ﴿شَدِيْدُ الْعَذَابِ﴾ ہونے کا شعور دلایا ہے۔

﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ (166) ﴾

"جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی ان لوگوں سے بالکل بےتعلق ہو جائیں گے جنھوں نے پیروی کی اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات بالکل ٹوٹ جائیں گے۔" (166)

سوال 1: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ﴾ "جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی ان لوگوں سے بالکل بےتعلق ہو جائیں گے جنھوں نے پیروی کی" قیامت کے دن دیوی، دیوتا اپنے پجاریوں سے کیسے اظہار بےزاری کریں گے؟

جواب: ﴿1﴾ فرشتے اپنے پجاریوں سے بےزار ہو کر رب سے کہیں گے۔ ہم ان سے بےزار ہیں یہ ہمارے پجاری نہ تھے۔ جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴾ وہ کہیں گے: "پاک ہے تیری ذات، ان کی بجائے آپ ہی ہمارے دوست ہیں بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان کے اکثر ان ہی پر ایمان لانے والے تھے۔" (سبا:41) ﴿2﴾ جن اور شیطان بھی اپنے پجاریوں سے اظہار بےزاری کریں گے جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ اور اس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں پکارتا ہے؟ جو قیامت کے دن تک اسے کوئی جواب نہیں دے سکتے حالانکہ وہ ان کی دعا ہی سے غافل ہیں اور جب تمام انسان جمع کر دیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے۔ (الاحقاف:5، 6) ﴿3﴾ پیروی کرنے والوں سے وہ لوگ کہیں گے جن کی پیروی کی گئی تھی کہ جب تمہارے پاس یہ آیت آ چکی تھی تو کیا ہم نے تمہیں اس سے روک دیا تھا؟ کمزور لوگ کہیں گے تم نے ہمیں دھوکہ دیا۔ تم ہم سے کہتے تھے ہم اللہ تعالیٰ کو نہ مانیں اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں تم نہ ہوتے تو ہم ایمان لے آتے۔ ﴿4﴾ جب پیروکاروں سے ان کے راہ نما برأت کا اظہار کریں گے تو ان کے سارے تعلقات منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں ان کے درمیان تھے۔ وہ تعلقات اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں باطل پر تھے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس لیے وہ برباد ہو جائیں گے اور حسرت اور ندامت بن جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی پیروی کرنے کا انجام ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: ﴿ وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴾ ''اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات بالکل ٹوٹ جائیں گے''، کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی پیروی کرنے والے اپنی پیروی کرنے والوں سے اظہار بے زاری کریں گے۔ ﴿2﴾ ان کے لیے عذاب مقدر ہو جائے گا۔ ﴿3﴾ ان کے سب وسیلے ٹوٹ جائیں گے۔ ﴿4﴾ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ کیا اس سے بڑا کوئی خسارہ ہو سکتا ہے؟ ﴿5﴾ ان کے باہمی تعلقات، محبت، دوستیاں، رشتہ داریاں سب ختم ہو جائیں گے اور رہائی کے لیے ان کے سارے حیلے بہانے ختم ہو جائیں گے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (167) ﴾

''اور جن لوگوں نے پیروی کی تھی کہیں گے: ''کاش ہمارے لیے ایک بار دوبارہ جانا ہوتو ہم بھی ان سے بالکل بے تعلق ہو جائیں جیسا کہ وہ ہم سے بالکل بے تعلق ہو گئے'' اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا اور وہ جہنم کی آگ سے کسی صورت نکلنے والے نہیں۔'' (167)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ﴾ ''اور جن لوگوں نے پیروی کی تھی کہیں گے: ''کاش ہمارے لیے ایک بار دوبارہ جانا ہوتو ہم بھی ان سے بالکل بے تعلق ہو جائیں جیسا کہ وہ ہم سے بالکل بے تعلق ہو گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر لوگ جن کی پیروی کرتے رہے، جنہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے رہے، ان کی بے وفائی کے بعد انتقامی طور پر یہ چاہیں گے کہ جیسے وہ ہم سے لاتعلق ہیں اسی طرح ہم بھی لاتعلق ہو کر دکھا دیں۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾ تمام دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقی لوگوں کے۔ (الزخرف:67) اپنے اعمال کا برا انجام دیکھنے کے بعد اعمال کی اصلاح کے لیے انسان یہ چاہیں گے کہ انہیں لوٹا دیا جائے اور وہ اپنے انجام کو بہتر بنانے کی کوشش کر لیں۔

سوال 2: ﴿ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا'' اللہ تعالیٰ ان کے اعمال برباد ہوتے ہوئے دکھائے گا اور یہ حسرت سے اپنے اعمال کا برا انجام دیکھ لیں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مَّنْثُوْرًا﴾ اور ہم ان کے ہر عمل کی طرف آئیں گے جو انہوں نے کوئی بھی عمل کیا تھا تو ہم اسے اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔(الفرقان:23)

﴿2﴾﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی طرح ہے جس پر ایک آندھی والے دن میں تند ہوا چل پڑے جو بھی انہوں نے کمایا تھا اس میں سے وہ کسی پر قادر نہیں ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہے۔(ابراہیم:18)﴿3﴾﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے اعمال صحرا میں سراب جیسے ہیں۔جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہاں آیا تو اس نے اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اپنے پاس اللہ تعالیٰ کو موجود پایا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کا پورا حساب چکا دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔(النور:39)

﴿4﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"قیامت کے دن کافر سے کہا جائے گا: اگر تیرے لیے زمین بھر کر سونا ہوتا تو کیا تو اسے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ کر دیتا؟ تو وہ کہے گا: جی ہاں! تو اس سے کہا جائے گا: تجھ سے اس سے بھی آسان چیز کا مطالبہ کیا گیا تھا۔"(صحیح مسلم:7085)﴿5﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر جہنمی جنت میں اپنی جگہ دیکھتا ہے اور کہتا ہے: کاش! اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا (تو میں جنت میں ہوتا) اور وہ (دیکھنا) اس کے لیے باعث حسرت بنے گا اور ہر جنتی جہنم میں اپنی جگہ دیکھتا ہے اور کہتا ہے: اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت نہ دیتا (تو میں اس جگہ ہوتا) اور وہ دیکھنا اس کے لیے باعث شکر بنتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: (قیامت کے روز) کوئی آدمی یہ نہ کہے: افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتا رہا۔"(الزمر:56)(سلسلۃ احادیث صحیحۃ:2034)﴿6﴾ آج جب کہ انسان دار العمل میں ہے، اللہ تعالیٰ اس کے شعور کو دار الجزا میں پہنچا کر اس حسرت اور پچھتاوے کو محسوس کرواتے ہیں جس کے بعد وہ دار العمل میں اپنا رویہ تبدیل کرنے کے لیے دل سے راضی ہو سکتا ہے۔

سوال 3: قیامت کے دن مشرکوں کی حسرت کیا ہوگی؟

جواب: قیامت کے دن مشرکوں کی حسرت ہوگی کاش ہم دنیا میں جاتے اور ان سے اسی طرح بے زار ہوتے جس طرح آج یہ ہم سے بے زار ہیں۔ ہم انہیں ٹھوکریں مارتے، پرستش نہ کرتے، ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے۔

سوال 4: کیا مشرک اپنی حسرتوں میں سچے رہیں گے؟

جواب: مشرک اپنی حسرتوں میں بھی جھوٹے ہوں گے کیونکہ اگر وہ لوٹا دیے جائیں تو پھر وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ بلکہ ان پر وہ چیز واضح ہو چکی جو وہ اس سے پہلے چھپایا کرتے تھے اور اگر وہ واپس بھیج دیے جائیں تو یقیناً دوبارہ وہی کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔(الانعام:28)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال5: ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ ''اور وہ جہنم کی آگ سے کسی صورت نکلنے والے نہیں'' سے کس حقیقت کا پتہ چلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ ''اور وہ جہنم کی آگ سے کسی صورت نکلنے والے نہیں'' سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ جہنم میں داخلے کے بعد مشرک کبھی اس سے نکل نہیں سکیں گے۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ﴾ یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اور ہم مجرموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (الاعراف:40)

رکوع نمبر 21

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (168)﴾

''اے لوگو! اس میں سے کھاؤ جو زمین میں ہے، حلال اور پاکیزہ اور تم شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (168)

سوال1: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ ''اے لوگو! اس میں سے کھاؤ جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ﴾ اے لوگو! اس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔ (تفسیر منیر:436/1) ﴿2﴾ ﴿كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ ''اس میں سے کھاؤ جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ'' اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاکیزہ کھانے کا حکم دے کر حرام سے روکا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ساری کائنات کو روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے زمین کی تمام پاکیزہ چیزیں مباح کر دیں۔ ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پابندی ختم ہو جاتی ہے، وہ حلال ہے اور ہر حلال چیز پاک ہوتی ہے۔ ﴿3﴾ حلال اشیاء نقصان دہ نہیں ہوتیں، نہ صحت کے لیے، نہ عقل کے لیے اور نہ ہی جسم کے لیے۔ ﴿4﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال کمائی کے صدقہ کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے، پھر صدقہ کرنے والے کے فائدے کے لیے اس کو بڑھاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی اپنے جانور کے بچے کو کھلا پلا کر بڑھاتا ہے یہاں تک کہ اس کا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری:1410) ﴿5﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولو! تم پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، میں تمہارے عملوں کو جاننے والا ہوں۔ (المومنون:51)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور فرمایا: اے ایمان والو! ہم نے جو تم کو پاکیزہ رزق دیا اس میں سے کھاؤ۔ (البقرہ: 172) پھر ایسے آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبے لمبے سفر کرتا ہے، پریشان بال، جسم گرد آلود، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف دراز کر کے کہتا ہے: اے رب! اے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام اور اس کا لباس حرام اور اس کی غذا حرام تو اس کی دعا کیسے قبول ہو! (مسلم: 2346) ﴿6﴾ ﴿طَيِّبًا﴾ طیب سے مراد وہ چیزیں جو بالذات پاکیزہ ہوں اور جسم و عقل کے لیے نقصان دہ نہ ہوں۔ (ابن کثیر: 104/1) ﴿7﴾ یعنی وہ خبیث اور ناپاک نہ ہو مثلاً مردار، خنزیر کا گوشت اور دیگر تمام ناپاک چیزیں۔ ﴿8﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے رحمت عالم ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ فرمایا: سعد پاکیزہ روزی کھاؤ۔ مستجاب الدعوات بن جاؤ گے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ایک حرام لقمے سے جسے انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی اور جس کا گوشت پوست حرام اور سود سے پیدا ہوا ہو اس کی حق دار آگ ہی ہے۔ (ابن مردویہ) ﴿9﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر قسم کے پھل، اناج اور حیوانات کھائیں جن کا کھانا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہو۔ یعنی نہ وہ غصب شدہ مال ہو، نہ حرام ذریعے سے حاصل کیا گیا ہو اور نہ کسی حرام کام پر اس سے مدد لی گئی ہو۔ ﴿10﴾ اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ انسان کا کم از کم اتنی خوراک کھانا فرض ہے جس سے اس کا ڈھانچہ کھڑا رہ سکے۔ اس آیت کے ظاہری حکم کے مطابق کھانا ترک کرنا گناہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 209/1)

سوال 2: شریعت میں کس چیز کو حرام کیا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شریعت میں ہر چیز حلال ہے جب تک اس کی حرمت پر دلیل قائم نہ ہو۔ اور محرمات کی دو قسمیں ہیں (الف) محرم لذاتہ: یعنی جو بذات خود حرام ہیں اور وہ ناپاک چیزیں ہیں جو پاکیزہ چیزوں کی ضد ہیں۔ (ب) حرام کرنے والے کسی سبب کے پیش آنے کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزیں۔ یہ حقوق اللہ یا حقوق العباد کے تعلق کے حوالے سے حرام ہوتی ہیں۔ یہ حلال کی ضد ہیں۔ (تفسیر سعدی: 209/1) ﴿2﴾ شریعت میں نقصان دہ چیزوں کو حرام کیا گیا ہے۔ ﴿3﴾ ہر وہ چیز جو کسی درجہ میں بھی انسان کی فطری طلب کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور طرف موڑ دینے والی ہو اس کو بھی حرام کیا گیا ہے اور جو چیز حرام کا باعث ہے اس کو بھی حرام کیا گیا ہے۔

سوال 3: کسی چیز کو اپنے لیے حرام ٹھہرا لینا ایک سادہ معاملہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ کیسے، وضاحت کریں؟

جواب: جب کسی چیز کو حرام ٹھہرایا جاتا ہے تو کسی خودساختہ عقیدے کی وجہ سے اس کو مقدس ٹھہرایا جاتا ہے۔ ﴿1﴾ یہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں غیر اللہ کو حصہ دار بنانا ہے۔ ﴿2﴾ یہ احترام اور تقدس کے فطری جذبات کو تقسیم کرنا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جن کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے۔

سوال 4: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ ''اور تم شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿ **خُطُوٰتِ** ﴾ سے مراد شیطان کی راہیں ہیں جن پر ڈال کر وہ اپنے ماننے والوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:104/1)﴿2﴾﴿ **خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ** ﴾ سے مراد شیطان کے راستے ہیں جن پر وہ چلاتا ہے یعنی کفر، فسق، ظلم اور باقی تمام گناہ۔ اس میں تمام حرام کھانے بھی شامل ہیں۔﴿3﴾ شیطان کے قدموں کی پیروی کرنے سے مراد ہے کہ شیطان کے پیچھے لگ کر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنا جیسا کہ مشرکین اپنے بتوں کے نام جانور وقف کر کے انہیں اپنے لئے حرام کر لیتے تھے۔﴿4﴾ ایک حدیث قدسی میں ہے: میں نے اپنے بندوں کو جو مال دیا وہ ان کے لیے حلال کر دیا۔ میں نے اپنے بندوں کو توحید پر پیدا کیا پھر شیطان ان کے پاس آ کر انہیں ان کے دین سے دور ہٹا دیتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیتا ہے۔ (مسلم:7207)﴿5﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن بکری کا پایا نمک لگا کر کھا رہے تھے۔ ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کھاؤ۔ اس نے کہا: میں نہیں کھاؤں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا روزے سے ہو؟ کہا: نہیں میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ شیطان کی راہ چلنا ہے۔ اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو۔(ابن کثیر:240,241/1)﴿6﴾ رب العزت نے فرمایا:﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴾ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کا انسان شیطانوں اور جن شیطانوں کو دشمن بنا دیا ہے جو دھوکہ دینے کے لیے ملمع کی ہوئی باتیں ایک دوسرے کے دل میں ڈالتے ہیں اور اگر آپ کا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ چنانچہ آپ انہیں چھوڑ دیں اور جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔(الانعام:112)

سوال5:﴿ **اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ** ﴾ ''یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے لہٰذا اس سے بھاگو جیسا کہ فرمایا:﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴾ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم دشمن بنا لو اسے، یقیناً وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تا کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں سے ہو جائیں۔(فاطر:6) اور فرمایا:﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، تو کیا تم میری بجائے اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے۔(الکھف:50) رب العزت نے فرمایا:﴿ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴾ اور شیطان ارادہ رکھتا ہے کہ انہیں بہکا کر گمراہ کر دے، بہت دور کا گمراہ کرنا۔(النساء:60) اور فرمایا:﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ بلاشبہ شیطان یہی ارادہ رکھتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا تم باز آنے والے ہو؟ (المائدہ:91)﴿ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ یقیناً وہ کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔(القصص:15)

﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (169) ﴾

''یقیناً وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے۔'' (169)

سوال 1: ﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَاۗءِ ﴾ ''یقیناً وہ تمہیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ رحیم و کریم ہے جس نے ہمیں خبر دی ہے کہ شیطان ہم سے دشمنی رکھتا ہے، اس سے بچنا چاہیے پھر اس کے ساتھ یہ آگاہ فرمایا کہ شیطان کن کاموں کا حکم دیتا ہے۔﴿2﴾﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ ﴾ ''یقیناً وہ تمہیں وہ برائی کا حکم دیتا ہے'' یعنی ایسے شر کا جو کرنے والے کے لیے نقصان دہ ہے۔ شیطان برائی، بے حیائی، توہم پرستی، جاہلانہ رسوم و رواج اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کا حکم دیتا ہے۔﴿3﴾ اس اعتبار سے جو شخص بھی انسان کو برائی کی ترغیب دلائے، بے حیائی پر آمادہ کرے، رسوم و رواج کی پابندی کے لیے مجبور کرے اور بغیر علم کے اللہ تعالیٰ پر بات کرے وہ شیطان ہے۔﴿4﴾﴿ وَالْفَحْشَاۗءِ ﴾ فواحش معاصی میں شمار ہوتے ہیں جن کی قباحت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے مثلاً زنا، شراب نوشی، قتل، ناحق تہمت اور بخل وغیرہ۔ سب ان کاموں میں سے ہیں جن کو ہر عقل مند برا سمجھتا ہے۔﴿5﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: السوء اس برائی کو کہتے ہیں جس میں کوئی حد شرعی معین نہ ہو اور فحشاء وہ برائی ہے جس کے ارتکاب پر شرعی حد متعین ہو۔ (ابن کثیر)

سوال 2: توہمات شیطانی اغواء کا کرشمہ ہیں۔ شیطان توہمات میں کیسے مبتلا کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شیطان انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ خود ساختہ پابندیوں کو اللہ تعالیٰ کے نام سے منسوب کرو اور انسان اللہ تعالیٰ کے نام پر وہ باتیں کہتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو مال بھی میں نے اپنے بندوں کو دیا ہے حلال اور طیب ہے مگر شیاطین ان کو گمراہ کرتے ہیں۔ (مسلم:7207)﴿2﴾ شیطان انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ کسی جانور میں پر اسرار صفات ہوتی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ ہیں، ان سے برکت کی امید رکھی جاسکتی ہے، وہ کام بنا سکتے ہیں۔ یہ سب توہمات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا شیطان سے حلال و حرام کے قوانین لینے کا نتیجہ ہے۔

سوال 3: شیطان کا طریقۂ واردات کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شیطان حرام کے لیے نرم گوشہ پیدا کرتا ہے۔﴿2﴾ شیطان حرام کی ترغیب دلاتا ہے۔﴿3﴾ شیطان برائی کی نفرت ختم کر دیتا ہے۔

سوال 4: ﴿ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ’’اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ پر وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے‘‘﴿1﴾اس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کی تقدیر کے بارے میں کسی علم کے بغیر بات کرنا بھی شامل ہے۔(تفسیر سعدی:210/1)﴿2﴾شیطان انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ خود ساختہ پابندیوں کو اللہ تعالیٰ کے نام سے منسوب کرو پھر انسان اللہ تعالیٰ کے نام پر وہ باتیں کہتا ہے جس کے لیے اس کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہوتی۔﴿3﴾نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے قریب میری امت میں سے کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو شراب کا کوئی دوسرا نام رکھ کر اس کو حلال بنا لیں گے۔(بخاری کتاب الاشربہ)﴿4﴾جو کوئی دلیل کے بغیر یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز حلال کی ہے اور فلاں حرام کی ہے یا فلاں حکم دیا ہے یا فلاں سے روکا ہے تو وہ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف بات منسوب کرتا ہے۔﴿5﴾اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے بات کرنے میں بہت سی چیزیں داخل ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کرنا یا اس کی تاویل کرنا، اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا، بغیر علم وبصیرت کے کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیز حلال اور وہ چیز حرام کی ہے۔ اس کام کا حکم دیا ہے اور اس سے منع کیا ہے۔ اور اس سلسلے کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ کوئی گمراہ فرقہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کے کلام کی تاویل کر کے اپنی گمراہی کو حق ثابت کرنے کے لیے دلیل فراہم کرے۔(تیسیر الرحمٰن:92/1)
﴿6﴾بغیر علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف بات منسوب کرنا حرام ہے۔ یہ شیطان کا سب سے بڑا راستہ ہے۔

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (170) ﴾

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا اگرچہ ان کے باپ دادا تھوڑی سی عقل بھی نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت پاتے ہوں؟(170)

سوال 1: ﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ﴾ ’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے‘‘ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آباء کی اندھی تقلید کرنے والوں کا تذکرہ کیا ہے۔﴿2﴾ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور جنت کی رغبت دلائی اور عذاب سے ڈرایا تو رافع بن حریملہ یہودی اور مالک بن عوف یہودی نے کہا کہ اے محمد ہم آپ کی اتباع نہ کریں گے بلکہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اسی پر چلیں گے۔ کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عالم اور ہم سے اچھے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(تفسیر مظہری:211/1)﴿3﴾ ﴿ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ﴾ سے مراد یا تو قرآن ہے یا تورات ہے کیونکہ تورات بھی محمد ﷺ کے اتباع ہی کا حکم کرتی ہے۔(تفسیر مظہری:211/1)

سوال 2: ﴿ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ﴾ ’’وہ کہتے ہیں بلکہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》آباء کی اندھی تقلید کرنے والوں سے جب کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہ اپنے بڑوں کی سنت پر قائم رہتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔《2》﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ ﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس کی طرف آؤ اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں ہمیں وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے، اور کیا اگر چہ ان کے آباء واجداد کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت پاتے ہوں؟ (المائدہ:104)《3》حق کو رد کرنے کا یہ ایک نہایت ہی کمزور شبہ ہے۔ یہ ان کی حق سے روگردانی اور اس سے اعراض اور ان کے عدم انصاف کی دلیل ہے۔ اگر رشد و ہدایت اور اچھے مقصد کی طرف ان کی راہ نمائی کی گئی ہوتی تو حق ان کا مقصد ہوتا اور جو کوئی حق کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے اور وہ حق اور غیر حق کے درمیان موازنہ کرتا ہے تو قطعی طور پر حق اس کے سامنے واضح ہو جاتا ہے اور اگر وہ انصاف پسند ہے تو وہ حق کی اتباع کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی:211/1)

《4》ان لوگوں نے انبیاء پر ایمان لانے سے بے رغبتی اختیار کی، اپنے آباء واجداد پر اکتفا کیا حالانکہ وہ جاہل اور گمراہ تھے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے طریقے کو چھوڑ کر باپ دادا کے طریقوں کی پابندی کیسے کی جاتی ہے؟

جواب:《1》باپ دادا کے طریقوں کی پابندی عقائد میں ہوتی ہے۔《2》پابندی رسوم ورواج میں ہوتی ہے۔《3》یہ پابندی حلال وحرام میں بھی ہوتی ہے۔ مثلاً انسان جب کسی جانور یا انسان کو مقدس ٹھہرا لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی قربت کا ذریعہ سمجھ لیتا ہے۔ یہ چیز جب اگلی نسلوں تک پہنچتی ہے تو وہ اس کو اپنے بڑوں (آباء واجداد) کی سنت سمجھ کر پکڑ لیتے ہیں۔ پھر اس پر غور وفکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے پھر وہ وقت آتا ہے جب دلیل کی کوئی بات ان پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

سوال 4: حلال وحرام کی خود ساختہ پابندیوں پر قائم رہنا کیا ثابت کرتا ہے؟

جواب: حلال وحرام کی خود ساختہ پابندیوں پر قائم رہنا یہ ثابت کرتا ہے کہ ابھی تک رگ وریشے میں جاہلیت کا زہر موجود ہے۔

سوال 5:﴿ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ '' کیا اگر چہ ان کے باپ دادا تھوڑی سی عقل بھی نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی وہ ہدایت پاتے ہوں؟'' اللہ تعالیٰ نے آباء واجداد کی اندھی تقلید کرنے والوں کو کیسے سمجھایا ہے؟

جواب:《1》﴿ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا ﴾ '' کیا اگر چہ ان کے باپ دادا تھوڑی سی عقل بھی نہ رکھتے ہوں'' یعنی وہ دین کی سمجھ نہ رکھتے ہوں، نہ ہدایت پاتے ہوں۔ (زاد المسیر:755/1)《2》وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہ سمجھتے ہوں اور دین کی طرف ہدایت نہ پاتے ہوں۔ (تفسیر الوسیط:254/1)《3》ایسے شخص کی تقلید کرنے کی حرمت ہے جو نہ علم رکھتا ہو اور نہ دین کی سمجھ رکھتا ہو۔《4》ایسے شخص کی اتباع کا جواز ہے جو علم رکھتا ہو، اس کے اقوال وآراء وحی الٰہی اور کتاب وسنت سے ماخوذ ہوں۔ (ایسر التفاسیر:82)《5》﴿ وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ اور وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہدایت نہ پاتے ہوں یعنی نہ نفع مند علم رکھتے ہوں نہ عمل صالح کی توفیق۔﴿6﴾اللہ تعالیٰ نے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرنے والوں کو دو دلائل سے سمجھایا ہے:(الف)اگر چہ باپ دادا عقل سے کام نہ لیتے ہوں پھر بھی ان کی بات مانو گے!(ب)اگر چہ انہوں نے ہدایت نہ پائی ہو پھر بھی ان کی بات مانو گے!

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ(171)﴾

''اوران لوگوں کی مثال جنہوں نے کفر کیا اس شخص کی مثال جیسی ہے جو ان جانوروں کو پکارتا ہے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہیں سنتے ،وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں سمجھتے۔''(171)

سوال1:﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً﴾''اوران لوگوں کی مثال جنہوں نے کفر کیا اس شخص کی مثال جیسی ہے جو ان جانوروں کو پکارتا ہے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہیں سنتے'' یہاں کن کافروں کی مثال دی گئی ہے؟

جواب:﴿1﴾یہاں ان کافروں کی مثال دی گئی ہے جو آباء واجداد کی تقلید کی وجہ سے عقل سے کام نہیں لیتے اور حق کو قبول کرنے کی بجائے اندھا دھند اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرتے ہیں۔﴿2﴾دعا سے مراد قریب کی آواز ہے۔﴿3﴾نداء سے مراد دور کی آواز ہے۔﴿4﴾ان کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جن کو چرواہا پکارتا ہے اور وہ آواز سنتے تو ہیں مگر سمجھتے نہیں کہ انہیں کیوں پکارا جا رہا ہے؟ اسی طرح آباء واجداد کی تقلید کرنے والے کافر ہیں جو حق کی آواز نہیں سنتے گویا یہ بہرے ہیں، حق ان کی زبان سے نہیں نکلتا گویا یہ گونگے ہیں اور حق دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے گویا یہ اندھے ہیں۔

سوال2:﴿صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾''وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو وہ نہیں سمجھتے'' اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے سے انکار کرنے والوں کو بہرہ، گونگا اور اندھا قرار دیا گیا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ناسمجھی کی اس مثال کے دو پہلو ہیں:﴿1﴾ان لوگوں کی حالت نادان جانوروں جیسی ہے جو اپنے چرواہوں کے پیچھے جاتے ہیں اور سوچے سمجھے بغیر ان کی آوازوں پر حرکت کرتے ہیں۔اس حرکت کے دوران نہ وہ کچھ سنتے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں۔اس طرح وہ بہرے، گونگے اور اندھے بن کر چرواہے کے پیچھے چلتے چلے جاتے ہیں۔یہی معاملہ آباء واجداد کی تقلید کرنے والوں کا ہے انہیں رسوم ورواج کے واضح نقصانات نظر آئیں گے تو بھی اندھے بنے رہتے ہیں انہیں سمجھاؤ تو سمجھتے نہیں۔﴿2﴾حق کی دعوت دینے والا جب ایسے افراد کو دعوت دیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی بات کی سچائی کا عملی تجربہ ہوتا ہے کہ نہ وہ سنتے ہیں، نہ بولتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔

سوال3:﴿فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾''سو وہ نہیں سمجھتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''سو وہ نہیں سمجھتے''، یعنی جن حواس کی مدد سے انسان عقل کو کام میں لاتا ہے ان کو کافروں نے معطل کر رکھا ہے۔اس وجہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی عقل کام نہیں کرتی اور وہ کچھ نہیں سمجھتے کہ حق کی دعوت کیا ہے؟ ﴿2﴾ وہ نصیحت کو نہیں سمجھتے۔ (الاساس:372/1)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (172)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔'' (172)

سوال 1: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو'' اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس آیت میں کس چیز کی تلقین کی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!'' اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مخاطب کیا ہے کیونکہ وہ ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہیں اور اس کے نواہی سے رکتے ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ ''پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں'' اللہ تعالیٰ نے عام حکم دینے کے بعد اہل ایمان کو پاک چیزیں کھانے کا خاص حکم دیا اور اس حکم پر اپنا شکر ادا کرنے کی تلقین کی ہے۔ ﴿3﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ پاک رزق کو ایمان والوں کے لیے مباح کیا ہے۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے اب جو شخص ان مشتبہ چیزوں سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو کسی کی رکھ کے گرد اپنے جانوروں کو چراتا ہے قریب ہے کہ وہ رکھ میں جا گھسیں سن لو ہر بادشاہ کی ایک رکھ ہوتی ہے سن لو اللہ تعالیٰ کی رکھ اس کی زمین میں حرام کردہ چیزیں ہیں۔ (بخاری) عطیہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک اندیشہ والی چیزوں سے بچنے کی خاطر ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی اندیشہ نہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ) سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات یاد رکھی ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور وہ اختیار کرو جو شک میں نہیں ڈالتی۔ (احمد) ﴿4﴾ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طیبات سے مراد وہ کھانے ہیں جو عقل و اخلاق کے لیے نفع بخش ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں خبائث ان کھانوں کو کہتے ہیں جو عقل و اخلاق کے لیے نقصان دہ ہیں اور شراب تمام خبیث کھانوں کی اصل ہے اس لیے کہ وہ عقل و اخلاق میں فساد ڈال دیتی ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:92/1) (تفسیر قاسمی:37/3) ﴿5﴾ یعنی جس نے رزق دیا وہ حق رکھتا ہے کہ پابندیاں لگائے، حرام قرار دے یا ان کو کھول دے یعنی حلال قرار دے لہٰذا حلال و حرام کی خود ساختہ پابندیاں توڑ ڈالو۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا تقاضا کیا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: جاہلیت کی پابندیاں اور رسوم ورواج توڑ ڈالیں جو باپ دادا اور مذہبی پیشواؤں نے لگا رکھی تھیں۔

سوال 3: ﴿وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا ہی اس کا شکر گزار ہوسکتا ہے۔

سوال 4: کھانے پینے کی اشیاء استعمال کرتے ہوئے کیسے احساسات انسان کے اندر ابھرنے چاہئیں؟

جواب: ﴿1﴾ شکر کے احساسات۔ ﴿2﴾ اطاعتِ الٰہی کے احساسات۔ یعنی یہ کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور اسی کے حکم کے مطابق کھا رہے ہیں۔ یہ احساس انسان کے اندر اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی عبادت کا جذبہ ابھارتا ہے۔ ﴿3﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو کھانا کھاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے اور کچھ پیتا ہے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 6932) ﴿4﴾ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور اطاعت گزاروں میں سے بنایا۔'' (سنن ابی داؤد: 3850) ﴿5﴾ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ کھاتے یا پیتے تو فرماتے: تمام شکر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے کھلایا، پلایا اور اس کو حلق سے اتارا اور اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنایا۔ (سنن ابی داؤد: 3851) ﴿6﴾ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: ''اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ہے، طیب اور برکتوں والا، نہ ایسا شکر جو ایک بار کافی ہو، نہ ایسا کہ جسے چھوڑ دیا جائے اور نہ ایسا کہ جس کی کچھ ضرورت باقی نہ رہے۔'' (سنن ابی داؤد: 3849) ﴿7﴾ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی۔ جیسے جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور وہ اس کا حکم بجا لایا۔ ﴿8﴾ یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ پاکیزہ رزق کھانا اعمال صالحہ اور ان کی قبولیت کا سبب ہے۔

سوال 5: جن چیزوں کو پا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے، ان ہی سے ان چیزوں کے احترام کا جذبہ کیسے ابھر آتا ہے؟

جواب: رزق پا کر انسان کی توجہ جب عطا کرنے والے کی طرف نہیں جاتی تو اس کی توجہ چیزوں کے اندر موجود خصوصیات کی طرف ہو جاتی ہے۔ پھر انسان پیدا کرنے والے کو نہیں بلکہ پیدا کی گئی چیز کو ہی سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ اس طرح اس کے دل میں ان چیزوں کے لیے احترام کا جذبہ ابھر آتا ہے۔

سوال 6: نعمتوں کے ذکر کے بعد شکر بجا لانے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جواب: نعمتوں کے ذکر کے بعد شکر بجا لانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ شکر موجودہ نعمتوں کی حفاظت کرتا ہے اور غیر موجود نعمتوں کے حصول

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا باعث بنتا ہے جیسے کفر غیر موجود نعمتوں کو مزید دور کرتا ہے اور موجود نعمتوں کو زائل کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:213/1)

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (173) ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور سؤر کے گوشت کو اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ پھر جو شخص مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ نہ وہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ وہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''(173)

سوال 1: ﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور سؤر کے گوشت کو اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے اس لیے حرام کو حلال مت کرو۔ ﴿2﴾ ﴿ الْمَيْتَةَ ﴾ ''مردار'' خواہ وہ کسی بھی طریقہ سے مرا ہو طبعی موت سے یا کہیں گر کر یا لاٹھی لگنے سے یا سینگ کی ضرب سے یا کسی درندے نے مار ڈالا ہو سب صورتوں میں حرام ہے۔ ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کر دیے گئے ہیں۔ دو مردوں سے مراد مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون سے مراد کلیجی اور تلی ہے۔(ابن ماجہ:3314) ﴿4﴾ کھانے کی ہر چیز جیسے بدن پر اثر انداز ہوتی ہے ایسے ہی انسان کے اخلاق کو بھی متاثر کرتی ہے۔ ہر انسان جو فطرت سلیم رکھتا ہو، مردار کو ناپسند کرتا ہے۔ ﴿5﴾ کیا کوئی مہذب اور شائستہ قوم مردار کھانے کے لئے آمادہ ہو سکتی ہے؟ یہ ازمنہ وحشیہ کی یادگار ہے۔ چنانچہ اب بھی وہ قومیں جو تہذیب و تمدن کی برکات سے محروم ہیں، مردار کھاتی ہیں اور شرفاء اسی وجہ سے ان سے نفرت کرتے ہیں۔ نیز مردار خوری سے پست و ذلیل قسم کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں جن میں کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مردار خور قومیں ادنیٰ درجہ کی عادات میں مبتلا رہتی ہیں۔(سراج البیان:59,60/1) ﴿6﴾ مردار ناپاک اور خراب ہونے کی بنا پر ضرر رساں ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر مردار کسی بیماری سے مرتا ہے پس وہ مرض میں اضافہ کا ہی باعث ہوتا ہے۔ مردار کی حرمت کی عمومیت سے ٹڈی اور مچھلی مستثنیٰ ہیں یہ دونوں مردہ ہونے کی صورت میں بھی حلال اور طیب ہیں۔(تفسیر سعدی:213/1) ﴿7﴾ ﴿ وَالدَّمَ ﴾ دم مسفوح یعنی بہتا ہوا خون۔ وہ خون جو جانور کی رگوں سے بہا دیا گیا ہو۔ جو خون گوشت کے ساتھ لگا ہوا ہو وہ بالاجماع حلال ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں گوشت پکاتی تو ہنڈیا کے اوپر خون کی وجہ سے زردی سی آجاتی نبی ﷺ اسے تناول فرما لیتے اور اس پر انکار نہ فرماتے۔(فتح القدیر:215/1) ﴿8﴾ خون کھانے میں وحشت و بربریت مترشح ہے۔ اس سے خون خواری کے جذبات بڑھتے ہیں۔ خون صحت انسانی کے لیے سخت مضر ہے بالخصوص معدے اور دانتوں کے لیے۔ عرب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خون کو باقاعدہ منجمد کر کے کھاتے تھے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔(سراج البیان:59,60/1)《9》جگر اور تلی حلال ہیں جو منجمد خون ہی ہوتا ہے۔(ابن ماجہ)《10》《وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ》''اور سؤر کا گوشت'' خنزیر یا سؤر جو نجس عین ہے اس کا صرف گوشت کھانا ہی حرام نہیں بلکہ یہ زندہ یا مردہ اس کی کسی بھی چیز سے استفادہ جائز نہیں۔جدید تحقیقات کے مطابق خنزیر کے خون، گوشت اور انتڑیوں میں ایک خطرناک کیڑا موجود ہوتا ہے جو لمبے دھاگے《tape worm》کی شکل میں ہوتا ہے اور اس کے انڈے ملفوف ہوتے ہیں۔《11》سؤر کے کھانے میں کئی خرابیاں ہیں ایک تو یہ کہ اس کے گوشت میں جراثیم کثرت سے ہوتے ہیں جنہیں دودۃ الخنزیر کہتے ہیں اور وہ مضر ہوتے ہیں۔دوسرے اس کے قلب کے گرداگرد ایک خاص قسم کی چربی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے قلب کی حرکت میں خلل آ جاتا ہے۔اسے ''تشحم'' کہتے ہیں۔اطبائے امریکہ کا خیال ہے کہ فوری موت جو حرکت قلب کے بند ہونے سے واقع ہوتی ہے اکثر و بیشتر سور کھانے کا نتیجہ ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہاں کی ایک سوسائٹی نے اس کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا ہے۔اور وہ اس کی سخت مخالفت کر رہے ہیں۔اور ایک وجہ یہ ہے کہ خنزیر کھانے سے بے غیرتی پیدا ہوتی ہے۔دیکھو لو خنزیر کھانے والی قومیں غیرت وحمیت کے تمام جذبات سے محروم ہیں اور فواحش میں حد اعتدال سے بڑھ رہی ہیں۔(سراج البیان:59,60/1)《12》《وَمَآ أُهِلَّ بِهِۦ لِغَيْرِ ٱللَّهِ》''اور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے'' اس میں وہ جانور آ جاتے ہیں جو جاہل مسلمان اپنے فوت ہونے والے بزرگوں کی محبت اور عقیدت میں، ان کی رضا اور ان کا قرب حاصل کرنے کے لئے یا ان سے ڈرتے ہوئے یا ان سے امیدیں رکھ کر قبروں اور آستانوں پر ذبح کرتے ہیں یا مجاوروں کو بزرگوں کے نام پر دے آتے ہیں۔بزرگوں کی نیاز کے لئے جو بکرے ذبح کئے جاتے ہیں یا کسی بزرگ کے مزار پر دیے جاتے ہیں ان جانوروں کو ذبح کرتے وقت خواہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے یہ حرام ہی ہوں گے۔《13》وہ چیزیں ''جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے'' اس لیے حرام ہیں کہ ان کا رخ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کی طرف کر دیا جاتا ہے۔تو اس طرح توجہ کا مرکز بدل جاتا ہے، ضمیر خالص نہیں رہتا، روح پاک نہیں رہتی، دل اللہ تعالیٰ کے لیے سالم نہیں رہتا، عقیدہ ونظریہ پاک نہیں رہتا۔یہ اسی طرح ناپاک ہے جیسے دوسری نجاستیں ناپاک ہوتی ہیں۔《14》ان جانوروں کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ذبح کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہوتا بلکہ قبر والوں کی رضا ہوتا ہے جو کہ شرک ہے۔《15》ان جانوروں کے حرام ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو ذبح کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی تعظیم نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا بزرگوں کی تعظیم ہوتا ہے جو کہ شرک ہے۔《16》ان کے حرام ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ان جانوروں کو ذبح کرنے کے پیچھے بعض اوقات غیر اللہ کا خوف ہوتا ہے جو کہ شرک ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں: اہل جاہلیت کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو مکروہ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے۔پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا نبی ﷺ بھیجا اور اپنی کتاب نازل کی اور اپنے حلال کو حلال کیا اور اپنے حرام کو حرام کیا، پس جو اس نے حلال کیا ہے وہ حلال ہے اور جو اس نے حرام کیا ہے وہ حرام ہے اور جس سے خاموشی اختیار کی ہے وہ معاف ہے اور آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: اے نبی ﷺ! ان سے کہہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھئے کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو الا یہ کہ وہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سوٴر کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔(سنن ابی داؤد:3800)﴿17﴾ان کے حرام ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ ان جانوروں کو ذبح کر کے غیر اللہ سے امیدیں باندھی جاتی ہیں جو کہ شرک ہے۔غیر اللہ کی رضا، تعظیم، ان سے خوف رکھنا، ان سے امیدیں باندھنا یہ سب شرک ہے۔حدیث میں ہے مَلعونٌ مَنْ ذَبحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ وہ ملعون ہے جس نے غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کیا۔(صحیح الجامع الصغیر الالبانی:1024)﴿18﴾ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہیے اس لئے کہ وہ ایک تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ عجمی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقع پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہیے یا نہیں؟ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ، ہاں اس کے درختوں کے پھل کھاؤ۔(ابن کثیر:243/1)

سوال 2:﴿اَلْمَیْتَۃَ﴾ مردار کیوں حرام ہے؟

جواب:﴿1﴾مردار کھانے سے انسان کا بدن متاثر ہوتا ہے کیونکہ مردار میں کئی قسم کے جراثیم جمع ہو جاتے ہیں جو انسان کو نقصان پہنچاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انسان کو نقصان سے بچانا چاہتے ہیں اس لیے مردار حرام ہے۔﴿2﴾جو چیز انسان کے بدن پر اثر انداز ہوتی ہے اس سے انسان کی روح اور اس کا اخلاق بھی متاثر ہوتا ہے جیسے گدھ مردار کھاتا ہے۔اگر کوئی گدھ کھائے تو اس کی روح اور اس کا اخلاق بھی اس سے متاثر ہوگا۔اس لیے مردار حرام ہے۔﴿3﴾انسان کی فطرت سلیم مردار سے نفرت کرتی ہے اس لیے مردار حرام ہے۔

سوال 3: جانوروں کے علاوہ کون سی اشیاء ہیں جو ﴿وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ﴾ ''جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے'' کے تحت آتی ہیں؟

جواب:﴿1﴾جو چیزیں بھی غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز اور چڑھاوے کی ہوتی ہیں وہ اسی کے تحت آتی ہیں جو حرام ہیں۔مثال کے طور پر قبروں کے اردگرد سے خرید کر یا وہاں لے جا کر دیگیں، مٹھائی اور پیسے وغیرہ فقراء اور مساکین کو تقسیم کرنا۔﴿2﴾نذر و نیاز کے پیسے صندوقچی میں ڈالنا۔﴿3﴾عرس کے موقع پر دودھ وغیرہ پہنچانا۔یہ سب کام ناجائز اور حرام ہیں کیونکہ یہ سب غیر اللہ کی نذر و نیاز کی صورتیں ہیں۔

سوال 4: نذر و نیاز کیوں حرام ہے؟

جواب:﴿1﴾نذر بھی نماز اور روزے کی طرح عبادت ہے اور عبادت کی ہر قسم اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔﴿2﴾سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے عہد رسالت میں یہ نذر مانی کہ بوانہ جا کر اونٹ نحر کروں گا۔پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نذر کی خبر کی۔فرمایا: ''جاہلیت کے استھانوں میں سے کوئی استھان تو وہاں نہیں تھا؟'' صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: وہاں کوئی تہوار تو نہیں منایا جاتا تھا؟ بولے نہیں۔فرمایا: اپنی نذر پوری کر لے کیونکہ اس نذر کا پورا کرنا منع ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نافرمانی ہوتی ہو۔ (سنن ابی داؤد: 3313) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفسار کیا گیا کہ عجمی لوگوں کے تہواروں میں ذبح ہونے والے جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا جو جانور خاص اس دن کے لیے ذبح ہوں ان کو مت کھاؤ۔ (قرطبی: 32)

سوال 5: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ ''پھر جو شخص مجبور کر دیا جائے اس حال میں کہ نہ وہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ وہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ ﴾ ''پھر جو شخص مجبور کر دیا جائے'' مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے۔ (ابن کثیر: 243/1) یعنی جو کوئی بھوک، موت، جبر یا خوف کی وجہ سے حرام کھانے پر مجبور ہو جائے۔ ﴿2﴾ ''اضطرار'' یا مجبوری کی حالت سے مراد ایسی حالت ہے جب بھوک یا پیاس سے جان پر بن گئی ہو، بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو اور حرام کے سوا کوئی اور چیز میسر نہ ہو۔ ﴿3﴾ ﴿ غَيْرَ بَاغٍ ﴾ ''نہ وہ بغاوت کرنے والا ہو'' بغاوت اللہ تعالیٰ کا قانون توڑنے کی خواہش کا دل میں موجود ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا قانون عملاً توڑنے کی کوشش کرنا۔ ﴿4﴾ بغاوت کرنے والے سے مراد ڈاکو، چور، مسلمان بادشاہ پر حملہ کرنے والا، گناہ کے لیے نکلنے والا، حرام کو حلال سمجھنے والا، لذت کا خواہش مند یا مزے لے کر کھانے والا ایسے لوگوں کو اضطراری حالت میں بھی حرام چیزیں کھانے کی اجازت نہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 106/1) ﴿5﴾ یعنی شدت کی بھوک نہ ہونے اور حلال کھانے پر قدرت رکھنے کے باوجود وہ حرام کھانے کا طلب گار نہ ہو۔ ﴿6﴾ ﴿ وَّلَا عَادٍ ﴾ ''اور نہ وہ حد سے بڑھنے والا ہو'' یعنی اضطراری حالت میں جتنی مقدار اس کے لیے حرام کھانا جائز ہو اس مقدار سے نہ بڑھے۔ ﴿7﴾ حرام چیز کے چند قطرے یا چند لقمے یا چند گھونٹ جو جان بچا سکتے ہیں، یہ ضرورت کی حد ہے۔ ﴿8﴾ ﴿ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ ''تو اس پر کوئی گناہ نہیں'' یعنی اضطراری حالت میں حرام کھانے پر اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ﴿9﴾ اگر اضطراری حالت میں کوئی حرام نہیں کھاتا اور مر جاتا ہے تو وہ خودکشی کا مرتکب ہوگا۔ (تفسیر سعدی: 214/1) ﴿10﴾ ایسی حالت میں حرام کھانا فرض ہو جاتا ہے۔ ﴿11﴾ اگر بھوک یا پیاس سے کسی کی جان پر بن گئی ہو یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو اور حرام کے سوا کوئی اور چیز میسر نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر کوئی نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ وہ حد سے بڑھنے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

سوال 6: تمام حرام چیزوں میں کیا قدر مشترک ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دل اور نظر پاک نہیں رہتے۔ ﴿2﴾ جسم اور جگر پاک نہیں رہتے۔

سوال 7: کیا اللہ تعالیٰ نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے یا اس کے علاوہ بھی کئی چیزیں حرام ہیں؟

جواب: یہاں حرام کا تذکرہ مشرکین کے اس فعل کے حوالے سے آیا ہے کہ وہ حلال جانوروں کو بھی حرام قرار دے لیتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے واضح کیا کہ وہ حرام نہیں، حرام تو یہ چار چیزیں ہیں۔ اس کے علاوہ بھی حرام چیزیں ہیں جن کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ جن جانوروں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حرمت حدیث سے ثابت ہے وہ بھی حرام ہیں مثلاً گدھا، کتا وغیرہ۔

سوال 8: حدیث میں جانوروں کی حلت وحرمت کے کیا اصول بیان کیے گئے ہیں؟

جواب: حدیث میں جانوروں کی حلت وحرمت کے لیے دو اصول بیان کیے گئے ہیں: ﴿1﴾ درندوں میں ذو ناب (وہ درندہ جو کچلیوں سے شکار کرے) حرام ہیں۔ ﴿2﴾ پرندوں میں ذو مخلب (جو پنجے سے شکار کرے) حرام ہیں۔

سوال 9: ﴿ **إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ** ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ'' رحیم'' نہایت رحم والا ہے جو اپنے بندوں کی زندگی کی بقا کے لیے انہیں حرام کی رخصت دیتا ہے۔ ﴿2﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا الغفور ہے جو اضطرار میں حرام کو حلال کر دیتا ہے۔ (فتح القدیر: 217/1)

﴿ **إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** (174) ﴾

''یقیناً جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سے نازل کیا ہے اور اس کے بدلے میں وہ تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں، یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ بھی نہیں کھا رہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (174)

سوال 1: ﴿ **إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ** ﴾ ''یقیناً جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سے نازل کیا ہے'' کون لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نازل کردہ حقائق کو چھپاتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ **إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ** ﴾ ''یقیناً جو لوگ چھپاتے ہیں'' یہودی کل بھی چھپاتے تھے اور آج بھی۔ ﴿2﴾ ﴿ **مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ** ﴾ ''جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سے نازل کیا ہے'' یہودیوں نے نبی ﷺ کی صفات کو جو آپ ﷺ کی رسالت کے ثبوت کے بارے میں تھیں، انہیں چھپایا۔ ﴿3﴾ حق بات اس لیے چھپائی جاتی ہے کہ بیان کرنے کی صورت میں مفادات خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔ ﴿4﴾ حق چھپانے سے جو دنیا کی تھوڑی سی اجرت لے کر کھائیں گے، یہی ان کے پیٹ کی آگ بنے گی۔ قیامت کے دن ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بنے گی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا۔ ان کو پاک کرنے اور ان کی مغفرت کا اہتمام نہیں ہوگا۔ یہ مکمل طور پر نظر انداز کر دیے جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

سوال 2: یہودی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو کیوں چھپاتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی دنیاوی ریاست کے چھن جانے کے خوف سے نبی ﷺ کی رسالت کے ثبوت کو چھپاتے تھے۔ ﴿2﴾ اس ڈر سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی کہ اگر اہل عرب آپ ﷺ کی اطاعت قبول کرلیں گے تو ہمیں چھوڑ دیں گے۔اس طرح عربوں سے تحائف کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

سوال 3: ﴿ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''اور اس کے بدلے میں وہ تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی کتاب کو تھوڑی قیمت کے بدلے کیسے بیچا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اس کے بدلے میں وہ تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں'' اس کی تعلیمات کو دنیا کے فائدوں کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفات اور رسالت کے ثبوت کو عربوں کے تحائف اور اپنی سرداری کے لیے بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ ﴿2﴾ ﴿ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''تھوڑی قیمت'' سے مراد پوری دنیا ہے۔

سوال 4: آج کے دور میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو دنیا کے فائدوں کی بھینٹ کیسے چڑھایا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کتاب کے بارے میں غلط فہمیاں ذہن میں رکھ کر۔مثال کے طور پر کتاب زندگی کے لیے راہ نمائی ہے لیکن کتاب سے صرف دنیا کی بہتری اور اس کے فائدوں کو وابستہ کرلینا جیسے کتاب کی تعلیم کی بجائے اس کے الفاظ پڑھ کر دنیا کے نقصانات سے بچنے اور دنیا کے فوائد کے حصول کے لیے مجالس منعقد کرنا۔اس طریقے سے دراصل کتاب کے آنے کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ﴿2﴾ کتاب کے ذریعے ایسے فتوے دینا جن سے لوگ راضی ہو جائیں اور نذرانے پیش کریں۔ ﴿3﴾ کتاب کو دنیا کے فائدوں کے حصول کے لیے پڑھنا، پڑھانا وغیرہ۔

سوال 5: ﴿ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ إِلَّا النَّارَ ﴾ ''یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ بھی نہیں کھا رہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ حق چھپانے سے جو دنیا کی تھوڑی سی اجرت لے کر کھائیں گے یہی ان کے پیٹ کی آگ بنے گی۔ ﴿2﴾ جزا عمل کی جنس سے ہوگی، ان کی کمائی بدترین اور حرام طریقے سے آئی تو جزا بھی اسی کے مطابق آگ ہے۔

سوال 6: ﴿ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴾ ''اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات نہ کرے گا انہیں پاک نہیں کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس لیے ان سے بات نہیں کرے گا کہ وہ یہودیوں سے ناراض ہے کیونکہ انہوں نے جان بوجھ کر حق کو چھپایا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہودیوں کو پاک نہیں کرے گا یعنی ان کے گناہ معاف نہیں کرے گا اور انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ انہیں برے اخلاق سے پاک نہیں کرے گا۔ ﴿4﴾ تزکیہ کا سب سے بڑا سبب کتاب اللہ پر عمل کرنا، اس کو راہ نما بنانا اور اس کی طرف دعوت دینا ہے۔انہوں نے کتاب اللہ کو دور پھینک دیا، اس سے روگردانی کی، ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مغفرت کو چھوڑ کر عتاب اختیار کیا۔ (تفسیر سعدی:215/1) ﴿5﴾ ان کے لیے دردناک عذاب اس لیے ہوگا کہ ان کا جرم معاف نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں پاک نہیں کرے گا، ان کے اعمال کے بدلے میں انہیں دردناک عذاب دے گا۔ ﴿6﴾ یہ لوگ جہنم کے قابل ہیں۔ کیسے اس آگ کو برداشت کریں گے!

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ (175)﴾

''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو اور بخشش کے بدلے میں عذاب کو خریدا ہے، سو وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں!'' (175)

سوال 1: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ﴾ ''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو اور بخشش کے بدلے میں عذاب کو خریدا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ﴾ ''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو خریدا ہے'' ﴿الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ﴾ ''ہدایت کے بدلے میں گمراہی'' اس آیت میں ضلالت سے مراد نبی ﷺ کی بعثت کی بشارت اور آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع کو چھپانا ہے۔ ہدایت کا راستہ آپ ﷺ کی صفات کے اظہار کا راستہ تھا۔ انہوں نے نبی کی رسالت کو قبول کرنے کے بدلے میں چھپایا، یوں ہدایت کے بدلے گمراہی کے خریدار بن گئے۔ یہودیوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی۔ نبی ﷺ کی صفات ظاہر نہیں کیں۔ نبی ﷺ کی بعثت کی بشارتیں جو پہلی کتابوں میں آئی تھیں اور آپ ﷺ کی تصدیق اور آپ ﷺ کی اتباع کو فروخت کر کے گمراہی کو خرید لیا۔ انہوں نے حق کی بجائے باطل کو اختیار کر لیا۔ ﴿2﴾ ﴿وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ﴾ ''اور بخشش کے بدلے میں عذاب کو خریدا ہے'' مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں کی بخشش ہے۔ انہوں نے مغفرت کے بدلے اللہ تعالیٰ سے قہر کا سودا کر لیا اور مغفرت کے بدلے عذاب کا سودا کر لیا۔ نبی ﷺ کی صفات کا اظہار یہود کے لیے مغفرت کا ذریعہ تھا۔ انہوں نے اسے چھپایا اور عذاب اختیار کیا۔ وہ گناہوں میں ڈوب کر آنے والے عذاب کی شدتوں پر صبر کر گئے۔ یہی ان کی تجارت تھی، جو بری تجارت تھی۔

سوال 2: اس آیت میں حق چھپانے کو تجارت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ کیسی تجارت ہے؟

جواب: کچھ دے کر کچھ لینا تجارت کہلاتا ہے۔ حق چھپا کر ہدایت سے منہ پھیرا جاتا ہے اور گمراہی خریدی جاتی ہے۔ مغفرت سے محروم ہو کر دائمی عذاب خریدا جاتا ہے۔ اس لیے اسے تجارت سے تشبیہ دی گئی ہے جو بہت بری تجارت ہے۔

سوال 3: ﴿فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ﴾ ''سو وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں!'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''سو وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں!'' یہود کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی تصدیق نہ کرنے، ان کی اتباع چھوڑنے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کی صفات کو چھپانے کے نتیجے میں آگ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے سو وہ ان گناہوں میں ڈوب کر آگ کے عذاب پر راضی ہو گئے۔ کس چیز پر انہوں نے صبر کیا۔ یہاں رب العزت نے حیرت کا اظہار کیا ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ (176)﴾

''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو یقیناً حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا بلاشبہ وہ بہت دور کی مخالفت میں ہیں۔'' (176)

سوال 1: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو یقیناً حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ذٰلِكَ﴾ اللہ تعالیٰ کا انصاف پر مبنی بدلہ یعنی انہیں ہدایت کے اسباب سے محروم کرنا اور ان کا دوسرے اسباب اختیار کرنا۔ ﴿2﴾ ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو یقیناً حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے'' اللہ تعالیٰ نے قرآن کو انسانوں کی ہدایت کے لیے، حق کو باطل سے الگ اور اور گمراہی سے ہدایت کو واضح کرنے کے لیے نازل کیا۔ ﴿3﴾ جو قرآن مجید کو اس کے اصل مقصد سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے اس کے لیے بڑی سے بڑی سزا چھوٹی ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں ہم سے کیا مطالبہ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کتاب کو مان لیا جائے۔ ﴿2﴾ کتاب کو لوگوں تک پہنچایا جائے۔ ﴿3﴾ کتاب میں بیان کیے گئے حق کا ساتھ دیا جائے۔ ﴿4﴾ ان لوگوں کے گروہ میں شامل ہوا جائے جو حق کے راستے پر ہیں۔ ﴿5﴾ کتاب کو اللہ تعالیٰ کی زمین پر نافذ کیا جائے۔ ﴿6﴾ کتاب ہی کو قانون اور زندگی کا نظام بنایا جائے۔

سوال 3: ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا بلاشبہ وہ بہت دور کی مخالفت میں ہیں'' جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اختلاف کرتے ہیں وہ دراصل کیا کام کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پورے طور پر قبول نہیں کرتے، کسی حصے پر ایمان لاتے ہیں کسی کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ فطرت سے بھی ٹکراتے ہیں اور اپنے نفس سے بھی۔ ﴿4﴾ اختلافات انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے غضب تک لے جاتے ہیں۔ ﴿5﴾ ﴿لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾ ''بلاشبہ وہ بہت دور کی مخالفت میں ہیں'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی کر رہے ہیں۔ وہ انتہا کی گہری گمراہی میں جا پھنسے ہیں جہاں سے نکلنے کے امکانات معدوم ہیں اور وہ قرآن مجید کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کتاب میں اپنی مرضی کے مطابق تحریف کرتے ہیں اور اصل معنی سے ہٹا دیتے ہیں۔ ﴿6﴾ کتاب اللہ سے دشمنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے ان کا معاملہ خراب ہوگیا۔﴿7﴾قوم کے لئے جب تک کتاب اللہ سے تمسک قائم رہے فرقے اور جماعتیں الگ الگ نہیں بنتیں اور جب کتاب اللہ میں تحریف وتاویل کے ذریعہ مختلف قسم کے فرقے بنائے جائیں تو پھر وحدت دینی اوراخوت مذہبی مفقود ہو جاتی ہے۔ یہودیوں نے جب تک تورات کواللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھا، غالب رہے اور جب تعصب نے انہیں مختلف قوموں میں بانٹ دیا قومی حیثیت سے ہٹ گئے۔اس لئے اصل شے جو مدار قومیت ہے، جب وہی نہیں تو قومیت کہاں؟ان آیات میں یہی بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں نے تورات کی جو کتاب حق ہے مخالفت کی۔اس لئے اب ان میں اختلافات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ مٹائے نہیں جاسکتے۔(سراج البیان: 60/1)﴿8﴾اس کے برعکس جنھوں نے کتاب اللہ قرآن مجید کو قبول کرلیا،اسے اپنے معاملات میں فیصلہ کن تسلیم کرلیا وہ بلندیوں پر پہنچ گئے۔

رکوع نمبر 22

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ(177)﴾

”نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال دے اس کی محبت کے باوجود رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کو چھڑانے میں اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں جب وہ عہد کریں اور تنگ دستی، تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جنھوں نے سچ کہا اور یہی متقی لوگ ہیں۔“(177)

سوال1﴿:لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾”نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿لَيْسَ الْبِرَّ﴾”نیکی یہی نہیں ہے“ یہ وہ نیکی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے سے مطلوب ہے۔اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔(ابن کثیر: 246/1)﴿2﴾﴿اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾”کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو“ یہودیوں نے بیت المقدس کے مغرب کو اپنا قبلۂ عبادت بنایا۔عیسائیوں نے بیت المقدس کے مشرق کو اپنا قبلۂ عبادت بنایا۔دونوں اپنی اپنی سمت کو مقدس سمجھتے تھے۔دونوں کو یہ یقین تھا کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مقدس سمت کو قبلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم نے اپنا درجہ محفوظ کر لیا ہے۔ یہاں پر اس لیے وضاحت کر دی گئی کہ مشرق اور مغرب کی طرف رخ کرنا حقیقی نیکی نہیں ہے۔ ﴿3﴾ دین کی چند ظاہری رسومات کو ادا کر دینا حقیقی نیکی نہیں ہے۔ صرف خانہ پری کے طور پر چند مقررہ اعمال کر لینا حقیقی نیکی نہیں ہے۔

سوال 2: ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾ ''لیکن اصل نیکی اس کی ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ﴾ ''لیکن اصل نیکی'' نیکی ''خیر'' کے لیے جامع نام ہے۔ (فتح القدیر:219/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کام جو دل میں پختہ ہو جائیں۔ (مجاہد) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خیر کے سارے کام جو اللہ تعالیٰ کے قریب کریں، ثواب کا باعث بنیں اور جنت تک پہنچا دیں۔ (تفسیر خازن:105/1) ﴿4﴾ ایمان، تقویٰ اور وہ اعمال جن سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوا جا سکے۔ (زاد المسیر :161/1) نیک اعمال کی قبولیت کی دو شرائط ہیں ایک تو یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں اور دوسرے یہ کہ محمد ﷺ کے طریقے یعنی سنت کے مطابق ہوں۔ ﴿5﴾ ﴿مَنْ اٰمَنَ﴾ جو ایمان لائے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی، انہوں نے پھر سوال کیا رسول اللہ ﷺ نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر یہی سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا: سنو نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے۔ (ابن کثیر:245/1) ﴿مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ ''جو آدمی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے'' اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سچے دل سے یہ اقرار کرے کہ زمین و آسمان اور پوری کائنات کا خالق و مالک، رازق، زندگی اور موت دینے والا، تنہا اس کائنات کو چلانے والا اور سب کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ ایک ہے، وہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی بھی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بے نیاز ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کوئی اس کا ہم پلہ و ہم مرتبہ نہیں، وہ کسی کے مشابہ نہیں۔ اس نے سب کو پیدا فرمایا۔ اس کو کسی نے وجود نہیں بخشا۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ کتاب و سنت میں جتنی صفات اور اسماء آئے ہیں وہ حق ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ اس کے آگے کچھ سوچنے کی اور مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے کی اجازت نہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس نے تمہارے لیے خود تم میں سے جوڑا جوڑا بنایا، وہ تمہیں اس میں پھیلاتا ہے، اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (الشوریٰ:11)

﴿7﴾ ﴿وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اور آخرت کے دن پر ایمان لائے'' آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایک زبردست اور دہشت ناک انقلاب کو سچے دل سے مانے اور اس کی تصدیق کرے۔ یہ انقلاب ہمہ گیر اور وحشت انگیز ہوگا جس کے بعد زندگی فنا ہو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جائے گی اورنئی زندگی کا آغاز ہوگا۔اس نئی زندگی کا آغاز آخرت کہلاتا ہے۔جس میں ساری مخلوق کودوبارہ تخلیق کیا جائے گا۔ان کا حساب کتاب ہوگا اور جزا سزا کا معاملہ ہوگا۔﴿8﴾ آخرت پر ایمان لانا واجب ہے کہ دین اسلام کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے جس پر مومن کے عقیدے کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔آخرت پر ایمان لائے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی اصلاح اور نہ استقامت نصیب ہوتی ہے۔﴿9﴾﴿وَالْمَلٰٓئِكَةِ﴾''اور فرشتوں پر ایمان لائے''فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان سچے دل سے یہ یقین رکھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی غیبی اور نوری مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور ان کے ذمے جو کام لگا دیے ہیں اس کو وہ انجام دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا:﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندمزاج سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔ (التحریم:6)﴿10﴾﴿وَالْكِتٰبِ﴾''اور کتاب پر ایمان لائے''کتاب پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سچے دل سے اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت اور راہ نمائی کے لیے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل کی ہیں۔ان میں سے جن کے احکامات اور تعلیمات قرآن مجید کے مطابق ہیں انہیں مشعل راہ بنالے اور قرآن مجید کو ہدایت کی آخری کتاب سمجھے،اس کی دی ہوئی خبروں اور احکامات پر یقین کرے اور اس پر عمل کرے۔﴿11﴾﴿وَالنَّبِيّٖنَ﴾''اور نبیوں پر ایمان لائے''انبیاء پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سچے دل سے یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چنے ہوئے بندوں کو عام انسانوں کے لیے نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے۔انبیاء ورسل حق کی دعوت دینے والے،خوش خبری سنانے والے،اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے تھے۔محمد ﷺ انبیاء کے سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔

سوال 3:﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰي حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ﴾''اور مال دے اس کی محبت کے باوجود رشتے داروں،یتیموں،مسکینوں،مسافروں،سوال کرنے والوں اور غلاموں کو چھڑانے میں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿وَاٰتَى الْمَالَ﴾''اور مال دے''نیکی کا پہلا کام ایمان لانا ہے تو دوسرا مال خرچ کرنا ہے۔مال کے زمرے میں وہ سب چیزیں آجاتی ہیں خواہ کم ہوں یا زیادہ جو انسان مال کے طور پر جمع کرتا ہے۔﴿2﴾﴿عَلٰي حُبِّهٖ﴾''اس کی محبت کے باوجود''اس سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ اسے مال سے محبت ہے لیکن اس کے باوجود وہ مال خرچ کرتا ہے۔رب العزت نے فرمایا:﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ تم ہرگز پوری نیکی حاصل نہیں کرو گے یہاں تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن سے تم محبت رکھتے ہو اور جو بھی تم خرچ کرو گے اس کو یقیناً اللہ تعالیٰ پوری طرح جاننے والا ہے۔(آل عمران:92)سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور سوال کیا:''یارسول اللہ ﷺ ! کون سا صدقہ اجر کے اعتبار سے بڑا ہے؟''آپ ﷺ نے فرمایا:''تیرا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس وقت صدقہ کرنا جب کہ تو صحیح (تندرست وتوانا) ہو، مال کی حرص دل میں ہو، (خرچ کرنے سے) تجھے فقر کا اندیشہ (اور اپنے پاس جمع رکھنے سے) تونگری کی امید ہو اور تو صدقہ کرنے میں تاخیر نہ کر یہاں تک کہ جب روح گلے تک پہنچ جائے تو تو کہے: فلاں کے لیے اتنا، فلاں کے لیے اتنا جب کہ وہ فلاں (وارث) کا ہو چکا۔" (صحیح بخاری: 1419)《3》اس سے یہ بھی مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴾ اور وہ اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ (الدھر: 8)《4》جب انسان کے اندر 'ایمان' گہرا اتر جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق میں اپنا مال ضرورت مندوں کو دے دیتا ہے اور انسانوں کو مصیبت سے نجات دلانے کے لیے دیتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال خرچ کرنے کے لیے راستوں کی وضاحت کی گئی ہے۔《5》﴿ **ذَوِي الْقُرْبَىٰ** ﴾ سے مراد رشتہ دار ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت میں رشتہ داروں پر مال خرچ کیا جائے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے: "صدقہ کرو خواہ اپنے زیور ہی میں سے دو۔" سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنا صدقہ اپنے شوہر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور چند یتیموں پر جو ان کی پرورش میں تھے، خرچ کیا کرتی تھیں، اس لیے انہوں نے اپنے خاوند سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھیے کہ کیا وہ صدقہ بھی مجھے کفایت کرے گا جو میں آپ رضی اللہ عنہ پر اور ان چند یتیموں پر خرچ کروں جو میری سپردگی میں ہیں لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم خود جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لو۔ آخر میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت میں نے آپ ﷺ کے دروازے پر ایک انصاری خاتون کو پایا جو میری ہی جیسی ضرورت لے کر موجود تھیں (یہ زینب ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں)۔ پھر ہمارے سامنے سے بلال رضی اللہ عنہ گزرے تو ہم نے ان سے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کر دیجیے کہ کیا وہ صدقہ مجھ سے کفایت کرے گا جسے میں اپنے شوہر اور اپنی زیر تحویل چند بچوں پر خرچ کروں؟ ہم نے بلال رضی اللہ عنہ سے یہ بھی کہا کہ ہمارا نام نہ لینا۔ وہ اندر گئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ دو عورتیں مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں کون ہیں؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا کہ زینب نام کی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کون سی زینب؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! بے شک درست ہے اور انہیں دو گنا ثواب ملے گا: ایک قرابت داری کا اور دوسرا خیرات کرنے کا۔" (صحیح بخاری: 1466) انفاق کے مصارف میں سب سے پہلے قرابت داروں کو رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے اعزاء واقربا اگر ضرورت مند ہیں، اس کی اعانت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ دل میں عداوت بھی چھپائے ہوئے ہوں تب بھی سب سے افضل انفاق وہی ہے جو ان کے لیے کیا جائے۔ (تدبر القرآن: 426/1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک وہ دینار ہے جسے تو اللہ تعالیٰ کے راستے (جہاد) میں خرچ کرے اور ایک وہ دینار ہے جو کسی گردن (کے آزاد کرنے) میں خرچ کرے اور ایک وہ دینار ہے جو تو کسی مسکین پر صدقہ کرے اور ایک وہ دینار ہے جو تو اپنے بال بچوں پر خرچ کرے۔ ان میں سب سے زیادہ اجر اس دینار میں ہے جو تو اپنے بال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بچوں میں خرچ کرے۔(مسلم:2311) سیدنا ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: جب آدمی اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے۔(بخاری:55)﴿6﴾﴿وَالْيَتٰمٰى﴾''اور یتیموں کو'' اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا مال یتیموں پر خرچ کریں۔ان یتیموں پر جن کا کوئی کمانے والا نہ ہو اور نہ خود ان میں اتنی قوت ہو کہ وہ کما کر مستغنی ہو جائیں۔(تفسیر سعدی:218/1) نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔اس موقعہ پر آپ نے اپنی انگلیاں (انگوٹھے کے پاس والی اور بیچ والی) ساتھ ملا کر دکھائیں۔(صحیح بخاری:888/2) قرابت مندوں کے بعد معاً یتامیٰ کا ذکر اسلامی معاشرہ میں ان کے درجہ ومرتبہ کو واضح کرتا ہے کہ اپنے عزیزوں کے بعد پہلی نظر آدمی کی ان بچوں پر پڑنی چاہیے جو سایہ پدری سے محروم ہو چکے ہیں اور جن کی کفالت وتربیت کی ساری ذمہ داری معاشرہ پر منتقل ہو چکی ہے۔(تدبر القرآن:426/1)﴿7﴾﴿وَالْمَسٰكِيْنَ﴾''اور مسکینوں کو'' صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو (سوال کرنے کے لیے) لوگوں کے پاس چکر لگاتا ہے جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ یا ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس کر دیتے ہیں یعنی کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا (لیکن واقعی) مسکین وہ ہے جو ایسی چیز نہیں پاتا جو اسے بے نیاز کر دے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور وہ سوال کرنے کے لیے بھی کھڑا رہے۔(صحیح بخاری:200/1)﴿8﴾﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾''اور مسافروں کو'' مسافر وہ ہے جو اپنے گھر سے دور ہو۔مسافر اپنے مسافر ہونے کی حالت کی بنا پر مدد کا مستحق ہوتا ہے خواہ صاحب استطاعت ہو یا غیر صاحب استطاعت۔﴿9﴾﴿وَالسَّآئِلِيْنَ﴾''اور سوال کرنے والوں'' سائلین وہ لوگ ہیں جن پر کوئی ایسی ضرورت آن پڑے جو ان کو سوال کرنے پر مجبور کر دے مثلاً ایسا شخص جو کسی دیت کی ادائیگی میں مبتلا ہو گیا ہو یا حکومت کی طرف سے اس پر کوئی جرمانہ عائد کر دیا گیا ہو یا وہ مصالح عامہ کی کوئی عمارت مثلاً مسجد، مدرسہ، پل وغیرہ تعمیر کروا رہا ہو اس حوالے سے سوال کرنا اس کا حق ہے خواہ وہ مال دار ہی کیوں نہ ہو۔(تفسیر سعدی:218/1) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غنی کو، ٹھیک ٹھاک بدن والے کو اور قوی آدمی کو سوال کرنا حلال نہیں ہے الا یہ کہ ایسا مجبور ہو کہ تنگ دستی نے اسے مٹی میں ملا رکھا ہو (یعنی زمین کی مٹی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ ہو) یا قرضے میں مبتلا ہو گیا ہو جو ذلیل کرنے والا ہو، اور جس شخص نے مال زیادہ کرنے کے لیے لوگوں سے سوال کیا تو قیامت کے دن اس کا چہرہ چھیلا ہوا ہوگا۔اور یہ مال گرم پتھر بنا ہوگا جس کو جہنم سے لے کر کھاتا ہوگا اب جی چاہے تو کمی کرے اور چاہے تو زیادتی کرے۔(مشکوۃ المصابیح:163) جس نے لوگوں سے ان کے مالوں کا سوال اس لیے کیا کہ مال زیادہ جمع ہو جائے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے (جو دوزخ میں سے ملیں گے) اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے۔(مسلم:333/1) انسان دنیا میں برابر سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہوگی۔(بخاری:199/1)﴿10﴾﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾''اور غلاموں کو چھڑانے میں'' یعنی غلاموں کو آزاد کروانے اور قیدیوں کو چھڑانے میں مال خرچ کرے۔جنگی قیدیوں کو کافروں اور ظالموں کی قید سے چھڑوانے کے لیے مال خرچ کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال4:﴿ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ﴾''اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ ﴾''اور نماز قائم کی''نماز قائم کرنے سے مراد سنت رسول ﷺ کے مطابق پابندی سے نماز ادا کرنا ہے۔ ﴿2﴾ اپنے مال پر زکوٰۃ واجب ہونے پر مستحق کو ادا کرنا۔(تفسیر ماوردی:227/1)﴿3﴾ نماز اور زکوٰۃ افضل عبادات ہیں ان ہی کے ذریعے سے ایمان کا وزن ہوتا ہے۔

سوال5:﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ﴾''اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں جب وہ عہد کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ وہ جب عہد کرتے ہیں تو اس عہد کو پورا کرتے ہیں۔عہد کی پابندی نیکی کا کام ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا: لا دين لمن لا عهد له ''اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کی پابندی نہیں کرتا۔''(احمد، طبرانی، ابن حبان)﴿2﴾ اللہ تعالیٰ یا خود بندے کی طرف سے لازم کیے ہوئے امر کا التزام کرنا عہد کہلاتا ہے۔پس تمام حقوق اللہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کو لازم قرار دے دیا ہے اور وہ اس التزام کو قبول کر کے اس عہد میں داخل ہو گئے اور ان کا ادا کرنا ان پر فرض قرار پایا نیز اس عہد میں وہ حقوق العباد بھی داخل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر واجب قرار دیا ہے اور اس میں وہ حقوق بھی شامل ہیں جن کو بندے اپنے آپ پر لازم قرار دے لیتے ہیں مثلاً قسم اور نذر وغیرہ۔(تفسیر سعدی:219/1)﴿3﴾ وہ انسان عہد کی پابندی کر سکتا ہے جو ہر عہد کو اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد سمجھتا ہے یعنی عہد کی پابندی کے بغیر وہ خود کو دین پر نہیں سمجھتا۔﴿4﴾ وعدہ توڑنا نفاق کی خصلت ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔''(صحیح مسلم:212)﴿5﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ ''خبردار! اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں۔(مشکوٰۃ المصابیح:15)﴿6﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دھوکہ دینے والے کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ بازی (کا جھنڈا) ہے اور وہ اس جھنڈے کے ذریعہ سے پہچانا جائے گا۔(صحیح بخاری:452/1) سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی بنا دے (یعنی صاحب اقتدار بنا کر عوام کی نگرانی اور خیر خواہی اس کے سپرد کر دے) پھر وہ اس کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ شخص جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔(صحیح بخاری: 1058/2)﴿7﴾ دور نبوی میں ایفائے عہد کی مثالیں: سیدنا حذیفہ بن یمان اور ابو حسیل (یہ سیدنا یمان کی کنیت ہے) دونوں جنگ بدر میں شمولیت کے لیے جا رہے تھے کہ راستہ میں قریش مکہ کے ہتھے چڑھ گئے اور انہوں نے ان سے عہد لے کر چھوڑا کہ وہ غزوہ بدر میں حصہ نہیں لیں گے چنانچہ یہ دونوں صحابہ قریش سے چھٹکارا حاصل کر کے میدان بدر میں آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔اس وقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور آپ ﷺ کو ایک ایک آدمی کی شدید ضرورت تھی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان دونوں کو واپس چلے جانے کا حکم دیا اور فرمایا تم اپنا عہد پورا کرو اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔(مسلم کتاب الجہاد والسیر)﴿8﴾ صلح حدیبیہ کے دوران ابو جندل پابہ زنجیر قریش مکہ کی قید سے فرار ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے ابو جندل نے اپنے زخم دکھا دکھا کر اپنا دکھڑا سنا کر التجا کی کہ خواہ کچھ بھی ہو ابو جندل کو اب کافروں کے حوالہ نہ کیا جائے لیکن آپ ﷺ نے محض ایفائے عہد کی خاطر ابو جندل کو کافروں کے سفیر سہیل بن عمر جو ابو جندل کا باپ تھا کے حوالے کیا۔ابو جندل کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی اور راہ نکال دے گا۔(بخاری کتاب الشروط)

سوال 6: ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾ ''اور تنگ دستی،تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿الصّٰبِرِيْنَ﴾ سے مراد صبر کرنے والے ہیں یعنی وہ لوگ جو مصیبت اور ابتلاء کا مقابلہ کر کے ڈٹے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کاموں سے رک جاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا اللہ تعالیٰ نے صبر کو نیکی قرار دیا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿الْبَاْسَآءِ﴾ سے مراد فقر کی شدت اور تنگدستی ہے۔جو فقر اور تنگدستی میں صبر کرتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے انسان جسمانی اور روحانی طور پر تکلیف میں رہتا ہے۔جب گھر والے بھوک کا شکار ہوں اور لوگ نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں تو اسے تکلیف ہوتی ہے۔جب وہ اپنے گھر والوں کو لباس نہیں فراہم کر سکتا تو موسم کے سرد و گرم کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کے ساتھ ان پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔﴿3﴾ ﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ سے مراد نقصان اور بیماری ہے۔اس میں ہر قسم کی بیماریاں آجاتی ہیں۔انسان کمزور ہے اور جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔اگر بیماری طویل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کے ساتھ صبر کرنے کا حکم ہے۔﴿4﴾ ﴿وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾ ''اور لڑائی کے وقت'' اس سے مراد لڑائی اور اس کی شدّت ہے۔﴿5﴾ یعنی ان دشمنوں سے لڑائی کے وقت جن سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ صبر و استقلال سے جواں مردی کا مظاہرہ نفس انسانی کے لیے نہایت گراں بار ہے اور انسان قتل ہونے،زخمی ہونے یا قید ہونے سے بہت گھبراتا ہے۔پس وہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ پر ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر کرنے کا سخت محتاج ہے۔(تفسیر سعدی:219/1)﴿الضَّرَّآءِ﴾ اور ﴿الْبَاْسِ﴾ کا الگ الگ تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کے احکامات سے سرمو انحراف نہ کرنا بہت کٹھن ہوتا ہے۔

سوال 7: انسان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے راستے پر کیسے جما رہتا ہے یعنی کیسے صبر کرتا ہے؟

جواب: جو انسان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ تنگی،مصیبت حتیٰ کہ جنگ کے دوران بھی یعنی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے راستے پر جما رہتا ہے۔

سوال 8: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ ''یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچ کہا اور یہی متقی لوگ ہیں'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ﴾ ''یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچ کہا''اس سے مراد یہ ہے کہ ﴿1﴾ جولوگ ان صفات سے متصف ہیں وہ اپنے ایمان میں سچے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے اقوال اورافعال سے دل کے ایمان کو سچ ثابت کیاہے۔ اسی لیے یہ لوگ سچے ہیں۔﴿2﴾ یہ لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں کیونکہ ان کے اعمال ان کے ایمان کی تصدیق کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:220/1)﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں،آپ ﷺ نے فرمایا:''بے شک سچ آدمی کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اورایک شخص سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ صدیق کا لقب اورمرتبہ حاصل کرلیتا ہے۔''(صحیح بخاری:6094)﴿4﴾﴿ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴾ ''اوریہی متقی لوگ ہیں''یہی لوگ متقی ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے حال،عمل اورسلوک سے تقویٰ کو سچ ثابت کیاہے۔ اس لیے وہ حرام کاموں سے بچے،اطاعت کے کام کیے اوریہی نیکی ہے۔(الاساس فی التفسیر:388/1) ﴿5﴾ اوریہی لوگ متقی ہیں کیونکہ انہوں نے محظورات کوترک کردیااور مامورات پرعمل کیا۔(تفسیر سعدی:220/1)﴿6﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اورتمہاری صورتوں کونہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اورعملوں کو دیکھتا ہے۔''(صحیح مسلم:6543)﴿7﴾ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ''بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کامادہ دل میں پیدا ہوجائے،فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں اورانسان تمام بھلائیوں کاعامل ہو۔حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پرعمل کرلیا،اس نے کامل اسلام پالیااوردل کھول کر بھلائی سمیٹ لی۔''(ابن کثیر:246/1)

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ (178) ﴾

''اے لوگو جوایمان لائے ہو!تم پرمقتولوں کابدلہ لینافرض کردیا گیاہے۔آزاد کے بدلے وہی آزادقاتل،اورغلام کے بدلے وہی غلام قاتل اورعورت کے بدلے وہی قاتلہ عورت(قتل)ہوگی،پھرجس کواپنے بھائی سے کچھ بھی معافی مل جائے تو معروف طریقے سے پیچھا کرنااورخوبی کے ساتھ اس(دیت)کواداکرناہے یہ ایک طرح کی آسانی اورمہربانی تمہارے رب کی طرف سے ہے،پھراس کے بعد جس نے زیادتی کی تواس کے لیے دردناک عذاب ہے۔''(178)

سوال1:﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ﴾ ''اے لوگو جوایمان لائے ہو!تم پرمقتولوں کابدلہ لینافرض کردیا گیا ہے''اس سے کیا مرادہے؟

جواب:﴿1﴾﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ اے وہ لوگو جنہوں نے اللہ تعالیٰ اوررسول کی تصدیق کی ہے۔﴿2﴾﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿الْقَتْلٰى﴾ ''تم پر مقتولوں کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم کا تذکرہ کیا ہے کہ اس نے مقتولوں کے بارے میں قصاص یعنی قتل میں برابری کو فرض قرار دیا ہے۔﴿3﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے میں اس طریقے سے قتل کیا جائے گا جیسے اس نے مقتول کو قتل کیا۔﴿4﴾ اس میں دلیل ہے کہ اہل ایمان پر فرض ہے کہ جب مقتول کا ولی قصاص کا مطالبہ کرے تو اس کی مدد کی جائے اور مقتول کے ورثاء کو بدلہ لینے سے نہ روکیں۔ جس نے قصداً قتل کیا تو اس میں قصاص ہے اور جو شخص قصاص نافذ کرنے کے بارے میں آڑے آجائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ (سنن ابی داود: کتاب الدیات) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا گیا انہوں نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل میں قصاص یعنی بدلہ تھا لیکن دیت نہیں تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے کہا کہ ''تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کیا گیا۔'' (صحیح بخاری: 4498) ﴿5﴾ اس آیت میں بنیادی تعزیری قانون دیا گیا ہے۔﴿6﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتاب اللہ کا حکم قصاص کا ہے۔ (بخاری: 4499)

سوال 2: ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ ''آزاد کے بدلے وہی آزاد قاتل، اور غلام کے بدلے وہی غلام قاتل اور عورت کے بدلے وہی قاتلہ عورت (قتل) ہوگی'' قتل کے معاملے میں یہ آیت اسلام کا کیا اصول واضح کرتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ قتل کے معاملے میں اسلام کا اصول برابری کا ہے جو کہ فرض ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔﴿2﴾ ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾ ''آزاد کے بدلے وہی آزاد قاتل'' الفاظ کے اعتبار سے اس میں مرد کے بدلے مرد کا مفہوم شامل ہے۔﴿3﴾ اس عموم سے والدین (اوپر تک) مستثنیٰ ہیں۔ لہٰذا بیٹے کے قتل کے قصاص میں والدین کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ استثناء سنت میں وارد ہوا ہے۔ نیز قصاص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلالت کرتا ہے کہ بیٹے کے قتل کی پاداش میں باپ کو قتل کرنا انصاف نہیں۔ نیز اس لیے کہ باپ کا دل اپنے بیٹے کے لیے رحمت اور شفقت سے لبریز ہوتا ہے جو اسے بیٹے کو قتل کرنے سے روکتا ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ باپ کے دماغ میں کوئی خلل ہو یا بیٹے کی طرف سے اسے نہایت سخت اذیت پہنچی ہو۔ سنت نبوی ہی کی رو سے اس عموم سے کافر بھی خارج ہے۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ خطاب خاص طور پر اہل ایمان کے لیے ہے۔ نیز یہ قرین انصاف بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن کے بدلے اللہ تعالیٰ کے دوست کو قتل کیا جائے اور غلام کے بدلے غلام کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور خواہ ان کی قیمت مختلف ہو یا برابر۔ مفہوم کلام یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ غلام آزاد کے مساوی نہیں ہوتا۔ (تفسیر سعدی: 221/1) ﴿4﴾ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے زیادہ قتل نہ کئے جائیں۔ (ابن کثیر: 249/1) ﴿5﴾ ﴿وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ ''اور غلام کے بدلے وہی غلام قاتل'' غلام کے بدلے غلام قتل کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت۔ خواہ ان کی قیمت مختلف ہو یا برابر۔ ہاں آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (تفسیر سعدی: 221/1) ﴿6﴾ ﴿وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ ''اور عورت کے بدلے وہی قاتلہ عورت (قتل) ہوگی'' مرد کے بدلے عورت اور عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے گا اگر مرد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عورت کا قاتل ہوگا۔

سوال 3: قصاص کا معاملہ اسلام میں کس نوعیت کا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلام میں قصاص کا معاملہ قابل راضی نامہ ہے۔ ﴿2﴾ مقتول کے وارث اگر چاہیں تو قاتل سے قصاص لینے پر راضی رہیں۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتاب اللہ کا حکم قصاص کا ہے۔ (صحیح بخاری:4499) ﴿3﴾ چاہیں تو دیت (مالی معاوضہ) لے سکتے ہیں۔ چاہیں تو معاف کر سکتے ہیں۔

سوال 4: قصاص کے قانون کا فائدہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ آئندہ کے لیے قتل کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے کیونکہ اپنی جان کا خوف انسان کو دوسروں کی جان لینے سے روکتا ہے اور اس طرح سب کی جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ ﴿2﴾ قاتل کے قتل سے پورے معاشرے کو زندگی کی ضمانت ملتی ہے۔ ﴿3﴾ مقتول کے ورثاء کا انتقامی جذبہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اس طرح معاشرے میں تخریبی کاروائیوں کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔

سوال 5: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾ ''پھر جس کو اپنے بھائی سے کچھ بھی معافی مل جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾ یعنی اگر مقتول کا ولی قاتل کو معاف کر کے دیت قبول کر لے تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت واجب ہو جائے گی۔ ﴿2﴾ اس میں نرمی اختیار کرنے اور قصاص معاف کر کے دیت قبول کرنے کی ترغیب ہے۔ اس سے بھی زیادہ احسن بات یہ ہے کہ کچھ لیے بغیر ہی قاتل کو معاف کر دیا جائے۔ (تفسیر سعدی:222/1)

سوال 6: یہاں اخوت سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں اخوت سے مراد اخوت ایمانی ہے پس قتل کے ارتکاب سے قاتل دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ (زادالمسیر :163/1) (تفسیر سعدی:222/1)

سوال 7: ﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ ''تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا ہے اور خوبی کے ساتھ اس (دیت) کو ادا کرنا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ''تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا ہے'' یعنی ایسے طریقے سے کہ اس پر شاق نہ گزرے۔ ﴿2﴾ جب مقتول کا ولی قاتل کو معاف کر دے تب اس پر واجب ہے کہ وہ قاتل سے معروف طریقے سے خون کا مطالبہ کرے اور اتنا زیادہ مطالبہ نہ کرے جس کو ادا کرنے کی قاتل میں طاقت نہ ہو بلکہ نہایت احسن طریقے سے قاتل سے دیت کا تقاضا کرے اور اسے تنگی میں مبتلا نہ کرے۔ (تفسیر سعدی:222/1) ﴿3﴾ ﴿وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ سے مراد یہ ہے کہ قاتل کا بھی فرض ہے کہ اچھے طریقے سے ادا کرے جب وعدہ کرے تو بلا تامل دیت ادا کرے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 8: دیت کی گنجائش کا اصل مقصد کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلامی معاشرے میں ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھنے کی فضا باقی رہے۔ ﴿2﴾ ایک دوسرے کو حریف سمجھنے کی فضا کسی حال میں پیدا نہ ہو۔ ﴿3﴾ اس کے ذریعے سے مقتول کے وارثوں کو اپنے جانے والے فرد کا مالی بدل مل جائے۔

سوال 9: قتل کے مقدموں کا فیصلہ کن صورتوں سے ہو سکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قصاص۔ ﴿2﴾ دیت۔ ﴿3﴾ معافی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے: قصاص یعنی بدلہ لے لے، معاف کرے یا دیت لے اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو۔ ان میں سے ایک کرنے کے بعد جو بھی زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہو جائے گا۔ (مسند احمد) تاہم آپ ﷺ قصاص کی بجائے عفو کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ خود بھی معاف کرتے اور دیت لے لینے کی سفارش کرتے اور صحابہ کو بھی اس بات کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی قتل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے قاتل کو مقتول کے وارث کے حوالہ کر دیا۔ قاتل کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم میرا قتل کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے مقتول کے ولی سے کہا: اگر یہ سچا ہے اور تم نے اسے قتل کر دیا تو تم دوزخ میں جاؤ گے۔ یہ سن کر مقتول کے ولی نے قاتل کو چھوڑ دیا۔ (ترمذی ابواب الدیات)

سوال 10: ﴿ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ﴾ ''یہ ایک طرح کی آسانی اور مہربانی تمہارے رب کی طرف سے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا، درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی۔ اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینا جائز قرار دیا گیا۔ (ابن کثیر: 249/1)

سوال 11: ﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ﴾ ''پھر اس کے بعد جس نے زیادتی کی'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''پھر اس کے بعد جس نے زیادتی کی'' سرکشی سے مراد ہے کہ دیت قبول کرنے یا معاف کرنے کے بعد زیادتی کرے یعنی قاتل کو قتل کر دے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا گیا انہوں نے بیان کیا کہ سو جو کوئی اس کے بعد بھی زیادتی کرے گا اس کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہوگا۔ (زیادتی سے مراد یہ ہے کہ) دیت بھی لے لی اور پھر اس کے بعد قتل بھی کر دیا۔ (صحیح بخاری: 4498)

سوال 12: ﴿فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جو دیت قبول کرنے یا معاف کرنے کے بعد قتل کر دے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّاُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (179)﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور تمہارے لیے اے عقل والو! بدلہ لینے میں ایک طرح کی زندگی ہے تاکہ تم بچ جاؤ۔''(179)

سوال1: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ ''اور تمہارے لیے اے عقل والو! بدلہ لینے میں ایک طرح کی زندگی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور تمہارے لیے اے عقل والو! بدلہ لینے میں ایک طرح کی زندگی ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ ﴿1﴾ قانون قصاص سے تمہاری جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اس قانون کی وجہ سے قاتل یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر میں نے قتل کیا تو میں بھی مارا جاؤں گا، اس طرح وہ ناجائز قتل سے باز آجاتا ہے اور لوگوں کی جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ ﴿2﴾ پہلی کتابوں میں یہ قانون ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ قاتل کا قتل کیا جانا قتل کو بڑی خوبی سے روک دیتا ہے۔

سوال2: قصاص میں کس کی زندگی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قصاص میں معاشرے کی زندگی ہے۔ مقتول کے قتل ہونے کے بعد اگر قاتل کھلا پھرے گا تو معاشرے میں امن کی فضا قائم نہیں رہے گی۔ لوگوں کے اندر دہشت اور خوف پیدا ہوگا اور مقتول کے ورثاء کے اندر انتقامی جذبات پروان چڑھتے رہیں گے۔ قصاص لینے سے قاتل انجام کو پہنچتا ہے، انتقامی جذبات ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، معاشرے میں امن کی فضا قائم ہو جاتی ہے اور یوں معاشرے کو زندگی ملتی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فرمان کہ تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اس میں یہ صراحت ہے کہ نفاذ قانون ہر صورت میں ہوگا اور عدل کامل میں حیات اجتماعی کی بقا اور فلاح کی ضمانت ہے۔ اگر عدل نہیں تو معاشرہ ایک نہ ایک دن تباہ ہو جائے گا۔ (تفسیر جصاص:199/1)

سوال3: معاشرے میں قتل وغارت گری کیسے رک سکتی ہے؟

جواب: کسی بھی معاشرے میں قتل وغارت گری سزا کے خوف سے رک سکتی ہے لیکن سزا قصاص ہو تو کسی کو قتل کرنے کی جرأت نہیں رہتی۔ قانون قصاص کے نفاذ سے معاشرہ قتل وخوں ریزی سے محفوظ رہ سکتا ہے اور امن وامان قائم ہو سکتا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اولوا الالباب سے خطاب کیوں کیا ہے؟

جواب: حکم کی حقیقت کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو عقل کامل کے مالک ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر عقل والوں کو مخاطب کیا ہے۔

سوال5: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تاکہ تم بچ جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تاکہ تم بچ جاؤ'' یعنی محظورات کو ترک کر سکو اور مامورات پر عمل کر سکو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (180) ﴾

''تم پر فرض کیا گیا جب تم میں سے کسی ایک کو موت آئے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا تو والدین اور رشتے داروں کے لیے اچھے طریقے سے وصیت کرنا ہے، یہ متقی لوگوں پر لازم ہے۔''(180)

سوال 1: ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ ''تم پر فرض کیا گیا جب تم میں سے کسی ایک کو موت آئے اگر اس نے کچھ مال چھوڑا تو والدین اور رشتے داروں کے لیے اچھے طریقے سے وصیت کرنا ہے'' اس آیت میں کیا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ ﴾ ''تم پر فرض کیا گیا'' ایمان والوں پر واضح کیا گیا کہ تم پر فرض کر دیا گیا۔ ﴿2﴾ ﴿ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ﴾ جب کسی کی موت کا وقت قریب آجائے یعنی مہلک امراض یا ہلاکت کے اسباب قریب آجائیں۔ ﴿3﴾ ﴿ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ﴾ ''اگر اس نے کچھ مال چھوڑا'' اگر اس نے کچھ مال چھوڑا تو وصیت کر جائے۔ ﴿4﴾ خیر سے مراد نقد مال یا سامان یا جائیداد ہے۔ ﴿5﴾ ﴿ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ ''والدین اور رشتے داروں کے لیے اچھے طریقے سے وصیت کرنا ہے'' اس آیت میں والدین اور رشتے داروں کو معروف طریقے سے وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ سے مراد ہے جس سے لوگ واقف ہوں خواہ قلیل ہوں یا کثیر یعنی ایک تہائی سے زیادہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص کو صرف ایک تہائی مال میں وصیت کرنے کی اجازت دی تھی۔ (ایسر التفاسیر:88)

سوال 2: کیا والدین اور رشتے داروں کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ وصیت کا یہ حکم آیت میراث سے پہلے نازل ہوا۔ ﴿2﴾ آیت وصیت کے بعد جب میراث والی آیت نازل ہوئی تو اس کے بعد کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جاسکتی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے لہٰذا اب وارث کے لیے وصیت نہیں۔ (سنن) ﴿3﴾ اب یہ حکم منسوخ ہے۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے: کسی وارث کے لیے وصیت نہیں ہے۔ (کتاب الوصایا، باب:6) ﴿4﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے یعنی وارثوں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں۔ پھر اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔'' (ترمذی، ابن ماجہ، کتاب الوصایا) ﴿5﴾ وصیت ایسے رشتے داروں کے لئے کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں۔ ﴿6﴾ وصیت راہ خیر میں خرچ کرنے کے لئے کی جاسکتی ہے۔ ﴿7﴾ وصیت کی زیادہ سے زیادہ حد ایک تہائی ہے۔ اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کی جاسکتی۔ (صحیح بخاری) ﴿8﴾ رشتہ دار جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال میں کوئی حصہ مقرر نہیں کیا ہے ان کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے اسی آیت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے وصیت کرنا مستحب ہے اور اس کام کے لیے مال کا تیسرا حصہ استعمال ہوگا جس کی وصیت کرنی جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے وصیت کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کی ترغیب کی آیات اور احادیث بہت ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو صرف ایک تہائی مال میں وصیت کرنے کی اجازت دی تھی۔ (تیسیر الرحمٰن:98/1)

سوال 3: قانون وصیت کے اہم نکات واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ کسی وارث کو اس کے قانونی حصے کے علاوہ کوئی چیز بذریعہ وصیت نہیں دی جاسکتی۔ ﴿2﴾ وارثوں کے حصوں میں وصیت کے ذریعے سے کوئی کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ ﴿3﴾ وصیت کل جائیداد کے صرف ایک تہائی حصے کی حد تک کی جاسکتی ہے۔

سوال 4: ﴿حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''یہ متقی لوگوں پر لازم ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں پر واجب ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ (الاساس فی التفسیر:403/1) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو وصیت پر موت آئی (یعنی وصیت کر کے موت آئی) اس نے صحیح راستہ پر اور سنت پر وفات پائی اور تقویٰ اور شہادت پر مرا اور بخشا ہوا ہونے کی حالت میں مرا۔ (سنن ابن ماجہ:194) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو جس کی وصیت کرنا ہو تو اس کے لیے یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ دو راتیں گزر جائیں اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ (بخاری:2537)

﴿ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ(181) ﴾

''پھر جو اسے بدل ڈالے اس کے بعد کہ اسے سن چکا ہو تو یقیناً ان ہی لوگوں پر اس کا گناہ ہے جو اسے بدلیں، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (181)

سوال 1: ﴿فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ﴾ ''پھر جو اسے بدل ڈالے اس کے بعد کہ اسے سن چکا ہو تو یقیناً ان ہی لوگوں پر اس کا گناہ ہے جو اسے بدلیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ﴾ ''پھر جو اسے بدل ڈالے'' جو کوئی اس وصیت کو بدلتا ہے جو کسی کے حق میں کی گئی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ﴾ ''اس کے بعد کہ اسے سن چکا ہو'' اس وصیت کو سمجھ لینے کے بعد اور اس کے طریقوں اور اس کے نفاذ کو اچھی طرح جان لینے کے بعد جو کوئی اس کو تبدیل کرتا ہے۔ ﴿3﴾ ﴿فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ﴾ ''یقیناً ان ہی لوگوں پر اس کا گناہ ہے جو اسے بدلیں'' ورنہ وصیت کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کے اجر کا مستحق ہو گیا۔ (تفسیر سعدی:225/1)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے اپنے ﴿سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ہونے کا شعور کس مقصد کے تحت دلایا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے وصیت سننے کے بعد اسے بدلنے سے روکنے کے لئے اپنی صفات سمیع اور علیم کا شعور دلایا ہے کہ جو وصیت کرنے والے نے وصیت کی ہے اللہ تعالیٰ اسے سنتا ہے۔ وہ علیم ہے بدلنے والے کی نیت کی تبدیلی کا بھی علم رکھتا ہے۔ لہٰذا سمیع و علیم سے ڈر کر وصیت بدلنے سے باز رہو۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ ﴿عَلِيْمٌ﴾ ہے جو تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ وہ وصیت کرنے والے کی بات اور وصیت کو بھی سنتا ہے۔ پس وہ اس ہستی کا خوف کھاتے ہوئے جو اسے دیکھ اور سن رہی ہے اپنی وصیت میں ظلم اور زیادتی کا ارتکاب نہ کرے۔ وہ وصیت کرنے والے کی نیت کو جانتا ہے اور اس شخص کے عمل کو بھی جس کو یہ وصیت کی گئی ہے۔

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (182)﴾

''پھر جو کوئی وصیت کرنے والے سے کسی قسم کی طرف داری یا گناہ سے ڈرے، پس وہ ان کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (182)

سوال 1: ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا﴾ ''پھر جو کوئی وصیت کرنے والے سے کسی قسم کی طرف داری یا گناہ سے ڈرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا﴾ ''پھر جو کوئی وصیت کرنے والے سے کسی قسم کی طرف داری سے ڈرے'' جنف خطاء یا غلطی یا کسی قسم کی طرف داری کو کہتے ہیں اس میں ہر قسم کی طرف داری شامل ہے مثلاً کسی رشتے دار کی طرف زیادہ مائل ہونا اور دوسروں کی حق تلفی کرنا۔ ﴿2﴾ ﴿اَوْ اِثْمًا﴾ ''گناہ'' (الف) جان بوجھ کر گناہ کرنا۔ (ب) یہاں گناہ کی وصیت کرنا مراد ہے۔

سوال 2: وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی کی طرف داری یا گناہ کیا ہے؟

جواب: وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی کی طرف داری یا گناہ یہ ہے کہ بیٹے یا بیٹی کو زیادہ دینے کی نیت سے نواسے یا نواسی، پوتے یا پوتی کو وصیت کر دی۔

سوال 3: وصیت میں نادانستہ یا قصداً حق تلفی کرنا کیسا عمل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ وصیت میں نادانستہ یا قصداً حق تلفی کرنا ظلم ہے۔ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت بابرکت میں لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنے اس بیٹے کو کچھ دیا ہے (مقصود آپ ﷺ کو گواہ بنانا تھا) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا، کیا تم نے اپنی سب اولاد کو اسی قدر دیا ہے جتنا اس کو دیا ہے؟ کہا یا رسول اللہ ﷺ نہیں سب کو تو نہیں دیا۔ فرمایا: اگر یہ بات ہے تو پھر جو تم نے اس کو دیا ہے وہ لوٹا لو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری: 235/1) ﴿2﴾ وصیت میں ظلم کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''آدمی ستر سال تک نیک اعمال کرتا رہتا ہے لیکن وصیت میں ظلم کا مرتکب ہوتا ہے اور اسی پر خاتمہ کی بناء پر جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ستر سال تک برے اعمال کرتے ہیں لیکن وصیت میں عدل وانصاف کی وجہ سے وہ جنتی بن جاتے ہیں''۔(ابن کثیر)

سوال 4: کیا کسی کی طرف داری یا گناہ پر مبنی وصیت پر عمل کیا جائے گا؟

جواب: ﴿1﴾ ایسی وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا اس کی تصحیح کروادی جائے گی تا کہ حق داروں کی حق تلفی نہ ہو اور مرنے والا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے۔ ﴿2﴾ وصیت کا بدلنا بڑا گناہ ہے اور اس میں کتمان یعنی وصیت کو چھپانا بھی داخل ہے۔لیکن اگر اس میں کسی کی حق تلفی ہو یا خلاف شریعت کسی امر کی وصیت کی جائے مثلاً شراب پلانے کی، ناچ کرانے کی، کسی قبر پر چراغاں کرنے یا میلہ اور عرس وغیرہ کرانے کی تو ایسی وصیت کا تبدیل کرنا واجب اور ضروری ہے۔(اشرف الحواشی:34)

سوال 5: ﴿فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ''پس وہ ان کے درمیان اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اگر چہ وصیت کا بدلنا بڑا گناہ ہے لیکن اگر اس میں کسی کی حق تلفی ہو یا خلاف شریعت کسی امر کی وصیت کی جائے تو جو ورثا کے درمیان اصلاح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ گناہ اس پر ہے جو خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے وصیت بدل دے۔

سوال 6: ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے وصیت کرنے والے کو، جو جان بوجھ کر خطا نہیں کرتا، اپنی رحمت اور مغفرت کا وعدہ دیا ہے کہ وہ ﴿غَفُوْرٌ﴾ بے حد بخشنے والا ہے اور ﴿رَّحِيْمٌ﴾ نہایت رحم والا ہے۔

سوال 7: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ﴿غَفُوْرٌ اور رَّحِيْمٌ﴾ کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے وصیت کرنے والے کی طرف داری یا بھول یا جان بوجھ کر گناہ کی وصیت کا خوف کھانے والے کو اصلاح کرنے کے لیے اپنی رحمت اور مغفرت کا شعور دلایا ہے کہ وہ وسیع رحمت والا ہے، اصلاح کرو گے تو اس کی رحمت ڈھانپ لے گی اور وہ بے حد بخشنے والا ہے، اصلاح کی کوششوں کے باوجود اگر کوئی کمی، خطا اور خرابی رہ گئی تو وہ نہایت رحم والا ہے۔

رکوع نمبر 23

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (183)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا فرض کر دیا گیا جیسے ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم بچ جاؤ۔''(183)

سوال 1: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرض کردیا گیا جیسے ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ رب العزت کا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر روزے فرض کیے۔ ﴿2﴾ ﴿**يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا**﴾ اے وہ لوگو جنہوں نے اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کی تصدیق کی ہے۔ ﴿3﴾ ﴿**كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ**﴾ ''تم پر روزے فرض کئے گئے'' امت سے خطاب ہے کہ تم پر روزے فرض کیے گئے لہٰذا ہر رمضان میں روزے رکھو۔ ﴿4﴾ ﴿**كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ**﴾ جس طرح پہلی امتوں پر روزے فرض کیے گئے تھے۔ پہلے لوگوں سے مراد ساری امتیں ہیں۔ (ابن عباس) پہلے لوگوں سے مراد یہودی اور عیسائی بھی ہیں۔ ﴿5﴾ روزہ بدن کی زکوٰۃ ہے۔ روزے کی وجہ سے گندے مواد اور گرے ہوئے اخلاق سے انسانوں کے اجسام اور روحیں پاک ہو جاتی ہیں۔ ﴿6﴾ رمضان کے روزے ہر عاقل، بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ اللہ کریم نے اس کی فرضیت میں سہولت پیدا کی ہے۔ (البقرۃ:184) ﴿7﴾ رمضان کے روزے رکھنا اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے۔ (بخاری:8) ﴿8﴾ مریض اور مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی لیکن یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ بعد میں اس کی قضا کریں۔ (بخاری:1943) ﴿9﴾ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بچوں کے نقصان کے اندیشے سے روزے نہ رکھیں تو قضا کے ساتھ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلائیں۔ چونکہ یہ روزہ بیماری کے خوف سے نہیں چھوڑا جاتا کہ قضا کافی ہو اس لئے اس کی تلافی مسکین کو کھانا کھلانے سے کی گئی ہے۔ (ترمذی:715)

سوال 2: روزہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، فسق وفجور کے ارتکاب اور دن میں جماع کرنے سے رک جانا روزہ ہے۔ ﴿2﴾ روزہ ایک راز ہے جو رب اور بندے کے درمیان ہوتا ہے۔ اپنے خالق کی محبت میں محبوب چیزوں کو چھوڑ دینا ایسا عمل ہے جس سے کوئی واقف نہیں ہوسکتا۔ یہی روزے کی حقیقت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کا ہے سوائے روزے کے کہ یہ میرا ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا اور روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بڑھ کر ہے۔'' (بخاری:5927)

سوال 3: روزے کی فضیلت بیان کریں؟

جواب: ﴿1﴾ روزہ دار کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری:1901، مسلم:760) ﴿2﴾ روزے کا ثواب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ (بخاری:1904، مسلم:1151) ﴿3﴾ روزے کے برابر کوئی چیز نہیں۔ (صحیح الترغیب:986) ﴿4﴾ روزہ دار کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ (بخاری:1397، مسلم:14) ﴿5﴾ روزہ دار شہداء کے ساتھ ہوں گے۔ (صحیح الترغیب:1003) ﴿6﴾ روزہ دار کے ہر عمل کا اجر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ (مسلم:1151، ابن ماجہ:1638) ﴿7﴾ جنت کا دروازہ ''ریان'' روزہ داروں کے لئے ہے۔ (بخاری:1896، مسلم:1152) ﴿8﴾ ایک دن کا روزہ دوزخ کی آگ سے ستر سال دور کردے گا۔ (مسلم:1153، بخاری:2840) ﴿9﴾ روزہ قیامت کے دن سفارش کرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گا۔(صحیح الترغیب:984،مسند احمد:184/2) ﴿10﴾روزہ گناہوں سے بچنے کے لئے ڈھال ہے۔(ترمذی:2616،صحیح الترغیب:983) ﴿11﴾ روزہ دار کی منہ کی بوکستوری سے زیادہ پاکیزہ ہے۔(بخاری:1903) ﴿12﴾روزہ دار کو افطاری کے وقت جہنم سے آزادی دی جاتی ہے۔(صحیح ابن ماجہ:1332،ابن ماجہ:1643)

سوال4:امت مسلمہ پر روزے کیسے فرض کیے گئے؟

جواب:امت مسلمہ پر روزے اس طرح فرض کیے گئے:﴿1﴾جب محمد ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ ہر مہینے میں محرم کی دسویں تاریخ یعنی عاشورہ اور ایام بیض کے روزے رکھتے تھے۔﴿2﴾پھر اللہ تعالیٰ نے تندرست اور غیر مسافر پر ہر رمضان کے روزے فرض کر دیے۔مگر روزے رکھنے اور فدیہ دینے کا اختیار دے دیا جو چاہتا روزے رکھ لیتا اور جو چاہتا فدیہ دے دیتا۔﴿3﴾پھر اللہ تعالیٰ نے تندرست اور غیر مسافر پر رمضان کے روزے فرض کر دیے۔بیمار اور مسافر کو روزے نہ رکھنے کا اختیار دے کر دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرنے کا حکم دے دیا اور فدیہ اس بوڑھے کے لیے بحال رہا جو روزے نہ رکھ سکتا ہو۔(ابن کثیر:112/1)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ عاشوراء کے دن قریش زمانہ جاہلیت میں روزے رکھتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔جب آپ مدینہ تشریف لائے تو یہاں بھی آپ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کے رکھنے کا حکم دیا۔جب رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہوا تو رمضان کے روزے فرض ہو گئے اور عاشوراء کے روزہ(کی فرضیت)باقی نہیں رہی۔اب جس کا جی چاہے اس دن بھی روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔(صحیح بخاری:4504)

سوال5:پہلی امتوں پر روزے کس طرح فرض کیے گئے تھے؟

جواب:پہلی امتوں پر روزے اس طرح فرض کئے گئے تھے:﴿1﴾سیدنا نوح علیہ السلام کی امت کے لیے ہر مہینے میں تین روزوں کا حکم تھا۔﴿2﴾سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں پر بھی ایک پورے ماہ کے روزے فرض تھے۔﴿3﴾سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو کھانا پینا اور عورتوں سے مباشرت حرام ہو جاتی ہے۔

سوال6:﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾"تاکہ تم بچ جاؤ" کی وضاحت کریں؟

جواب:روزوں کی فرضیت کا بنیادی مقصد تقویٰ ہے اسی لیے روزوں کی فرضیت کے حکم کے بعد فرمایا:﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ﴿1﴾امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا اس کے کرنے اور جس چیز سے منع کیا ہے اس کو ترک کر دینے کا نام تقویٰ ہے۔(مجموع الفتاویٰ:120/3) ﴿2﴾تقویٰ واجبات میں اہم ترین واجب کی حیثیت سے شرعاً معروف ہے۔تقویٰ مخلوق کائنات میں سے ہر شخص پر واجب ہے۔"(شرح العمدۃ:621/3)

سوال7:روزہ تقویٰ کی تربیت کیسے کرتا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: طاہر بن عاشور رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''تقویٰ کے قدیم اصولوں میں سے اہم ترین اصول روزہ ہے۔''(التحریر والتنویر:516)﴿1﴾انسان جب روزہ رکھتا ہے تو اپنی خواہشات نفس کو کنٹرول کرتا ہے یہی کنٹرول روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی کنٹرول اور دباؤ کی وجہ سے تقویٰ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔﴿2﴾روزے کی حالت میں شدید بھوک پیاس کے باوجود، ساری نعمتوں اور تنہائی کے باوجود انسان روزہ نہیں توڑتا کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی محسوس کرتا ہے اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر نگران بنانے کی مشق کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگرانی کے شعور سے تقویٰ کی تربیت ہوتی ہے یہی نگرانی انسان کو اطاعت کے کاموں کے لیے مجبور کرتی ہے اور نافرمانی کے کاموں سے روکتی ہے یوں تقویٰ کی تربیت ہوتی ہے۔﴿3﴾روزہ دار اپنے نفس کو یہ تربیت دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہے، چنانچہ وہ اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود انہیں ترک کر دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مطلع ہے، روزہ شیطان کی راہوں کو تنگ کر دیتا ہے، شیطان ابن آدم کے اندر یوں گردش کرتا ہے جیسے اس کی رگوں میں خون گردش کرتا ہے، روزے کے ذریعے سے شیطان کا اثر ونفوذ کمزور پڑ جاتا ہے اور گناہ کم ہو جاتے ہیں، غالب حالات میں روزہ دار کی نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور نیکیاں تقویٰ کے خصائل میں شمار ہوتی ہیں۔ جب خوش حال روزہ دار بھوک کی تکلیف کا مزہ چکھ لیتا ہے تو یہ چیز محتاجوں اور ناداروں کی غم گساری اور دست گیری کی موجب بنتی ہے اور یہ بھی تقویٰ کی ایک خصلت ہے۔(تفسیر سعدی:227/1)﴿4﴾امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تقویٰ کا حکم تمام امتوں کے لیے عام ہے۔(تفسیر قرطبی:389/5)﴿5﴾رمضان کے مہینے میں وقتی طور پر حلال چیزوں کو چھڑا کر یہ تربیت دی جاتی ہے کہ انسان ساری عمر کے لیے حرام چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ اس طرح انسان کو شعور دلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حلال کو چھوڑ سکتے ہو تو حرام کو بھی چھوڑ سکتے ہو، یوں تقویٰ کی تربیت ہوتی ہے۔

﴿ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَ عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (184) ﴾

''گنتی کے چند دن ہیں۔ پھر جو کوئی تم لوگوں میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے شمار کر کے مدت پوری کرنا ہے۔ اور جو لوگ اس (روزہ رکھنے) کی طاقت رکھتے ہوں تو ان پر ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہے۔ پھر جو کوئی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''(184)

سوال1: روزوں کے بارے میں یہ کیوں کہا گیا ﴿ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ ''گنتی کے چند دن ہیں''، وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾فرض روزوں کے دن کم ہوتے ہیں اور وہ طویل زمانے کا ایک چھوٹا حصہ ہوتے ہیں، اس لیے انہیں ﴿ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ کہا گیا ہے۔﴿2﴾روزے سے زیادہ افطار کا زمانہ طویل ہوتا ہے۔ کھانے پینے کا دور اس سے رکے رہنے کے مقابلے میں طویل ہوتا ہے، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے اسے ﴿ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ﴾ کہا گیا۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے سارے زمانے کے روزے نہیں رکھوائے۔ یہ اس کی رحمت اور اس کا لطف و کرم ہے۔ ہمیشہ روزے رکھنے کے مقابلے میں رمضان کے روزے چند دن کے ہیں۔

سوال2: ﴿ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ ''پھر جو کوئی تم لوگوں میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے شمار کر کے مدت پوری کرنا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾مریض اپنے مرض کی وجہ سے اور مسافر اپنے سفر کی وجہ سے مشقت برداشت کرتا ہے اس لیے ان دونوں کو روزے کی رخصت دی گئی ہے۔﴿2﴾﴿ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ ''تو دوسرے دنوں سے شمار کر کے مدت پوری کرنا ہے'' روزے کے فوائد کثیر ہیں اور مومن کے لیے ان کا حاصل کرنا مطلوب ہے اس لیے جب مریض کا مرض جاتا رہا اور مسافر کا سفر ختم ہو جائے تو چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا دینی ہے۔﴿3﴾﴿ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ رمضان کے دنوں کی گنتی کی قضا دی جائے خواہ رمضان پورا ہو یا ناقص۔﴿4﴾اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ گرمیوں کے طویل دنوں کی قضا سردیوں کے چھوٹے دنوں میں دی جا سکتی ہے اور اس کے برعکس چھوٹے دنوں کی قضا بڑے دنوں میں دی جا سکتی ہے۔(تفسیر سعدی:227/1)

سوال3: ﴿ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ﴾ ''اور جو لوگ اس (روزہ رکھنے) کی طاقت رکھتے ہوں تو ان پر ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ حکم روزوں کے فرض ہونے کی ابتدا میں تھا انہیں روزے رکھنے کی عادت نہ تھی اور روزے ان پر فرض تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آسان طریقے سے انہیں فریضے کی ادائیگی پر لگا دیا اور روزے کی طاقت رکھنے والے کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا کہ چاہے تو روزہ رکھ لے اور چاہے تو ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ مگر روزہ رکھنا افضل ہے۔(تفسیر سعدی:228/1)

سوال4: ﴿ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ﴾ ''پھر جو کوئی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے'' یعنی ایک سے زیادہ آدمیوں کو کھلائے یا یہ کہ روزہ بھی رکھے اور مسکین کو کھانا بھی کھلائے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔

سوال5: ﴿ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ ''اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''تم روزے رکھو تمہارے لیے بہتر ہے'' اس بات سے اللہ تعالیٰ نے روزے رکھنے کی رغبت دلائی ہے۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا: مجھے کوئی حکم دیجیے جسے میں آپ سے لے لوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پر لازم ہے کہ روزے رکھو کیونکہ اس کی کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مثل نہیں۔﴿2﴾مجاہد،طاؤس اورمقاتل بن حیان نے کہا:روزہ کھانے سے بہتر ہے۔(ابن ابی حاتم:309/1)﴿3﴾اس سے یہ بھی مراد ہے کہ روزے رکھنا فدیے سے بہتر ہے۔﴿4﴾﴿إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ "اگر تم جانتے ہو"(الف)یعنی اہل علم میں سے ہو۔(ب)اگر تم اس عمل کی فضیلت اور اپنے اس کام کے ثواب کو جانتے ہوتو جان لو کہ روزہ رکھنا بہتر ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کر دیئے اور طاقت نہ رکھنے والوں کو روزہ چھوڑنے اور دوسرے دنوں میں قضا دینے کی رخصت دے دی۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (185)﴾

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔جولوگوں کے لیے ہدایت ہے،(جس میں)ہدایت میں سے اور حق و باطل میں فرق کرنے والے واضح دلائل ہیں۔پھر تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے تو چاہیئے کہ وہ اس کے روزے رکھے۔اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہوتو دوسرے دنوں سے شمار کر کے تعداد پوری کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم لوگوں کے ساتھ دشواری کا ارادہ نہیں رکھتا۔اور تاکہ تم شمار کی ہوئی مدت پوری کرسکو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔"(185)

سوال1:﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿شَهْرُ رَمَضَانَ﴾ "رمضان کا مہینہ" رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں تم پر روزے فرض کیے گئے۔﴿2﴾﴿أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ عظیم مہینہ جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔﴿3﴾قرآن مجید کی فضیلت کی بنا پر قرآن کا یہ حق ہے کہ اس میں روزے فرض کیے جائیں اور وہ مومنوں کے لیے خیر و برکت اور نیکیوں کا مہینہ ہے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو روزوں کے لیے مقرر کر دیا۔﴿5﴾ رمضان المبارک میں قرآن مجید نازل ہوا اس لئے رمضان اور قرآن کا گہرا تعلق ہے۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن روزہ اور قرآن مجید دونوں شفاعت کریں گے،روزہ عرض کرے گا کہ یا اللہ میں نے اس کو دن میں کھانے اور خواہش نفس سے روکے رکھا میری شفاعت قبول کیجئے،پس دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔(صحیح الترغیب:984،احمد:184/2)
﴿6﴾رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں عام دنوں سے زیادہ تلاوت کلام پاک کرتے تھے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور تمام اوقات سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں سخی ہو جاتے تھے(خصوصاً) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام(آکر) ملتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی ہر رات میں ملتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دور کیا کرتے تھے۔تو یقیناً (اس وقت) رسول اللہ ﷺ (خلق اللہ کی نفع رسانی میں) تند و تیز ہوا سے بھی زیادہ (سخاوت میں) تیز ہوتے تھے۔(بخاری:3220)﴿7﴾رمضان المبارک میں کرنے والے کاموں میں راتوں کے قیام میں اور بغیر قیام کے تلاوت کرنا،قرآن مجید کو ترجمے کے ساتھ سمجھ کر پڑھنا عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔تلاوت میں توجہ اور تدبر پسندیدہ ہے۔نبی ﷺ توجہ اور تدبر سے قرآن مجید پڑھتے تھے اور اس سے اثر قبول کرتے تھے۔﴿8﴾﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ قرآن مجید لوگوں کے لیے ہدایت اور راہ نمائی کا ذریعہ ہے۔ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ لوگ اس سے ہدایت پاتے ہیں۔(الدرالمنثور:344/1)﴿9﴾قرآن مجید اپنے احکامات کے ذریعے حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔(تفسیر منیر:495/1)﴿10﴾﴿وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى﴾ ''اور ہدایت میں سے واضح دلائل ہیں''اس سے مراد ہے کہ اس میں بینات یعنی دلائل ہیں۔(فتح القدیر:233/1) قرآن مجید میں حلال وحرام کے دلائل ہیں اور حدود ہیں۔﴿11﴾﴿وَالْفُرْقَانِ﴾ الفرقان سے مراد ہے کہ قرآن مجید حق اور باطل میں فرق کرتا ہے۔(تفسیر ماوردی:240/1)

سوال 2: رمضان المبارک کی فضیلت بیان کریں؟

جواب: رمضان برکت والا مہینہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کو دوسرے تمام مہینوں کے مقابلے میں خاص مقام عطا کیا ہے۔یہ مہینہ رحمت والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ خصوصیات اور فضیلتیں عطا کی ہیں جن کی وجہ سے یہ دوسرے مہینوں سے ممتاز ہے۔﴿1﴾رمضان میں قرآن نازل کیا گیا۔﴿2﴾ آسمانی کتابیں اور صحیفے اس مہینے میں نازل کئے گئے۔﴿3﴾رمضان کی ایک رات ہزار راتوں سے افضل ہے۔رب العزت کا ارشاد ہے:﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔(القدر:3)﴿4﴾رمضان میں سرکش شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔﴿5﴾رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جب رمضان آتا ہے تو آسمان (یعنی جنت) کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین مضبوط ترین زنجیروں سے جکڑ دیے جاتے ہیں۔''(بخاری:3277)﴿6﴾رمضان میں اللہ تعالیٰ روزانہ جنت کو سنوارتا اور مزین کرتا ہے۔﴿7﴾رمضان کے روزے واجب ہیں۔﴿8﴾فرشتے روزہ داروں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔﴿9﴾رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کی بخشش کر دی جاتی ہے۔﴿10﴾رمضان سے رمضان تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پانچوں نمازیں اور جمعہ، جمعہ تک بیچ کے گناہوں کا کفارہ ہیں جب تک کبیرہ گناہ نہ کرے اور ایک روایت میں ہے کہ رمضان، رمضان تک کفارہ ہے ان گناہوں کا جو اس کے بیچ میں ہوں، جب تک کبیرہ گناہ نہ کرے۔(مسلم:550)﴿11﴾رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہو جاتا ہے۔﴿12﴾رمضان کی ہر رات جہنم سے آزادی دی جاتی ہے۔

سوال 3: رمضان المبارک میں کرنے والے نیکی اور احسان کے کام کون کون سے ہیں، وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾روزہ رکھنا۔﴿2﴾صدقہ وخیرات کرنا۔﴿3﴾رات کا قیام کرنا۔﴿4﴾تلاوت قرآن مجید کرنا۔﴿5﴾روزے افطار کروانا۔﴿6﴾اعتکاف کرنا رمضان المبارک کی خصوصی عبادت ہے۔اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے عبادت کی غرض سے مسجد میں رہنا اعتکاف کہلاتا ہے۔﴿7﴾رمضان کے آخری عشرے میں خوب محنت کرنا۔﴿8﴾لیلۃ القدر کو تلاش کرنا۔﴿9﴾عمرہ کرنا۔﴿10﴾ کثرت سے دعائیں کرنا۔

سوال 4: قرآن مجید کیسے نازل ہوا؟

جواب: قرآن مجید لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے بیت العزت میں ایک ہی بار اترا۔پھر رحمت عالم ﷺ پر 23 سالوں تک حسب ضرورت وقتاً فوقتاً اترتا رہا۔

سوال 5: قرآن مجید کی کیا صفات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾قرآن مجید دنیا کی سب سے بڑی بھلائی ہے۔(النحل:30)رب العزت کا فرمان ہے:﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ آپ کہہ دیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے،سو اسی کے ساتھ تو لازم ہے کہ وہ خوش ہوں، وہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔(یونس:58)اس کی بھلائی سے جن،انسان،اور کائنات کی ساری مخلوقات برکت حاصل کرتی ہیں اور قیامت تک حاصل کریں گی۔﴿2﴾قرآن مجید انسانوں کی ہدایت اور راہ نمائی کا انمول خزانہ ہے۔(البقرۃ:2)﴿3﴾قرآن مجید فضل وکمال اور سربلندی کے حصول میں مدد دیتا ہے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو پست وذلیل کرتا ہے۔''(مسلم:1897)﴿4﴾قرآن مجید دنیا وآخرت کی کامیابی کی طرف دعوت دیتا ہے۔﴿5﴾قرآن مجید کی رحمت،شفقت اور مہربانی مومنوں اور کافروں، جانوروں اور انسانوں،جنوں اور ساری مخلوقات کے لئے جاری وساری ہے۔(لقمان:1،3)﴿6﴾قرآن مجید دل میں اتر جانے والی نصیحت ہے۔نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔(یونس:57)﴿7﴾قرآن مجید نور ہے جس کی روشنی سے کفر اور شرک کے اندھیرے دور ہوجاتے ہیں اور جہالت کا میل اتر جاتا ہے۔(النساء:147)﴿8﴾قرآن مجید شفا ہے۔انسان فکر اور روح کی جن بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے جو کفر اور شرک، ذہنی دباؤ اور اضطراب کی وجہ سے طاری ہوتی ہیں یا باطنی بیماریاں جیسے حسد،تکبر،حرص وغیرہ کا علاج ہے۔(بنی اسرائیل:82)﴿9﴾قرآن مجید حق اور صداقت کا نگران ہے،حق کی تصدیق اور تائید کرتا ہے۔(بنی اسرائیل:105،المائدۃ:48)﴿10﴾قرآن مجید ایسا ذکر ہے جس سے روح تروتازہ ہوتی ہے، دل پاک ہوتے ہیں اور رب کی قربت نصیب ہوتی ہے۔(ص:1،الزخرف:44)﴿11﴾قرآن مجید میں سعادت اور کامیابی کے سارے امور کی تفصیل اور وضاحت ہے۔(النحل:87)﴿12﴾قرآن مجید سچی اور پاکیزہ زندگی کی روح ہے۔جب تک کسی کے اندر کلام اللہ کی سچی روح نہیں اترتی اس کی زندگی بے معنی ہے۔(الشوریٰ:52)پاکیزہ زندگی کی رونق اسی سے ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 6: قرآن مجید کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن مجید قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔ (مسلم:1874) ﴿2﴾ قرآن مجید کا ماہر معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی قرآن میں ماہر ہو وہ ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو معزز اور بزرگی والے ہیں اور جو قرآن مجید اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اسے پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ (مسلم:798، بخاری:4937، ترمذی:2904) (مسلم:1862) ﴿3﴾ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کے لیے فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رات کے وقت وہ سورہ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک گھوڑا بدکنے لگا تو انہوں نے تلاوت بند کر دی تو گھوڑا بھی رک گیا۔ پھر انہوں نے تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ اس مرتبہ بھی جب انہوں نے تلاوت بند کی تو گھوڑا بھی خاموش ہو گیا۔ تیسری بار جب تلاوت شروع کی تو پھر گھوڑا بدکا۔ ان کے بیٹے یحیٰی چونکہ گھوڑے کے قریب ہی تھے اس لیے اس ڈر سے کہ کہیں انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے انہوں نے تلاوت بند کر دی اور بچے کو وہاں سے ہٹا دیا پھر اوپر نظر اٹھائی تو کچھ نہ دکھائی دیا۔ صبح کے وقت یہ واقعہ انہوں نے نبی ﷺ سے بیان کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ابن حضیر! تم پڑھتے رہتے تلاوت بند نہ کرتے (تو بہتر تھا) انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ڈر لگا کہ کہیں گھوڑا میرے بچے یحیٰی کو کچل نہ ڈالے، وہ اس سے بہت قریب تھا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا اور پھر یحیٰی کی طرف گیا۔ پھر میں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو ایک چھتری سی نظر آئی جس میں روشن چراغ تھے۔ پھر جب میں دوبارہ باہر آیا تو میں نے اسے نہیں دیکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں معلوم بھی ہے وہ کیا چیز تھی؟ اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے تمہاری آواز سننے کے لئے قریب ہو رہے تھے اگر تم رات بھر پڑھتے رہتے تو صبح تک اور لوگ بھی انہیں دیکھتے، وہ لوگوں سے چھپتے نہیں۔ (بخاری:5018) ﴿4﴾ صاحب قرآن کے حق میں رشک جائز ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ رشک تو بس دو ہی آدمیوں پر ہوسکتا ہے، ایک تو اس پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا علم دیا اور وہ اس کے ساتھ رات کی گھڑیوں میں کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہا اور دوسرا آدمی وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے محتاجوں پر رات دن خیرات کرتا رہا۔ (بخاری:5025) ﴿5﴾ قرآن مجید کے ایک حرف کے بدلے دس نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہے الٓمٓ سے مراد ایک حرف نہیں بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف۔''

سوال 7: امت پر قرآن مجید کے سلسلے میں کس چیز کا اہتمام کرنا ضروری ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: امت پر قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑنا، اس کا حق ادا کرنا اور اس کی پیروی کرنا لازم ہے۔ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿1﴾ ﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ اور یہ ایک بابرکت کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے چنانچہ تم اس کی پیروی کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔ (الانعام:155) ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ کے بارے میں وصیت فرمائی ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پکڑے رکھو اور اس کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہو اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) کی خوب رغبت دلائی۔ (مسلم:6228) کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے سے مراد ہے: ﴿i﴾ دن اور رات کے حصوں میں اس کی تلاوت کرنا۔ ﴿ii﴾ قرآن مجید کو اپنی زبان میں سمجھنے اور اس کے مفہوم کو اسی طرح سے سمجھنے کے لیے جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سمجھایا قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا۔ ﴿iii﴾ قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کرنا۔ ﴿iv﴾ قرآن مجید کو حفظ کرنا۔ ﴿v﴾ قرآن مجید کی حلال کردہ چیزوں کو حلال، حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھنا اور اس کے احکامات پر عمل کرنا۔ ﴿vi﴾ قرآن مجید کی وعید والی آیات سے خوف کھانا۔ ﴿vii﴾ قرآن مجید کے واقعات سے نصیحت حاصل کرنا۔ ﴿viii﴾ قرآن مجید کی مثالوں سے عبرت پکڑنا۔ ﴿ix﴾ قرآن مجید کی محکم آیات پر عمل کرنا اور متشابہ پر سر جھکا دینا۔ ﴿x﴾ قرآن مجید کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہنا۔ ﴿xi﴾ دین میں غلو کرنے والوں کا ساتھ نہ دینا بلکہ دین کا دفاع کرنا۔ ﴿xii﴾ قرآن مجید کی دعوت دینا۔ ﴿xiii﴾ قرآن مجید کی تعلیم دینا اور اس کی تعلیم کے لیے اہتمام کرنا۔

سوال 8: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ ''پھر تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے تو چاہیے کہ وہ اس کے روزے رکھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ ﴾ پھر تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے۔ ﴿2﴾ ﴿ فَلْيَصُمْهُ ﴾ ''تو چاہیے کہ اس کے روزے رکھے'' روزہ رکھنا واجب ہے۔ اس آیت میں فرض کر دیا گیا کہ جو کوئی رمضان کو پائے کہ وہ صحت مند ہو اور مسافر نہ ہو تو رمضان کے روزے رکھے۔ جب رمضان کا چاند نظر آئے، کوئی اپنے گھر پر ہو، صحت مند ہو تو اس پر روزے رکھنا واجب ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں لوگوں کو روزے چھوڑنے کی اجازت تھی۔ اس آیت سے وہ اجازت منسوخ ہو گئی۔

سوال 9: ﴿ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ ''اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں سے شمار کر کے تعداد پوری کرنا ہے'' مریض اور مسافر کے لیے روزے کا کیا حکم ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مریض اور مسافر کو روزہ چھوڑنے کی اجازت دی گئی۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے مریض اور مسافر کو ہدایت دی ہے کہ وہ روزوں کی تعداد دوسرے دنوں میں پوری کر لیں جب مریض صحت مند ہو جائے اور مسافر واپس آ جائے۔

سوال 10: شریعت ایمان والوں پر کوئی غیر فطری پابندی عائد نہیں کرتی، وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: شریعت ایمان والوں پر کوئی غیر فطری پابندی عائد نہیں کرتی مثلاً ﴿1﴾ روزہ میں دن کے اوقات میں ازدواجی تعلق ممنوع ہے لیکن رات کے اوقات میں اجازت ہے۔ ﴿2﴾ سحر و افطار کا وقت جاننے کے لیے کسی مخصوص وقت کا پابند بنانے کی بجائے عام افق کے مشاہدے کو بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ﴿3﴾ بیماری اور سفر میں قضا کرنے کا راستہ کھول دیا گیا ہے۔

سوال 11: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تم لوگوں کے ساتھ دشواری کا ارادہ نہیں رکھتا اور تاکہ تم شمار کی ہوئی مدت پوری کر سکو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور تاکہ تم شکر ادا کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رمضان میں عذر شرعی کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکنے والوں کے لیے قضا کا راستہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آسانی ہے اسی لیے فرمایا کہ وہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے دشواری کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ﴿2﴾ نبی ﷺ نے سفر میں کبھی روزہ رکھا ہے اور کبھی نہیں رکھا۔ ﴿3﴾ ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ ”اور تاکہ تم شمار کی ہوئی مدت پوری کر سکو“ یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی آسانی ہے کہ روزوں کی تعداد رمضان کے دوسرے دنوں میں پوری کی جا سکتی ہے۔ ﴿4﴾ ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ﴾ ”اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو“ (الف) یعنی عبادات کے اختتام پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔ (ب) اس حکم میں رمضان کے اختتام پر شوال کا چاند دیکھ کر خطبہ عید تک کہی جانے والی تکبیریں شامل ہیں۔ (ج) اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کریں کہ اس نے تمہیں اپنی شریعت اور سنت اور دین کے احکامات کی طرف ہدایت دی۔ ﴿5﴾ ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ”تاکہ تم شکر ادا کرو“ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اور فرائض کی طرف راہ نمائی پر اور تاکہ تم اس کی نعمتوں پر اور احسانات پر شکر ادا کرو۔

سوال 12: قرآن حکیم جیسی نعمت کی شکر گزاری کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

جواب: قرآن حکیم جیسی نعمت کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ جانیں، اسے سمجھیں، اس پر خود چلیں اور دنیا کو چلائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرما لے۔

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (186)﴾

”اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہی ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے تو لازم ہے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ہی ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔“ (186)

سوال 1: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ ”اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو یقیناً میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قریب ہی ہوں‘‘ دعا کی بات یہاں پر کس حوالے سے آئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ایک اعرابی نے پوچھا تھا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہے تو ہم اس سے سرگوشیاں کرلیں۔ اگر دور ہو تو ہم اونچی آوازوں سے پکاریں؟ نبی ﷺ خاموش رہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن جریر) (ابن ابی حاتم) ﴿2﴾ ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ ’’اور جب میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہی ہوں‘‘ اللہ تعالیٰ ہم سے قریب ہے کیونکہ وہ ہمارے دلوں کے راز جانتا ہے، وہ ہماری نگہبانی کرتا ہے، وہ نگاہوں کی خیانت کو جانتا ہے۔

سوال 2: روزے اور دعا کا کیا تعلق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رمضان کے مہینے میں کثرت سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ ﴿2﴾ جیسے روزہ اہم عبادت ہے اور ایک تربیتی عمل ہے ایسے ہی دعا بھی تربیت کا اہم ذریعہ ہے۔ مسند طیالسی میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما افطار کے وقت اپنے تمام بال بچوں کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے اس لیے کہ روزہ دار کی افطار کے وقت کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 260/1) نبی ﷺ نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃ ’’دعا عبادت کا مغز ہے‘‘۔ (جامع ترمذی: 3371) اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ’’دعا ہی عبادت ہے۔ (جامع ترمذی: 3372) ﴿3﴾ دعا اللہ تعالیٰ کی توحید سے عبارت ہوتی ہے اور توحید اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ ﴿4﴾ دعا گناہوں سے توبہ کا ذریعہ ہے۔ گناہ گار توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے اور توبہ ہدایت کا ذریعہ ہے۔ دعا ہدایت کا ذریعہ ہے اسی لیے رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں جلد ہی وہ جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ (مومن: 60) ﴿5﴾ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے۔ (مسند احمد) ﴿6﴾ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: دعا ہی تو عبادت ہے۔ تمہارا رب فرماتا ہے: مجھے پکارو، میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔ (ابی داؤد: 1479) ﴿7﴾ جب کوئی مسلمان دعا کرتا ہے جس میں گناہ یا قطع رحمی کی بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا کرتا ہے: دعا کے مطابق اس کی خواہش پوری کر دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس دعا کو آخرت کے لیے ذخیرۂ اجر بنا دیتا ہے یا دعا کے برابر اس سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے‘‘ صحابہ نے عرض کیا: پھر تو ہم کثرت سے دعائیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی بہت زیادہ اور بے پایاں ہے۔ (مسند احمد: 18/3)

سوال 3: ﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ ’’میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے براہ راست دعا مانگیں اس لیے کہ: اللہ تعالیٰ قریب ہے، پکار کو سنتا ہے اور پکار کا جواب بھی دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی کی دعا رائیگاں نہیں جانے دیتا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے، انعامات سے، اور دعاؤں کو قبول کرنے کے اعتبار سے بندوں کے قریب ہے۔اللہ تعالیٰ کو دعائیں سننے سے کوئی چیز نہیں روکتی۔اللہ تعالیٰ دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے دعائیں مانگنے کی طرف رغبت دلائی ہے۔﴿4﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: جب بندہ اپنے اللہ تعالیٰ کے سامنے دونوں ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے خالی ہاتھ پھیرنے سے شرماتا ہے۔(ابن ماجہ) ﴿5﴾ جو کوئی دل کی حاضری کے ساتھ اپنے رب سے مشروع دعا کرتا ہے اور وہ طریقے اختیار کرتا ہے جس سے دعائیں قبول ہوتی ہیں مثلاً ایمان لانا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور دعا کی قبولیت میں کوئی مانع نہ ہو مثلاً حرام کھانا تو اللہ تعالیٰ نے ایسی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔﴿6﴾ امام بخاری رحمہ اللہ کی الادب المفرد میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان دعا کرتا ہے جس میں گناہ یا قطع رحمی کی بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا کرتا ہے: دعا کے مطابق اس کی خواہش پوری کر دی جاتی ہے یا اللہ تعالیٰ اس دعا کو آخرت کے لیے ذخیرۂ اجر بنا دیتا ہے یا دعا کے برابر اس سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

سوال 4: دعا مانگنے کے آداب کیا ہیں؟

جواب: دعا مانگتے ہوئے مندرجہ ذیل آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔﴿1﴾ للہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ مانگا جائے۔﴿2﴾ دعا کے شروع اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور نبی ﷺ پر درود بھیجنا چاہیئے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنی چاہیئے، یہ قبولیت کا اصل اور قریب ترین سبب ہے۔﴿4﴾ دعا مانگتے ہوئے قبولیت کا مکمل یقین رکھنا چاہیئے۔﴿5﴾ دعا پوری رغبت، توجہ اور یکسوئی کے ساتھ کرنی چاہیئے۔﴿6﴾ دعا میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔﴿7﴾ دعا مانگتے ہوئے آواز پست رکھنی چاہیئے۔﴿8﴾ دعا میں تصنع اور قافیہ بندی نہیں کرنی چاہیئے۔﴿9﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کرنی چاہیئے۔﴿10﴾ دل کو حاضر رکھنا چاہیئے۔﴿11﴾ دعا کو تین تین بار دہرانا چاہیئے۔﴿12﴾ قبلہ رو ہو کر بیٹھنا چاہیے۔﴿13﴾ دعا میں ہاتھ بلند کرنے چاہئیں۔﴿14﴾ دعا مانگنے والے کا رزق حلال ہونا چاہیئے۔﴿15﴾ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے حوالے سے دعا کرنی چاہیئے۔﴿16﴾ قطع رحمی یا گناہ کی دعا نہیں مانگنی چاہیئے۔﴿17﴾ دعا جامع اور دو ٹوک الفاظ میں کرنی چاہیئے۔﴿18﴾ دعا مانگنے سے پہلے اپنے گناہوں کا اعتراف اور اظہار ندامت کرنا چاہیئے۔﴿19﴾ اپنے نیک کاموں کو وسیلہ بنا کر مانگنا چاہیئے۔

سوال 5: ﴿ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴾ ”پھر ان کو چاہیئے کہ میری بات کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پا جائیں“ کی وضاحت کریں؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي﴾ ''پھران کو چاہیے کہ میری بات کو قبول کریں'' لہٰذا لوگوں کو مجھ سے دعا کرنی چاہیے یعنی اپنی ضروریات اور حاجتوں کو پورا کرنے کے لیے مجھ سے مطالبہ کرنا چاہیے۔﴿2﴾اس سے یہ بھی مراد ہے کہ انہیں جو حکم دیا گیا اسے پورا کرنا چاہیے اور جس سے روکا گیا اس سے رکنا چاہیے۔﴿3﴾﴿وَلْيُؤْمِنُوا بِي﴾ ''اور مجھ پر ایمان لائیں'' اور لازم ہے کہ وہ مجھ پر یقین رکھیں یعنی میرے وجود پر، اسماء حسنٰی پر، صفات عالیہ پر، میرے قریب ہونے اور دعاؤں کے قبول کرنے پر۔﴿4﴾﴿لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ ''تاکہ وہ ہدایت پا جائیں'' رشد سے مراد استقامت ہے۔(فتح القدیر:235/1)﴿5﴾تاکہ وہ ہدایت پائیں یعنی حق پر قائم ہو جائیں۔(تفسیر بیضاوی 467/1:)﴿6﴾تاکہ وہ گمراہی سے ہدایت پا جائیں۔(تفسیر سمرقندی:124)﴿7﴾رب العزت کا فرمان ہے: لوگوں کو مجھ سے دعائیں مانگنی چاہئیں اور مجھ پر یقین رکھنا چاہیے تاکہ ہدایت پائیں۔اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہدایت کے لیے جیسے رب پر یقین ضروری ہے ایسے ہی دعا مانگنا ضروری ہے۔﴿8﴾یعنی ان کو وہ رشد عطا ہوگی جو ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا نام ہے اور ان سے وہ گمراہی زائل ہو جائے گی جو ایمان اور اعمال صالحہ کے منافی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا حصول علم کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے حق اور باطل میں فرق کرنے والی قوت بنا دے گا اور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے گا، اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔(الانفال:29)

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ(187)﴾

''تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت کرنا حلال کر دیا گیا۔وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ یقیناً تم اپنی جانوں سے خیانت کر رہے تھے۔ پھر اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کیا۔پھر اب تم ان عورتوں سے مباشرت کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے لکھ دیا ہے اسے تلاش کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ ظاہر ہو جائے۔پھر رات تک روزوں کو پورا کرو اور جب تم مساجد میں اعتکاف کرنے والے ہو تو ان عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تو ان کے قریب نہ جاؤ۔اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے) بچیں۔''(187)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1: ﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ﴾ ''تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت کرنا حلال کردیا گیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تمہارے لیے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت کرنا حلال کردیا گیا'' ﴿1﴾ روزوں کے فرض کیے جانے کے بعد مسلمانوں پر رات کے وقت سوجانے کے بعد کھانا، پینا اور جماع وغیرہ حرام تھا۔ بعض اصحاب کے لیے یہ چیز مشقت کا باعث ہوئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں تخفیف فرمادی اور رمضان کی راتوں میں ان کے لیے کھانا، پینا اور جماع مباح قرار دے دیا۔ (تفسیر سعدی:230/1)

﴿2﴾ روزہ ایسی عبادت ہے جس میں انسان دن میں کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز کرتا ہے۔ رات کے وقت جہاں کھانے پینے کی اجازت دی گئی وہاں یہ بھی واضح کردیا گیا کہ رمضان کی راتوں میں بیویوں سے صحبت کرنا حلال ہے۔

سوال2: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ ''وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو'' مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دیا۔ دونوں کیسے لباس ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ''وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو'' لباس زینت، وقار، حفاظت اور عزت کے لیے ہوتا ہے۔ اس رشتے میں بھی ایک دوسرے کے رازوں کی حفاظت ہونی چاہیئے۔ بیوی کو شوہر کے مال، اس کی عزت اور گھر کے تمام کاموں میں شوہر کے حقوق کی حفاظت امانت سمجھ کر کرنی چاہیئے۔ شوہر بیوی کو مال، جان اور عزت کا تحفظ فراہم کرے۔ اس حفاظت میں ہی ایک دوسرے کی عزت ہے اور اسی کی وجہ سے شوہر اور بیوی کی معاشرے میں عزت ہے۔ ﴿2﴾ شوہر اور بیوی کے درمیان باہمی اعتماد اور محبت کی فضا اس رشتے کو باوقار بناتی ہے۔ ﴿3﴾ شوہر اور بیوی کے درمیان معاملات میں نرمی اور شگفتگی اس رشتے کو زینت دیتی ہے۔

سوال3: روزے کے بارے میں کن غلط فہمیوں کی وضاحت کی گئی؟

جواب: ﴿1﴾ عربوں میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ مرد اور عورت کا تعلق روزوں میں ناجائز ہے۔ رات میں اس تعلق کی اجازت دی گئی کہ اسے برا فعل سمجھتے ہوئے نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے دل کی پاکیزگی کے ساتھ کرو۔ ﴿2﴾ دوسری غلط فہمی یہ تھی کہ جنابت کی حالت میں روزہ نہیں رکھ سکتے۔ بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق فجر تک اجازت ہے۔ ﴿3﴾ تیسری یہ غلط فہمی تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد کھانا پینا حرام ہے تو اس کے لیے روزے کی حد طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک مقرر کردی گئی۔ ﴿4﴾ چوتھی غلط فہمی یہ تھی کہ وصال کے روزے جائز ہیں تو بغیر کھائے پیئے کئی دن کے روزے (وصال) سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

سوال4: ﴿عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ یقیناً تم اپنی جانوں سے خیانت کررہے تھے۔ پھر اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کیا'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد لوگ پورا رمضان اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاتے تھے، لیکن بعض لوگ خیانت کرتے تھے یعنی جماع کر لیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت (علم الله انکم کنتم تختانون) نازل فرمائی اور رمضان کی راتوں میں جماع کرنا جائز ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایسی غلطی ہو گئی تھی۔ (صحیح بخاری: 4508) ﴿2﴾ آیت کے اس حصے میں واضح کیا گیا کہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ روزوں میں مرد اور عورت کا تعلق ناجائز ہے جب کہ شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے سے آرام پہنچتا ہے اور آپس میں ملتے جلتے، اٹھتے بیٹھتے جب ایک دوسرے سے بچنا ممکن نہیں رہتا تو اپنے اندر خیانت پاتے ہو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تم سے درگزر کیا۔

سوال 5: ﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ”پھر اب تم ان عورتوں سے مباشرت کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لیے لکھ دیا ہے اسے تلاش کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ”پھر اب تم ان عورتوں سے مباشرت کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لیے لکھ دیا ہے اسے تلاش کرو“ اس آیت میں دو چیزوں کی اجازت دی گئی۔ (الف) بیویوں سے صحبت کی۔ (ب) بیویوں سے اولاد حاصل کرنے کی۔ اب تمہیں ان سے ملنے اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی نعمت کو تلاش کرنے کی اجازت ہے۔

سوال 6: ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ ”اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ ظاہر ہو جائے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! (آیت میں) الخیط الابیض اور الخیط الاسود سے کیا مراد ہے، کیا ان سے مراد دو دھاگے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری کھوپڑی پھر تو بڑی لمبی چوڑی ہو گی اگر تم نے رات کو دو دھاگے دیکھے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ان سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔ (صحیح بخاری: 4510) ﴿2﴾ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ﴾ اور من الفجر کے الفاظ ابھی نازل نہیں ہوئے تھے تو کئی لوگ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگا باندھ لیتے اور پھر جب تک وہ دونوں دھاگے صاف دکھائی دینے نہ لگ جاتے برابر کھاتے پیتے رہتے پھر اللہ تعالیٰ نے من الفجر کے الفاظ اتارے تب ان کو معلوم ہوا کہ کالے دھاگے سے رات اور سفید دھاگے سے دن مراد ہے۔ (صحیح بخاری: 4511) ﴿3﴾ آیت کے اس حصے میں سحری کے آخری وقت کے بارے میں وضاحت کی گئی کہ کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی رات کی سیاہی سے ممتاز ہو جائے۔ ﴿4﴾ یہاں رات کی سیاہی کو سیاہ دھاگے اور دن کی سفیدی کو سفید دھاگے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ﴿5﴾ اس میں اس امر کے جواز کی بھی دلیل ہے کہ اگر جماع کی وجہ سے حالت جنابت میں انتہائے سحر ہو جائے اور وہ غسل نہ کر سکا ہو تو اس کا روزہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ طلوع فجر تک جماع کی اباحت کا لازمی نتیجہ یہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ جب فجر ہوگی تو وہ اس وقت جنبی ہوگا اور حق کو لازم کرنے والا امر بھی حق ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:231/1)

سوال 7: ﴿ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ ''پھر رات تک روزوں کو پورا کرو'' رات تک روزہ پورا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''پھر رات تک روزوں کو پورا کرو'' جہاں رات کی حد شروع ہوتی ہے وہاں روزے کی حد ختم ہوجاتی ہے۔رات کی سرحد غروب آفتاب سے شروع ہوتی ہے۔

سوال 8: سحری اور افطاری کے بارے میں نبی ﷺ کی تعلیمات کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے۔'' (صحیح بخاری:1923) ﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص (سحری کھا رہا ہو اور) اذان کی آواز سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اسے فوراً نہ چھوڑ دے بلکہ اپنی ضرورت پوری کرلے۔'' (سنن ابی داؤد:2350) ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور آپ ﷺ روزے سے تھے۔سورج کے ڈوبتے ہی آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ لاؤ ہمارا شربت۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ابھی تو دن چمک رہا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ ہمارا شربت۔آپ ﷺ نے روزہ افطار کیا، پھر فرمایا: جب رات کی سیاہی مشرق سے اٹھنے لگے تو روزے کا وقت ختم ہوجاتا ہے۔(سنن ابی داؤد:2352) ﴿4﴾ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے لوگوں میں اس وقت تک خیر باقی رہے گا جب تک وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔'' (صحیح بخاری:1957) ﴿5﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں۔(مسند احمد)

سوال 9: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ ''اور جب تم مساجد میں اعتکاف کرنے والے ہو تو ان عورتوں سے مباشرت نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اعتکاف رمضان المبارک کی خصوصی عبادت ہے۔اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے برائے عبادت مسجد میں رہنا اعتکاف کہلاتا ہے۔(منہاج المسلم:446) ﴿2﴾ اعتکاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان رمضان کے آخری دس دن مسجد میں رہے جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے مختص کردے۔اعتکاف کی حالت میں انسان اپنی انسانی ضروریات کے لیے مسجد سے باہر جاسکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو شہوانی لذتوں سے روکے رکھے۔ ﴿3﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم اس کے بارے میں ہے جو رمضان یا غیر رمضان میں اعتکاف کرے۔ایسے شخص کو دن ہو یا رات بیویوں سے صحبت کی اجازت نہیں جب تک کہ اعتکاف پورا نہ ہوجائے۔ ﴿4﴾ اعتکاف صرف مساجد میں ہی کیا جاسکتا ہے۔رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ اور جب تم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسجد میں اعتکاف کرنے والے ہو۔ (البقرۃ:187)امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں علماء کا اجماع ہے کہ اعتکاف صرف مساجد میں ہوتا ہے۔ (تفسیر الرازی:5/197) ﴿5﴾ نافع کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھے مسجد نبوی میں وہ جگہ دکھلائی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ (ابوداؤد:2465،ابن ماجہ:1773) ﴿6﴾ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے اعتکاف کرتے تھے۔ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اعتکاف نہ بیٹھ سکے تو شوال میں اعتکاف کیا۔(بخاری: 2044) ﴿7﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک برابر رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں۔(بخاری:2026،مسلم:2782) ﴿8﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دن رات مسجد کے ایک گوشے میں گزارتے تھے۔عام معمولات اور تعلقات ختم کردیتے تھے۔وفات تک اعتکاف میں بیٹھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول رہا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اتنی پابندی کی کہ جب ایک بار رمضان میں نہیں بیٹھ سکے تو شوال کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"مسجد ہر متقی کا گھر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لئے جس کا گھر مسجد ہے خوشی، رحمت اور پل صراط سے گزر کر اپنی رضا یعنی جنت کی ضمانت دی ہے۔" (معجم الطبرانی،مسند بزار،منہاج المسلم:446)

سوال10: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ "یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تو ان کے قریب نہ جاؤ" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں اس نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ یعنی نافرمانی کے کنارے کنارے نہ گھومنا۔سلامتی اس میں ہے کہ انسان گناہوں کی سرحد سے دور رہے کہ کہیں بھولے سے اس کے پار نہ چلا جائے۔

سوال11: ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ "اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے) بچیں" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر سارے احکامات واضح کرکے بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ متقی بن جائیں۔ہدایت اور اطاعت کو پہچان لیں کیونکہ بعض اوقات انسان حرام فعل کا ارتکاب اس وجہ سے کر بیٹھتے ہیں کہ اس کا علم نہیں رکھتے تو اللہ تعالیٰ نے آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا۔اب ان کے پاس کوئی حجت نہیں رہی۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ تاکہ وہ متقی بن جائیں یعنی تقویٰ ان سے مطلوب ہے اور آیات کی وضاحت نے تقویٰ اختیار کرنے کا سبب پیدا کردیا۔

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ(188)﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ اور نہ ان کو حاکموں کی طرف کھینچ لے جاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصّہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ اس حال میں کہ تم سب جانتے ہو۔'' (188)

سوال 1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال ہے اور اس حق دار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے اور وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں کر رہا ہے۔ (ابن کثیر: 266)

سوال 2: ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ﴾ ''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا۟﴾ اور تم نہ کھاؤ یعنی نہ لو۔ ﴿2﴾ ﴿أَمْوَٰلَكُم﴾ ''اپنے مال'' اس سے مراد ہے دوسروں کے مال۔ ﴿3﴾ دوسروں کے مال کو اپنا اس لیے کہا کہ مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرنا چاہئے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ دوسرے اگر وہ آج اپنے بھائی کا مال کھا رہا ہے تو جب اس کو قدرت ہوگی تو وہ اس کا مال کھا لے گا۔ ﴿4﴾ مال کھانے کے دو طریقے ہیں: حق کے ساتھ کھانا یا باطل کے ساتھ کھانا۔ یہاں رب العزت نے دوسرے کے مال کھانے کو باطل قرار دیا ہے کیونکہ حق نہیں ہے۔ ﴿5﴾ اور باطل طریقوں سے مال جن ناجائز طریقوں سے کھائے جاتے ہیں ان میں رشوت، چوری، غصب، ڈاکہ، ناحق دغا بازی اور حیلہ سازی وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں وہ معاوضہ بھی شامل ہے جو حرام ہے جیسے سودی لین دین اور جوئے سے حاصل شدہ مال وغیرہ۔ ﴿6﴾ یہ حکم ان لوگوں کے معاملے میں دیا گیا ہے جن کے پاس کسی کا کوئی حق ہو اور حق والے کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہ ہو۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی شخص عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ کروالے تو یہ ظلم ہے۔ کسی عدالت کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرواسکتا۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم ہے۔ ﴿7﴾ اسی طرح خرید و فروخت اور اجارہ میں دھوکہ اور ملاوٹ کے ذریعے حاصل کیا ہوا مال بھی شامل ہے۔ ﴿8﴾ اسی طرح مزدوروں کا کسی کام کی اجرت لینا اور اس کے بدلے میں پورا کام نہ کرنا بھی حرام کھانا ہے۔ ﴿9﴾ اس حرام کھانے میں ان لوگوں کا زکوٰۃ، صدقات، اوقاف اور وصیتوں کا مال کھانا بھی داخل ہے جو اس مال کے مستحق نہیں یا وہ مستحق تھے مگر اپنے حق سے زیادہ مال وصول کیا۔ ﴿10﴾ عبادات اور تقرب الٰہی کے کاموں پر اجرت لینا جو اس وقت تک صحیح نہیں ہوتے جب تک ان میں صرف رضائے الٰہی مقصود نہ ہو، باطل طریقے سے مال کھانے میں داخل ہے۔ (تفسیر سعدی: 233/1)

سوال 3: روزے کے حکم کے فوراً بعد یہ حکم کہ ﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ﴾ ''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ'' کیا اہمیت رکھتا ہے؟

جواب: یہ حکم بتاتا ہے کہ روزے کی حقیقت کیا ہے۔ روزے کا اصل مقصد انسان کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے رکنے کا حکم ہو وہاں انسان رک جائے، رکنے کا حکم ہو تو جائز چیز سے بھی رک جائے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کے حکم پر حلال کمائی تک سے رک جائے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بناء پر حرام کمائی سے خود کو کیوں نہ روکے گا۔

سوال4: ﴿وَتُدْلُوا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور نہ ان کو حاکموں تک کھینچ لے جاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصّہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ اس حال میں کہ تم سب جانتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَتُدْلُوا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ﴾ ''اور نہ ان کو حاکموں تک کھینچ لے جاؤ'' اگر مال کے بارے میں جھگڑا عدالت میں چلا جائے۔ ﴿2﴾ ﴿لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ﴾ ''کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ'' اور وہ فریق جو باطل طریقے سے مال کھانا چاہتا ہے کوئی ایسی دلیل پیش کرے جو اصل حق دار پر غالب آ جائے اور حاکم اس کے مطابق فیصلہ کر دے تو عدالتی فیصلے کے باوجود وہ باطل ہی رہے گا اس لیے کہ کسی حاکم کا فیصلہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ ﴿3﴾ ﴿وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اس حال میں کہ تم سب جانتے ہو'' اگر وکیل کو پتہ چل جائے کہ موکل دعوے میں جھوٹا ہے تو اس خائن کے لیے وکالت کرنا جائز نہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ اور آپ خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑنے والے نہ ہوں۔ (النساء:105) ﴿4﴾ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں انسان ہوں میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو اور میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ در حقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلواؤں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے خواہ نہ اٹھائے۔ (ترمذی:1339)

رکوع نمبر 24

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (189)﴾

''وہ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لئے وقت معلوم کرنے کے ذریعے ہیں اور نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں ان کے پیچھے سے آؤ بلکہ نیکی اس کی ہے جو ڈرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (189)

سوال1: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ﴾ ''وہ آپ سے نئے چاندوں کے بارے میں پوچھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ثولبہ بن غنمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ چاند چھوٹا بڑا کیسے ہو جاتا ہے؟ اول باریک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دھاگے کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بڑا ہو جاتا ہے اور گول ہو جاتا ہے پھر گھٹتے گھٹتے باریک ہو جاتا ہے۔اور شروع میں جیسا تھا ویسا ہی آخر میں ہو جاتا ہے ان کے سوال پر آیت بالا نازل ہوئی۔(الدر المنثور:203/1)

سوال 2: عربوں نے (الْاَهِلَّةِ) نئے چاند کے بارے میں سوال کیوں کیا؟

جواب: اہل عرب چاند کے بارے میں دوسری قوموں کی طرح توہمات میں مبتلا تھے مثلاً ﴿1﴾ بڑھتے چاند کے دن مبارک ہیں۔﴿2﴾ گھٹتے چاند کے دن منحوس ہیں۔﴿3﴾ بعض تاریخیں سعید ہیں۔(شادی کے لیے،کاروبار کے لیے) ﴿4﴾ بعض تاریخیں منحوس ہیں۔(شادی کے لیے،کاروبار کے لیے) ﴿5﴾ چاند کے نکلنے اور ڈوبنے،اس کی حرکت اور اس کے گہن کے بارے میں یہ تصور تھا کہ اس کا اثر انسانی قسمتوں پر پڑتا ہے۔ان ہی چیزوں کی حقیقت نبی ﷺ سے دریافت کی گئی۔

سوال 3: ﴿قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾ ''آپ کہہ دیں وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت معلوم کرنے کے ذریعے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ﴾ ''آپ کہہ دیں وہ لوگوں کے لیے وقت معلوم کرنے کے ذریعے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے یہ نظام تخلیق کیا ہے۔مہینے کے آغاز میں چاند باریک ہوتا ہے۔مہینے کی درمیان تک مکمل ہو جاتا ہے پھر گھٹتا جاتا ہے اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔﴿2﴾ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس کے ذریعے عبادات کے اوقات یعنی نماز،روزہ،زکوۃ اور حج کے اوقات جان لیں۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ہلال کے اوقات بتائے ہیں لہٰذا چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر ہی چھوڑ دو۔اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس دن پورے کر لو۔(حاکم) ﴿4﴾ چاند کے ذریعے مقررہ مدت پر ادا کئے جانے والے قرض،عدت طلاق،وفات،حمل کی مدت اور اجارات کے اوقات معلوم کئے جاتے ہیں جو سب کی ضرورت ہیں۔﴿5﴾ ﴿وَالْحَجِّ﴾ ''اور حج کے لئے'' چونکہ حج خاص مہینوں میں ہوتا ہے اور بہت زیادہ وقت اس میں صرف ہوتا ہے اس لئے خصوصی طور پر اس کا ذکر کیا۔یعنی چاند کے ذریعے حج کے مہینوں کا علم ہو۔

سوال 4: چاند کے متعلق سوال کے جواب میں خصوصی طور پر یہاں حج کا ذکر کیوں کیا گیا؟

جواب: چاند کے متعلق سوال کے جواب میں خصوصی طور پر حج کا ذکر یہاں اس لیے کیا گیا کہ عربوں کی مذہبی،معاشی اور معاشرتی زندگی میں حج کی اہمیت سب سے بڑھ کر تھی۔ہر سال کے چار ماہ حج اور عمرے کے لیے مخصوص تھے۔ان مہینوں میں لڑائیاں بند رہتی تھیں،راستے محفوظ ہوتے تھے اور کاروبار چمکتے تھے۔

سوال 5: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا﴾ ''اور نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں ان کے پیچھے سے آؤ'' کی وضاحت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کریں؟

جواب:《1》《**وَلَيْسَ الْبِرُّ**》اور نیکی یہ نہیں ہے۔اللہ رب العزت نے اس کی وضاحت اس لئے فرمائی کہ عربوں کے یہاں ان ہی ظاہری کاموں کو نیکی سمجھا جاتا تھا۔《2》《**بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا**》" کہ تم گھروں میں ان کے پیچھے سے آؤ" یعنی حج کا احرام باندھنے کے بعد گھر کے پچھواڑے سے داخل ہونے کو نیکی نہ سمجھو۔ یہ نیکی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مشروع نہیں کیا۔

سوال6: عربوں کے یہاں احرام کے حوالے سے کس کام کو نیکی سمجھا جاتا تھا؟

جواب: عرب سمجھتے تھے کہ جب انسان احرام باندھ کر گھر سے آجائے تو اپنے اور آسمان کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا آداب احرام کے خلاف ہے۔اس وجہ سے وہ دوبارہ دروازے سے گھر جانے کی بجائے دیوار کے اوپر سے چڑھ کر صحن میں داخل ہوتے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:《**وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا**》"اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔"

سوال7:《**وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا**》"اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔《2》سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب لوگ جاہلیت میں احرام باندھ لیتے تو گھروں میں پیچھے کی طرف سے چھت پر چڑھ کر داخل ہوتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پیچھے کی طرف سے آؤ البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔" (صحیح بخاری:4512)《3》اس آیت سے ہمیں شریعت کا قاعدہ پتہ چلتا ہے کہ تمام معاملات میں مناسب یہی ہے کہ انسان آسان اور قریب ترین راستہ استعمال کرے جسے اس منزل تک پہنچنے کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔(تفسیر سعدی:235/1)

سوال8:《**وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ**》" بلکہ نیکی اس کی ہے جو ڈرے" کی وضاحت کریں؟

جواب: نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کرے۔《1》حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خوف اختیار کرتا ہے تو اس سے نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔《2》انسان کے دل میں داخل ہونے والا خوف نیکی کے لیے دل کے دروازے کھول دیتا ہے۔《3》بے معنی رسمیں جن کا انسان کی خوش بختی یا بدبختی سے کوئی تعلق نہیں، نیکی نہیں ہیں۔نیکی کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔

سوال9: نیکی کیا ہے؟

جواب: نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدوں کی پابندی کرے۔

سوال10:《**وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**》"اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《**وَاتَّقُوا اللَّهَ**》"اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ" تقویٰ ہی اصل نیکی ہے۔《2》《**لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**》" تاکہ تم کامیاب ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاؤ'' تقویٰ فلاح کی ضمانت ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس کو پورا کرو، جس سے روکا ہے اس سے رک جاؤ، اس طرز عمل یعنی تقویٰ کے ساتھ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تبدیلی کرنے سے بچو اور اس کے افعال پر اعتراض کرنے سے ڈرو۔ (بخاری: 4512) تاکہ تم ہدایت اور نیکی کو پا لو۔ (تفسیر بیضاوی 475/1) رب العزت نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری جانب نازل کیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا وہ اس کی برائیاں دور کر دے گا اور اسے اس کا بڑا اجر دے گا۔ (الطلاق: 5)

﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (190) ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔'' (190)

سوال 1: ﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو'' اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَقَاتِلُوْا ﴾ ''اور لڑو'' مسلمانوں کو مدینہ آنے کے بعد قتال کا حکم دیا گیا جب کہ اس سے پہلے انہیں روکا گیا تھا۔ ﴿2﴾ ﴿ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں'' یعنی اخلاص کے ساتھ لڑو اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے سوا تمہارا کوئی اور مقصد نہ ہو۔ اس میں فتنوں کے دور میں مسلمانوں کو آپس میں لڑنے کی ممانعت بھی ہے۔ ﴿3﴾ ﴿ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ ''ان سے جو تم سے لڑتے ہیں'' یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں۔ ان میں بوڑھے، بچے، عورتیں، بے عقل لوگ اور راہب شامل نہیں ہیں۔ اس سے مراد ذمہ دار لڑنے کی اہلیت رکھنے والے کا فر مرد ہیں۔ ﴿4﴾ ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾ ''اور زیادتی نہ کرو'' یعنی عورتوں، بچوں، راہبوں، بوڑھوں اور بے عقل لوگوں جنھوں نے جنگ میں حصہ نہ لیا ہو ان کو قتل نہ کرو، مقتولین کا مثلہ نہ کرو یعنی اعضاء نہ کاٹو، جانوروں کو قتل نہ کرو، بغیر مصلحت کے درخت نہ کاٹو اور اگر کافر جزیہ دے چکے ہوں تو ان کے خلاف لڑنا بھی زیادتی ہے۔

سوال 2: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: زیادتی کے کاموں سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دلایا ہے کہ وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

سوال 3: جہاد کا مقصد کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جہاد کا مقصد شر کو دفع کرنا اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا ہے۔ اس کے لیے قوت کا استعمال صرف ان ہی طبقوں کے خلاف ہو گا جو عملاً جنگ کریں باقی تمام انسانوں کو اس سے محفوظ رہنا چاہیے۔ ﴿2﴾ اسلام نے جہاد کے لیے رائج الوقت اصطلاحات کو چھوڑ کر فی سبیل

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اللہ کی اصطلاح وضع کی جو وحشیانہ جنگ کے تصورات سے اس کے تصور کو بالکل جدا کر دیتی ہے۔(الجہاد فی الاسلام:177)اسلام نے جو تصور دیا اس کو اس دور کے انسانوں کی عقلیں سمجھنے سے قاصر تھیں کہ جنگ نہ مال و دولت کے لیے ہوگی، نہ زمین ہتھیانے کے لیے، نہ شہرت اور ناموری کے لیے ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ہوگی۔سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آدمی لوٹ کے لئے لڑتا ہے اور آدمی نام کے لئے لڑتا ہے اور آدمی اپنا مرتبہ دکھانے کو لڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا کون سا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے۔(مسلم:4919، بخاری:2810)سیدنا سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے لوگ دور ہوگئے تو ان سے اہل شام میں سے ایک آدمی نے کہا: اے شیخ! آپ ہمیں ایسی حدیث بیان فرمائیں جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت کے دن سب سے پہلے جس کا حساب لیا جائے گا وہ شہید ہوگا اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو تو اس لیے لڑتا رہا کہ تجھے بہادر کہا جائے۔تحقیق وہ کہا جا چکا۔پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔(مسلم:4923)﴿3﴾اسلام کی تعلیم جنگ کو ہر قسم کے دنیاوی مقاصد سے پاک کر دیتی ہے۔اسلام میں جنگ کا مقصد عقیدے کی آزادی کی حفاظت اور اس کی دعوت و تبلیغ کے حق کی آزادی کے لیے امن و امان قائم رکھنا ہے۔نیز اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ مسلم علاقوں پر خارجی ظلم و جور کا استیصال ہوتا رہے۔(الرّسول القائد:19)

سوال4: دنیا میں کن معروف مقاصد کے لیے جنگیں لڑی جاتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾خاندانی عزت کے لیے۔﴿2﴾زمین میں اپنی برتری قائم کرنے کے لیے۔﴿3﴾دولت کے حصول کے لیے۔﴿4﴾منڈیوں اور خام اشیاء پر قبضے کے لیے۔﴿5﴾ایک طبقے پر دوسرے طبقے کی حکمرانی کے لیے۔﴿6﴾ایک نسل پر دوسری نسل کی حکومت کے لیے۔

سوال5: اس آیت میں مسلمانوں کو کن لوگوں کے ساتھ جنگ کی تاکید کی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جنہوں نے ان کے ساتھ جنگ کی۔یہ وہ لوگ تھے جن لوگوں نے محض دینی نظریات کی وجہ سے مسلمانوں پر تشدد کیا۔﴿2﴾ جن لوگوں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا۔

سوال6: جہاد کن لوگوں کے ساتھ کیا جائے؟

جواب: ﴿1﴾ آئمہ کفر سے یعنی وہ افراد جو اپنے قائدانہ مقام کی وجہ سے اسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریک کی قیادت کر رہے ہوں۔﴿ وَاِنْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴾ اور اگر اپنے عہد کے بعد وہ اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ بلا شبہ ان لوگوں کے لیے کوئی قسمیں نہیں ہیں، تاکہ وہ باز آجائیں۔(التوبہ:12)﴿2﴾ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی کرتے ہیں۔﴿3﴾ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حرام کردہ کو حرام نہیں ٹھہراتے۔﴿4﴾ جو سچے دین کو نہیں اپناتے۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے قانون کو چھوڑ کر کسی اور کے قانون پر چلتے ہیں۔﴿6﴾ اسلام کے سوا کسی اور کے اقتدار اعلیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

سوال 7: اسلام نے جنگ کے لیے کیا آداب مقرر کیے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا سلیمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو کسی لشکر یا سریہ کا امیر بناتے تو وصیت فرماتے: ''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کے راستے میں جہاد کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اس سے جنگ کرو اور خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو اور مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔''(مسلم:4522)﴿2﴾ امام مالک رحمہ اللہ نے سیدنا یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف لشکر بھیجا تو ان کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: (الف) ''تمہیں ایسے لوگ ملیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو (دنیا سے) الگ کر رکھا ہے، انہیں ان کی حالت میں چھوڑ دو۔ (ب) عورت کو قتل نہ کرنا۔ (ج) بچے اور زیادہ بوڑھے کو بھی قتل نہ کرنا (د)۔ پھل دار درخت نہ کاٹنا۔ (ہ) بستی نہ اجاڑنا۔ (و) اذیت دے کر قتل نہ کرنا۔ (ز) کھیتوں اور باغوں کو خراب نہیں کرنا۔ (سوائے مصلحت جنگی کے)۔ (ح) جانوروں کو ضائع نہیں کرنا۔ (ط) خیانت نہ کرنا۔ (ی) دوران جنگ بزدلی نہ دکھانا''۔ (مؤطا امام مالک)﴿3﴾ ایک مرتبہ ایک غزوے میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی رسول اللہ ﷺ نے اسے بہت برا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرما دیا۔(ابن کثیر:269/1)

﴿ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ (191) ﴾

''اور انہیں قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ اور انہیں بھی نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور تم مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں قتل کرو، کافروں کی ایسی ہی سزا ہے۔''(191)

سوال 1: ﴿ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ ''اور انہیں قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ اور انہیں بھی نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿ **وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ** ﴾ ''اور انہیں قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ'' اللہ تعالیٰ نے قتال کا حکم دیا ہے کہ ہر وقت ہر دور میں جہاں وہ پائے جائیں ان کے خلاف مدافعانہ اور جارحانہ جنگ جاری رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب تمہارے اور ان کے درمیان جنگ ہے تو انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کرو۔ ﴿2﴾ یہ کفار کے خلاف ہر وقت اور دائمی جہاد ہے یہاں تک کہ وہ کفر چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں۔ ﴿3﴾﴿ **وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ** ﴾ ''اور انہیں بھی نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مشرکین کو وہاں سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے یعنی مکہ سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کا حکم عادلانہ ہے۔ ﴿4﴾﴿ **وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ** ﴾ ''اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے'' اسلام نے فتنے یعنی شرک کو قتل سے زیادہ برا قرار دیا ہے۔ فتنہ سے مراد کفر اور شرک ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شرک قتل سے بڑھ کر ہے۔ شرک کو کسی کی زندگی ختم کر دینے سے زیادہ گھناؤنا فعل قرار دیا گیا ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے دین سے روکنے کا فساد، قتل کے فساد سے زیادہ بڑا ہے۔

سوال 2:﴿ **وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ** ﴾ ''اور تم مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں قتل کرو، کافروں کی ایسی ہی سزا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اور تم مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انہیں قتل کرو، کافروں کی ایسی ہی سزا ہے۔ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا ہے کہ حرم میں جنگ نہ کرنے کا حکم اس وقت تک ہے جب تک مشرک تم سے جنگ نہ کریں۔ اگر وہ تم سے جنگ کریں تو پھر آپ بھی انہیں مارو کیونکہ کافروں کا یہی بدلہ ہے۔ یعنی حرم میں مدافعت کے لیے جنگ کا جواز ہے۔ ﴿2﴾ فقہ کا قاعدہ ہے کہ دو برائیوں میں سے ایک کو اختیار کرنا ضروری ہے تو کم تر برائی کو اختیار کیا جائے گا تا کہ بڑی برائی کا سد باب کیا جائے۔ (تفسیر سعدی:237/1)

سوال 3: مسجد حرام کے قریب جنگ کرنے سے کیوں روکا گیا؟

جواب:﴿1﴾ مسجد حرام کو دار الامان قرار دیا گیا تھا۔ اسے عوام الناس کے لیے مرکز قرار دیا گیا تھا۔ چونکہ جنگ کی صورت میں مرکز متاثر ہونے کا خدشہ تھا اس لیے اس کے قریب جنگ کرنے سے روکا گیا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی سے حرام قرار دیا ہے لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت پر قیامت تک قائم ہے۔ بس میرے لیے ایک دن تھوڑی ہی دیر کے لیے حلال کیا گیا تھا پھر اس کی حرمت حسب سابق لوٹ آئی لہٰذا نہ اس کا درخت کاٹا جائے اور نہ اس کی گھاس اکھیڑی جائے۔ اگر کوئی میرے جہاد کی وجہ سے اس میں جواز جنگ کا قائل ہو تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی تمہیں نہیں دی۔ (بخاری ومسلم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 4: کیا اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے؟

جواب: دفاعی جنگ صرف مسجد حرام کے آس پاس حرم مکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے مقامات میں جیسے دفاعی جہاد ضروری ہے اسی طرح ابتدائی جہاد و قتال بھی درست ہے۔ (معارف القرآن:471/1)

﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (192) ﴾

''پھر اگر وہ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (192)

سوال 1: ﴿ فَاِنِ انْتَهَوْا ﴾ ''پھر اگر وہ باز آ جائیں'' یہاں باز آ جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں باز آ جانے سے مراد جنگ بندی ہے مگر اس صورت میں جب: ﴿1﴾ وہ مسلمانوں پر تشدد سے باز آ جائیں۔ ﴿2﴾ جنگ سے باز آ جائیں۔ ﴿3﴾ شرک اور کفر سے باز آ جائیں۔

سوال 2: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کفار اور مشرک کس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ شرک اور کفر چھوڑ کر۔ ﴿2﴾ ظلم چھوڑ کر۔

سوال 3: کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سابقہ گناہوں کی معافی۔ ﴿2﴾ تشدد اور ظلم کے قصاص کی معافی۔ ﴿3﴾ دیت کی معافی۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی صفات غَفُوْرٌ اور رَّحِيْمٌ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کے ایمان اور توبہ کو قبول کر کے ان پر رحمت فرماتا ہے۔ (الاساس فی التفسیر:444/1) اللہ تعالیٰ کی صفت غفور سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کے شرک اور جرم کو معاف کر کے ان کی مغفرت فرماتا ہے۔ (زاد المسیر:182/1) اللہ تعالیٰ نے جنگ بندی کی صورت میں مغفرت اور رحمت کا وعدہ کیا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کو سلامتی اور رحمت کی طرف بلاتا ہے۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (یونس:25)

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (193) ﴾

''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔'' (193)

سوال 1: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾ ''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے ہو جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ اسلامی جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک شرک کا فتنہ مٹ نہ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین تمام دینوں پر غالب نہ آ جائے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں، اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار کرلیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دیں، جس وقت وہ یہ کرنے لگیں گے تو مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کرلیں گے۔ سوائے اسلام کے حق کے (رہا ان کے دل کا حال تو) ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ (صحیح بخاری:25) ﴿2﴾ ﴿وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾ ''اور دین اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جائے'' جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد خون بہانا اور مال لوٹنا نہیں ہے فتنے اور فساد کی صورت حال کو ختم کرنا یعنی دین سے روکنے والوں کی رکاوٹیں دور کرنا اور دین کو غالب کرنا ہے۔ ﴿3﴾ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے پاس سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے فتنے کے زمانے میں (جب ان پر حجاج ظالم نے حملہ کیا اور مکہ کا محاصرہ کیا) دو آدمی (علاء بن عرار اور حبان سلمی) آئے اور کہا کہ لوگ آپس میں لڑ کر تباہ ہو رہے ہیں آپ عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں پھر آپ رضی اللہ عنہ کیوں خاموش ہیں؟ اس فساد کو رفع کیوں نہیں کرتے؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میری خاموشی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے کسی بھی مسلمان بھائی کا خون مجھ پر حرام قرار دیا ہے اس پر انہوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ ''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہم (قرآن کے حکم کے مطابق) لڑے ہیں یہاں تک کہ فتنہ یعنی شرک و کفر باقی نہیں رہا اور دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو گیا لیکن تم لوگ چاہتے ہو کہ تم اس لیے لڑو کہ فتنہ اور فساد پیدا ہو اور دین اسلام ضعیف ہو، کافروں کو جیت ہو اور خدا کے برخلاف دوسروں کا حکم سنا جائے۔ (بخاری:4513) ﴿4﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کا دین تمام ادیان پر غالب آ جائے اور شرک وغیرہ اور ان تمام نظریات کا قلع قمع کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے دین کے منافی ہیں اور فتنہ سے بھی یہی مراد ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو قتل کرنا اور لڑائی کرنا جائز نہیں۔ (تفسیر سعدی:273/1)

سوال 2: ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر کوئی زیادتی نہ ہوگی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ پھر اگر مشرک باز آ جائیں۔ ﴿2﴾ ﴿فَلَا عُدْوَانَ﴾ ''تو کوئی زیادتی نہ ہوگی'' تو نہیں چھیڑنے کی اور ان سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی جنگ کرے تو وہ ظالم ہے اور ظالموں سے ہی جنگ کی جائے۔ ﴿3﴾ ﴿اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''سوائے ظالموں پر'' یعنی تمہاری جانب سے کسی پر زیادتی نہیں ہونی چاہیے سوائے ظالموں کے کیونکہ وہ اپنے ظلم کی وجہ سے سزا کے مستحق ہیں۔ ﴿4﴾ یعنی اگر یہ شرک اور مسلمانوں کے ساتھ مقاتلہ سے باز آ جائیں تو اس کے بعد جو شخص ان سے جنگ کرے گا وہ ظالم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اسے اس زیادتی کی سزا ملے گی۔ یہاں ''عدوان'' کا لفظ ایسی ہی سزا کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (ابن کثیر)

﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (194) ﴾

''حرمت والا مہینہ، حرمت والے مہینے کا بدلہ ہے اور تمام حرمتوں کا قصاص ہے، چنانچہ جو تم پر زیادتی کرتا ہے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی کہ اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔'' (194)

سوال 1: ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ﴾ ''حرمت والا مہینہ، حرمت والے مہینے کا بدلہ ہے اور تمام حرمتوں کا قصاص ہے'' ماہ حرام کون سے ہیں؟ انہیں ماہ حرام کیوں کہا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ ﴾ حرمت والا مہینہ۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب یہ چار مہینے ماہ حرام ہیں۔ ان چار مہینوں میں جنگ وجدال اور غارت گری منع تھی تاکہ بیت اللہ آنے والے زائرین امن کے ساتھ آئیں اور اپنے گھروں کو واپس جائیں، اسی وجہ سے انہیں حرمت والے مہینے کہا جاتا تھا۔ ﴿2﴾ ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ ﴾ ''حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کا بدلہ ہے'' اس سے مراد ہے کہ اگر کوئی حرمت والے مہینے کی حرمت کو پامال کر کے تم سے جنگ کرتا ہے تو تم بھی بھرپور بدلہ لو۔ اگر وہ حرمت والے مہینے کا خیال نہ رکھیں تو تم بھی نہ رکھو۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینے میں جنگ نہیں کرتے تھے تاوقتیکہ آپ ﷺ سے جنگ نہ کی جاتی۔ اگر پہلے سے آپ ﷺ جہاد میں مصروف ہوتے تو ان مہینوں کے آتے ہی جہاد بند کر دیتے تھے۔ (مسند احمد) ﴿3﴾ ﴿ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ﴾ ''اور تمام حرمتوں کا قصاص ہے'' یعنی ہر وہ چیز قابل احترام ہے جس کی حرمت کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ جو کوئی حرمتوں کو پامال کرے گا اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ جو حرام مہینے میں قتال کرے گا اس سے قتال کیا جائے گا۔ جو بلد امین کی بے حرمتی کرے گا اس پر حد جاری کی جائے گی جو حرم میں کسی کو قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ جو کسی کا مال لے گا اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ ﴿4﴾ عربوں نے جنگ اور لوٹ مار کی خاطر نسی کا قاعدہ بنا رکھا تھا۔ وہ کسی حرام مہینے میں لوٹ مار کرتے اور دوسرے حلال مہینے کو حرام قرار دے لیتے۔ اسی وجہ سے یہ واضح کیا گیا کہ اگر کافر نسی کے حیلے کو کام میں لا کر حرام مہینوں میں جنگی کاروائی کر بیٹھیں تو اس صورت میں مسلمان ماہ حرام میں بدلہ لینے کے مجاز ہیں۔ ﴿5﴾ زیادتی پر بدلے کا حکم عین عدل ہے۔ ظلم زیادتی کے برابر نہیں اس سے بڑھ کر ہوتا ہے مثلاً ایک شخص کو تکلیف پہنچے تو وہ دوسرے کو اتنی تکلیف پہنچا سکتا ہے جتنی اس کو پہنچی ہے زیادہ کی اجازت نہیں۔

سوال 2: ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ''چنانچہ جو تم پر زیادتی کرتا ہے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی کہ اس نے تم پر زیادتی کی ہے'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی حرمت والے مہینے کی حرمت کو پامال کر کے تم سے جنگ کرتا ہے تو تم بھی بھرپور بدلہ لو یعنی اگر وہ حرمت والے مہینے کا خیال نہ رکھیں تو تم بھی نہ رکھو۔

سوال 3: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو'' سیدنا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور حرام مہینوں میں ان سے قتال کی ابتدا نہ کرو۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے قتال کے احکامات کے درمیان بھی تقویٰ کا حکم دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ ﴿3﴾ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے'' یعنی اچھی طرح سے جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھ اس لیے دیتے ہیں کہ متقی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہی آخرت میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ہمیشہ کی کامیابی کا راز تقویٰ میں ہے۔

﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (195)﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور نیکی کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (195)

سوال 1: ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو'' انفاق فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انفاق فی سبیل اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلانے اور قائم کرنے کے لیے مالی قربانیاں دینا۔ ﴿2﴾ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو'' اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ (بخاری:4516) ﴿3﴾ اس آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے انفاق کا حکم ہے۔ (فتح القدیر:245/1)

سوال 2: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ''اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو'' اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿التَّهْلُكَةِ﴾ اور ہلاک کے ایک ہی معنی ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿2﴾ یہاں ہلاکت سے مراد ہے: انفاق کو چھوڑ دینا، جہاد کو ترک کرنا، گناہ پر گناہ کیے جانا۔ ﴿3﴾ جہاد کو نہ چھوڑو اگر چھوڑو گے تو تمہارا دشمن قوی ہو جائے گا جس کا نتیجہ تباہی ہے۔ جہاد کے لئے مال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لگانے سے گریز کرو گے تو تمہارا دشمن مضبوط ہوگا اور تم کمزور ہو جاؤ گے، یہ ہلاکت کا راستہ ہے۔﴿4﴾سعید بن منصور نے کہا وہ فقیری کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چھوڑ دیتا ہے۔(فتح القدیر:246/1)﴿5﴾اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے مراد ''بخل'' ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔انسان خرچ کر دینے کو ہلاکت سمجھتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا ہلاکت ہے۔خرچ کرنے سے انسان کا دل تنگ ہوتا ہے۔یہ دل کی تنگی دنیا اور آخرت کی ہلاکت ہے۔انسان کے پاس جو کچھ ہے اگر وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ آخر کیوں اس کو آدمی کے حوالے کردے؟﴿6﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں، دو فرشتے اترتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! روک کر رکھنے والے (کے مال) کو ضائع فرما دے۔''(بخاری:1442)

سوال 3: مال کا صحیح استعمال کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾مال کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ دینی ضروریات کے لیے خرچ کیا جائے۔مال کو صرف اپنی ضروریات اور خواہشات کے لیے خرچ کرنا انسان کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضی کا مستحق بناتا ہے جب کہ مال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔اس طرح سے افراد اور جماعت دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد ملتی ہے۔خرچ کرنے والوں کو دنیا و آخرت میں فائدہ ہوتا ہے۔

سوال 4: ﴿وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ ''اور نیکی کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿**وَاَحۡسِنُوۡا**﴾''اور نیکی کرو'' احسان سے مراد اخلاص ہے۔﴿2﴾احسان سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے۔(ابواسحٰق)﴿3﴾احسان سے مراد اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا ہے۔(عکرمہ، جامع البیان)﴿4﴾یہاں احسان کے معنی کسی کام کو خوبی کے ساتھ کرنے کے ہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں فیاضی اور خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو۔اور وہ مال خرچ کرو جو تمہیں عزیز و محبوب ہو۔انفاق کے معاملے میں اس احسان کی تاکید قرآن حکیم نے جگہ جگہ فرمائی ہے۔سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے بارے میں خوبی اختیار کرنے کا حکم فرمایا سو جب تم (کسی کو شریعت کی اجازت سے) قتل کرو تو قتل کرنے میں خوبی اختیار کرو (مثلاً ہاتھ پاؤں نہ کاٹ دو، چہرہ نہ بگاڑ دو) اور جب تم ذبح کرنے لگو تو خوبی کے ساتھ ذبح کرو اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔(مسلم:152/2)﴿5﴾اس آیت کے معنی میں ہر قسم کا احسان شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی صفت اور شرط وغیرہ سے مقید نہیں کیا۔پس اس میں مالی احسان بھی شامل ہے۔اپنے جاہ و منصب کی بنیاد پر (کسی حق دار کی) سفارش کرنے کا احسان بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔امر بالمعروف نہی عن المنکر اور علم نافع کی تعلیم بھی احسان میں داخل ہے۔لوگوں کی ضروریات پوری کرنا، ان کی تکالیف کو دور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا، ان کی مصیبتوں کا ازالہ کرنا، ان کے مریضوں کی عیادت کرنا، ان کے جنازوں کے ساتھ جانا، ان کے بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتانا، کسی کے کام میں ہاتھ بٹانا اور کسی ایسے شخص کے لیے کام کر دینا جسے کام نہ آتا ہو۔ یہ تمام امور احسان کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور اس احسان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت احسن طریقے سے کرنا بھی داخل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو کہ تو اسے دیکھ رہا ہے تب وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ (بخاری:50)﴿6﴾ جو کوئی ان صفات سے متصف ہو جاتا ہے وہ ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے نیکی کی ان کے لیے نہایت اچھا بدلہ ہے اور کچھ مزید ہے۔ (یونس:26) اللہ تعالیٰ کی معیت اسے حاصل رہتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے، اس کی راہ نمائی کرتا ہے اور ہر معاملے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی:240/1)﴿7﴾﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو احسان کی ترغیب اس طرح دلائی ہے کہ وہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ مومن اللہ تعالیٰ کی محبت میں شدید ہوتے ہیں جو چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے وہ احسان کی روش اختیار کرتے ہیں۔

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۟ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَھْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (196)﴾

''اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تمہیں روک دیا جائے تو قربانی کا جو بھی جانور میسر ہو (ذبح کردو) اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو روزے یا صدقے یا قربانی کا فدیہ ہے۔ پھر جب تم امن میں ہو تو جو کوئی عمرے سے حج تک ساتھ فائدہ اٹھائے تو قربانی میں سے جو میسر ہو (ذبح کرے) پھر جو قربانی نہ پائے وہ تین دن کے روزے حج میں رکھے اور سات دن کے اس وقت جب تم واپس آؤ، یہ پورے دس ہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام کے قریب رہائشی نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جان لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب والا ہے۔''(196)

سوال 1: ﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ ''اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو'' حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرنے سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ ”اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو“ حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کریں۔ حج اور عمرہ خواہ نفلی ہو جب شروع کر دیا جائے تو پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ ﴿2﴾ حج اور عمرے کو تمام آداب اور شرائط کے مطابق ادا کیا جائے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ نہ کوئی شرط فوت ہو اور نہ کوئی فرض نظر انداز کیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: خُذُوْا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ۔ اپنے مناسک حج مجھ سے سیکھو۔ (بیہقی: 125/5) ﴿3﴾ حج اور عمرے کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ادا کیا جائے، کوئی اور مقصد پیش نظر نہ ہو۔ ﴿4﴾ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ (آل عمران: 97) نبی ﷺ نے فرمایا: وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ ”حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے۔“ (صحیح مسلم: 3289)

سوال 2: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ”پھر اگر تمہیں روک دیا جائے تو قربانی کا جو بھی جانور میسر ہو (ذبح کردو)“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر محرم سفر میں روک لیا جائے، مرض کی وجہ سے، راستہ بھول جانے یا دشمن کے روک لینے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے حج اور عمرے کے لئے بیت اللہ نہ پہنچ پاؤ۔ ﴿2﴾ ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ”تو قربانی کا جو بھی جانور میسر ہو (ذبح کردو)“ ہدی کا جانور گائے، اونٹ یا بکری جو بھی میسر ہو وہیں ذبح کر دیں جیسا کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانیاں کی تھیں۔

سوال 3: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ ”اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ”اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ جب تک قربانی (کا جانور) اپنے مقام تک نہ پہنچ جائے“ یعنی اگر کوئی حج اور عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے اور عمرہ کر کے حلال ہو جائے پھر حج کا احرام باندھے تو جب تک حج اور عمرے کے احکام سے یا صرف حج کے یا عمرے کے احکام سے فارغ نہ ہو جائے سر منڈوانا جائز نہیں۔ ﴿2﴾ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے پوچھا کہ لوگوں نے تو اپنے آپ عمرے کھول ڈالے، آپ ﷺ عمرے سے حلال کیوں نہیں ہوئے؟ فرمایا: میں نے سر کے بال جما لیے ہیں اور قربانی کے گلے میں نشانی ڈال دی ہے۔ میں جب تک قربانی نہ کروں حلال نہیں ہو سکتا۔ (بخاری ومسلم) (مختصر ابن کثیر: 123/1)

سوال 4: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ ”پھر تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو روزے یا صدقے یا قربانی کا فدیہ ہے“ فدیے کے طور پر کتنے روزے رکھے جائیں، کتنا صدقہ یا کتنی قربانی دی جائے؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ قبل از وقت سر منڈوانے پر فدیہ دینا ضروری ہے۔سیدنا عبداللہ بن معقل نے بیان کیا کہ میں کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس مسجد میں حاضر ہوا ان کی مراد کوفہ کی مسجد سے تھی اور ان سے روزے کے فدیے کے متعلق پوچھا۔انہوں نے بیان کیا کہ مجھے احرام میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوگ لے گئے اور جوئیں (سر سے) میرے چہرے پر گر رہی تھیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا یہ خیال نہیں تھا کہ تم اس حد تک تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہو تم کوئی بکری نہیں مہیا کر سکتے ؟ میں نے عرض کیا: نہیں فرمایا: پھر تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ہر مسکین کو آدھا صاع کھانا کھلانا اور اپنا سر منڈوا لو۔سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے کہا تو یہ آیت خاص میرے بارے میں نازل ہوئی تھی اور اس کا حکم تم سب کے لیے عام ہے۔(صحیح بخاری:4517)﴿2﴾(الف) حدیث کی رو سے ایسا فرد چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔(ب) یا ایک بکری ذبح کرے۔(ج) یا تین روزے رکھے۔﴿3﴾ مسکینوں کو کہاں کھانا کھلانے اور بکری ذبح کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔کچھ لوگوں کا خیال ہے مکہ میں دے۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ روزوں کی طرح اس کی جگہ متعین نہیں۔

سوال5:﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ''پھر جب تم امن میں ہو تو جو کوئی عمرے سے حج تک ساتھ فائدہ اٹھائے تو قربانی میں سے جو میسر ہو (ذبح کرے)'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ ''پھر جب تم امن میں ہو'' سے مراد وہ سبب دور ہو جانا ہے جس کی وجہ سے راستے میں رک جانا پڑا تھا۔﴿2﴾ جس عمرے میں بیماری یا دشمن رکاوٹ بن جائے جمہور علماء کے نزدیک اس عمرے کی قضا واجب نہیں۔احناف کے نزدیک قضا واجب ہے۔﴿3﴾ نبی ﷺ نے جو عمرۃ القضا کیا تھا اسے اس فیصلے کی وجہ سے عمرۃ القضا کہتے ہیں جو اس وقت قریش اور مسلمانوں کے درمیان ہوا۔وہ آپ ﷺ نے قضا کے طور پر نہیں کیا تھا۔(فتح الباری، باب کم اعتمر النبی ﷺ)﴿4﴾﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ﴾'' تو جو کوئی عمرے سے حج تک ساتھ فائدہ اٹھائے'' حج کی تین قسمیں ہیں۔(الف) حج تمتع۔(ب) حج قران۔(ج) حج افراد۔تینوں میں سے کوئی صورت بھی اختیار کی جا سکتی ہے۔یعنی جو عمرہ کو حج کے ساتھ ملا دے اور پھر عمرے سے فارغ ہو کر احرام کھول دے پھر آٹھویں ذوالحجہ کو احرام باندھ لے۔﴿5﴾﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾'' تو قربانی میں سے جو میسر ہو (ذبح کرے)'' تو اس پر قربانی کرنا واجب ہے۔وہ ایسا جانور قربان کرے جو قربانی کے لئے جائز ہو۔یہ قربانی حج کی قربانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکرانہ ہے کہ ایک ہی سفر میں دو عبادات سے استفادہ کرنے کی صورت میں نصیب ہو گی۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:﴿اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ سے مراد ازواج ثمانیہ ہیں یعنی آٹھ قسمیں دو اونٹ میں سے، دو گائیں میں سے، دو بھیڑ میں سے اور دو بکری میں سے۔

سوال6:﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ ''پھر جو قربانی نہ پائے وہ تین دن کے روزے حج میں رکھے اور سات دن کے اس وقت جب تم واپس آؤ، یہ پورے دس ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ جس کے پاس قربانی یا اس کی قیمت نہ ہو۔﴿2﴾﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ یہ روزے عمرے کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احرام کے ساتھ رکھے جائیں اور ان کا آخری وقت یوم النحر کے بعد کے تین دن ہیں۔ افضل یہ ہے کہ ساتویں، آٹھویں اور نویں ذوالحجہ کو رکھے جائیں۔ (تفسیر سعدی: 243/1) ﴿3﴾ ﴿وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ﴾ "اور سات دن کے اس وقت جب تم واپس آؤ" اگر حج تمتع والے کے پاس قربانی نہ ہو تو وہ اس کے بدلے میں روزے رکھ سکتا ہے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے مکہ میں آ کر واپسی کے سفر میں اور گھر پہنچ کر رکھے جاسکتے ہیں۔ ﴿4﴾ ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ "یہ پورے دس ہیں" تین حج کے دنوں کے اور سات گھر جا کر رکھنے والے روزوں کو ملائیں تو یہ پورے دس ہو جاتے ہیں۔

سوال 7: ﴿ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ "یہ اس کے لیے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے قریب رہائشی نہ ہوں" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ذَٰلِكَ﴾ یہ قربانی کا حج تمتع کرنے والے پر واجب ہونا۔ ﴿2﴾ ﴿لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ "یہ اس کے لیے ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے قریب رہائشی نہ ہوں" یہ صرف ان کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام سے دور رہتے ہوں یعنی جو نماز قصر کرے۔ ﴿3﴾ حج تمتع کرنے والے پر ایک ہی سفر میں دو عبادات کے ثواب کے حصول کی وجہ سے قربانی واجب ہے۔ ﴿4﴾ جو مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے پاس رہتا ہے اس پر قربانی واجب نہیں۔

سوال 8: حج اور عمرہ کب قدر و قیمت کا حامل ہوتا ہے؟

جواب: حج اور عمرے کی اصل قدر و قیمت اسی وقت ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کیے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حج اور عمرہ کرنے والا ظاہری طور پر تو وہی مناسک ادا کر رہا ہوتا ہے لیکن اندرونی طور پر وہ ایک ایسی عبادت کا تجربہ کر رہا ہوتا ہے جس میں وہ اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے آگے ڈال دیتا ہے۔ وہی شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر سکتا ہے جس کو آخرت کی پکڑ کا اندیشہ ہو جو متقی ہو (پکڑ کا اندیشہ) اس کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا ہو۔

سوال 9: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ "اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جان لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب والا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کے احکامات کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس کے عذابوں کے خوف سے اس کی نواہی سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے تاکہ اس کے احکامات اور فرائض کو پورا کیا جائے۔ (فتح القدیر) یہاں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر حج کے حوالے سے حکم دیا ہے کہ جس کا حکم دیا جائے وہ کر لو اور جس سے روکا جائے رک جاؤ۔ ﴿4﴾ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ "اور جان لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت سخت عذاب والا ہے" اللہ تعالیٰ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کے لئے اپنے شدید العقاب ہونے کا شعور دلایا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو سخت سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔یہی (عذاب کا خوف) تقویٰ کا موجب ہے کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ ان تمام امور سے اجتناب کرتا ہے جو عذاب کے موجب ہیں۔جیسے جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہے وہ ایسے کام کرتا ہے جو ثواب کے موجب ہیں اور جو کوئی عذاب سے نہیں ڈرتا اور ثواب کی امید نہیں رکھتا وہ حرام میں گھس جاتا ہے اور فرائض کو چھوڑ دینے کی جرات کا مرتکب ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی)

رکوع نمبر25

﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ(197) ﴾

’’حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، چنانچہ جو شخص ان میں حج فرض کر لے تو حج میں نہ کوئی شہوانی فعل ہو، نہ کوئی نافرمانی، اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا اور نیکی میں سے جو کام بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا اور اپنے ساتھ زادراہ لے لو تو یقیناً بہترین زادراہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔‘‘(197)

سوال1: ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ ’’حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں‘‘ اس سے حج اور عمرے کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اَلْحَجُّ ﴾ حج۔ ﴿2﴾ ﴿ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ معلوم مہینوں میں۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: شوال، ذی قعدہ، اور ذوالحجہ کے دس دن۔(بخاری:33) ﴿3﴾ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حج کے مہینے مقرر ہیں۔سنت یہی ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھا جائے۔(ابن مردویہ، ابن خزیمہ) ﴿4﴾ دوسرے مہینوں میں حج کا احرام نہیں اور دلیل ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ ہے۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی کو یہ لائق نہیں کہ دوسرے مہینوں میں حج کا احرام باندھے۔ ﴿5﴾ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عمرہ سال میں ہر وقت جائز ہے۔

سوال2: ﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ ﴾ ’’چنانچہ جو شخص ان میں حج فرض کر لے‘‘ اپنے اوپر حج فرض کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اپنے اوپر حج فرض کرنے سے مراد حج کی نیت کرنا اور حج کے لیے احرام باندھنا ہے۔(ایسر التفاسیر:100) ﴿2﴾ کیونکہ جو حج شروع کر لیتا ہے اس پر پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے اور ان مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھنا درست نہیں۔

سوال3: حج کیسی عبادت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔اللہ رب العزت نے میں فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔(آل عمران:97) ﴿2﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حج ساری زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔﴿3﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: (وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهُ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّة) ''حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے۔'' (صحیح مسلم:3289) ﴿4﴾ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جس نے قدرت ہونے کے باوجود حج نہ کیا، اس کے لیے برابر ہے یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔ (الحج والعمرة والزيارة للشیخ عبدالعزیز بن باز،ص:8) مال دار، آزاد، عاقل مسلمان پر حج فرض ہے، عورت کے لیے محرم کے ساتھ ہونے کی شرط ہے، راستے کا پرامن ہونا اور حکومت کی طرف سے رکاوٹ نہ ہونا شرط ہے۔

سوال 4: ﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ ''تو حج میں نہ کوئی شہوانی فعل ہو، نہ کوئی نافرمانی، اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَلَا رَفَثَ﴾ ''تو نہ کوئی شہوانی فعل ہو'' رفث سے مراد جماع اور اس کے مقدمات ہیں چاہے قولی ہوں یا فعلی۔ جماع جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ فحش باتیں کرنا، دبی زبان سے ذکر کرنا، اشاروں کنایوں میں ذکر کرنا، چھیڑ چھاڑ کرنا اور چھونا۔ احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں۔ (ابن کثیر) ﴿2﴾ ﴿وَلَا فُسُوْقَ﴾ ''اور نہ کوئی نافرمانی'' فسوق سے تمام نافرمانی کے کام مراد ہیں۔ ہر طرح کی نافرمانی اور گالی گلوچ وغیرہ۔ اس میں احرام کے ممنوعات بھی شامل ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احرام کی پابندیاں مثلاً شکار کھیلنا، بال منڈوانا، ناخن کاٹنا، وغیرہ۔ ﴿3﴾ ﴿وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ ''اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا حج میں'' جدال سے لڑائی جھگڑا مراد ہے جو شر کا آغاز ہے اور دشمنی پیدا کرنے والا ہے۔ آپس میں جھگڑنا، ایک دوسرے کو غصہ دلانا، گالیاں دینا وغیرہ۔ ﴿4﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ وَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ ''جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کیا اور اس دوران کوئی بے ہودہ بات یا گناہ نہ کیا، وہ حج کر کے اس دن کی طرح (گناہوں سے پاک) ہو جائے گا جس طرح اس کی ماں نے اسے (گناہوں سے پاک) جنا تھا۔'' (صحیح بخاری:1521)

سوال 5: حج کی پابندیوں سے کس طرح کی تربیت مقصود ہے؟

جواب: حج کی پابندیوں سے یہ تربیت مقصود ہے کہ ﴿1﴾ مومن اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے والا بن جائے۔ ﴿2﴾ مومن شہوت کے لیے جینے کی بجائے مقصد کے لیے جینے لگے۔ ﴿3﴾ اجتماعی زندگی میں آپس کی لڑائی سے بچا رہے۔

سوال 6: حج ظاہر میں تو چند مناسک ہیں لیکن اپنی روح کے اعتبار سے کیسی عبادت ہے؟

جواب: روحانی اعتبار سے حج ایسی عبادت ہے جس میں انسان نے اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے آگے ڈال دینا ہے، اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے کیونکہ آخرت کی پکڑ کا مسئلہ اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بنانا ہے۔

سوال 7: ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ ''اور نیکی میں سے جو کام بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا'' اس میں مومن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے کیا نصیحت ہے؟

جواب: ''اور نیکی میں سے جو کام بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا'' ﴿1﴾ اس میں مومن کے لیے یہ نصیحت ہے کہ صرف ترک معاصی سے اللہ تعالیٰ کا قرب نہیں ملتا جب تک کہ نیکی کے دوسرے کام انجام نہ دیے جائیں۔ ﴿2﴾ مؤمن کے لیے یہ بات انتہائی تسکین بہم پہنچانے والی ہے کہ میرا مالک میرے ہر اچھے کام کو ہر وقت دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ احساس دلا رہا ہے کہ اپنے احساس کو جگاؤ، تمہارا مالک دیکھتا ہے، بھلائیاں جمع کرلو، آگے بڑھتے جاؤ۔ یہ احساس آخرت کے انعامات سے پہلے اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے نیکیاں کرنے کے لئے کیسے تیار کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کے لئے شعور دلایا ہے کہ ﴿ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ﴾ اور نیکی میں سے جو کام بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا۔ تم نیکی کرتے ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نیک اعمال کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ پورا پورا بدلہ دینے والا ہے۔

سوال 9: ﴿ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ﴾ ''اور اپنے ساتھ زادراہ لے لو تو یقیناً بہترین زادراہ تقویٰ ہے'' اللہ تعالیٰ نے اس مبارک سفر میں زادہ راہ ساتھ لینے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَتَزَوَّدُوا ﴾ ''اور اپنے ساتھ زادراہ لے لو'' اللہ تعالیٰ نے اس مبارک سفر میں زادہ راہ ساتھ لینے کا حکم دیا ہے کیونکہ زادہ راہ مسافر کو لوگوں سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اسے لوگوں کے مال کی طرف دیکھنے اور سوال کرنے سے روک دیتا ہے۔ ضرورت سے زائد زادراہ ساتھ لینے میں فائدہ اور ساتھی مسافروں کی اعانت ہے اور اس سے اللہ رب العالمین کے تقرب میں اضافہ ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 245/1)

﴿2﴾ بعض لوگ حج کے لئے زادراہ لئے بغیر نکلتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارا اللہ تعالیٰ پر توکل ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے زادراہ لینے کی تلقین کی تاکہ سوال سے بچ سکیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یمن کے لوگ راستہ کا خرچ ساتھ لائے بغیر حج کے لیے آجاتے تھے کہتے تو یہ تھے کہ ہم توکل کرتے ہیں لیکن جب مکہ آتے تو لوگوں سے مانگنے لگتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اور زادراہ لے لیا کرو کہ سب سے بہتر زادراہ تو تقویٰ ہی ہے۔ (صحیح بخاری: 1523) ﴿3﴾ ﴿ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ﴾ ''تو یقیناً بہترین زادراہ تقویٰ ہے'' تقویٰ ایسی حالت ہے جس میں ایک انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کی عظمت اور اس کے خوف سے بھر جاتا ہے۔ جیسے حج کے لیے زادراہ یعنی سامان سفر ساتھ لینے کا حکم دیا گیا اسی طرح آخرت کے سفر کے لیے تقویٰ کا حکم دیا گیا جو سفر آخرت کے لیے بہترین زادراہ ہے۔

سوال 10: ﴿ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴾ ''اور اے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرتے رہو'' میں تقویٰ کا رشتہ عقل سے جوڑا گیا ہے اس کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ عقل والے ہی اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر ہدایت کو چمٹ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں یہی عقل اور تقویٰ کا تعلق ہے۔عقل باندھ کر رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انسان حقیقی متقی نہیں بن سکتا جب تک حرج کے خوف سے غیر حرج والے کام نہ چھوڑ دے''۔(ترمذی)﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور تقویٰ ہی عقل ہے۔(i) سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ''عقل والا اور ہوشیار وہ ہے جس نے اپنے نفس کو تابعدار بنالیا اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کیا۔''(جامع ترمذی:2459)(ii) نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے عقل والا اور ہوشیار وہ ہے جو موت کو زیادہ یاد کرے اور مرنے کے بعد کے لیے تیاری کرے۔

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ (198)﴾

''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پھر جب تم عرفات سے واپس آ ؤ تو مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور بلا شبہ اس سے پہلے یقیناً تم گمراہ لوگوں میں سے تھے۔''(198)

سوال1:﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ اس سے مراد ہے کہ سفر حج میں تجارت کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز جاہلیت کے بازار تھے اس لیے لوگوں نے سفر حج میں تجارت کو گناہ سمجھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ''تمہیں اس بارے میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے پروردگار کے یہاں سے تلاش معاش کرو''۔یعنی موسم حج میں تجارت کے لیے مذکورہ منڈیوں میں جاؤ۔''(صحیح بخاری:4519)﴿3﴾﴿اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو'' رب کے فضل کو تلاش کرنے سے مراد تجارت اور روزی کے لیے کوششیں ہیں۔ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ''ہم جانور کرائے پر دیتے ہیں، کیا ہمارا حج بھی ہوجاتا ہے؟'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا تم بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطانوں کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟'' اس نے کہا: ''یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سنو! ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا، اس کے جواب میں سیدنا جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اترے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اور آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا: ''تمہارا حج ہوگیا۔''(سنن ابی داوٗد،1733)﴿4﴾ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا تقویٰ ہے، اگر یہ کیفیت موجود ہے تو حج کے دوران تجارت کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ ﷺ حج کے دنوں میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تجارت بھی کرتے تھے؟انہوں نے کہا:''اور تجارت کا موسم ہی کون سا تھا؟''

سوال2:﴿ فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ ﴾''پھر جب تم عرفات سے واپس آؤ'' مناسک حج میں سے عرفات جانے کی کیا اہمیت ہے؟

جواب:﴿1﴾9ذوالحجہ کوزوال آفتاب سے غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف حج کا سب سے اہم رکن ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اَلْحَجُّ عَرَفَه حج عرفات جانے کا نام ہے۔(ابوداؤد:1703)﴿2﴾عرفات حدودحرم سے باہر ہےاس لیے قریش مکہ عرفات نہیں جاتے تھے بلکہ مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے اس لیے حکم دیا گیا کہ جہاں سے سب لوٹ کرآتے ہیں تم بھی وہیں سے لوٹ کرآؤ یعنی عرفات سے۔

سوال3:﴿ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ﴾''مشعرحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو''مشعرحرام سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ مشعرحرام سے مرادمزدلفہ ہے۔﴿2﴾عرفات حاجیوں اورحکام حج کا ستون ہے اس لیے مزدلفہ لوٹ کرآنے اوررات گزارنے کی انتہائی اہمیت ہے۔وقوف عرفہ اورمزدلفہ میں رات گزارنا حج کے ارکان میں سے ہے۔﴿3﴾عمرو بن میمون فرماتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مشعرحرام کے بارے میں پوچھا تو آپ چپ رہے۔جب آپ ہماری سواریوں کے ساتھ مزدلفہ میں اترآئے توپوچھا مشعرحرام کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے؟یہ ہے مشعرحرام،سارامزدلفہ مشعرحرام ہے۔(عبدالرزاق)﴿4﴾مشعرحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی دوصورتیں ہیں ایک مغرب اورعشاء کی نماز جوکہ ذکر کی اہم صورت ہےاوردوسرے فجر کے بعد ذکر الٰہی۔

سوال4:﴿ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰىكُمۡ ﴾''اوراس کا ذکر کروجیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے''اللہ تعالیٰ نے ذکر کے بارے میں کیا خاص بات ارشادفرمائی ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰىكُمۡ ﴾''اوراس کا ذکر کروجیسے اس نے تمہیں ہدایت دی ہے''یعنی ذکر کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت ضروری ہےاس کے لیے بھی خودساختہ طریقے اختیارنہیں کئے جائیں گے۔

سوال6:﴿ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴾''اور بلاشبہ اس سے پہلے یقیناً تم گمراہ لوگوں میں سے تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور بلاشبہ اس سے پہلے یقیناً تم گمراہ لوگوں میں سے تھے''﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے یہاں وضاحت فرمائی ہے کہ اگرچہ اس سے پہلے تم گمراہ تھے یعنی باپ دادا کو یاد کرتے تھے پھراب تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تواب اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جس پر شکرادا کرنا واجب ہے۔﴿2﴾قریش منیٰ میں جانا باپ دادا کے جلسے کرنے کے لیے کافی سمجھتے تھے۔اختتام حج کے بعد عرب سوق عکاظ،مجنہ اورذوالمجاز نامی بازاروں میں جاتے تھے اوران میں ہرشخص اپنا نسب نامہ بیان کرتا۔اپنے باپ دادا کے کارناموں کے اظہار کے علاوہ ان کے پاس کوئی پروگرام نہیں تھا۔لہٰذاواضح کیا گیا کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ(199)﴾

''پھرتم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا ، نہایت رحم والا ہے۔''(199)

سوال1: ﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ ''پھرتم وہیں سے واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ افاضہ یعنی واپسی قریش کو حکم دیا گیا کہ جیسے لوگ عرفات جا کر مزدلفہ واپس آتے ہیں ایسے ہی آپ بھی عرفات کے رکن کو پورا کر کے مزدلفہ کے رکن کو پورا کرو۔ ﴿2﴾ یہ عمل ابراہیم علیہ السلام کے دور سے چل رہا ہے۔اس کا مقصد رمی جمار، قربانی، طواف، سعی، تشریق کے میں منیٰ میں رات گزارنا اور باقی مناسک کو پورا کرنا ہے۔ ﴿2﴾ قریش نے فخر وتکبر کی وجہ سے اپنے لیے یہ ضروری ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حدود حرم سے باہر (عرفات) نہ جائیں۔ ﴿3﴾ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حمس رکھتے تھے۔ باقی عرب کے لوگ عرفات جا کر ٹھہرتے اور وہاں سے لوٹتے تھے، اسی لیے یہ حکم آیا کہ (ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ) ''جہاں سے اور لوگ لوٹتے ہیں تم وہیں سے لوٹا کرو'' (صحیح بخاری:1910) نبی ﷺ نے فرمایا: (اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ) ''حج تو عرفات میں ٹھہرنے کا نام ہے'' (سنن نسائی:3019) اسلام نے نسلی، قومی اور لسانی بت توڑے ہیں اور ایک امت کا تصور دیا ہے۔

سوال2: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو'' استغفار کا حکم اس لیے دیا گیا کہ عبادتوں کے بعد دعائے مغفرت کی جاتی ہے اسی لیے نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفر اللہ فرماتے تھے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے استغفار کو اپنے اوپر لازم کر لیا، اللہ تعالیٰ ہر تنگی میں اس کے لیے کشادگی پیدا کرتا ہے، ہر غم میں راحت کی راہ ہموار کرتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان نہیں ہوتا۔'' (ابن ماجہ:3819) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی دعا کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا ، نہایت رحم والا ہے۔اس لیے بڑے سے بڑے گناہ پر بھی استغفار کرنے سے نہ ہچکچاؤ۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی صفات غَفُوْرٌ اور رَّحِيْمٌ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی صفت غفور سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کے شرک اور جرم کو معاف کر کے ان کی مغفرت فرماتا ہے۔ (زاد المسیر: 182/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کے ایمان اور توبہ کو قبول کر کے ان پر رحمت فرماتا ہے۔ (الاساس فی التفسیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(444/1:

﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (200) ﴾

’’ پھر جب تم اپنے حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اپنے آباء و اجداد کو یاد کرنے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ یاد کرنا، پھر لوگوں میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے: ’’اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں دے‘‘ اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔‘‘ (200)

سوال 1: ﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ﴾ ’’ پھر جب تم اپنے حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو‘‘ حج کے اعمال پورے کرنے کے بعد ذکر اور دعا کا حکم دیا گیا، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ ﴾ پھر جب تم اپنے حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں پر استغفار کرو اور عبادت کی توفیق ملنے پر شکر ادا کرو اور اسے یاد کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے اعمال قبول ہو جائیں۔ ﴿2﴾ ﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ﴾ ’’ تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو‘‘ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے جیسے کہ فرمایا: ﴿ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر تو بہت بڑا ہے۔ (العنکبوت:45) اس لیے ذکر کا حکم دیا گیا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا ذکر دلوں کو اس سے جوڑے رکھتا ہے اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تا کہ ہمارے دل محبت اور تعظیم سے اس سے جڑ جائیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعاؤں کی ترغیب اس لیے دلائی گئی ہے کہ حج قبولیت والا عمل ہے۔

سوال 2: حج کے دوران کیسی فضا جاری رہنی چاہیے؟

جواب: حج کے دوران اللہ تعالیٰ کے خوف، اس کی یاد، اس کی نعمتوں پر شکر اور اس کے لیے حوالگی کے جذبوں کی فضا رہنی چاہیے۔ حج کے دوران کوئی ایسا کام نہیں ہونا چاہیے جو ان کیفیات کے خلاف ہو مثلاً ﴿1﴾ کسی گروہ کی عبادت میں امتیاز۔ ﴿2﴾ آباء و اجداد کے کارناموں کا بیان۔ ﴿3﴾ حج اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے لیے ہے اور سب انسانوں کے لیے ایک جیسا ہے۔ حج کے دوران یہ فضا قائم رہے تو بعد کی زندگی میں بھی یہ فضا قائم ہو سکتی ہے۔

سوال 3: ﴿ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ﴾ ’’ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اپنے آباء و اجداد کو یاد کرنے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ یاد کرنا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جاہلیت میں لوگ حج کے بعد بھی اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے اس لیے فرمایا کہ جیسے اولاد اپنے ماں باپ کو یاد کرتی ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ ﴿2﴾ منیٰ میں ہر قبیلے کے لوگ اپنے باپ دادا کے کارناموں پر فخر کرتے تھے۔ ﴿3﴾ شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں ذکر سے مراد قیامِ منیٰ کے زمانے کا ذکر ہے۔ ﴿4﴾ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں ہر وقت اور ہر حال میں تکبیر کہتے رہتے تھے رمی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جمار کے وقت تکبیر کہنا اسی میں شامل ہے۔ (بخاری: کتاب العیدین)

سوال 4: ﴿ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴾ پھر لوگوں میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے: "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں دے" اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں" اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے والوں کی دعائیں مختلف کیوں ہو جاتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ دعا انسان کی اندرونی حالت کا اظہار ہے۔ ﴿2﴾ جو شخص دنیا کی چیزوں میں اپنا دل لگا لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ وہ چیز مانگتا ہے جس کی تڑپ لے کر وہاں پہنچتا ہے۔ ﴿3﴾ جو شخص آخرت کے خوف کو دل میں رکھ کر جیتا ہے توجہ کے مقامات پر اس کے دل سے آخرت والی دعائیں نکلتی ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ بعض اعراب یہاں ٹھہر کر صرف یہی دعائیں مانگتے ہیں کہ اللہ اس سال بارشیں اچھی برسا تا کہ غلے اچھے پیدا ہوں اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر: 286/1) محمد بن احمد الانصاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "جاہلیت میں عرب صرف دنیا کی بہتری کے لیے دعائیں مانگتے تھے وہ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی کثرت اور دشمن پر فتح و نصرت کی دعائیں کرتے اور آخرت کی طلب نہ رکھتے، اس لیے کہ آخرت پر ان کا یقین نہ تھا اور نہ وہ اس کی حقیقت ہی سے آشنا تھے۔" (قرطبی)

سوال 5: اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا مانگنا کیسا عمل ہے؟

جواب: دنیا مانگنا دنیا کو ترجیح دینے والا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الاعلیٰ میں فرماتے ہیں: ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴾ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ (الاعلیٰ: 16,17)

سوال 6: ﴿ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴾ "اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں" اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا مانگنے کا انجام کیا ہوگا؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا مانگنے والے کو آخرت میں کوئی اچھا بدلہ نہیں ملے گا۔

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (201) ﴾

"اور ان میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے: "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔" (201)

سوال: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ "اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا" کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿ **رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً** ﴾''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما'' دنیا کی بھلائی سے مراد نیک کام کرنے کی توفیق ہے۔ دنیا کا مال واسباب اس طرح سے طلب کرنا کہ اس میں بھلائی ملے مثلاً عافیت کا حصول، نیک بیوی، کشادہ گھر، فراخ روزی، مفید علم، نیک عمل، برکت والی سواری عزت وآبرو اور دنیا کی تمام آرام دہ چیزیں۔﴿2﴾﴿ **وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً** ﴾''اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما'' آخرت کی بھلائی سے مراد اعلیٰ درجے کی جنت یعنی جنت الفردوس ہے۔ آخرت کی بھلائی کا آغاز موقف کی گھبراہٹ سے نجات ملنے سے ہوتا ہے، پھر حساب کا آسان ہونا، پھر اعمال نامے کا سیدھے ہاتھ میں ہونا اور آخر میں جنت الفردوس میں پہنچنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔﴿3﴾ایسی دعا اس دل سے نکل سکتی ہے جس کے لیے آخرت پہلی ترجیح ہو لیکن دنیا کے معاملات میں بھی رب پر ہی بھروسہ کرتا ہو۔﴿4﴾سب سے بہترین دعا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ جو دنیا میں میرے لیے بہتر ہو وہ دنیا میں عطا کر دے اور جو آخرت میں میرے لیے آپ کے نزدیک بہتر ہو وہ آخرت میں عطا کر دے اور اپنی ناراضی (عذاب) سے بچالے۔ رسول اللہ ﷺ ﴿ **رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ** ﴾ کی دعا طواف کے دوران رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھا کرتے تھے یہی دعا پڑھنی مسنون ہے۔ مختلف چکروں میں جو دعائیں مختص کر لی گئی ہیں وہ خود ساختہ ہیں۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ دعا کرتے تھے ''اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری دے اور آخرت میں بھی بہتری اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچائیے۔'' (صحیح بخاری: 4522) سیدنا انس رضی اللہ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے اس دعا کو نہ چھوڑتے، چنانچہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لیے دعا کریں آپ نے یہی دعا اللّٰھم اتنا فی الدنیا الخ پڑھی پھر کچھ دیر بیٹھے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرانا چاہتے ہو اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آ گئیں۔ (ابن کثیر: 287/1)

﴿ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ** (202) ﴾

''یہی لوگ ہیں جن کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔'' (202)

سوال 1:﴿ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا** ﴾''یہی لوگ ہیں جن کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انہوں نے کمایا'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾اس سے مراد یہ ہے کہ جو مانگا اور جو کیا، آج بھی اور کل بھی وہی ملے گا۔﴿2﴾﴿ **نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا** ﴾''اس میں سے ایک حصہ ہے جو انہوں نے کمایا'' یہ اعمال صالحہ اور ان کی صالح دعاؤں میں سے ان کا حصہ ہے۔ (ایسر التفاسیر: 101) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کی عیادت کی جن کی آواز بہت ہی زیادہ کمزور ہو گئی تھی اور وہ چوزہ کی طرح دبلے ہو گئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرتے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں میں یہ دعا کرتا تھا کہ یا اللہ مجھے جو کچھ سزا آخرت میں دینی ہو وہ دنیا ہی میں دے دیجئے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! تم میں اس کی طاقت نہیں ہے تم نے دعا میں یوں کیوں نہ کہا: (رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ)(انوار البیان:316/1)

سوال 2: ﴿وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ انسان جو بھی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے حساب لینے میں مشکل نہیں وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے حساب لینے کی وجہ سے انسان کو اپنے اعمال کے بارے میں فکر دلائی گئی ہے۔

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ(203)﴾

''اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، پھر جو شخص دو دن میں جلدی کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں، اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً تم اس کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔''
(203)

سوال 1: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ''اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں کیونکہ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اتنے فضل والا ہے جو دوسرے دنوں میں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ (مسند احمد:76/5) ﴿2﴾ ﴿اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ ''اور گنتی کے چند دن'' اس سے مراد ایام تشریق ہیں یعنی 11، 12 اور 13 ذوالحجہ۔ یہ وہ دن ہیں جن میں حج کے باقی تمام مناسک پورے کیے جاتے ہیں۔ ﴿3﴾ ایام تشریق میں رسول اللہ ﷺ کی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ آپ ﷺ ان دنوں میں خاص طور پر تکبیرات پڑھا کرتے تھے۔ بلند آواز میں تکبیرات پڑھنا مسنون ہے۔ یہ تکبیرات صرف فرض نمازوں کے بعد ہی نہیں ہر وقت پڑھی جائیں، کنکریاں مارتے وقت ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھنی مسنون ہے، قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اور فرض نمازوں کے بعد ایام تشریق میں اَللّٰهُ اَكْبَر، اَللّٰهُ اَكْبَر، لَآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْد پڑھنی چاہیے۔

سوال 2: ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ لِمَنِ اتَّقٰی﴾ ''پھر جو شخص دو دن میں جلدی کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے تو اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ﴾ ''پھر جو شخص دو دن میں جلدی کرتا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں منیٰ سے مکہ واپسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خواہ 12ذوالحجہ کو ہو یا 13 ذوالحجہ کو۔ ﴿2﴾ ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ''تو اس پر کوئی گناہ نہیں'' دونوں صورتوں میں حرج کی کوئی بات نہیں۔ ﴿وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ''اور جو تاخیر کرے تو اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں'' اصل اہمیت تعداد میں کمی یا اضافے کی نہیں بلکہ اس کی ہے کہ ان دنوں میں تمہارا رب کے ساتھ کیسا تعلق رہا ہے؟ تم اس کو کیسے یاد کرتے رہے ہو؟ کیسے اس کی بڑائی بیان کرتے رہے ہو؟ کیسے اس سے دعائیں کرتے رہے ہو؟ ﴿3﴾ ﴿لِمَنِ اتَّقٰى﴾ جس نے تقویٰ اختیار کیا جس نے ہر معاملے میں تقویٰ اختیار کیا اس کے لیے ہر معاملے میں حرج کی نفی ہوگئی۔

سوال 3: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً تم اس کی طرف جمع کیے جاؤ گے'' اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو'' اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کے ساتھ اس کے احکامات پر عمل کرو اور اس سے عذاب کے خوف سے اس کے نواہی سے اجتناب کرو۔ ﴿2﴾ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ ''اور جان لو کہ یقیناً تم اس کی طرف جمع کیے جاؤ گے'' حج ختم ہونے کے بعد لوگوں نے گھروں کو واپس جانا ہوتا ہے اس لیے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تمہیں ایک دن اسی کے سامنے جمع ہونا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات، مزدلفہ کی رات اور حج کے مختلف مقامات کے اجتماعات سے آخرت کے بڑے اجتماع یعنی حشر میں اکٹھے ہونے کو یاد دلایا ہے کہ جس اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین میں پھیلایا ہے وہ تمہیں جمع کرے گا اس لیے اس سے خوف کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی شریعت پر کار بند رہو۔ ﴿4﴾ جزا و سزا کا علم تقویٰ کا سب سے بڑا داعیہ ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی ترغیب دلائی ہے۔ حج کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے، عرفات کا اجتماع قیامت کے اجتماع کی ایک تمثیل ہے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (204)﴾

''اور لوگوں میں سے کوئی ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو پسند آتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔'' (204)

سوال 1: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو پسند آتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ہے'' پچھلی آیات میں دو قسم کے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ایک دنیا کا طلب گار اور دوسرا آخرت کا طلب گار۔ اب اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے حال کے بارے میں خبر دی ہے جو زبان سے ایسی بات کرتا ہے کہ اس کا عمل اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''جس کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو پسند آتی ہے'' یعنی جب بات کرتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے تو اس کی بات آپ کو اچھی لگتی ہے اور آپ سمجھتے ہو کہ بڑی نفع مند بات ہے۔﴿3﴾ وہ دنیاوی زندگی اور معاش کے بارے میں حیرت انگیز معلومات رکھنے والا ہے۔(تفسیر منار، اشرف الحواشی:39)﴿4﴾ مصلحت پسند لوگوں کی باتیں سب کو اچھی لگتی ہیں کیونکہ وہ لوگوں کی پسند کو دیکھ کر بات کرتے ہیں۔ایسے شخص کے سامنے کوئی مستقل معیار نہیں ہوتا اس لیے وہ ہمیشہ دوسرے شخص کو متاثر کرنا چاہتا ہے۔وہ یہ نہیں دیکھتا کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے؟ حق کے ساتھ وفاداری نہ ہونے کی وجہ سے وہ دلی جذبے کے بغیر صرف زبان سے خوب صورت باتیں کرتا ہے جو پسند کی جاتی ہیں۔رب العزت کا فرمان ہے:﴿ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ﴾ اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو آپ ان کی بات سنتے رہ جاؤ گے۔(المنافقون:4)﴿5﴾ سنن الترمذی، ابواب الزہد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسے لوگ نکلیں گے جو دین کے ذریعہ دنیا حاصل کریں گے اور تواضع ظاہر کرنے کے لیے بھیڑوں کی کھالوں کے کپڑے پہنیں گے ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی۔اور ان کے دل بھیڑیوں کی طرح ہوں گے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا یہ لوگ میرے حلم سے دھوکہ کھاتے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں۔میں اپنی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان لوگوں پر ان ہی میں سے ایسا فتنہ بھیجوں گا جو ان میں ہوش مند، عقل والا ہوگا اسے بھی حیران کردے گا۔(ابن ابی حاتم:364/1)﴿6﴾ کلام انسان کو بلندی بھی عطا کرتا ہے اور پستی میں بھی گرادیتا ہے۔

سوال2: ﴿ وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ﴾ ''اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَيُشْهِدُ اللَّهَ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے مثلاً سدی نے کہا: وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں اور میرا ارادہ ہے کہ اسلام لے آؤں وغیرہ۔(جامع البیان:354/2)﴿2﴾﴿ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ﴾ جو اس کے دل میں ہے اس کے بارے میں وہ خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ دل میں ہے اسی کا زبان سے اظہار کر رہا ہوں حالانکہ وہ اس بارے میں جھوٹا ہوتا ہے اگر وہ سچا ہوتا تو اس کی بات اس کے عمل کی مخالفت نہ کرتی۔﴿3﴾ یعنی وہ آپ کے سامنے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے دل میں جو کفر اور نفاق ہے اللہ تعالیٰ اسے کھول دیتے ہیں۔(تفسیر قاسمی:168/3)﴿4﴾ دو چہروں والے انسان قسمیں کھاتے ہیں تاکہ خود کو سچا ثابت کرسکیں ان کی جھوٹی قسموں کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:''جب منافق تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہو۔اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً منافقین جھوٹے ہیں۔انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔پھر وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں۔یقیناً بہت برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔''(المنافقون:1,2)

سوال3: اپنی نیک نیتی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرانے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ منافق کے پاس چونکہ کردار کی حجت نہیں ہوتی اس وجہ سے ہر قدم پر قسم کو بطور دلیل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے، جھوٹا آدمی اپنی نفسیاتی کمزوری کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ مخاطب اس کی بات اس وقت تک باور نہیں کرے گا جب تک کہ وہ اس کو قسم کھا کر یقین نہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دلائے۔(تدبر القرآن:494)《2》اپنی نیک نیتی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے خلوص میں کسی کو کوئی شبہ نہ رہے۔

سوال 4:《وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ》''حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ》''حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے''《أَلَدُّ》کے معنی ٹیڑھے کے ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:《وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا》اوران لوگوں کو اس کے ساتھ ڈرائیں جو سخت جھگڑالو ہیں۔(مریم:97) منافق بھی جھگڑے میں سیدھی بات پر نہیں رہتے حق سے ہٹ جاتے ہیں اور الزام تراشی کرتے ہیں۔《2》یعنی ایسے کسی شخص سے جب بحث کریں تو اس میں تعصب، کج بحثی، سرکشی، اور سخت جھگڑالو پن نظر آتا ہے جب کہ ان کے معاملے میں مومن بردبار، نرم مزاج اور آسان ہوتا ہے۔《3》سخت جھگڑالو سے مراد ایسا شخص ہے جو جھگڑے میں بدکلامی پر اتر آئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہے۔''(صحیح بخاری:4523)《4》سخت جھگڑالو سے مراد منافق ہے۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں (الف) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔(ب) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔(ج) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔(مسلم:211، بخاری:2682) اور دوسری حدیث میں ہے کہ منافق آدمی جب جھگڑتا ہے تو بدکلامی پر اتر آتا ہے۔(مسلم:34)

《وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (205)》

''اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں کوشش کرتا ہے کہ فساد پھیلائے اور وہ کھیتوں اور نسلوں کو برباد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''(205)

سوال 1:《وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا》''اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں کوشش کرتا ہے کہ فساد پھیلائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《وَإِذَا تَوَلَّىٰ》''اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے'' یعنی جب آپ کے پاس ہوتا ہے تو اس کی باتیں آپ کو اچھی لگتی ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے لوٹ کر جاتا ہے۔《سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا》''تو زمین میں کوشش کرتا ہے کہ فساد پھیلائے'' وہ گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہے جن سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔

سوال 2: ایسا کیوں ہوتا ہے کہ کوئی اصلاح کی بات کرنے والا ہو اور عملی سرگرمیاں فساد کا باعث بن جائیں؟

جواب:《1》 یہ تضاد ہے۔نتائج عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔الفاظ حق پرستی کے اور عمل مفاد پرستی کا، اسی وجہ سے قول وفعل میں تضاد پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے دوسروں کا استحصال ہوتا ہے اور یہی فساد ہے۔《2》منافق کی باتیں ٹیڑھی اور جھوٹی ہوتی ہیں۔اس کا عقیدہ گندہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اعمال گھناؤنے ہوتے ہیں۔ منافقوں کی دو عملی سرگرمیاں ہوتی ہیں: (i) زمین میں فساد پھیلانا۔ (ii) کھیتوں اور نسلوں کو برباد کرنا۔

سوال 3: زمین میں فساد کیسے پھیلایا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شرک سے۔ ﴿2﴾ پروپیگنڈا سے۔ ﴿3﴾ ذاتی فائدے کی خاطر دوسروں کا استحصال کرنے سے جیسے اشتہارات میں ہر چیز کو مفید، ضروری، ناگزیر اور بہترین بنا کر دکھایا جاتا ہے، یوں وہ چیز بنانے اور بیچنے والوں کا فائدہ ہوتا ہے اور باقی سب دھوکے میں آجاتے ہیں۔ ﴿4﴾ اپنی قیادت کی خاطر پوری قوم کو داؤ پر لگا دینا، اپنے اقتدار کے دوام کے لیے قوم کو بے راہ رو اور غلام بنا دینے تک سے گریز نہ کرنا۔ ﴿5﴾ اپنے مفاد کی خاطر ایسی سرگرمیاں جاری رکھنا جو صرف تخریب پیدا کرنے والی ہوں مثلاً اخبار بیچنے کے لیے ایسے مضامین، ایسی خبریں، ایسے اشتہارات دینا جو قوم کو اس کے نظریے سے دور ہٹا دینے والے ہوں۔ اسی طرح کسی چینل پر ایسے پروگرام دینا کہ لوگوں کو بھلی باتوں کا ہوش ہی نہ رہے۔ خیر، نیکی اور خدمت خلق کے کاموں کی بجائے صرف شہوت پرستی میں مبتلا رہیں۔ اپنے اقتدار کی خاطر عوام کو ایسی سرگرمیوں میں مصروف رکھنا جیسے مختلف قسم کے تہوار، بسنت، ویلنٹائن ڈے وغیرہ تاکہ لوگوں کی توجہ قیادت کی طرف سے ہٹ جائے، ان کی سرگرمیوں اور ان کے فیصلوں کی طرف سے ہٹ جائے اور یوں قیادت کو دوام ملے چاہے قوم کے نقصان کی بنیاد پر ملے۔ ﴿6﴾ کسی مصیبت پر فلاح و بہبود کے نام پر بے حیائی کو فروغ دینے والے پروگرامز کروانا۔ یہ سب فساد پھیلانے کے طریقے ہیں۔

سوال 4: ﴿ وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ﴾ ''اور وہ کھیتوں اور نسلوں کو برباد کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ منافق کی باتیں میٹھی اور افعال بدترین ہوتے ہیں کیونکہ اس کا عقیدہ خراب ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ یہاں سعی سے مراد منافقوں کے کام میں فساد کرنا، کھیتوں اور نسلوں کو برباد کرنا ہے۔ ﴿3﴾ زمین میں فساد کے باعث کھیتیاں، باغات اور مویشی تباہ ہو جاتے ہیں یا ان میں کمی ہو جاتی ہے۔ ﴿4﴾ عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ'' میں نسل سے مراد جانور ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿5﴾ گناہوں کے سبب بھی کھیتوں اور نسلوں سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

سوال 5: آج کے دور میں کھیت کیسے خراب کیے جا رہے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ کیمیائی کھادوں کے ذریعے۔ ﴿2﴾ زمین کے فطری نظام کو بگاڑنے کے ذریعے خراب کیے جا رہے ہیں۔

سوال 6: آج کے دور میں نسل انسانی کیسے تباہ کی جا رہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ آبادی کی منصوبہ بندی کے ذریعے نسل انسانی کی تعمیر کرنے والی ماؤں کی ذہنی اور جسمانی صحت کو متاثر کر کے۔ ﴿2﴾ اخلاق برباد کر کے۔ ﴿3﴾ تعمیری کاموں کی طرف سے توجہ ہٹا کر۔

سوال 6: ﴿ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا یعنی شرک کو کھیتوں اور نسلوں کی تباہی کو کیونکہ ان پر مخلوق کی زندگیوں کا انحصار ہے۔ ﴿2﴾ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ جو یہ کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بھی ناپسند کرتے ہیں خواہ زبان سے کتنی ہی اچھی باتیں کرے۔ ﴿3﴾ انسان کے قول کی تصدیق اس کا عمل کرتا ہے جب تک عمل گواہی نہ دے زبان کی بات قبول نہیں کی جاسکتی۔

﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ‌ؕ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ (206) ﴾

”اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو اس کی عزت اسے گناہ کے ساتھ پکڑ لیتی ہے، چنانچہ اس کے لیے جہنم کافی ہے اور یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔“ (206)

سوال 1: ﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ ﴾ ”اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو اس کی عزت اسے گناہ کے ساتھ پکڑ لیتی ہے“ انسانوں کے برے کردار منافق کو نصیحت کی جائے تو وہ کیوں سخت بگڑتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ ﴾ ”اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو“ جب زمین میں گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعے فساد پھیلانے والے سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو تکبر کرنے لگتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ ﴾ ”اس کی عزت اسے گناہ کے ساتھ پکڑ لیتی ہے“ اس سے مراد ہے کہ عزت کا احساس یعنی غرور، انانیت اور تکبر اسے گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی یہ شخص میٹھی باتیں کرنے والا تھا۔ دیکھنے میں بھی اچھا لگتا تھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتا تھا اور پاس بیٹھ کر اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اور اس پر قسمیں کھاتا تھا اور اندر سے منافق تھا۔ رسول اللہ ﷺ (اس کی ظاہری باتوں کی وجہ سے) اسے قریب بٹھاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معالم التنزیل:179/1) ﴿3﴾ نصیحت میں اسے اپنی عزت کا بت ٹوٹتا نظر آتا ہے۔ وہ سخت بگڑتا ہے کہ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کی جرأت کیسے ہوئی! ﴿4﴾ گناہ اور نافرمانی اکٹھی ہو جاتی ہیں اس کے اندر نصیحت کرنے والوں کے خلاف متکبرانہ رویے، اپنی ذات کی بڑائی کا احساس، حق کی دعوت دینے والے کے سامنے جھکنے سے روکتا ہے، اس لیے کہ داعی کو وہ اپنے سے چھوٹا سمجھتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑے گناہوں میں داخل ہے کہ انسان سے کہا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو وہ الٹا نصیحت کرنے والے کو ڈانٹ دے کہ تم اپنی نبیڑو، تم کون ہوتے ہو نصیحت کرنے والے!“ (فتح القدیر)

سوال 2: اپنے وقار کا خیال انسان کو گناہ پر کیسے جما دیتا ہے؟

جواب: متکبر کو نصیحت کی جائے تو وہ سوچتا ہے کہ اسے نیکی کی طرف متوجہ کرنے والے کون لوگ ہیں؟ کیا یہ لوگ اسے ہدایت دے رہے ہیں؟ یہ سوچ اسے نیکی، انصاف اور حق پر نہیں بلکہ گناہ پر جما دیتی ہے۔ وہ گناہ کو نیکی سمجھنے لگتا ہے اور حق کے مقابلے میں اکڑنے لگتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ڈھٹائی پر اتر آتا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: انسانیت کی بری تصویر کیسے لوگوں پر منطبق ہوتی ہے؟

جواب: انسانیت کی بری تصویر اس پر منطبق ہوتی ہے ﴿1﴾ جو دو چہروں والا منافق ہو۔ ﴿2﴾ جو چرب زبان ہو۔ ﴿3﴾ جو سخت جھگڑالو ہو۔ ﴿4﴾ جس کی فطرت خراب ہو چکی ہو۔ ﴿5﴾ جو نمائش کے لیے سب کچھ کرنے والا ہو۔ ﴿6﴾ جو اپنی ذات اور اپنی زندگی کو محور و مرکز بنانے والا ہو۔

سوال 4: ﴿فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ ''چنانچہ اس کے لیے جہنم کافی ہے اور یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے'' اللہ تعالیٰ نے برے کردار کے انسان ''منافق'' کے لیے جہنم کو کافی قرار دیا، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ﴾ ''چنانچہ اس کے لیے جہنم کافی ہے'' جہنم تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ ہے۔ ﴿2﴾ ﴿وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ ''اور یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے'' جو لوگ گناہ کو وطیرہ بنالیں، حق کے ساتھ دشمنی کریں اور فساد برپا کریں، ان کے بارے میں رب کا فیصلہ ہے کہ بس جہنم ہی ان کے لیے کافی ہے جو دل کو جلا ڈالے گی، اس کی جلن دل سے چیخیں نکالے گی، جلا کر راکھ کر دے گی۔ یہی آگ ان کا علاج ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ جہاں وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے اور اس میں کچھ بھی کمی نہیں کی جائے گی۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ(207)﴾

''اور لوگوں میں سے کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں اپنی جان تک بیچ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد نرمی کرنے والا ہے۔'' (207)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: یہ آیت سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ مکہ میں اسلام لائے، ہجرت کی تیاری کی تو لوگوں نے کہا: تم اپنی دولت کے ساتھ نہیں جا سکتے، اگر جانا چاہتے ہو تو دولت یہاں چھوڑ دو اور انہوں نے تمام دولت ان کے حوالے کر دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ان کے حق میں نازل کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ملاقات ان سے حرہ کے گردونواح میں ہوئی، انہوں نے کہا: سودا نفع بخش ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ''صہیب رضی اللہ عنہ نے اس سودے میں بہت ہی نفع کمایا۔'' (ابن کثیر: 290/1)

سوال 2: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں اپنی جان تک بیچ دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَمِنَ النَّاسِ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ہے'' لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اللہِ ﴾ ''جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں اپنی جان تک بیچ دیتا ہے'' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور ثواب کی امید پر اپنی جانوں کا سودا کر لیا۔ اس کی مثال رسول اللہ ﷺ کے ساتھی ہیں۔ سیدنا جابر بن انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے غزوۂ احد کے موقع پر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں قتل کر دیا گیا تو میں کہاں جاؤں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں'' انہوں نے کھجور پھینک دی جوان کے ہاتھ میں تھی لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (صحیح بخاری:4046) ﴿3﴾ قیس نے بیان کیا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا' اگر آپ نے مجھے اپنے لئے خریدا ہے تو پھر اپنے پاس ہی رکھئے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے خریدا ہے تو پھر مجھے آزاد کر دیجیے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں عمل کرنے دیجیے۔ (صحیح بخاری:3755) ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں اپنی جان کو بیچنے والے کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے جس کی تلاش میں وہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ ﴿5﴾ ﴿یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ﴾ ''اپنی جان تک بیچ دیتا ہے'' ﴿یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ﴾ کا مفہوم اگر ''اپنی جان کا خریدنے والا'' لیا جائے تو اس سے مراد یہ بنتی ہے کہ اس نے دنیا کے غلام نفس کو خرید لیا اور خرید کر آزاد کر دیا، اللہ تعالیٰ کے سامنے خالص کر کے پیش کر دیا۔ اب اس نفس پر اس کا نہیں اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ایسا شخص دنیا کی ساری اغراض اور تمام مقاصد کو قربان کر دیتا ہے اور اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے لیے پیش کر دیتا ہے۔ ﴿6﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کر دیا تو رب العزت نے فرمایا: ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ (المجادلہ:22)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں اپنی جان کو کیسے فروخت کیا جاتا ہے؟

جواب: رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں کہ یقیناً اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ (التوبہ:111) اس معاہدے میں خریدار اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور معاوضے میں سب سے جلیل القدر چیز جنت ہے اور معاوضے کے بدلے میں خرچ کی گئی قیمت وہ جان و مال ہے جو انسان کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم کتابوں میں یہ معاہدہ تحریر کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں اپنی جان کو کیسے فروخت کیا جاتا ہے؟ ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں اپنے خیالات کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو قبول کر کے اپنی مرضی کو فروخت کیا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنی من پسند عادات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ عادات اپنا کر اپنی جان کو فروخت کیا جاتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں اپنا مال اس کے کلمے کی بلندی کے لیے لگا کر اپنی جان کو فروخت کیا جاتا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خالص دین اختیار کر کے اور ان رسوم ورواج کو چھوڑ کر جن کو دین کے نام پر جاری رکھا ہوا تھا، اپنی جان کو فروخت کیا جاتا ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی تلاش میں مصلحت پرستی چھوڑ کر اعلانیہ حق کو اپنا کر اپنی جان کو فروخت کیا جاتا ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خالص دین اختیار کرنے کے لیے لوگوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عتاب کا نشانہ بن کر، اپنی جان کو فروخت کیا جاتا ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو تلاش کرنے والا کیسی زندگی گزارتا ہے؟

جواب: اپنی سوچ، اپنے جذبوں اور اپنے عمل کا محور و مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کو بناتا ہے۔ اس کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے میں گزرتی ہے۔

سوال 5: انسانیت کا عمدہ نمونہ یا دوسری تصویر کیسے لوگوں پر منطبق ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو خالص ایمان والا ہو۔ ﴿2﴾ جو اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہو۔ ﴿3﴾ جس نے دنیا کے مقاصد کو چھوڑ دیا ہو۔ ﴿4﴾ جس نے اپنی زندگی، اپنا مال، اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا ہو۔

سوال 6: ﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد نرمی کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ایسے بندوں کے لیے جو اس کی رضا کے لیے اپنی جانیں بیچ ڈالتے ہیں اپنی شفقت و رحمت کی خبر دی ہے جو اس نے اپنے اوپر واجب کر لی ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (208)﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (208)

سوال 1: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے لوگو جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کی ہے۔ یہاں ایمان والوں سے مراد اہل کتاب مومن ہیں، اگرچہ وہ مومن ہو چکے تھے لیکن تورات کی چند باتوں اور سابقہ شریعت پر عمل پیرا تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمان ہوئے ہو تو شریعت محمدیہ ﷺ کی ہر چھوٹی اور بڑی بات مانو۔ (ابن ابی حاتم) ﴿2﴾ اس سے مراد ہے اسلام کو مکمل طور پر اپنا لیں۔ ﴿3﴾ ﴿ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ جو دین چھوڑا ہے اس کی باتوں کو اسلام میں شامل نہ کریں۔ ﴿4﴾ اس سے مراد ہے کہ جو احکامات مصلحت اور خواہشات کے مطابق نہ بھی ہوں ان کو بھی اپنا لیں۔ اسلام میں پورے داخلے کے حکم سے ہر مسلمان سے یہ مطالبہ ہے کہ [i] وہ مخلص ہو جائیں۔ [ii] اللہ تعالیٰ کے ہو جائیں۔ [iii] دلی جذبات اور شعور کے میلانات و رجحانات کو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے آگے جھکا دیں۔ [iv] ہر چھوٹا بڑا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیں۔ [v] بغیر کسی مصلحت کے اسلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو اپنائیں۔[vi] تحفظات کی پرواہ کئے بغیر اسلام کو اپنائیں۔[vii] اسلام جسے اپنانے کے لیے کہے اسے اپنائیں، جسے چھوڑنے کے لیے کہے اسے چھوڑ دیں۔

سوال 2: اسلام اختیار کرنے کی عام صورت کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلام اختیار کرنے کی عام صورت یہ ہے کہ اسلام کو صرف اس حد تک اختیار کیا جائے جس حد تک کسی کی زندگی سے نہ ٹکراتا ہو۔ ﴿2﴾ اسلام کو صرف اس حد تک لیا جائے جو مفید یا کم از کم بے ضرر ہو اور اس اسلام کو چھوڑ دیا جائے جو کسی کے پسندیدہ عقائد، پسندیدہ عادات، ذاتی عزت اور دنیا کے فائدوں کو مجروح کرتا ہو۔

سوال 3: مومن اسلام میں پورا داخل ہوتا ہے تو کیسی دنیا میں قدم رکھتا ہے؟

جواب: مومن شرح صدر کے ساتھ جب پورے طور پر اسلام میں قدم رکھتا ہے تو وہ ایسے جہان میں داخل ہو جاتا ہے جس میں اطمینان ہے، سکون ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، جہاں نہ فساد ہے، نہ گمراہی ہے، نہ حیرانی ہے، نہ پریشانی ہے، جہاں انسانی نفس کے چھپے ہوئے حصوں تک میں بھی سکون ہوتا ہے، جہاں انسان کی ظاہری اور اجتماعی زندگی میں سکون ہوتا ہے۔

سوال 4: اسلام میں پورے پورے داخلے کا مومن کے دل پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: جب مومن ایک اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرتا ہے تو وہ مستقلاً اس پر جم جاتا ہے، اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اب اس کا ایک راستہ ہے، ایک قبلہ ہے۔ اب اسے کسی جھوٹی قوت کا کوئی ڈر نہیں، کسی چیز کا خوف نہیں، نہ کسی چیز کی محرومی کا اور نہ کسی طاقت کا۔

سوال 5: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ ''اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا﴾ اور پیروی نہ کرو کیونکہ شیطان پیروی کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ شیطان کے قدم اس کے ڈالے ہوئے وسوسے ہیں۔ بندہ جب دین کے سارے احکامات پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو وہ انسان کے دل میں اپنی خواہش کی محبت کو بے دار کرتا ہے اور بندہ اس خواہش کی طرف مائل ہو جاتا ہے، پھر یوں ہوتا ہے کہ جو حکم خواہش کے مطابق ہوتا ہے انسان اس پر عمل کر لیتا ہے اور جو خواہش کے خلاف ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لیے رب العزت نے فرمایا شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو یعنی دل میں ابھرنے والے وسوسوں کے پیچھے نہ چلو۔ اس کے ڈالے ہوئے وسوسوں اور شبہات کی وجہ سے قرآن وسنت کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار نہ کرو کیونکہ وہ شیطان کا راستہ ہوگا۔

سوال 6: شیطان کے قدموں کے پیچھے کیسے چلا جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شیطان کے قدم اس کے ڈالے ہوئے وسوسے ہیں وہ اسلام کے خلاف وسوسے ڈالتا ہے، رسوم ورواج اور برائیوں کو خوب صورت بنا کر دکھاتا ہے۔ ﴿2﴾ شیطان بے حیائی اور برائی کی طرف لے جاتا ہے ایسے خیالات کے پیچھے چلنا شیطان کے قدموں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پیچھے چلنا ہے۔﴿3﴾شیطان کے قدم ہمیشہ اسلام کے مخالف اٹھتے ہیں خواہ وہ رسوم ورواج کی پابندی ہو یا خلاف اسلام کوئی جدید سلسلہ ہو اس لئے اسلام کے خلاف کوئی کام کرنا دراصل شیطان کے قدموں کے پیچھے چلنا ہے۔﴿4﴾شیطان انسان کو برائیاں خوب صورت بنا کر دکھاتا ہے۔ برائی کی طرف راغب ہونے والی ہر سوچ دراصل شیطان کا جال، شیطان کا قدم ہے۔ اس لئے برائی سوچنا اور برائی کرنا دراصل شیطان کے قدموں کے پیچھے چلنا ہے۔﴿5﴾شیطان کے قدموں کے پیچھے چلنے والا اسلام کو چھوڑ کر دوسرے نظام ہائے زندگی کی پیروی کرتا ہے۔﴿6﴾شیطان کے قدموں کے پیچھے چلنے والا اسلامی طریقوں کو چھوڑ کر غیر اسلامی طریقوں کو اپناتا ہے۔﴿7﴾ شیطان کے قدموں کے پیچھے چلنے والا اسلامی طرز زندگی کی بجائے غیر مسلموں کا لائف سٹائل اپناتا ہے۔﴿8﴾شیطان کے قدموں کے پیچھے چلنے والا عبادات کو سنت کے مطابق انجام نہیں دیتا۔

سوال 7: ﴿ **إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ** ﴾''یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾شیطان سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔﴿2﴾دشمن سے ہر کوئی بچنا چاہتا ہے اس لیے اپنے دشمن سے بچ جاؤ۔ اپنی خواہشات کو دین کے تابع کرلو۔ بھلائی کے کام کرو، جن کاموں پر قدرت نہ ہو ان کے لیے بھی کوشش کرو۔﴿3﴾دین میں مکمل طور پر داخل ہونا شیطان کی دشمنی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے کہ وہ تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے اپنا دشمن بنا لو۔

﴿ **فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ**(209)﴾

''پھر اگر اس کے بعد تم پھسل گئے کہ تمہارے پاس واضح دلائل آچکے تھے تو جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''(209)

سوال 1: ﴿ **فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** ﴾''پھر اگر اس کے بعد تم پھسل گئے کہ تمہارے پاس واضح دلائل آچکے تھے تو جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ **فَإِن زَلَلْتُم** ﴾شیطان انسان کو برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوتاہی ہو جائے، تم گناہ میں پڑ جاؤ۔﴿2﴾﴿ **مِّن بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ** ﴾''اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلائل آچکے تھے''، یعنی علم کے واضح دلائل آنے اور ان پر یقین کرنے کے بعد۔﴿3﴾﴿ **فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** ﴾''تو جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' اس آیت میں سخت وعید اور تخویف ہے جو لغزشوں کو ترک کرنے کی موجب ہے کہ جب نافرمان لوگ اس غالب اور حکمت والی ہستی کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ نہایت قوت کے ساتھ انہیں پکڑتی ہے اور اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق انہیں سزا دیتی ہے کیونکہ نافرمانوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور مجرموں کو سزا دینا اس کی حکمت کا تقاضہ ہے۔(تفسیر سعدی:252/1)

سوال 2: واضح دلائل آنے کے بعد صحیح راستے پر نہ چلنے والا کیسے پھسلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ پھسلنے سے مراد لغزش کھانا، ڈگمگانا ہے۔ ﴿2﴾ ایسا انسان جب مصلحتوں کے پیچھے بھاگتا ہے تو پھسلتا ہے۔ ﴿3﴾ ایسا انسان تحفظات کا خیال رکھتا ہے تو پھسلتا ہے۔ ﴿4﴾ ایسا انسان دینی ذمہ داریوں سے فرار کے راستے تلاش کرتا ہے تو پھسلتا ہے۔

سوال 3: ''جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' کے ذریعے کیسے ذہنی تیاری کی جا رہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ ﴿عَزِيزٌ﴾ سب پر غالب ہے۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی خلاف ورزی کی، مصلحتوں کے پیچھے بھاگے تو اس کی قوت اور غلبے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ﴿2﴾ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے خلاف دینی ذمہ داریوں سے فرار کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ﴿3﴾ اگر تم نے دینی ذمہ داریوں سے رکنے کے لئے تحفظات کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبے کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ ﴿حَكِيمٌ﴾ ''کمال حکمت والا ہے'' اس نے تمہارے لیے وہ نظام زندگی تجویز کیا ہے جو بہتر ہے اور جس سے اس نے تمہیں روکا ہے وہ دراصل تمہارے لیے برا ہے۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پھسلنے سے بچانے کے لئے اپنی صفات عَزِيزٌ اور حَكِيمٌ کا شعور دلایا ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت عزیز کا شعور دلایا ہے کہ وہ غالب ہے۔ اس کا انسان کی زندگی پر، اس کی قوتوں، صلاحیتوں پر، اس کے رزق پر ہر چیز پر غلبہ ہے لہٰذا پھسلنے سے بچ جاؤ پھسل بھی گئے تو آنا تو رب کے پاس ہے۔ اس طرح اس کے غلبے کا شعور انسان کو پھسلنے سے بچاتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حکیم کا شعور دلا کر انسان کو پھسلنے سے بچایا ہے کہ اس کا کوئی حکم، حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس نے شیطان کی دشمنی کی حقیقت بھی کھول دی ہے، اعمال کا انجام بھی واضح کر دیا ہے اس لئے پھسلنے سے بچ جاؤ۔

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (210)﴾

''وہ انتظار نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آئیں اور کام پورا کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جاتے ہیں۔''(210)

سوال 1: ﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ ''وہ انتظار نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آئیں اور کام پورا کر دیا جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿هَلْ يَنظُرُونَ﴾ لوگوں کے انتظار سے مراد قیامت کا انتظار ہے۔ ﴿2﴾ ﴿إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ﴾ ''مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آئیں'' دنیا میں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی آمد کا انتظار ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿3﴾﴿ وَ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ﴾ ''اور کام پورا کر دیا جائے'' غیبی حقائق کے ظاہر ہونے کے بعد کا اسلام قابل قبول نہیں۔یعنی ایسی نشانی کے انتظار میں جس سے انہیں قطعی اور حتمی طور پر بات کا یقین آ جائے،ایسا یقین جیسے ہر انسان کو یہ یقین ہے کہ اسے موت آ کر رہے گی تو اسے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جب ایسی نشانی آ جائے گی تو پھر ایمان لانے کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی،ایمان لانے کی قدر و قیمت تو بس اسی وقت تک ہے جب تک کہ امور غیب حواس ظاہری سے پوشیدہ ہیں۔(تیسیر القرآن)

سوال 2: اس آیت کے ذریعے کافروں کو کس چیز کی دعوت دی جا رہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں کافروں کو ڈرایا گیا کہ نبی رحمت ﷺ پر ایمان کیوں نہیں لاتے،کیا قیامت کا انتظار ہے جس دن اگلے پچھلے لوگوں کے فیصلے کر دیئے جائیں گے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا۔رب العزت کا فرمان ہے: ہرگز نہیں! جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے بھی صف در صف آ جائیں گے۔اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا،اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب اس کے لیے نصیحت کہاں؟ (الفجر:21,23) ﴿2﴾ کافروں کو ڈرایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو نیک اعمال کا وقت ختم ہو جائے گا۔

سوال 3: جو لوگ پورے کے پورے اسلام میں داخل نہیں ہوتے،ان کے احساس کو مہمیز لگانے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے جھنجھوڑا ہے کہ کس چیز کا انتظار ہے؟ کسی خوف ناک دن کا انتظار ہے کیا؟ کیا ایسے دن کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کا چھتر لگائے ہوئے آئے،فرشتے صفیں باندھے ہوئے آئیں،کوئی بات نہ کر پائے مگر جسے بات کرنے کی اجازت ملے اور وہ بات بھی صحیح کر رہا ہو اور وہ دن دور ہی کب ہے؟ فیصلہ ہو گیا،فرصت کا وقت ختم ہو گیا،کامیابی مشکل ہو گئی۔سوچ لو آخر کار سارے معاملات کو پیش تو اسی کے حضور ہونا ہے۔کب تک پیچھے رہو گے؟ کب تک سلامتی میں داخل نہ ہو گے؟ دیکھو سلامتی قریب ہے،یہ دنیا کی سلامتی بھی ہے اور آخرت کی سلامتی بھی۔آؤ! قدم بڑھاؤ! خوف نہ کھاؤ! ہاتھ تھاموں گا،تمہیں چلا لوں گا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَ اِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سارے معاملات لوٹائے جاتے ہیں'' سے کس طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ سارے کام چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پورا پورا حساب لینا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دینی ہے اس لئے فوراً اسلام قبول کر لو،اللہ تعالیٰ کے آگے جھک جاؤ تاخیر نہ کرو۔یہ سخت وعید ہے۔کیا شیطان کی پیروی کرنے والے اس دن کے انتظار میں ہیں جو ہولناک ہوگا اور ظالموں کے دل دہلا دے گا اور جس میں فساد کرنے والوں کو پورا بدلہ دیا جائے گا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکوع نمبر 26

﴿سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ(211)﴾

''آپ بنی اسرائیل سے پوچھو: ہم نے انہیں کتنی ہی کھلی نشانیاں دیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ وہ اس کے پاس آ چکی ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا والا ہے۔''(211)

سوال1:﴿سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ﴾''آپ بنی اسرائیل سے پوچھو: ہم نے انہیں کتنی ہی کھلی نشانیاں دیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿سَلْ﴾ آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں۔﴿2﴾﴿كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ﴾''ہم نے انہیں کتنی ہی کھلی نشانیاں دیں'' وہ نشانیاں جو حق پر دلیل ہیں، رسولوں کی صداقت پر گواہ ہیں۔ ہم نے انہیں کتنی ہی آیات دیں اور انہوں نے پہچان لیا، انہیں یقین آ گیا مگر انہوں نے نعمت کی ناشکری کی۔

سوال2: بنی اسرائیل سے سوال کرنے کو کیوں کہا گیا؟

جواب: سوال سے توجہ دلائی گئی ہے تاکہ مسلمان بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت حاصل کریں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ان کے پاس کس قدر دلائل بھیجے گئے لیکن وہ ان سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے ان کو تبدیل کر کے گمراہی اور ہلاکت میں پڑ گئے جس کے نتیجہ میں انہیں دنیا میں بھی سزا ملی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکیں گے۔

سوال3: سوال کے لیے بنی اسرائیل کا انتخاب کیوں کیا گیا؟

جواب:﴿1﴾ آثار قدیمہ کی نسبت ایک جیتی جاگتی قوم زیادہ بہتر سامان عبرت ونصیحت ہے۔﴿2﴾ بنی اسرائیل کو کتاب اور نبوت عطا کر کے قوموں کی راہ نمائی کا فریضہ سونپا گیا تھا لیکن انہوں نے دنیا پرستی کی، علم اور عمل کا راستہ چھوڑ دیا، امت مسلمہ کو ان سے بہتر سبق کسی اور سے نہیں مل سکتا۔

سوال4:﴿وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدل دے'' اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾﴿وَمَنْ يُّبَدِّلْ﴾ اور جو بدل دے۔﴿2﴾﴿نِعْمَةَ اللّٰهِ﴾ اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی اسلام کو۔ انہوں نے کفران نعمت سے نعمت کو بدل ڈالا۔﴿3﴾ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت اسلام کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے سامنے سر نہ جھکایا، نہ دلائل نے انہیں مطمئن کیا، نہ ہی معجزات نے اور نہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی سے فائدہ اٹھایا۔﴿4﴾ انہوں نے ایمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بدلے کفر کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن گئے۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے کفرانِ نعمت کو ''نعمت کی تبدیلی'' کیوں کہا؟

جواب: کفران کو ''نعمت کی تبدیلی'' اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو کوئی دینی یا دنیاوی نعمت عطا کرتا ہے اور وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا اور اس کے واجبات کو ادا نہیں کرتا تو یہ نعمت اضمحلال کا شکار ہو جاتی ہے اور اس کے پاس سے چلی جاتی ہے اور کفر اور معاصی اس کی جگہ لے لیتے ہیں اس طرح گویا ''کفر'' نعمت کا بدل ہو گیا اور جو کوئی اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہے اور اس کے حقوق کو ادا کرتا ہے تو نعمت نہ صرف ہمیشہ برقرار رہتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس نعمت میں اضافہ کر دیتا ہے۔(تفسیر سعدی:255/1)

سوال 6: ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت سخت سزا والا ہے'' اللہ تعالیٰ کن کے لیے بہت سخت سزا والا ہے؟

جواب: نعمت بدلنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ سخت سزا والا ہے۔

سوال 7: یہاں اس سے کون سی سزا مراد ہے؟

جواب: یہاں اس سزا سے مراد آخرت سے پہلے دنیا کی سزا ہے، چاہے یہ بے چینی اور بے اطمینانی کی صورت ہو یا کسی اور نوعیت کے عذاب کی صورت ہو۔ ربّ العزت کا ارشاد ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝٢٨ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتار دیا؟ جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے۔(ابراہیم:28,29)

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے اپنے ﴿شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ''بہت سخت سزا والا ہے'' ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایمان کی نعمت چھوڑ کر کفر اختیار کرنے سے روکنے کے لئے اپنے ''بہت سخت سزا والا'' ہونے کا شعور دلایا ہے۔

﴿زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ۘ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾(212)

''دنیا کی زندگی ان کے لئے خوشنما بنا دی گئی جنہوں نے کفر کیا اور وہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو ایمان لائے، حالانکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے وہ قیامت کے دن ان سے بلند ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔''(212)

سوال 1: ﴿زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ''دنیا کی زندگی ان کے لئے خوشنما بنا دی گئی جنہوں نے کفر کیا اور وہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿زُيِّنَ﴾ خوش نما بنا دی۔ ﴿2﴾ ﴿لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا، اس کے رسولوں کا کفر کیا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر نہیں کی۔ ﴿3﴾ ﴿الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ ان کے سامنے دنیا کی زندگی خوش نما بنادی ہے وہ اس دنیا میں مگن ہیں۔ان کی خواہشات، ارادے اور اعمال دنیا کے لیے ہو جاتے ہیں۔ ﴿4﴾ ﴿وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور وہ ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو ایمان لائے'' دنیا کے لیے بھاگتے ہیں، دنیاداروں کی عزت وتکریم کرتے ہیں اور ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے۔

سوال 2: دنیا کی زندگی خوش نما کیسے بنادی جاتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جن لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی خوش نما بنادی جاتی ہے انہیں دنیا کی چیزیں بھلی لگنے لگتی ہیں، نظر دنیا کی چیزوں پر ٹکی رہتی ہے آگے بلند مقاصد تک نہیں جاتی۔ ﴿2﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا مال جمع کرتے ہیں اور اس کے راستے میں خرچ کرکے اس کی رضا حاصل نہیں کرتے۔ ﴿3﴾ کفر کرنے والے دنیا کی محبت کی بنا پر ہی رب کے حکم کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿4﴾ کفر کرنے والوں کی دل چسپی کے لئے دنیا کی زندگی کو خوش نما بنا دیا جاتا ہے تاکہ ان کی ساری سرگرمیاں، ان کا وقت، ان کی زندگی دنیا کے لئے ہی برباد ہو جائے۔

سوال 3: اہل ایمان اور اہل دنیا کے راستے کیسے الگ ہو جاتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ایمان سے محبت کرنے والا آخرت کے حصول کے لیے محنت کرتا ہے اور اپنا وقت، مال، صلاحیت سب کچھ آخرت کے لیے بچالیتا ہے۔ ﴿2﴾ دنیا سے محبت کرنے والا اپنا وقت، مال، صلاحیت سب کچھ دنیا کے لیے لگا دینا چاہتا ہے۔

سوال 4: کافر اہل ایمان کا مذاق کیوں اڑاتے تھے؟

جواب: کافر مالی اعتبار سے مسلمانوں کے مقابلے میں مضبوط تھے اس وجہ سے وہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے۔

سوال 5: آج دنیا سے محبت کرنے والے اہل ایمان کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟

جواب: اہل ایمان، ایمان کی محبت میں آخرت کے حصول کے لیے کوششیں کرتے ہیں، ان کے سامنے مقصد زندگی واضح ہوتا ہے۔ دنیا سے محبت کرنے والے ان مقاصد کو سمجھ نہیں سکتے، اس لیے وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

سوال 6: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''حالانکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے وہ قیامت کے دن ان سے بلند ہوں گے'' یہ کہہ کر اہل ایمان کی ذہنی تیاری کیسے کی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''حالانکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے وہ قیامت کے دن ان سے بلند ہوں گے'' یہ کہہ کر اہل ایمان کی ذہنی تیاری کی گئی ہے تاکہ اہل ایمان آخرت کا مقام سامنے رکھتے ہوئے مذاق اڑانے والوں کی طرف دھیان نہ دیں۔ ﴿2﴾ دنیا تو مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ اس دنیا میں تو مومن اور کافر سبھی کو آزمائش برداشت کرنی پڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اجر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پاتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے ایمان اور صبر کی وجہ سے اس کی تکلیف کم کر دیتے ہیں۔《3》تقویٰ والے قیامت کے دن بلند درجات پر ہوں گے،طرح طرح کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور کفار ان کے نیچے جہنم کی کھائی میں ذلت،رسوائی اور بدبختی میں مبتلا ہوں گے۔

سوال 7: ﴿وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے،بے حساب رزق دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》دنیا میں کافر اور مومن کو رزق ملتا ہے۔《2》یہ غلط فہمی ہر دور کے لوگوں میں رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف آئے تو غریب ہو جائیں گے۔اس پر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے،جسے چاہے دنیا میں دے اور جسے چاہے دنیا و آخرت دونوں میں دے دے۔دنیا کا سامان تو یہیں رہ جائے گا،کام آنے والا سرمایہ آخرت ہے۔لہٰذا صرف یہ زندگی نہیں،آخرت کی زندگی کا بھی خیال رکھنا ہے۔دنیا کا رزق اس بات کی علامت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ایک حدیث قدسی میں ہے: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندو!(میری راہ میں)خرچ کرو تو میں بھی تم پر خرچ کروں گا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔رات اور دن کے مسلسل خرچ سے بھی اس میں کم نہیں ہوتا اور فرمایا تم نے دیکھا نہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے، مسلسل خرچ کئے جا رہا ہے، لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان عدل ہے جسے وہ جھکاتا اور اٹھاتا رہتا ہے۔(صحیح بخاری:4684)《3》رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اس کے مال میں سے اس کا اتنا حصہ ہے کہ اس نے کھایا کھا کر ختم کر دیا، پہنا پہن کر پرانا کر دیا، اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیا وہ بچا لیا۔“(صحیح مسلم:7420)

سوال 8: کیا اللہ تعالیٰ کے بے حساب رزق کا تعلق صرف آخرت سے ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کے بے حساب رزق کا تعلق آخرت کے علاوہ دنیا سے بھی ہے جیسا کہ مسلمانوں کو فتوحات کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بے حساب رزق دیا حتیٰ کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ اللہ کی قسم! مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔《2》دنیا کا رزق تو وہ مومن اور کافر سب کو دیتا ہے۔سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی اہم ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔(جامع ترمذی:2320)《3》اس کے مقابلے میں علم،ایمان،توکل،اخلاص،محبت الٰہی،اللہ تعالیٰ کا خوف،اس پر امید اور صبر و شکر تو یہ دلوں کا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ صرف اسے دیتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿ اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (213) ﴾

''لوگ ایک ہی امت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں انہوں نے اختلاف کیا اور اس میں اختلاف نہیں کیا مگر ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے تھے، آپس میں ضد کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، حق میں سے ہدایت دی، جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''(213)

سوال 1: ﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ﴾ ''لوگ ایک ہی امت تھے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ سب لوگ توحید پر تھے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے توسط سے دی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سیدنا آدم علیہ السلام سے سیدنا نوح علیہ السلام تک دس پشتیں ہیں، ان دس زمانوں کے لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے پابند تھے۔ پھر اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء مبعوث فرمائے۔ (ابن جریر) ﴿2﴾ یعنی وہ سب کے سب ایک ہی دین پر تھے اور وہ دین اسلام ہے۔ (فتح القدیر)

سوال 2: جب لوگ ایک امت تھے پھر اختلاف کیسے پیدا ہوا؟

جواب: اختلاف شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے پیدا ہوا۔ ابلیس کی کوششوں کی وجہ سے شرک عام ہو گیا۔

سوال 3: ﴿ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا'' انبیاء کی خوش خبریاں اور ڈراوے کس مقصد کے حصول کے لیے ہوتی تھیں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ ﴾ ''پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا'' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء بھیج کر رحم فرمایا۔ ﴿2﴾ ﴿ مُبَشِّرِينَ ﴾ ''خوش خبری دینے والے'' انبیاء کی خوش خبریاں اطاعت کرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں وہ اطاعت کے انجام کو واضح کرتے ہیں کہ دنیا میں جسم و روح کی قوت، رزق اور پاکیزہ زندگی ملے گی اور آخرت میں سب سے بڑی کامیابی حاصل ہو گی۔ ﴿3﴾ ﴿ وَمُنذِرِينَ ﴾ ''اور ڈرانے والے'' ڈراوے نافرمانی کرنے والوں کے لیے ہوتے تھے۔ ڈراوے نافرمانی کے کاموں سے بچانے کے لیے تھے کہ اگر نافرمانیوں والی زندگی بسر کرو گے تو دنیا میں ذلت و رسوائی پاؤ گے رزق میں تنگی ہو گی اور آخرت میں بدترین عذاب کے مستحق بنو گے۔ ﴿4﴾ انبیاء کی خوش خبریاں اور ڈراوے توحید کو قائم کرنے اور شرک ختم کرنے کے لیے ہوتے تھے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے نبیوں کو خوش خبریاں دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا تا کہ وہ توحید کو قائم کریں اور شرک ختم کریں۔

سوال 4: ﴿ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ﴾ ''اور ان کے ساتھ کتاب کو حق کے ساتھ نازل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں انہوں نے اختلاف کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾''اوران کے ساتھ کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا'' اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو کتابیں عطا کیں۔ ﴿2﴾﴿ بِالْحَقِّ ﴾ حق کے ساتھ یعنی کتابوں میں سچی خبریں اور عدل پر مبنی احکامات ہیں۔ ﴿3﴾﴿ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾'' تا کہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں انہوں نے اختلاف کیا'' کتاب کے احکامات کے ذریعے انبیاء اصول وفروع کے اختلافات میں فیصلے کرتے رہے۔

سوال5: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لیے کتاب بھیجی، کتاب کے ذریعے اختلافات کیسے دور ہو سکتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر کتابیں نازل کیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں۔ ﴿2﴾ کتاب یہ بتاتی ہے کہ کیا حق ہے اور کیا ناحق ؟ کیا خیر ہے اور کیا شر؟

سوال6:﴿ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ﴾''اس میں اختلاف نہیں کیا مگر ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے تھے''لوگوں کے درمیان اختلاف کیوں ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾''اس میں اختلاف نہیں کیا مگر ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آ چکے تھے''لوگوں کے درمیان اختلاف ہمیشہ حق کا راستہ چھوڑ دینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ﴿2﴾﴿ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ﴾'' آپس میں ضد کی وجہ سے'' اختلاف آپس میں زیادتی کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس اختلاف اور فرقہ بندی کے اصل محرکات کچھ اور ہوتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد بار ایک جامع لفظ''بَغْيًا بَيْنَهُمْ'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ (تیسیر القرآن:162/1)﴿3﴾ بغیاً سے مراد ظلم اور حسد ہے۔ (ایسر التفاسیر:106) جو کہ اختلاف اور فرقہ بندی کے اصل محرکات ہیں۔﴿4﴾ اس آخری ٹکڑے کے اندر اس عظیم ذمہ داری کی طرف اشارہ بھی ہے جو اس امت پر دین حق کی امانت سے متعلق عائد ہوتی ہے کہ اس حق کو پا کر تم بھی اس میں اس طرح کے اختلافات برپا کرنے والے نہ بن جانا جس طرح دوسرے تم سے پہلے بن گئے۔ (تدبر القرآن:504)

سوال7: حق کا راستہ چھوڑ دینے کا سبب کیا بنتا ہے؟

جواب: حق کا راستہ چھوڑ دینے کا سبب بغض اور عناد بنتا ہے جو تقلید اور بدعات کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

سوال8: حق کا راستہ چھوڑ دینے کا کیا نتیجہ سامنے آتا ہے؟

جواب: حق کا راستہ چھوڑ دینے سے اختلافات بڑھتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ امت کے اتحاد کا معاملہ ناممکن ہو جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 9: ﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ﴾ ’’پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، حق میں سے ہدایت دی، جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا‘‘ اللہ تعالیٰ نے اختلافات میں اپنی مشیت سے حق کی طرف کیسے راہ نمائی کی؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ’’پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، ہدایت دی‘‘ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے ایمان والوں کی راہ نمائی فرمائی۔ ﴿2﴾ ﴿لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ﴾ ’’جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا، حق میں سے‘‘ جس میں اہل کتاب اختلافات کا شکار ہو کر حق سے دور ہو گئے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں ان کی راہ نمائی فرمائی۔ ﴿3﴾ ﴿بِاِذْنِهٖ﴾ ’’اپنے حکم سے‘‘ اپنی رحمت سے ان کے لیے معاملہ آسان کر دیا۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے اختلافات میں اپنی مشیت سے یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان جن امور میں اختلاف تھا ان میں مسلمانوں کی حق کی طرف راہ نمائی کی مثلاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے جھٹلایا اور سیدہ مریم علیہا السلام پر بہتان باندھے۔ اس کے برعکس عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ اور سیدہ مریم لیھا السلامکو مادر خدا کا درجہ دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حق کی طرف راہ نمائی کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور فرماں بردار بندے تھے۔

سوال 10: اختلاف کی صورت میں کیا فرض ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اختلاف اور جھگڑا ہونے کی صورت میں فرض ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں ان اختلاف اور جھگڑا کرنے والوں کا فیصلہ موجود نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے جھگڑوں کو ان کی طرف لوٹانے کا حکم نہ دیتا۔ ﴿2﴾ اختلاف میں سیدھے راستے کی ہدایت کی دعائیں کرنے کی ضرورت ہے جیسے نبی ﷺ دعا کیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ’’جب بھی رات کو آپ ﷺ اپنی نماز شروع فرماتے تو (یہ دعا پڑھتے): ’’اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے پروردگار! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! ظاہر اور باطن کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں کے بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ مجھے سیدھا راستہ دکھا اور اے اللہ! حق کی جن باتوں میں اختلاف ہو گیا ہے، تو مجھے ان میں سیدھے راستے پر رکھ۔ بے شک تو ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔‘‘ (صحیح مسلم:1811)

سوال 11: ﴿وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر حجت قائم کرنے کے لیے انہیں سیدھے راستے کی طرف دعوت دی ہے تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جسے چاہا ہدایت سے نواز دیا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 12: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسے صراط مستقیم کے لیے چن لیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو حق پر چلتے ہیں۔ ﴿2﴾ جو لوگوں کی خواہشات کے مطابق ادھر ادھر نہیں ہٹتے۔ ﴿3﴾ جو حق پر جمتے ہیں۔ ﴿4﴾ جو انسانوں کی پسند اور رجحانات کے مطابق کھلونا نہیں بنتے۔

سوال 13: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کیسے صراط مستقیم دکھایا؟

جواب: ﴿1﴾ یہودیوں اور عیسائیوں نے اختلاف کیے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صراط مستقیم دکھایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم دنیا میں سب سے پیچھے تھے لیکن جنت میں سب سے پہلے جائیں گے۔ اہل کتاب کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں قرآن سب سے آخر میں دیا گیا۔ اہل کتاب مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے سے اختلافات میں ہماری صحیح صحیح راہ نمائی فرمائی۔ اہل کتاب میں ہفتے کی چھٹی منانے میں اختلاف ہو گیا کوئی ہفتہ مناتا ہے کوئی اتوار۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحیح دن بتا دیا جو جمعہ ہے۔ اہل کتاب اس حیثیت سے بھی ہم سے پیچھے ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق) ﴿2﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کی اور بتایا کہ وہ حنیف یعنی یکسو اور مسلم یعنی فرماں بردار تھے۔

﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (214) ﴾

''یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے، ان کو تنگ دستی اور تکلیف پہنچی اور وہ بری طرح ہلائے گئے یہاں تک کہ رسول بھی اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے کہہ اٹھے اللہ تعالیٰ کی مدد کب ہوگی؟ سن لو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہی ہے۔'' (214)

سوال 1: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ ''یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ دنیا میں مومن کی آزمائش ضرور ہوتی ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے دین پر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے آزماتا ہے۔ اگر وہ اس راستے میں آنے والے مصائب اور مشکلات کی پرواہ نہیں کرتا تو وہ سچا ہے اور اگر مشکلات اسے راستے سے ہٹا دیتی ہیں تو وہ اپنے ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ ''یا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے'' ایمان محض دعووں اور تمناؤں کا نام نہیں۔ ایمان کی تصدیق اعمال کرتے ہیں۔ جنت میں داخلے کی تمنا کے لیے آزمائش بھی ہوگی اور ثبات بھی مطلوب ہے۔ ﴿3﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزو ٹھیک نہیں۔ ﴿4﴾ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ یا تم نے گمان کرلیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان کو نہیں جانا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور تا کہ وہ جان لے صبر کرنے والوں کو۔ (آل عمران:142)﴿ الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ الم۔ کیا لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اس پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ کہہ دیں ہم ایمان لائے ہیں اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا؟ اور یقیناً ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا جو ان سے پہلے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جنہوں نے سچ کہا اور یقیناً وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔ (العنکبوت:1،3)

سوال 2: جنت کی قیمت کیا ہے؟

جواب: جنت کی قیمت انسان کا اپنا وجود اور اس کا مال ہے جیسا کہ ربّ العزت کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں کہ یقیناً اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے۔ (التوبہ:111)

سوال 3: ﴿ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ ''حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے'' یعنی آزمائش تو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ پہلے لوگوں کو بھی آزمایا گیا۔ اس سنت جاریہ میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ ﴿2﴾ سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی۔ آپ ﷺ اس وقت اپنی ایک چادر پر ٹیک دیے کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ﷺ ہمارے لیے مدد کیوں نہیں طلب فرماتے؟ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں مانگتے؟ (ہم کافروں کی ایذا دہی سے تنگ آچکے ہیں۔) آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ایمان لانے کی سزا میں) تم سے پہلی امتوں کے لوگوں کے لیے گڑھا کھودا جاتا اور انہیں اس میں ڈال دیا جاتا، پھر ان کے سر پر آرا رکھ کر ان کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے۔ لوہے کے کنگھے ان کے گوشت میں دھنسا کر ان کی ہڈیوں اور پٹھوں پر پھیرے جاتے، پھر بھی وہ اپنا ایمان نہ چھوڑتے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! کہ یہ امر (اسلام) بھی کمال کو پہنچے گا اور ایک زمانہ آئے گا کہ ایک سوار مقامِ صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا (لیکن راستوں کے پرامن ہونے کی وجہ سے) اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا ڈر نہیں ہوگا یا صرف بھیڑیے کا خوف ہوگا کہ کہیں اس کی بکریوں کو نہ کھا جائے لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔'' (صحیح بخاری:3612)

سوال 4: کون سے حالات جنت کی طرف لے جاتے ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:《1》جن حالات سے گھبرا کر انسان ان میں جینا نہیں چاہتا وہی حالات جنت کی طرف لے جاتے ہیں۔《2》زندگی کے نقشے کو بدلنے والے حالات، مشکلات اور مصائب، آزمائشیں اور امتحانات، اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو اور خالص کرنے والے حالات ہیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی رضا، نبی ﷺ کی اتباع اور دین اسلام کے مطابق چلنا جنت کے راستے کا مسافر بنا دیتا ہے۔

سوال 5: جنت کا راستہ کیسا راستہ ہے؟

جواب:《1》جنت کا راستہ زندگی کے نقشے کو بدلنے کا راستہ ہے۔《2》جنت کا راستہ اپنی شخصیت کو بدلنے کا راستہ ہے۔《3》جنت کا راستہ مشکلات کو برداشت کرنے کا راستہ ہے۔《4》جنت کا راستہ تنگی اور مصیبت میں صبر کرنے کا راستہ ہے۔《5》جنت کا راستہ آزمائشوں اور امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو اور خالص ہو جانے کا راستہ ہے۔

سوال 6:《**مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا**》''ان کو تنگ دستی اور تکلیف پہنچی اور وہ بری طرح ہلائے گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《**مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ**》''ان کو تنگ دستی اور تکلیف پہنچی'' یعنی ان کو سختیاں اور تکلیف پہنچیں۔ وہ فاقوں میں مبتلا ہوئے، انہیں مختلف بیماریوں نے گھیر لیا۔《2》《**وَزُلْزِلُوا**》''اور وہ بری طرح ہلائے گئے'' یعنی قتل و غارت، خانہ جنگیاں، جلاوطنی مال لوٹ لینے اور دیگر نقصانات کے ذریعے انہیں دہشت میں مبتلا کیا گیا۔

سوال 7:《**حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ**》''یہاں تک کہ رسول بھی اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے کہہ اٹھے اللہ تعالیٰ کی مدد کب ہوگی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》حالات کی شدت نے انہیں ایسے مقام تک پہنچا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھنے کے باوجود رسول اور ایمان والے پکار اٹھے۔《2》《**مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ**》''اللہ تعالیٰ کی مدد کب ہوگی'' انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کا یہ عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی کسی شک وشبہ کی وجہ سے نہ تھا جو ان کی شان کے خلاف ہے بلکہ اس سوال کا منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ مدد کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس کا وقت اور مقام متعین نہیں فرمایا اس لیے حالت اضطرار میں ایسے الفاظ عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے اور ایسی دعا کرنا توکل یا منصب نبوت کے منافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی الحاح وزاری کو پسند فرماتے ہیں۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام وصلحاء امت اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ (معارف القرآن:510/1)

سوال 8: مصیبتوں اور مشقت والے حالات کا تذکرہ یہاں کس مقصد کے لیے کیا گیا؟

جواب: یہاں یہ تذکرہ اس مقصد کے لیے کیا گیا تاکہ مسلمانوں کے اندر حوصلہ پیدا ہو اور وہ صراط مستقیم پر استقامت کے ساتھ چلنے کا عزم کرنے کے قابل ہو جائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 9: ﴿ اَلَآ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴾ ’’سن لو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہی ہے‘‘ اللہ تعالیٰ کی مدد انسانوں کو کب ملتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو شخص حق پر قائم رہتا ہے تب امتحان اس کے لیے نصرت کی خوش خبری لے کر آتا ہے اور دل کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ ﴿2﴾ جب اہل ایمان مصائب کو برداشت کر لیتے ہیں، وہ ثابت قدم رہتے ہیں، جب وہ مصیبتوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد اہل ایمان کے لیے یقینی طور پر آتی ہے اس لیے قریب ہے۔ ﴿3﴾ ہر آنے والی چیز قریب ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد نے آنا ہی ہے اس لیے وہ قریب ہے۔

﴿ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلۡ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ (215) ﴾

’’وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دو کہ جو مال تم خرچ کرو وہ والدین اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اور جو بھلائی تم کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘(215)

سوال 1: ﴿ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ﴾ ’’وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا عمرو بن جموع رضی اللہ عنہ بہت مال دار تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ہم کیا خرچ کریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں خرچ کرنے کی جگہیں بتا دی گئیں۔ ﴿2﴾ یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں نازل ہوئی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والدہ پر، والد پر، بہن پر، بھائی پر پھر درجہ بدرجہ قریبی عزیزوں پر خرچ کرے۔ ﴿3﴾ یہ سوال خرچ کرنے والے اور جس پر خرچ کیا جائے ان کے بارے میں عام ہے۔ (تفسیر سعدی: 259/1)

سوال 2: ﴿ قُلۡ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ﴾ ’’آپ کہہ دو کہ جو مال تم خرچ کرو وہ والدین اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے‘‘ مال خرچ کرنے کے اولین مصارف کیا بتائے گئے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ قُلۡ مَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ فَلِلۡوَالِدَيۡنِ ﴾ ’’آپ کہہ دو کہ جو مال تم خرچ کرو وہ والدین کے لیے ہے‘‘ (الف) آپ تھوڑا خرچ کرو یا زیادہ سب سے پہلے مستحق والدین ہیں جن کی نافرمانی حرام ہے اور جن کے ساتھ نیکی کرنا فرض ہے۔ (ب) والدین کی سب سے بڑی فرماں برداری ان پر مال خرچ کرنا اور سب سے بڑی نافرمانی ان پر مال خرچ نہ کرنا ہے۔ وسعت رکھنے والے بیٹے کے لیے والدین پر خرچ کرنا فرض ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴾ ’’اور رشتہ داروں (کے لیے)‘‘ والدین کے بعد رشتہ داروں پر، ہر رشتے کی حیثیت کے مطابق خرچ کیا جائے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ جو زیادہ قریبی ہے وہ زیادہ مستحق ہے۔ جو بھی زیادہ قریبی اور ضرورت مند ہے اسے دیا جائے یہی صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔ (تفسیر سعدی: 259,260/1) قریبی رشتہ داروں کا خیال رکھنے سے خاندان کے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اندر امن اور محبت میں اضافہ ہوگا اور خاندان کے افراد کے درمیان رابطے مضبوط ہوں گے۔﴿3﴾﴿وَالْيَتٰمٰى﴾ یتیموں سے مراد چھوٹے بچے ہیں چونکہ ان کا کوئی کمانے والا نہیں ہوتا اور وہ خود اپنی ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کے حق میں وصیت کی ہے۔﴿4﴾﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ مساکین سے مراد ضرورت مند لوگ ہیں۔ان پر ان کی ضرورت سے بے نیاز کرنے کے لیے خرچ کیا جائے۔﴿5﴾﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ سے مراد اجنبی مسافر ہے جو سفر خرچ کے ختم ہو جانے کی وجہ سے مشکلات میں گھر گیا ہو۔ان پر خرچ کر کے ان کے ساتھ تعاون کرنے کا حکم ہے۔

سوال3: صدقہ کب شروع ہوتا ہے؟

جواب: صدقہ تب شروع ہوتا ہے جب انسان اپنی ضروریات پوری کر لے۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:''اپنی ذات سے ابتدا کر اور اس پر خرچ کر۔اگر اس سے کچھ بچ جائے تو اپنے رشتے داروں کے لیے اور اگر تیرے رشتے داروں سے بھی کچھ بچ جائے تو اس اس طرح اور اپنے ہاتھوں سے آپ ﷺ اپنے دائیں اور بائیں اشارہ کرتے تھے۔''(صحیح مسلم:2313)سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:''اے ابن آدم!اپنی ضروریات سے زائد مال خرچ کر دینا تیرے لیے بہتر ہے۔اگر تو اس کو روک لے گا تو تیرے لیے برا ہوگا اور بقدر کفایت تو ملامت نہیں کیا جائے گا اور دینے کی ابتدا اپنے اہل وعیال سے کر اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''(صحیح مسلم:2388)

سوال4: کمزوروں اور محروموں کی مدد کے لیے انفاق کے حکم میں کیا حکمت ہے؟

جواب:﴿1﴾ کمزوروں اور محروموں کی مدد کرنے سے انسان کو خود فائدہ ہوتا ہے۔انسان کے اندر جذبہ رحمت ابھرتا ہے اور اشتراک کے جذبے کی تسکین ہوتی ہے۔﴿2﴾ یتیم چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی ان کی مدد کرنے سے انسان کے اندر جذبہ رحمت ابھرتا ہے۔﴿3﴾ مساکین کے پاس اخراجات کے لیے کچھ نہیں ہوتا،اپنی شرافت اور سفید پوشی کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ان پر خرچ کرنے سے انسان کے جذبۂ اشتراک اور جذبہ رحم کو تسکین ملتی ہے۔﴿4﴾ مسافروں کے لیے گھر سے دور بہت ساری رکاوٹیں ہوتی ہیں ان پر خرچ کرنے سے انسان کے جذبۂ رحمت اور اشتراک کے جذبے کو تسکین ملتی ہے۔

سوال5: کیا خرچ کا یہ حکم زکوٰۃ سے متعلق ہے؟

جواب: یہ حکم زکوٰۃ سے متعلق نہیں کیونکہ اس میں ماں باپ کا تذکرہ ہے جن پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنی جائز نہیں۔

سوال6: خرچ کرنے کی ان مدات اور آج کے دور میں مسلمانوں کے خرچ میں کیا فرق ہے،وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا میمون بن مہران رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ''خرچ کرنے کی ان جگہوں میں نہ طبلہ سارنگی کا ذکر ہے اور نہ چوبی تصویروں اور دیواروں پر لٹکائے جانے والے آرائشی پردوں کا''اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان چیزوں پر مال خرچ کرنا اسراف ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اورناپسندیدہ ہے۔آج کے دور میں یہ ناپسندیدہ اخراجات ہماری زندگی کا حصہ بن گئے ہیں حتیٰ کہ ان سے کوئی نفرت بھی محسوس نہیں کرتا۔

سوال 7: ﴿ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ** ﴾ ''اور جو بھلائی تم کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ **وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ** ﴾ ''اور جو بھلائی تم کرتے ہو'' اللہ تعالیٰ نے خاص مدات کا ذکر کرنے کے بعد حکم کو عام کر دیا ہے کہ جو بھی تم دوسرے لوگوں پر خرچ کرتے ہو سب خیر ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ **فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ** ﴾ اللہ تعالیٰ انفاق سے بھی باخبر ہے، اس کے مقصد سے بھی باخبر ہے، اس کے پیچھے نیت کو بھی جانتا ہے۔ اس لیے یہ انفاق ہرگز ضائع نہیں ہوگا۔ تمہیں اس خرچ کا بدلہ دے گا۔ جتنی کسی کی نیت خالص ہوگی اتنا ہی اجر میں اضافہ ہوگا۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے لیے خرچ کرنے پر اپنی کس صفت کا شعور دلا کر آمادہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے لیے خرچ کرنے پر اپنی صفت ''علیم'' کا شعور دلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کی وجہ سے انسان کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور اجر کا یقین آتا ہے جس کی وجہ سے خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ربّ العزت نے واضح فرمایا کہ وہ تمہاری ہر نیکی کا علم رکھتا ہے، قیامت کے دن تمہیں اس کا پورا پورا اجر دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔

﴿ **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** (216)﴾

''تم پر قتال فرض کر دیا گیا حالانکہ وہ تمہارے لیے ناپسندیدہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بدتر ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' (216)

سوال 1: ﴿ **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ** ﴾ ''تم پر قتال فرض کر دیا گیا' حالانکہ وہ تمہارے لیے ناپسندیدہ ہے'' انفاق اور قتال کا حکم انسان پر ناگوار کیوں گزرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ** ﴾ '' 'تم پر قتال فرض کر دیا گیا' '' اللہ تعالیٰ نے قتال کو فرض کیا ہے پہلے مسلمان کمزور تھے پھر وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو انہیں قتال کا حکم دیا گیا۔ ﴿2﴾ ﴿ **وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ** ﴾ ''حالانکہ وہ تمہارے لیے ناپسندیدہ ہے'' خوف اور ہلاکت کے خطرے کی وجہ سے نفس جہاد کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ قتال خالص نیکی ہے جس کا بڑا اجر وثواب ہے اور دشمن پر فتح کی صورت میں مال غنیمت بھی ملتا ہے۔ ﴿3﴾ انسان اپنی جان اور اپنے مال پر اپنا حق سمجھتا ہے اور اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اسے دوسروں پر بھی خرچ کرو۔ یہ دونوں کام بالکل مختلف ہیں اس لیے انسان کو ناگوار لگتا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: قتال فی سبیل اللہ کیوں واجب ہے؟

جواب: دنیا میں رہنے کے دو طریقے ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ جو وحی کے ذریعے سے انسانوں کے علم میں آیا اور دوسرے وہ تمام طریقے جو رب نے نہیں بتائے، یہ انسانوں کے خود ساختہ طریقے ہیں۔ دو علیحدہ علیحدہ طریقہ ہائے زندگی کو اختیار کرنے والوں کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اختلاف نفرت اور دشمنی میں بدل جاتا ہے، پھر انسان انسانوں کے طریقوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ عام طور پر اللہ والوں کا طرز عمل اللہ تعالیٰ کے مخالفوں کو پسند نہیں آتا۔ جب کبھی خدا مخالف قوتیں دلیل کے میدان میں ہار جاتی ہیں تو تشدد کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے اور اللہ والوں کے لیے سچے اور فطری طریقۂ زندگی پر عمل کرنا ناممکن بنا دیا جاتا ہے۔ ایسے میں اپنے نظریے پر قائم رہنے اور انسانی حقوق کی حفاظت کے لیے قتال فی سبیل اللہ واجب ہو جاتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کے لیے بھی بھلائی ہے اور پوری انسانیت کے لیے بھی بھلائی ہے۔ یہ فرض سچائی کے لیے ہے، بھلائی کے لیے ہے، اصلاح کے لیے ہے۔

سوال 3: ﴿ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ﴾ ''اور ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بدتر ہو'' جہاد کے حکم کی مثال دے کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کیا سمجھایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ''اور ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو'' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ اگرچہ تمہارے لیے دشوار ہو مگر اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کرو کیونکہ ہر کام کے انجام اور نتیجے کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہوسکتا ہے اس میں تمہارے لیے بہتری ہو جیسے جہاد کے نتیجے میں عزت، مال اور فتح نصیب ہو سکتی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْــًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ﴾ ''اور ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لیے بدتر ہو'' یعنی گھر بیٹھنا تمہیں پسند ہے تو اس کے نتیجے میں دشمن غالب آ سکتا ہے، ذلت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ دنیا میں شکست، کفار کا تسلط اور آخرت میں جہنم کا عذاب۔

سوال 4: انسان جسے اچھا سمجھتا ہے وہ چیز اس کے حق میں اچھی نہیں ہوتی، جسے برا سمجھتا ہے وہ اس کے حق میں اچھی ہوتی ہے، کیسے؟

جواب: ﴿1﴾ جو انسان دنیا کے فائدے چاہتا ہے، ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ﴿2﴾ انسان آزاد زندگی پسند کرتا ہے حالانکہ اس کا فائدہ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی میں خود کو باندھے۔ ﴿3﴾ انسان قربانی والے دین سے خوش نہیں ہوتا اور اس دین کو چاہتا ہے جہاں معمولی کاموں پر جنت کی خوش خبری ہو۔

سوال 5: قتال فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا سہل بن سعد، سیدہ انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام کو نکلنا ساری دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے۔ (بخاری:392/1) ﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ضرور میری خواہش ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ (بخاری) ﴿4﴾ سیدنا عبدالرحمٰن بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی بندے کے قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہو گئے اسے دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی۔ (بخاری) ﴿5﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس نے جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں کبھی جہاد کا خیال آیا تو وہ نفاق کی ایک حالت پر مرا۔ (صحیح مسلم:4931) ﴿6﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہوا اور اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ اس کی راہ میں کون زخمی ہوتا ہے تو وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا۔ رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔ (بخاری:313/2)

سوال 6: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' سے انسان کو کیا سمجھایا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' اس سے انسان کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ معاملات کی اصل حقیقت تک تمہارا علم نہیں پہنچ سکتا جب کہ رب سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿2﴾ یہ سمجھایا گیا ہے کہ علم والے پر اعتماد کرنا چاہیئے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے ساتھ چلو خواہ تمہیں اچھا لگے یا برا لگے۔ (تفسیر سعدی:261/1)

رکوع نمبر 27

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (217)﴾

''وہ آپ سے حرمت والے مہینے میں قتال کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں اس میں قتال کرنا کبیرہ گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ قتل سے زیادہ بڑا ہے۔ اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے حتی کہ اگر وہ استطاعت پائیں تو تمہیں تمہارے دین ہی سے پھیر دیں، اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ مرجائے اس حال میں کہ وہ کافر ہو تو یہی لوگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (217)

سوال 1: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ﴾ ''وہ آپ سے حرمت والے مہینے میں قتال کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں'' ماہ حرام میں قتال کا سوال کیوں پوچھا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ متعدد روایات میں آیا ہے کہ یہ آیات سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ نبی ﷺ نے آٹھ آدمیوں کا ایک قافلہ بطن نخلہ کی طرف بھیجا تھا (جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام تھا)۔ ان کو ہدایت فرمائی تھی کہ قریش کی نقل وحرکت اور ان کے آئندہ ارادوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں، جنگ کی اجازت آپ ﷺ نے نہیں دی تھی لیکن ان لوگوں کو راستے میں ایک چھوٹا سا تجارتی قافلہ ملا، اس پر انہوں نے حملہ کیا، ایک آدمی کو قتل کر دیا اور باقی لوگوں کو ان کے مال سمیت مدینہ گرفتار کر کے لے آئے۔ یہ کاروائی ایسے وقت ہوئی جب کہ حرام مہینے کا آغاز ہو گیا تھا یعنی رجب کا پہلا دن تھا اور دستے کا خیال یہ تھا کہ جمادی الاخریٰ کا آخری دن ہے۔ ﴿2﴾ عرب حرام مہینوں کا احترام کرتے تھے اور اسلام نے بھی ان کا احترام برقرار رکھا تھا۔ جب یہ دستہ قافلے اور قیدیوں کو لے کر مدینہ پہنچا، نبی ﷺ کے سامنے مال غنیمت پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں حرام مہینوں میں لڑنے کا حکم کب دیا تھا؟ قیدی کھڑے کر دیے گئے اور آپ ﷺ نے لینے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ گھبرا گئے، مسلمان بھائیوں نے انہیں برا بھلا کہا۔ قریش مکہ نے کہا: محمد ﷺ کے ساتھیوں نے حرام مہینوں کی حرمت کو ختم کر دیا ہے۔ یہودیوں نے گمراہ کن پروپیگنڈا کیا، اس میں آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو ایسے پیش کیا گیا جو عربوں کے تمام مقدسات کا انکار کرتے ہیں اور صدیوں کی روایات کو پامال کر رہے ہیں۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، معاملے کا سچائی کے ساتھ فیصلہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں اور مال غنیمت کو قبول کر لیا۔ (ابن کثیر: 298/1)

سوال 2: ﴿قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ﴾ ''آپ کہہ دیں اس میں قتال کرنا کبیرہ گناہ ہے'' حرام مہینوں میں لڑنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں رب العزت نے جو فرد جرم عائد کی، اس سے کیا ثابت کرنا مقصود ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کیا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا، مسجد حرام کی حرمت کو توڑا، اس میں مسلمانوں کو اذیت دی اور پورے تیرہ سال اذیتیں دے کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روکتے رہے اور پھر مسجد حرام کے باشندوں کو ان کے گھروں سے نکالا۔ انہوں نے حرم کے تقدس کا کوئی خیال نہ رکھا اور اس کے احترام کے کسی اصول پر عمل نہ کیا۔ مسلمان تو ان لوگوں سے برسرپیکار ہیں جو حرم مقدس کا بھی خیال نہیں کرتے، انہوں نے حرم اور حرام مہینوں کو ایک پردہ بنا لیا ہے، یہ حقیقی احترام نہیں ہے۔

سوال 3: ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑا (گناہ) ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا'' یعنی مشرکوں کا اہل ایمان کو روکنا۔ جو بھی دین کے راستے پر چلنا چاہے اس کو دین سے ہٹا دینے کی کوشش کرنا۔ ﴿2﴾ ﴿وَكُفْرٌ بِهِ﴾ اور حرمت والے شہر میں کفر کا ارتکاب کرنا۔ ﴿3﴾ ﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ اور مسجد حرام کی حرمت کو پامال کرنا۔ اس میں مشرکوں نے 360 بت لا کر رکھ دیے تھے۔ ﴿4﴾ ﴿وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''اور اس کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ بڑا (گناہ) ہے'' وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر چلنے والے اور اس کی طرف بلانے والے تھے یعنی نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مشرکوں سے زیادہ مسجد حرام پر حق رکھتے ہیں انہیں وہاں سے نکالنا اور اس گھر تک نہ پہنچنے دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا جرم ہے۔ ان تمام برائیوں میں سے ہر ایک برائی کی قباحت حرام مہینوں میں قتل کی قباحت سے بڑھ کر ہے۔ تب ان کا کیا حال ہے جن کے اندر یہ تمام ہی برائیاں جمع ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ یہ فاسق و فاجر لوگ ہیں اور اہل ایمان کو عار دلانے میں زیادتی سے کام لے رہے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 262/1)

سوال 4: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ ''اور فتنہ قتل سے زیادہ بڑا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ ''اور فتنہ قتل سے زیادہ بڑا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا، شرک کرنا، غیر اللہ کی عبادت کرنا، ایمان والوں کو کعبہ میں نہ جانے دینا اور ان کو گھروں سے بے گھر کرنا ایسا فتنہ ہے جو قتل سے زیادہ بڑا ہے۔

سوال 5: ﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾ ''اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر وہ استطاعت پائیں تو تمہیں تمہارے دین ہی سے پھیر دیں'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ﴾ ''اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے'' وہ ہمیشہ جنگ کی آگ بھڑکائے رکھیں گے۔ اسلام کے دشمن مسلمانوں کے خلاف کئی طرح کی جنگ کرتے رہے ہیں، کئی قسم کے ہتھیار استعمال کرتے رہیں گے لیکن ان کا مقصد ایک ہی ہے کہ کسی طرح انہیں ان کے دین سے پھیر دیں۔ مسلمانوں کو خبر دی جا رہی ہے کہ ان سازشوں میں ثابت قدم رہیں۔ ﴿2﴾ ﴿حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾ ''حتیٰ کہ اگر وہ استطاعت پائیں تو تمہیں تمہارے دین ہی سے پھیر دیں'' ان کا اصل مقصد ایمان والوں کو قتل کرنا اور مال لوٹنا نہیں بلکہ انہیں کفر کی طرف لوٹانا ہے۔ اس وجہ سے وہ دین سے پھیرنے کے لیے پوری قوت استعمال کر رہے ہیں۔ ﴿3﴾ تمام کفار کا عام طور پر یہی رویہ ہے۔ وہ دوسرے لوگوں سے ہمیشہ برسرِ پیکار رہیں گے جب تک کہ ان کو اپنے دین سے پھیر نہ دیں۔ خاص طور پر یہود و نصاریٰ نے اس مقصد کے لیے جماعتیں تشکیل دیں، اپنے داعی بھیجے، طبیب پھیلائے اور مدارس قائم کیے تاکہ دوسری قوموں کو اپنے مذہب میں جذب کر لیں۔ ان کے اذہان میں ہر وہ شبہ ڈال دیں جو ان کے دین میں شک پیدا کرے مگر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے اہل ایمان کو اسلام جیسی نعمت عطا کر کے احسان فرمایا اور اپنے اس دین قیم کو ان کے لیے چن لیا اور اپنے دین کو ان کے لیے مکمل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا ان پر اپنی نعمت کو قائم کرے گا، پوری طرح اس کا اتمام کرے گا اور ہر اس طاقت کو پسپا کر دے گا جو اس کے دین کی روشنی کو بجھانے کی کوشش کرے گا۔ وہ ان کی چالوں کو ان کے سینوں ہی میں کچل کر رکھ دے گا اور وہ اپنے دین کی مدد اور اپنے کلمہ کو ضرور بلند کرے گا اور سورۃ الانفال کی یہ آیت کریمہ جس طرح پہلے کفار پر صادق آتی تھی اسی طرح یہ موجودہ کفار پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ﴾ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں۔ چنانچہ ابھی وہ اور خرچ کریں گے، پھر وہ ان پر حسرت بن جائے گا، پھر وہ مغلوب ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کو جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ (الانفال:36) (تفسیر سعدی:263/1)

سوال 6: ﴿ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ﴾ ''اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ مر جائے اس حال میں کہ وہ کافر ہو تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ ﴾ ''اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے'' مرتد ہونے کے بعد اگر کوئی توبہ نہ کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔ ﴿2﴾ مرتد کے اعمال دنیا میں اس طرح ضائع ہو جاتے ہیں کہ اسلام کی حالت میں اس کے جو حقوق ہوتے ہیں وہ اسے نہیں دیئے جاتے مثلاً (i) اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ (ii) مسلمانوں کی میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا۔ (iii) مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ (iv) مرد ہو تو قتل کر دیا جائے گا، عورت ہو تو ساری زندگی قید میں رکھی جائے گی۔ ان کے اعمال کی قبولیت کی شرط یعنی اسلام کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ ﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ جو اپنے دین کو بدل ڈالے تو اسے قتل کر دیں۔ (صحیح بخاری:6922,6923) ﴿4﴾ ﴿ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ﴾ ''پھر وہ مر جائے اس حال میں کہ وہ کافر ہو تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے'' مرتد کے اعمال آخرت میں اس طرح ضائع ہو جائیں گے کہ (i) مسلمان ہوتے ہوئے جو نمازیں پڑھیں ان کا اجر نہیں ملے گا۔ (ii) مسلمان ہوتے ہوئے جو روزے رکھے ان کا اجر نہیں ملے گا۔ (iii) مسلمان ہوتے ہوئے جو زکوۃ دی اس کا اجر نہیں ملے گا۔ (iv) مسلمان ہوتے ہوئے جو حج کیا اس کا اجر نہیں ملے گا۔ (v) مسلمان ہوتے ہوئے جو نیک اعمال کیے وہ ضائع ہو جائیں گے۔ (vi) سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ مرتد کو آخرت میں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

سوال 6: ﴿ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''اور یہی لوگ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾مرتد ہونے والا کافر ہوجاتا ہے اور کافر کے دنیوی اور اخروی سب اعمال برباد ہوجاتے ہیں۔﴿2﴾مرتد ہونے والا آگ میں جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔﴿3﴾جو مرتد ہونے کے بعد دین اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کے پچھلے اعمال اس کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ(218)﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا ،نہایت رحم والا ہے۔''(218)

سوال1:﴿**إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ**﴾''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا'' ایمان ،ہجرت اور جہاد کے مواقع کیا ہر مومن کی زندگی میں آتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾اس آیت میں تین اعمال ہیں جو عبودیت کا مرکز ومحور ہیں۔ان ہی اعمال سے انسان کی سعادت یا شقاوت کی پہچان ہوتی ہے۔﴿2﴾اس آیت سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنے کے لیے تین کاموں کا ذکر ملتا ہے: ایمان ،ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اعمال سے ہی امید باندھی جاسکتی ہے لیکن اعمال پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔﴿3﴾﴿**إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا**﴾''یقیناً جو لوگ ایمان لائے'' یعنی جنہوں نے سب سے بڑی بھلائی ایمان کو پالیا جس کی بنیاد پر اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور اس کے بغیر فرض ہو یا نفل کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔﴿4﴾﴿**وَالَّذِينَ هَاجَرُوا**﴾''اور جنہوں نے ہجرت کی'' یعنی جنہیں ہجرت جیسا عمل نصیب ہوا کہ انہوں نے اپنے رب کی خاطر اپنے وطن سے جدائی گوارا کی۔جن کو اللہ تعالیٰ کے قرب کی خاطر اپنا وطن ،اپنا مال ،اہل وعیال اور دوست چھوڑنے نصیب ہوئے۔﴿5﴾﴿**وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ**﴾''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا'' اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اعمال صالحہ میں سب سے بڑا عمل انجام دینا نصیب ہوا۔

سوال2: مجاہد کون ہے؟

جواب:﴿1﴾مجاہد وہ شخص ہے جو ہر وقت اپنے مقصد کی دھن میں لگا ہوا ہو، دماغ سے اس کے لیے تدبیریں سوچے ،زبان وقلم سے اس کی تبلیغ کرے، ہاتھ پاؤں سے اس کے لیے دوڑ دھوپ کرے، اپنے تمام وسائل اس مقصد کو فروغ دینے میں صرف کرے اور اس مزاحمت کا پوری قوت سے مقابلہ کرے جو اس راستے میں پیش آئے حتیٰ کہ جان کی بازی لگانی پڑے تو بھی دریغ نہ کرے۔اسی کا نام جہاد ہے۔یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو، اس کے دین کو قائم کرنے کے لیے ہو تو جہاد فی سبیل اللہ ہے۔(تفہیم القرآن)﴿2﴾سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری فرماتے ہیں کہ ایک گنوار (لاحق بن ضمیرہ باہلی) آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ کوئی شخص لوٹ حاصل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لیے لڑتا ہے، کوئی ناموری کے لیے، کوئی اپنی بہادری جتانے کے لیے، اور کوئی حمیت (قومی یا قبائلی) کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا (کیونکہ آپ ﷺ بیٹھے تھے اور وہ کھڑے سوال کر رہا تھا) اور فرمایا: جو کوئی اس نیت سے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہی لڑتا ہے۔ (بخاری کتاب الجہاد)

﴿3﴾ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! جو شخص مالی فائدے یا ناموری کے لیے جنگ کرتا ہے اسے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے کچھ نہیں ملے گا۔ سائل اس سوال پر بہت متعجب ہوا اور آ کر دوبارہ یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی جواب دیا اس کا اطمینان اب بھی نہ ہوا۔ سہ بار اور چوتھی بار پلٹ کر آیا اور یہی سوال کرتا رہا: آپ ﷺ نے اس کے تعجب کی وجہ بھانپ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ خاص اس کی خوشنودی اور رضا کے لیے نہ کیا جائے۔ (نسائی کتاب الجہاد)

سوال 3: جہاد اعمال صالحہ میں کیسا عمل ہے؟

جواب: جہاد اعمال صالحہ میں سب سے بڑا عمل ہے اور اس کی جزا ہر عمل کی جزا سے افضل ہے۔ جہاد دائرہ اسلام کی توسیع، مسلمانوں کی جان و مال اور امن کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسلام مسلمانوں کے لئے دو راہیں تجویز کرتا ہے۔ تو وہ باطل سے معرکہ آرا ہوں یا اس زمین کو چھوڑ دیں جو ان کے لئے فتنہ کا باعث ہو۔ گویا مسلمان ضمیر کا آزاد پیدا کیا گیا۔ وہ غلامی اور بزدلی کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے آرام و آسائش کو ترک کر سکتا ہے مگر حق سے کنارہ کشی و علیحدگی اس کے لئے سخت مشکل ہے۔ (سراج البیان: 79,80/1)

سوال 4: ﴿أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ﴾ ''وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں'' کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنے کے لیے اعمال شرط ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ جو ایمان، ہجرت اور جہاد جیسے اعمال کو سختیوں کے باوجود بجالاتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار بن سکتا ہے۔ ﴿2﴾ آیت میں اشارہ ہے کہ مومن خواہ کتنے ہی بڑے بڑے اعمال کر لے تب بھی اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان اعمال پر بھروسہ کرے بلکہ وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال قبول فرمائیں گے، اس کے گناہ بخش دیں گے اور اس کے عیوب کی پردہ پوشی کریں گے۔ ﴿3﴾ یہ آیت دلیل ہے کہ سعادت کے اسباب کو عمل میں لا کر ہی رحمت کی امید کی جاسکتی ہے۔ وہ امید جس سے پہلے اسباب کو عمل میں نہ لایا گیا ہو تو وہ فریب ہے ایسی امید کم عقلی پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بیج بوئے بغیر ہی فصل کی امید رکھتا ہو۔ ﴿4﴾ جو ان تینوں اعمال کو مشقتوں کے باوجود بجالاتا ہے وہ دیگر اعمال صالحہ کی تکمیل پر قادر ہے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حق دار ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسا سبب پیش کیا ہے جو اس کی رحمت کا موجب ہے۔

سوال 5: ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت اور رحمت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کاشعور کس مقصد کے لیے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کو اپنی وسیع مغفرت اور بے پایاں رحمت کا شعور اس لئے دلایا ہے تا کہ وہ ہجرت اور جہاد جیسے اعمال کریں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار بن جائیں۔ ﴿2﴾ یہ آیت دراصل مجاہدین کے اسی دستہ کے متعلق ہے جنہیں نخلہ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ان مجاہدین کو یہ تردد تھا کہ آیا اس جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں کیونکہ اس میں دو غلطیاں ہوگئی تھیں ایک یہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر جہاد کیا تھا۔ دوسری غلطی یہ کہ یکم رجب کو لڑائی کی جن کا انہیں علم نہ ہوسکا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غلطیوں کو معاف کر دینے والا ہے، مہربان ہے۔ (تیسیر القرآن:166/1)

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (219)﴾

"وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیں کہ جو ضرورت سے زائد ہو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو۔" (219)

سوال 1: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ "وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ﴾ وہ آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ ﴿2﴾ ﴿عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ شراب اور جوئے کے بارے میں سوال اس لیے کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام کے آغاز میں شراب استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو حرام کرنے سے پہلے ان کے اندر پائے جانے والے نقصانات، ان کے فوائد اور گناہ کو واضح کر دیا اور ان کے اثرات سے آگاہ کر دیا۔ جوئے کا مال حرام کی نذر ہو جاتا ہے۔ جواری بے یار و مددگار رہ جاتا ہے۔ ﴿3﴾ ﴿اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ﴾ عقل کو ڈھانپ لینے والی ہر چیز خمر ہے۔ اس سے مراد ہے کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ ﴿4﴾ ﴿الْمَيْسِرِ﴾ وہ ہے جس میں مال آسانی سے ہاتھ آئے، اس سے مراد جوا ہے۔

سوال 2: ﴿قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ "آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾ "آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے" ہر نقصان پہنچانے والی چیز فاسد ہے جس سے نفس، عقل، بدن، مال یا عزت کو نقصان پہنچے۔ (ایسر التفاسیر:111) ﴿2﴾ شراب کے دینی نقصانات: شراب پینا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنتا ہے۔شراب پینے کی صورت میں انسان عبادت نہیں کرسکتا۔آخرت کے نقصان کا باعث بنتا ہے! رب العزت نے فرمایا:﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ ﴾ بلاشبہ شیطان یہی ارادہ رکھتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روک دے ،تو کیا تم باز آنے والے ہو؟(المائدہ:91)﴿3﴾ عقلی نقصانات (الف) شراب عقل کو وقتی طور پر مختل کر دیتی ہے جس کی وجہ سے انسان سے ایسے کام ہوجاتے ہیں جس سے ندامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔(ب) شراب عقل پر ایسا پردہ ڈالتی ہے کہ ہر برائی مزین ہوجاتی ہے۔ (ج) شراب پینے سے وقتی طور پر انسان اپنے آپ سے بھی غافل ہوجاتا ہے۔﴿4﴾ معاشرتی نقصانات: دشمنی،نفرت،بغض جیسی برائیاں پروان چڑھتی ہیں۔﴿5﴾ شراب سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے۔ایک جرمن ڈاکٹر نے بیان کیا ہے کہ ''جو شخص شراب کا عادی ہو چالیس سال کی عمر میں اس کے بدن کی ساخت ایسی ہوجاتی ہے جیسے ساٹھ سالہ بوڑھی کی۔وہ جسمانی اور قوت کے اعتبار سے سٹھیائے ہوئے بوڑھوں کی طرح ہوجاتا ہے۔اس کے علاوہ شراب جگر اور گردوں کو خراب کر دیتی ہے۔سل کی بیماری شراب کا خاص اثر ہے یورپ کے شہروں میں سل کی کثرت کا بڑا سبب شراب ہی کو بتلایا جاتا ہے وہاں کے بعض ڈاکٹروں کا قول ہے کہ یورپ میں آدھی اموات مرض سل میں ہوتی ہیں اور آدھی دوسرے امراض میں اور اس بیماری کی کثرت یورپ میں اسی وقت سے ہوئی جب سے وہاں شراب کی کثرت ہوئی۔اطباء اور ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ شراب نہ جزو بدن بنتی ہے اور نہ اس سے خون بنتا ہے جس کی وجہ سے بدن میں طاقت آتی بلکہ اس کا فعل صرف یہ ہوتا ہے کہ خون میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے جس سے وقتی طور پر قوت کی زیادتی محسوس ہونے لگتی ہے اور یہی خون کا دفعتہً ہیجان بعض اوقات اچانک موت کا سبب بھی بن جاتا ہے جس کو ڈاکٹر ہارٹ فیل ہونے سے تعبیر کرتے ہیں شراب سے شرائین یعنی وہ رگیں جن کے ذریعے سارے بدن میں روح پہنچتی ہے سخت ہوجاتی ہے جس سے بڑھاپا جلدی آجاتا ہے شراب کا اثر انسان کے حلقوم اور تنفس پر بھی خراب ہوتا ہے جس کی وجہ سے آواز بھاری ہوجاتی ہے اور کھانسی دائمی ہوجاتی ہے اور وہی آخر کار سل تک نوبت پہنچا دیتی ہے شراب کا اثر نسل پر بھی پڑتا ہے شرابی کی اولاد کمزور رہتی ہے اور بعض اوقات اس کا نتیجہ قطع نسل تک پہنچتا ہے۔(معارف القرآن:527,528/1)﴿6﴾ جرمنی کے ایک ڈاکٹر کا مقولہ ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ اگر آدھے شراب خانے بند کر دیئے جائیں تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفاخانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہوکر بند ہوجائیں گے۔(تفسیر منار:226/2)﴿7﴾ مالی نقصانات: کسی بستی میں اگر ایک شراب خانہ کھل جاتا ہے تو وہ پوری بستی کی دولت کو سمیٹ لیتا ہے اس کی قسمیں بے شمار ہیں اور بعض اقسام تو بے حد گراں ہیں بعض اعداد وشمار لکھنے والوں نے صرف ایک شہر میں شراب کا مجموعی خرچہ پوری مملکت فرانس کے مجموعی خرچ کے برابر بتلایا ہے۔(تفسیر مراغی: 304,305/1)﴿8﴾ شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو ایک کھلونا بنا دیتی ہے جس کو دیکھ کر بچے بھی ہنستے ہیں کیونکہ اس کا کلام اور اس کی حرکات سب غیر متوازن ہوجاتی ہیں شراب کا ایک عظیم تر مفسدہ یہ ہے کہ وہ ام الخبائث ہے انسان کو تمام برے سے برے جرائم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرآمادہ کردیتی ہے زنا اور قتل اکثر اس کے نتائج ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عام شراب خانے زنا اور قتل کے اڈے ہوتے ہیں۔(تفسیر مراغی 304,305/1:) ﴿9﴾ جوا انسان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتا ہے۔ ﴿10﴾ جوئے کی وجہ سے شیطان انسان کے دل ودماغ پر چھایا رہتا ہے۔ ﴿11﴾ جوئے سے ہاتھ آنے والے مال کی وجہ سے انسان بہت سی برائیوں میں غرق ہوجاتا ہے۔ ﴿12﴾ جوئے کا مال حرام کی نظر ہوجاتا ہے ﴿13﴾ جواری بے یارومددگار رہ جاتا ہے۔ ﴿14﴾ ﴿وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ شراب اور جوے کے فوائد: (الف) شراب سے بدن میں چستی آجاتی ہے۔(ب) بعض ذہنوں میں تیزی آجاتی ہے۔(ج) جنسی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔(د) اس کی خرید وفروخت میں کافی نفع ہوتا ہے۔(ہ) جوئے سے جیتنے کی صورت میں انسان کو کچھ مال مل جاتا ہے۔

سوال 3: ﴿وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ ''اوران دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے'' یہ بات کیوں کہی گئی کہ ان دونوں کے نقصانات ان کے فائدوں سے بڑے ہیں؟

جواب: ''اوران دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے'' ﴿1﴾ یہ بات ایک حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کہی گئی ہے کہ ان دونوں کے نقصانات بڑے ہیں۔ ﴿2﴾ شراب اور جوے میں بڑا گناہ دین کے اعتبار سے ہے کیونکہ دونوں ہی انسان کے اخلاق اور کردار کو تباہ کردیتے ہیں۔ ﴿3﴾ شراب اور جوے سے انسان کی عقل اور اس کے دین کو جو نقصان پہنچتا ہے اس اعتبار سے اس کا گناہ اس کے نفع سے بڑا ہے۔ علامہ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الجواہر میں اس سلسلے کی چند اہم معلومات لکھی ہیں ان میں سے بعض یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ ایک فرانسیسی محقق ھنری اپنی کتاب ''خواطر وسوانح فی الاسلام'' میں لکھتے ہیں: ''بہت زیادہ مہلک ہتھیار جس سے اہل مشرق کی بیخ کنی کی گئی اور وہ دودھاری تلوار جس سے مسلمانوں کو قتل کیا گیا ہے یہ شراب تھی۔ ہم نے الجزائر کے لوگوں کے خلاف ہتھیار آزمایا لیکن اس کی اسلامی شریعت ہمارے راستہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی اور وہ ہمارے اس ہتھیار سے متاثر نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نسل بڑھتی ہی چلی گئی یہ لوگ اگر ہمارے اس تحفہ کو قبول کرلیتے جس طرح ان کے ایک منافق قبیلے نے اس کو قبول کرلیا ہے تو یہ بھی ہمارے سامنے ذلیل وخوار ہوجاتے۔ آج جن لوگوں کے گھروں میں ہماری شراب کے دور چل رہے ہیں وہ ہمارے سامنے اتنے حقیر وذلیل ہوگئے ہیں کہ سر نہیں اٹھا سکتے۔'' ایک انگریز قانون دان بنتام لکھتے ہیں کہ: ''اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں شراب حرام ہے، ہم نے دیکھا کہ جب افریقہ کے لوگوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو ان کی نسلوں میں پاگل پن سرایت کرنے لگا اور یورپ کے جن لوگوں کو اس کا چسکہ لگ گیا ان کی بھی عقلوں میں تغیر آنے لگا لہٰذا افریقہ کے لوگوں کے لئے بھی اس کی ممانعت ہونی چاہئے اور یورپین لوگوں کو بھی اس پر شدید سزائیں دینی چاہئیں۔'' غرض (جس) بھلے مانس نے بھی ٹھنڈے دل سے غور کیا وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ یہ رجس ہے شیطانی عمل ہے، زہر، ہے تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے۔ اس ام الخبائث سے باز آجاؤ ''فھل انتم منتھون'' (معارف القرآن: 529,530) ﴿4﴾ اسلامی معاشیات کا اہم اصول یہ ہے کہ ہر ایسے معاملے کو حرام قرار دیا جس کے ذریعہ دولت پوری ملت سے سمٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر چند سرمایہ داروں کے حوالے ہو سکے قرآن کریم نے اس کا علاج تقسیم دولت کا اصول بیان کرتے ہوئے اس طرح فرمادیا ہے۔ کیلا یکون دولة بین الأغنیاء منکم ۔یعنی مال فے کی تقسیم مختلف طبقوں میں کرنے کا جو اصول قرآن نے مقرر کیا ہے اس کا منشا یہ ہے کہ دولت سمٹ کر صرف سرمایہ داروں میں جمع نہ ہو جائے۔(معارف القرآن:535/1) ﴿5﴾ صحیح مسلم میں بروایت بریدہ رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نردوشیر (چوسر) کھیلتا ہے وہ گویا خزیر کے گوشت اور خون میں اپنے ہاتھ سے رنگتا ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شطرنج میسر یعنی جوئے میں داخل ہے؟ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شطرنج تو نردشر سے بھی زیادہ بری ہے۔(ابن کثیر) ﴿6﴾ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر بری چیز میں بھی کچھ فوائد ہوتے ہیں لیکن انسان کو محض کسی چیز کے چند فوائد نہیں دیکھنے چاہئیں بلکہ نفع اور نقصان میں موازنہ کر کے دیکھنا چاہئے کہ خاص طور پر دین، ایمان اور اخلاق کا فائدہ کہاں ہے؟ اور نقصان کہاں ہے؟ ﴿7﴾ اصول ہے کہ جس کے نقصانات فوائد سے بڑے ہوں، اس کام کو ترک کر دیا جائے۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ نے شراب چھوڑ دینے کے لئے آمادہ کیا ہے۔ ﴿9﴾ تھوڑے سے دنیوی فائدوں کی خاطر جس چیز سے ایمانی، اخلاقی، دینی اور اخروی نقصانات ہوں اسے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سوال 4: ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ ''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیں کہ جو ضرورت سے زائد ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ ''اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس قسم کے نفقہ کا ہمارے اموال میں حکم دیا گیا ہے سو ہم کیا خرچ کریں۔ اس پر آیت نازل ہوئی ﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ اور ابن ابی حاتم نے یحییٰ سے روایت کیا ہے کہ ان تک بات پہنچی ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ اور ثعلبہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور گھر والے بھی ہیں تو ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اتاری۔ (لباب النقول فی اسباب النزول) ﴿2﴾ ﴿ قُلِ الْعَفْوَ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ جو ضرورت سے زائد ہو'' ﴿ الْعَفْوَ ﴾ کے معنی زائد از ضرورت ہیں جو عیش اور نمائش کے زمرے میں نہیں آتی۔ ﴿ اَلْعَفْو ﴾ زکوٰۃ کے علاوہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکوٰۃ ''بے شک مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے۔'' (جامع ترمذی:659) ﴿3﴾ ایسا حق جو مال والا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خود مناسب جگہ خرچ کرتا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے انفاق کے معاملے کو آسان بنا دیا ہے کہ وہی خرچ کریں جو ضرورت سے زائد ہو۔ اس حکم سے مال دار اور فقیر سبھی کو خرچ کرنے کا موقع مل گیا خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہو۔ ﴿5﴾ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنی ضرورت پوری ہونے کے بعد ہو اور ابتداء اس آدمی سے کرو جس کی کفالت تمہارے ذمے ہو۔(بخاری:1426) ﴿6﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ حکم فرضیت زکوٰۃ والی آیت کے ذریعے منسوخ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو گیا۔اور عطاء خراسانی اور سدی وغیرہ کا خیال ہے کہ آیت زکوۃ کے ذریعے اس حکم کی تفصیل بیان کردی گئی ہے کہ آدمی اپنے مال میں سے کیا خرچ کرے اور کن لوگوں پر خرچ کرے۔(تیسیر الرحمٰن:121/1)

سوال5: انفاق سے انسان کو کیا ملتا ہے؟

جواب: انفاق کرنے والے کا دل صاف اور نظر پاک ہوتی ہے، افراد معاشرہ کے ساتھ تعلقات مضبوط ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور انسانی نفس مطمئن ہو جاتا ہے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ نے انفاق کی ترغیب دی ہے لیکن اعتدال کو قائم رکھا ہے۔کیسے، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ زیر کفالت افراد کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے۔﴿2﴾ اس طرح خرچ کرنے سے روکا ہے جس سے خود یا اہل خاندان کو دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑے۔

سوال7: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لیے آیات کھول کر بیان کرتا ہے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر و نواہی کھول کر بیان کردیے ہیں یعنی یہ آیات حق اور باطل کے درمیان فرق کرتی ہیں۔﴿2﴾ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ''تاکہ تم غور وفکر کرو'' تاکہ تم شریعت کے احکامات کو جاننے کے لیے غور وفکر کرو۔﴿3﴾ وہ اپنے احکام لوگوں پر واضح کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ اپنے تمام احکامات وعدے اور وعیدیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ دنیاوی زوال اور اخروی بقا میں غور وفکر کریں۔اس آیت میں غور وفکر کرنے والا جان لیتا ہے کہ دنیا دکھوں کا گھر ہے اور آخرت عیش کا گھر ہے۔جس کو دل سے یہ یقین حاصل ہو جائے وہ دنیا کو آخرت کے مقابلے میں کبھی ترجیح نہیں دے سکتا۔

﴿ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (220) ﴾

''دنیا اور آخرت کے بارے میں اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دو کہ ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بھلائی کا کام ہے اور اگر تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے خوب جانتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ضرور مشقت میں ڈال دیتا، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (220)

سوال1: ﴿ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ ''دنیا اور آخرت کے بارے میں'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: تاکہ تم دنیاوآخرت میں غوروفکر کرو۔ دنیا کے تیزی کے ساتھ ختم ہونے اورآخرت کے باقی رہنے پر غوروفکر کرو جو کہ جزاوسزا کا جہان ہے۔

سوال 2: ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ ''اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ کہہ دو کہ ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بھلائی کا کام ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت 10 نازل فرمائی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ بلاشبہ وہ لوگ جو یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے، اور جلد ہی وہ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ تو ایمان والوں پر بہت گراں گزری۔ انہوں نے خوف سے یتیموں کا مال اوران کا کھانا اپنے کھانے سے الگ کر لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿2﴾ ﴿قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ ''آپ کہہ دو کہ ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بھلائی کا کام ہے''اصل مقصد تو یتیم کے مال کی اصلاح اور حفاظت ہے۔

سوال 3: ﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ﴾ ''اور اگر تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اگر یتیم کا مال دوسرے مال میں اس طرح ملا لیا جائے کہ یتیم کے مال کو نقصان نہ پہنچے تو جائز ہے جیسے بھائی مل جل کر رہتے ہیں۔ اصل معاملہ نیت اور عمل کا ہے۔ (تفسیر سعدی:268/1)

سوال 4: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے خوب جانتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کس کی نیت اصلاح کی ہے اور کس کی نیت میں فساد ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا ڈر آپ کے دل میں ہے، وہ دل اللہ تعالیٰ کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ اگر دل کے اندر بگاڑ ہے تو وہ اسے بھی جانتا ہے۔ اگر دل پاک ہیں تو اللہ تعالیٰ سے وہ بھی چھپے ہوئے نہیں۔ لہٰذا آپ یتیموں سے حسن سلوک جاری رکھیں۔

سوال 5: ﴿وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں ضرور مشقت میں ڈال دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یتیم کے معاملے میں تمہیں مشقت میں ڈال دیتا اور تم گناہ گار ہو جاتے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اصلاح اور بہتری کی غرض سے بھی ان کا مال اپنے مال میں ملانے کی اجازت نہ دیتے تو تم مشقت میں پڑ جاتے۔

سوال 6: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے'' اللہ تعالیٰ کمال درجے کا غلبہ رکھتا ہے۔ ﴿2﴾ لیکن وہ حکیم ہے، وہی فعل انجام دیتا ہے جس کا تقاضا اس کی حکمت کرتی ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے افعال اس کی حکمت کے تابع ہوتے ہیں۔ ﴿4﴾ وہ اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں فائدہ غالب ہو اور اسی سے روکتا ہے جس کا نقصان غالب ہو۔

سوال 7: یتیموں کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جس طرزِ عمل میں ان کے لیے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ ﴿2﴾ اگر اپنا اور یتیموں کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے اپنی کن صفات کے شعور سے یتیموں کی بھلائی کے لئے کام کرنے کی ترغیب دلائی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''عزیز'' سب پر غالب سے یتیموں کے ساتھ بھلائی کرنے کی ترغیب دلائی ہے کہ اگر تم یتیموں پر آج غلبہ رکھتے ہو تو تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حکیم سے بھلائی کرنے کی ترغیب دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت ہے اور یقیناً یتیموں کے ساتھ بھلائی میں ان کے لئے تو فائدہ ہے لیکن بھلائی کرنے والے کے لئے آخرت کے اجر کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلائیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''علیم'' کا شعور دلا کر بھلائی کی ترغیب دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والے کو بھی جانتا ہے اور فساد کرنے والے کو بھی خوب جانتا ہے۔

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (221)﴾

''اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور مومن لونڈی ایک مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ مشرکہ تمہیں اچھی لگے اور نہ ہی اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ مشرک تمہیں اچھا لگے۔ وہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لئے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔'' (221)

سوال 1: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ ''اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ﴾ ''اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو'' جو مشرکہ عورتیں اپنے شرک پر قائم ہوں ان سے نکاح نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کریں۔ ﴿2﴾ ﴿حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں۔یعنی مشرکوں اور بت پرستوں سے رشتہ حرام ہے۔ ﴿3﴾ اس حکم سے اہل کتاب کی عورتیں مستثنیٰ ہیں اس کی دلیل رب العزت کا یہ فرمان ہے: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں جوتم سے پہلے کتاب دیے گئے۔ (المائدہ:5) حدیث سے بھی نکاح کی اجازت ثابت ہے۔سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن وہ ہماری عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے۔ (مختصر ابن کثیر:142/1)

سوال 2: مشرکوں سے نکاح کیوں حرام ہے؟

جواب: مشرکوں سے نکاح حرام ہے کیونکہ ﴿1﴾ مشرکوں کے ساتھ رہنا سہنا اور ان کی صحبت دنیا کی محبت پیدا کرتی ہے۔ ﴿2﴾ مشرکوں کی صحبت حرص پیدا کرتی ہے۔ ﴿3﴾ مشرکوں کی صحبت دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا سکھاتی ہے۔

سوال 3: ﴿وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ ''اور مومن لونڈی ایک مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ مشرکہ تمہیں اچھی لگے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ رب العزت نے وضاحت فرمائی ہے کہ مومنہ عورت بدصورت بھی ہو حسین مشرکہ عورت سے بہتر ہے۔ یہ حکم تمام مشرک عورتوں کے بارے میں عام ہے۔ ﴿2﴾ آیت کا یہ ٹکڑا سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اترا ہے۔ان کے پاس ایک سیاہ لونڈی تھی۔ایک دن اس پر ناراض ہوئے اسے طمانچہ مارا پھر گھبرا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بولے آج مجھ سے یہ قصور ہو گیا ہے۔پوچھا لونڈی کیسی ہے؟ بولے موحد ہے۔نماز روزے کی پابند ہے اور اچھی طرح وضو کرتی ہے۔فرمایا: ابوعبداللہ یہ تو ایمان والی ہے۔ بولے اللہ کی قسم میں اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کرلوں گا۔چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔اس پر کچھ مسلمانوں نے اعتراض کیا کہ انہوں نے اپنی لونڈی سے نکاح کرلیا۔مسلمان چاہتے تھے کہ ان کا نکاح مشرکوں میں کرادیں اور اپنی بیٹیاں بھی دیں تاکہ شرف نسب قائم رہے اس پر یہ آیت اتری۔ (مختصر ابن کثیر:142/1) ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا متاع یعنی سامان ہے اور دنیا کا بہترین مال ومتاع نیک بیوی ہے۔ (مسلم:3649)

سوال 4: ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ ''اور نہ ہی اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ حکم عام ہے کہ مسلمان عورتوں کے نکاح مشرکوں سے نہ کریں۔

سوال 5: تَنْكِحُوا اور تُنْكِحُوا میں کیا فرق ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿تَنكِحُوا﴾ کا مطلب ہے تم یعنی مرد اپنے نکاح نہ کرؤور﴿تُنكِحُوا﴾ کا مطلب ہے''تم اپنی عورتوں کے نکاح کر کے نہ دو'' یہاں نکاح کے بارے میں اس اصول کا پتہ چلتا ہے کہ کوئی عورت ولی کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔

سوال 6:﴿وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ﴾''اور مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے اگر چہ مشرک تمہیں اچھا لگے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾رب العزت نے وضاحت فرمائی ہے کہ ایمان ایسی خوبی ہے کہ ایک غلام کو بھی اعلیٰ درجے تک پہنچا دیتی ہے اگر چہ وہ بدصورت ہو۔﴿2﴾مومن غلام، مشرک، حسین وجمیل اور مال دار مرد سے بہتر ہے۔

سوال 7:﴿أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ﴾''وہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کا تذکرہ کیا جو مسلمان عورت کے مشرک کے ساتھ نکاح کے حرام ہونے میں پائی جاتی ہے۔﴿2﴾﴿أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ﴾ وہ اپنے اقوال سے، اپنے اعمال سے اور اپنے حالات سے آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔یہ ابدی خطرہ ہے اس لیے اس سے بچ جائیں۔﴿3﴾اس آیت کریمہ کی علت سے مشرک اور بدعتی سے اختلاط کی ممانعت مستفاد ہوتی ہے۔جب مشرکین سے نکاح جائز نہیں حالانکہ اس میں بہت سے مصالح ہیں تو مجرد اختلاط تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔خاص طور پر جب کہ مشرک مسلمان پر معاشرتی طور پر فوقیت رکھتا ہو مثلاً مسلمان مشرک کا خادم ہو۔(تفسیر سعدی:269/1)

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے دین کو نظر انداز کر کے محض حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو کیسا عمل قرار دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دین کو نظر انداز کر کے حسن و جمال کی بنیاد پر نکاح کرنے کو آخرت کی بربادی قرار دیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ''عورت سے نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے، اس کے خاندانی شرف کی وجہ سے، اس کی خوب صورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے اور تو دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کر، اگر ایسا نہ کرے تو تیرے ہاتھوں کو مٹی لگے گی (یعنی آخرت میں تجھ کو ندامت ہوگی)۔''(صحیح بخاری:5090)

سوال 9:﴿وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ﴾''اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے'' اللہ تعالیٰ کس چیز کی طرف بلاتا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے یعنی اس کے حصول کے لیے کوشش کرنے کی طرف بلاتا ہے۔﴿2﴾یہ دعوت سچی توبہ، اخلاص، علم نافع عمل صالح اور توکل کی دعوت ہے۔﴿3﴾﴿بِإِذْنِهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور اس کے آسان کرنے سے یا اس کی قضا اور اس کے ارادے سے۔(تفسیر بیضاوی:508/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال10:﴿ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴾'' اور وہ لوگوں کے لئے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں'' اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے اپنی آیات کیوں بیان کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ اپنی آیات لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کی آیات وہ علم عطا کرتی ہیں جسے انہوں نے بھلا دیا تھا۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی آیات اطاعت،فرماں برداری کی عکاس ہیں جو جنت اور مغفرت کے حصول کے اسباب ہیں۔

رکوع نمبر28

﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (222) ﴾

'' اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں،آپ کہہ دو وہ گندگی ہے،چنانچہ حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ پھر جب وہ غسل کرلیں تو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے ان کے پاس آؤ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''(222)

سوال1:﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ﴾'' اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے حیض کے بارے میں مسلمانوں کے سوال سے آگاہ فرمایا ہے۔﴿2﴾حیض کے بارے میں مسلمان یہ وضاحت چاہتے تھے کہ عورتوں سے کس طرح تعلق رکھا جائے جیسا کہ حیض کے دنوں سے پہلے تھا یا مکمل طور پر الگ ہو جائیں جیسے یہودی کیا کرتے ہیں۔

سوال2:﴿ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ﴾'' آپ کہہ دو وہ گندگی ہے، چنانچہ حیض میں عورتوں سے الگ رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے حیض کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے کہ وہ ایک نجاست یعنی گندگی ہے۔﴿2﴾﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ﴾'' چنانچہ حیض میں عورتوں سے الگ رہو'' اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ گندگی سے روک کر اس کی حدود مقرر کردیں۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ حیض کی جگہ سے دور رہو۔اس سے مراد شرم گاہ میں جماع ہے جو حیض میں حرام ہے۔﴿4﴾اس تخصیص سے جو حیض میں حرام ہے پتہ چلتا ہے کہ شرم گاہ میں مجامعت کے سوا عورت کو چھونا اور اس سے اختلاط جائز ہے۔﴿5﴾حیض کی حالت میں عورتوں کے قریب نہ جاؤ یعنی ان سے صحبت نہ کرو۔﴿6﴾عورتوں کے قریب نہ جانے کا مطلب صرف جماع نہ کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد:﴿ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ عورت کے ساتھ ایسے اختلاط کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے جو فرج کے قریب یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان ہو۔اس قسم کے اختلاط کو ترک کر دینا چاہیے۔نبی اکرم ﷺ جب کبھی اپنی کسی بیوی کے ساتھ اختلاط کرنا چاہتے تو اسے ازار پہننے کا حکم دیتے تب اس کے ساتھ اختلاط کرتے۔(بخاری:302)《7》سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حالت اعتکاف میں اپنا سر مبارک (مسجد میں بیٹھے بیٹھے) میری طرف (میرے حجرے میں) نکال دیتے اور میں آپ ﷺ کے سر کو دھو دیتی اس حال میں کہ میں حائضہ ہوتی۔(صحیح مسلم:686)سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کو حائضہ ہونے کی حالت میں بھی کنگھا کیا کرتی تھی۔(صحیح بخاری:295)《8》عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ میری گود میں سر رکھ کر قرآن مجید پڑھتے حالانکہ میں اس وقت حیض والی ہوتی تھی۔(بخاری:297)《9》نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ لیٹے ہوتے اس حال میں کہ میں حائضہ ہوتی۔میرے اور آپ ﷺ کے درمیان ایک کپڑا ہوتا۔(مسلم:682)《10》سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حالت حیض میں پانی پیتی پھر میں نبی کریم ﷺ کو دے دیتی تو آپ ﷺ اپنا منہ مبارک اس جگہ رکھتے جہاں میرا منہ (لگا) ہوتا تھا پھر نوش فرماتے اور میں ہڈی چوستی حالت حیض میں۔پھر میں نبی کریم ﷺ کو دے دیتی تو آپ ﷺ اپنا منہ مبارک میرے منہ رکھنے کی جگہ پر رکھتے۔(مسلم:692)《11》سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے مسجد سے جائے نماز اٹھا کر دو تو میں نے کہا: میں تو حائضہ ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔(صحیح مسلم:689)《12》سیدہ عمارہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں شوہر اور بیوی کا بستر ایک ہو تو وہ کیا کرے،یعنی اس حالت میں اس کا شوہر اس کے ساتھ سو سکتا ہے یا نہیں؟ (قریب رہ سکتا ہے یا نہیں؟) آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سنو ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لائے،زیادہ دیر لگ گئی اور مجھے نیند آ گئی۔آپ ﷺ کو سردی لگنے لگی۔آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: ادھر آؤ! میں نے کہا: میں تو حیض سے ہوں۔آپ ﷺ نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے،میں بھی آپ ﷺ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ ﷺ کو نیند آ گئی۔(ابن کثیر:305/1)

سوال 3: حیض سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》بلوغت کے بعد عورت کو مخصوص ایام میں جو خون آتا ہے،اسے حیض کہتے ہیں۔(حلیۃ الفقہاء:63،انیس الفقہاء:63)《2》حیض کے دنوں کی تعداد مقرر نہیں۔《3》اس حالت میں عورت کا جسم اور کپڑے دونوں پاک ہوتے ہیں اور نبی ﷺ کا یہ فرمان ''حیض ایک چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کی قسمت میں لکھ دیا ہے اور بعضوں نے کہا (ابن مسعود اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے) سب سے پہلے حیض بنی اسرائیل (کی عورتوں) پر بھیجا گیا۔امام بخاری نے کہا اور نبی ﷺ کی حدیث سب عورتوں کو شامل ہے۔(صحیح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بخاری کتاب الحیض باب:1) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ ہم حج کے ارادہ سے نکلے۔ جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میں حائضہ ہوگئی اور اس رنج سے رونے لگی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تمہیں کیا ہوگیا، کیا حائضہ ہوگئی ہو؟'' میں نے کہا: ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دیا ہے، اس لیے تم بھی حج کے افعال پورے کرلو البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ (صحیح بخاری:294)

سوال 4: حیض کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُوَ أَذًى﴾ ''وہ گندگی ہے'' یہ کیسی گندگی ہے؟

جواب: ﴿أَذًى﴾ کا لفظ جو حیض کے لیے استعمال ہوا ہے، اس سے مراد گندگی بھی ہے اور بیماری بھی۔ طبی لحاظ سے اس حالت میں عورت صحت کی بہ نسبت بیماری سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

سوال 5: حیض کی مدت کتنی ہوتی ہے؟

جواب: ہر عورت کے جسم اور اس کے مزاج کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہے جو عموماً کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن تک ہوسکتی ہے اور اپنی اپنی عادت کا ہر عورت کو علم ہوتا ہے۔ (تیسیر القرآن:171/1)

سوال 6: استحاضہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: بعض اوقات عادت کے خلاف بیماری کی وجہ سے جو خون آتا ہے اسے استحاضہ کہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش کو استحاضہ کا خون آیا کرتا تھا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے اس لیے جب حیض کے دن آئیں تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب حیض کے دن گزر جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھ لیا کر۔ (صحیح بخاری:320)

سوال 7: نفاس کسے کہتے ہیں؟

جواب: عورت کو زچگی کے بعد جو خون آتا ہے، اسے نفاس کہتے ہیں۔

سوال 8: حیض کے کیا احکامات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ حائضہ نماز نہیں پڑھ سکتی اور حیض کے دوران اسے نماز معاف ہے۔ ان کی قضاء اس پر واجب نہیں۔ ﴿2﴾ وہ روزے بھی نہیں رکھ سکتی لیکن روزے اسے معاف نہیں بلکہ بعد میں اس کی قضاء دینا واجب ہے۔ ﴿3﴾ وہ ماسوائے طواف کعبہ کے حج کے باقی سب ارکان بجا لاسکتی ہے، اور واجب طواف کعبہ کے لیے اسے اس وقت تک رکنا پڑے گا جب تک وہ پاک نہ ہوجائے۔ ﴿4﴾ وہ کعبہ میں یا کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔ ﴿5﴾ وہ قرآن کو نہیں چھوسکتی البتہ اکثر علماء کے نزدیک زبانی قرآن کریم کی تلاوت کی اسے اجازت ہے۔ ﴿6﴾ استحاضہ حیض سے بالکل الگ چیز ہے۔ استحاضہ بیماری ہے جب کہ حیض بیماری نہیں بلکہ عورت کی عادت میں شامل ہے لہٰذا استحاضہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں وہ تمام پابندیاں اٹھ جاتی ہیں جو حیض کی صورت میں تھیں حتیٰ کہ اس سے صحبت بھی کی جاسکتی ہے۔(تیسیر القرآن:171/1)

سوال 9: **حیض کے بارے میں یہودیوں میں کیا غلط فہمی پائی جاتی تھی؟**

جواب: حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے، نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔یہودیوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے یہ سوال کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہود میں سے جب کسی عورت کو حیض آتا تو وہ اس کو نہ تو اپنے ساتھ کھلاتے اور نہ ان کو گھروں میں اپنے ساتھ رکھتے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ﴾ ''آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ ﷺ فرمادیں کہ وہ گندگی ہے پس عورتوں سے حیض میں جدا رہو'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جماع کے علاوہ ہر کام کرو'' یہود کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اس آدمی (نبی ﷺ) کا کیا ارادہ ہے؟ ہمارا کوئی کام نہیں چھوڑتا جس میں ہماری مخالفت نہ کرتا ہو۔یہ سن کر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہودی اس طرح کہتے ہیں۔کیا ہم عورتوں سے جماع ہی نہ کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور متغیر ہوگیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ کو ان دونوں پر غصہ آیا ہے۔وہ دونوں اٹھ کر باہر نکل گئے۔اتنے میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے دودھ کا ہدیہ ان دونوں کے ہاں سے آیا تو آپ ﷺ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا اور ان کو دودھ پلایا تو ہم نے معلوم کیا کہ آپ ﷺ کو ان پر غصہ نہ تھا۔(صحیح مسلم:694)

سوال 10: **﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ ''اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں ان کے قریب نہ جاؤ'' کی وضاحت کریں؟**

جواب: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ ''اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں ان کے قریب نہ جاؤ'' حیض کی حالت میں عورت کے قریب نہ جانے کا حکم ہے جب تک کہ پاک صاف نہ ہوجائیں۔

سوال 11: **﴿ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ ﴾ ''پھر جب وہ غسل کرلیں'' کی وضاحت کریں؟**

جواب: ﴿ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب وہ حیض سے پاک ہوجائیں یعنی حیض کے بعد غسل کرلیں۔

سوال 12: **﴿ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''تو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے ان کے پاس آؤ'' اس سے کیا مراد ہے؟**

جواب: ''تو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے ان کے پاس آؤ'' سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حالت حیض میں جس کے استعمال سے روکا تھا حیض بند ہوجانے کے بعد اسی کی اجازت ہے یعنی شرم گاہ کی۔

سوال 13: **اللہ تعالیٰ نے شوہر کو کس تعلق کی اجازت نہیں دی؟**

جواب: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے حائضہ سے ہم بستری کی یا عورت سے فعل قوم لوط کیا یا کاہن کے پاس گیا تو اس نے جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے اس کا انکار کیا۔(جامع ترمذی:135)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 14: ﴿ يَطْهُرْنَ ﴾ اور ﴿ تَطَهَّرْنَ ﴾ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ يَطْهُرْنَ ﴾ سے مراد خون حیض کا بند ہو جانا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ تَطَهَّرْنَ ﴾ سے مراد غسل کرنا ہے۔

سوال 15: پاک ہو جانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: پاک ہو جانے سے مراد حیض کا خون بند ہو جانا ہے۔ایسی صورت میں عورت غسل کے بغیر بھی پاک ہو جاتی ہے اور مرد کے لئے مباشرت کرنا جائز ہے۔علامہ البانی نے ابن حزم کی تائید کی ہے۔(آداب الزفاف:47)

سوال 16: کیا حائضہ عورت پر غسل فرض ہے؟

جواب: اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ عورت پر غسل فرض ہے اور غسل کی صحت کے لیے خون کا منقطع ہونا شرط ہے۔(تفسیر سعدی:271/1)

سوال 17: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور بہت پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ گناہوں سے مستقل توبہ کرتے رہنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان لوگوں کو جو ہمیشہ توبہ کرتے رہتے ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ اللہ تعالیٰ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے جو شرک سے بھی پاک رہتے ہیں اور پانی سے حسی طہارت بھی حاصل کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ یہ آیت کریمہ حدث اور نجاست سے حسی طہارت کو شامل ہے۔پس اس آیت سے طہارت کی مطلق مشروعیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو طہارت کی صفت سے متصف ہو۔اس لیے مطلق طہارت صحت، نماز، صحت طواف اور مصحف شریف کو چھونے کے لیے شرط ہے۔یہ آیت کریمہ معنوی طہارت یعنی اخلاق رزیلہ، صفت قبیح اور افعال خسیسہ جیسی معنوی نجاستوں سے طہارت کو بھی شامل ہے۔(تفسیر سعدی:271/1)

﴿ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (223) ﴾

”تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں، چنانچہ جہاں سے چاہو اپنی کھیتی میں آؤ اور اپنی جان کے لئے (عمل) آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو یقیناً تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو اور آپ ایمان والوں کو خوش خبری دے دیں۔“(223)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ یہودی کہتے تھے کہ اگر عورت سے ہم بستری کے لیے کوئی پیچھے سے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آئے گا تو بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ’’ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں سو اپنی کھیتی میں جدھر سے چاہو آؤ۔‘‘(صحیح بخاری:4528)﴿2﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں ہلاک ہوگیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: کس چیز نے تمہیں ہلاک کردیا؟ عرض کیا: رات پشت کی طرف سے ہوکر میں نے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرلی ہے، آپ ﷺ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔اتنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:(نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ) یعنی خواہ تم اپنی کھیتیوں میں سامنے کی طرف سے آؤ یا پشت کی طرف سے، پیچھے کے راستہ میں اور حیض کے زمانہ میں صحبت کرنے سے بچو۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)

سوال2:﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾’’ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی تمہارے لیے اولاد کو جنم دیتی ہیں۔﴿2﴾کھیتی اگنے کی جگہ اولاد پیدا ہونے والا مقام ہے۔﴿3﴾تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنے کھیت میں وہیں سے آؤ یعنی قبل سے جماع کرو کیونکہ دبر میں جماع حرام ہے۔اس فعل کے مرتکب پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔(سنن ابی داؤد:2162)

سوال3:قرآن حکیم میں عورت کو مرد کی کھیتی قرار دیا گیا ہے،عورت کے لیے حرث کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟

جواب:’’ تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں‘‘ قرآن حکیم میں عورت کو مرد کی کھیتی قرار دیا گیا ہے،عورت کے لیے حرث کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا کہ ﴿1﴾کسان کے لیے جیسے کھیت قدر و قیمت کے حامل ہوتے ہیں ایسے ہی مرد کے لیے عورت قیمتی اثاثہ ہے،تفریح کا سامان نہیں ہے۔﴿2﴾مرد اور عورت کا تعلق بامقصد ہے۔عورت مرد کے لیے سیرگاہ نہیں ہے بلکہ نسل انسانی کے کسان کو بھی اپنے کھیت میں اس لیے جانا چاہیے کہ اس سے پیداوار حاصل کرے۔

سوال4:مرد کو عورت سے تعلق رکھنے کا سلیقہ کیسے سکھایا گیا؟

جواب:﴿1﴾یہ تعلق بامقصد ہے:(الف)اس تعلق سے آئندہ نسل کو برقرار رکھنا ہے۔(ب)اس تعلق میں ایک دوسرے کے پاس سکون حاصل کرنا ہے۔(ج)محبت اور رحمت کی فضا قائم رکھنی ہے۔﴿2﴾اصل مقصد شہوت رانی نہیں۔﴿3﴾اس تعلق میں سنجیدہ ہونا چاہیے جیسے کھیتی کا منصوبہ بنانے والا سنجیدہ ہوتا ہے۔﴿4﴾اس تعلق کے لیے انتخاب کے وقت سب سے زیادہ جس چیز کو دیکھنا چاہیے وہ ایمان ہے۔﴿5﴾اس تعلق کو اللہ تعالیٰ کی فطری بناوٹ کے مطابق اپنے فطری ڈھنگ پر ہونا چاہیے۔﴿6﴾ہر مرحلے میں انسان پر اللہ تعالیٰ کا خوف غالب رہنا چاہیے کہ رب العالمین کے یہاں جانا ہے جو کھلے اور چھپے سے باخبر ہے۔

سوال5:﴿وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ﴾’’ اور اپنی جان کے لئے (عمل) آگے بھیجو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:یعنی نیکیوں کے کام سرانجام دے کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو اور ان نیکیوں میں ایک نیکی یہ بھی ہے کہ مرد اپنی بیوی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سے مباشرت کرے۔ یہ مباشرت اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر اور اولاد کے حصول کی امید کے ساتھ ہو وہ اولاد جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچاتا ہے۔(تفسیر سعدی:271/1)

سوال 6: ازدواجی تعلق کے بارے میں ہدایات دینے کے بعد فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو یقیناً تم اس سے ملنے والے ہو'' اس سے ازدواجی تعلق کے بارے میں اسلام کے مؤقف کا پتہ چلتا ہے۔ وضاحت کریں؟

جواب: اسلام شوہر اور بیوی کے تعلق کو عبادت اور خدا خوفی کی بنیاد پر قائم کرتا ہے کہ اگر اس میں اللہ تعالیٰ کی حدود کی پابندی کرو گے تو یہ آخرت میں اجر کا باعث ہوگا۔ ایک دن اس کے پاس جانا ہے، وہاں تمہیں اپنے اعمال کا صلہ ملے گا۔ ﴿2﴾ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور حالت حیض میں ان کے قریب نہ جاؤ اور نہ دبر میں جماع کرو۔ ﴿3﴾ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾ ''اور جان لو یقیناً تم اس سے ملنے والے ہو'' یعنی قیامت کے دن اس کے پاس پہنچو گے پھر وہ تمہارے اعمال سے تمہیں رسوا کر دے گا۔(تفسیر سمرقندی:146) ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال صالح کی جزا دے گا۔

سوال 7: اللہ تعالیٰ نے عورت سے فطری تعلق کی ترغیب دلا کر غیر فطری عمل سے روکنے کے لئے کس چیز کا شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے عورت سے فطری تعلق کی ترغیب دلا کر غیر فطری عمل سے روکنے کے لئے اپنی ملاقات کا شعور دلایا ہے۔

سوال 8: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور آپ ایمان والوں کو خوشخبری دے دیں'' اس آیت میں ایمان والوں کو خوشخبری دینے کو کہا گیا، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ایمان والوں کو خوشخبری دی گئی ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔(الاساس:519/1)

﴿2﴾ جو اپنی عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو مان لیتے ہیں۔ مومن تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے حکم پر ایمان لاتا ہو۔

﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ(224)﴾

''اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ نہ تم نیکی کرو گے اور (نہ) تم (گناہوں سے) بچو گے اور (نہ) تم لوگوں کے درمیان اصلاح کرو گے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(224)

سوال 1: ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ نہ تم نیکی کرو گے اور (نہ) تم (گناہوں سے) بچو گے اور (نہ) تم لوگوں کے درمیان اصلاح کرو گے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ تم اپنی قسم کو اس لیے استعمال نہ کرو کہ تم بھلائی کے کام نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کروگے بلکہ قسم کا کفارہ ادا کرو اور بھلائی کے کام کرتے جاؤ۔《 2 》بعض لوگ غصہ میں آ کر کسی نیک کام کے نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں اور پھر اس قسم کو نیکی سے باز رہنے کے لیے آڑ بنا لیتے ہیں۔اس آیت میں اس قسم کے لوگوں کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اس لیے نہ کھاؤ کہ نیکی، پرہیزگاری، لوگوں میں صلح کرانے جیسے نیک کاموں سے باز رہنے کا بہانہ ہاتھ آ جائے کیونکہ ایک غلط قسم پر اڑے رہنا گناہ ہے۔《 3 》ان آیات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ کی قسم سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ یعنی اگر کسی اچھے کام کے نہ کرنے پر قسم کھا لو تو اسے توڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی بات کے متعلق قسم کھا لے اور اس کے بعد اسے محسوس ہو کہ اس نے غلطی کی ہے تو قسم توڑ دے اور کفارہ دے دے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی مسلمان کو نیکی کے احکام سے نہیں روکتے۔(سراج البیان:82/1)《 4 》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی کو رات کے وقت نبی ﷺ کے پاس دیر ہو گئی، پھر اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹا تو بچوں کو سوتا ہوا پایا۔اس کے پاس اس کی بیوی کھانا لائی تو اس نے قسم کھائی کہ وہ اپنے بچوں کی وجہ سے نہیں کھائے گا۔پھر اس کے لیے (مسئلہ) ظاہر ہو گیا تو اس نے کھا لیا۔پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی بات کی قسم کھائے اور پھر کسی دوسری بات کو اس سے بہتر پائے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے اور بہتر بات پر عمل کرے۔(صحیح مسلم:4271)《 5 》سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے چچا کے بیٹے کے پاس جاتا ہوں اس سے کچھ سوال کرتا ہوں سو وہ مجھے نہیں دیتا اور صلہ رحمی نہیں کرتا پھر اسے حاجت درپیش ہو جاتی ہے تو مجھ سے آ کر سوال کرنے لگتا ہے حالانکہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اسے کچھ نہ دوں گا اور صلہ رحمی نہیں کروں گا۔اس کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں وہ کام کروں جو خیر ہو اور قسم کا کفارہ دے دوں۔(مشکوٰۃ المصابیح:297)《 6 》کوئی اچھا کام نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کے نام کو بدنام نہ کرو جیسے یہ قسم کہ میں اپنے ماں باپ سے نہ بولوں گا یا بیوی سے اچھا سلوک نہ کروں گا یا فلاں کو صدقہ نہ دوں گا یا یہ کہ اب میں کسی کے درمیاں مصالحت نہ کراؤں گا یعنی برائی کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کے نام کو استعمال مت کرو اور اگر کسی نے یہ کام کیا ہو تو اسے چاہیے کہ قسم توڑ ڈالے اور اس کا کفارہ ادا کرے۔چنانچہ آپ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ کو حکم دیا کہ اگر تم کسی بات کی قسم کھاؤ پھر اس کے خلاف کرنا بہتر سمجھو تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور جس کام کو بہتر سمجھو وہی کرو۔(بخاری کتاب الایمان:6622)

سوال 2: قسم کیوں کھائی جاتی ہے؟

جواب:《 1 》حلف اور قسم کا مقصد اس ہستی کی تعظیم ہے جس کی قسم کھائی جائے اور اس چیز کی تاکید مراد ہے جس پر قسم کھائی جائے۔《 2 》اللہ تعالیٰ نے قسموں کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر معاملے میں قسم کی حفاظت کی جائے مگر اس سے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس میں کسی کے ساتھ احسان (نہ کرنے) کی قسم کھائی گئی ہو۔(تفسیر سعدی:272/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: کس قسم پر قائم رہنا اور کس کو توڑنا واجب ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو کوئی کسی واجب کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے اس پر قسم توڑنا واجب ہے اور اس قسم پر قائم رہنا حرام ہے۔ ﴿2﴾ جو کوئی کسی مستحب کو چھوڑنے کی قسم کھاتا ہے اس پر اس قسم کو توڑنا مستحب ہے۔ ﴿3﴾ جو کسی حرام امر کے ارتکاب کا حلف اٹھاتا ہے اس پر حلف توڑنا واجب ہے۔ ﴿4﴾ اگر وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب پر قسم اٹھاتا ہے تو اس پر اس قسم کو توڑنا مستحب ہے۔ ﴿5﴾ رہے مباح امور تو ان کے بارے میں اٹھائی ہوئی قسم کی حفاظت کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اس آیت کریمہ سے اس مشہور فقہی اور قانونی قاعدے پر استدلال کیا جاتا ہے: اِذَا تَزَاحَمَتِ الْمَصَالِحُ قُدِّمَ اَهَمُّهَا جب مصالح میں باہم ٹکراؤ ہو تو اس کو مقدم رکھا جائے گا جو ان میں سب سے زیادہ اہم ہوگا۔ یہاں قسم کا پورا کرنا ایک مصلحت ہے اور ان اشیاء میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا اس سے زیادہ بڑی مصلحت ہے اس لیے اس کو مقدم رکھا جائے گا۔ (تفسیر سعدی: 273/1)

سوال 4: قسم کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ ﴿2﴾ یا کپڑے پہنانا۔ ﴿3﴾ یا ایک غلام آزاد کرنا۔ ﴿4﴾ یا تین روزے رکھنا۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے بھلائی، پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان اصلاح کے عمل کو چھوڑ بیٹھنے سے کن صفات کا شعور دلا کر روکا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات سمیع اور علیم کا شعور دلا کر بھلائی، تقویٰ اور اصلاح کے عمل کو چھوڑ بیٹھنے سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع ہے انسان جو کہتا ہے وہ سنتا ہے اس سننے کا شعور انسان کو برا کہنے سے روکتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ علیم ہے انسان جو کرتا ہے وہ اس کے علم میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا شعور انسان کو اصلاح کے کام چھوڑنے سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا شعور انسان کو بھٹکنے اور گناہوں میں مبتلا ہونے سے روکتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سمیع ہے تمام آوازوں کو سننے والا ہے وہ علیم ہے مقاصد اور نیتوں کو خوب جانتا ہے گویا وہ قسم اٹھانے والوں کی بات کو سنتا ہے اور ان کے مقاصد کو بھی جانتا ہے کہ آیا یہ قسم کسی نیک مقصد کے لیے اٹھائی گئی ہے یا برے مقصد کے لیے۔ (تفسیر سعدی: 273/1) یہ شعور قسم اٹھاتے ہوئے بھلائی، پرہیزگاری، اور اصلاح کے کاموں کو چھوڑنے سے بچاتا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ جائیں، وہ علیم ہے اعمال اور نیتوں کو جانتا ہے۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ(225)﴾

"اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تمہیں نہیں پکڑتا، وہ اس کی وجہ سے تمہیں پکڑتا ہے جو تمہارے دلوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔" (225)

سوال 1: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ﴾ "اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تمہیں نہیں پکڑتا" لغو سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: لغو سے مراد باطل ہے جس میں کوئی خیر نہ ہو۔

سوال 2: لغو قسموں سے کیا مراد ہے؟ کیا لغو قسموں پر کفارہ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی کا اپنے گھر میں یہ قول ہے اللہ کی قسم اور کیوں نہیں اللہ کی قسم وغیرہ۔ (جامع البیان: 454/2) ﴿2﴾ لغو قسموں پر نہ کفارہ ہے نہ مؤاخذہ۔

سوال 3: ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ ''وہ اس کی وجہ سے تمہیں پکڑتا ہے جو تمہارے دلوں نے کمایا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''وہ اس کی وجہ سے تمہیں پکڑتا ہے جو تمہارے دلوں نے کمایا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پکڑ دلوں کے افعال پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان قسموں کی باز پرس کرتے ہیں جو دلی ارادے سے کھائی جائیں۔

سوال 4: ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ﴾ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا ہے۔ اس شخص کو بخش دیتا ہے جو توبہ کے ذریعے اس کی طرف لوٹتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿حَلِيْمٌ﴾ جو شخص نافرمانی کرتا ہے اس کے معاملے میں وہ حلم سے کام لیتا ہے۔ اس کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، اپنے حلم کی بنا پر اس کی پردہ پوشی کرتا ہے اور بندے پر قدرت رکھنے اور اپنے سامع ہونے کے باوجود اس سے درگزر کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی 273/1:) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور اور حلیم ہونے کا شعور دلا کر توبہ کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (226)﴾

''ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھیں انہیں چار ماہ تک انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (226)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: اسباب النزول میں ہے کہ یہ آیت سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان کے بہنوئی اور بہن کے درمیان کچھ ناراضگی ہو گئی تھی انہوں نے قسم کھائی کہ اس کے پاس کبھی بھی نہیں جائیں گے اور نہ اس سے بات کریں گے اور نہ میاں بیوی کے درمیان صلح کرائیں گے۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے تو قسم کھا رکھی ہے اب میں اس کی خلاف ورزی کیسے کروں؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بالا نازل فرمائی۔ (اسباب النزول: 72)

سوال 2: ﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھیں'' ایلاء کے کیا معنی ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھالے تو یہ ایلاء ہے۔(ایسر التفاسیر:116)

سوال 3: ایلاء کا کیا حکم ہے؟

جواب:《1》جس شخص نے جتنا عرصہ بیوی سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھائی ہو وہ عرصہ گزر جانے کے بعد تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں۔《2》اگر ایسا شخص مدت پوری ہونے سے پہلے تعلق قائم کر لیتا ہے تو قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔《3》اگر چار ماہ سے زیادہ مدت کا تعین کیے بغیر قسم کھائے تو ایسے شخص کے لیے اس آیت میں چار ماہ کی مدت مقرر کر دی ہے کہ یا تو اس مدت کے پورا ہوتے ہی اپنی بیوی سے تعلقات قائم کرے اور یا پھر سیدھی طرح سے طلاق دے دے۔ پہلی صورت بھی اختیار نہ کرے تو حاکم وقت کو اختیار ہوگا کہ وہ اسے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کرے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور جمہور ائمہ کا یہی فتویٰ ہے۔(ابن کثیر)《4》سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں سے ایلا کیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں موچ آئی ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتیس دن تک الگ بالا خانے میں قیام پذیر رہے۔ انتیس دنوں کے بعد تشریف لائے تو لوگوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک مہینہ کی قسم کھائی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔''(صحیح بخاری:5289) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ایلاء کے چار ماہ گزر جائیں تو مرد کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔(صحیح بخاری:5291)

سوال 4: چار ماہ کی عدت میں کیا حکمت ہے؟

جواب: عورت کی فطری خواہشات اور قوت برداشت کا خیال رکھتے ہوئے یہ مدت مقرر کی ہے۔

سوال 5: ایلاء میں رجوع کب تک کیا جا سکتا ہے؟

جواب: ایلاء میں 4 ماہ کے اندر اندر رجوع کیا جا سکتا ہے۔ چار ماہ میں ایک مرتبہ بیوی کے ساتھ مجامعت فرض ہے کیونکہ چار ماہ کے بعد یا تو اسے مجامعت پر مجبور کیا جائے گا یا اسے طلاق دینی پڑے گی۔ یہ جبر صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ کسی واجب کو ترک کرے۔(تفسیر سعدی 274/1:)

سوال 6: اگر ایلاء کی عدت گزر جائے تو کیا طلاق ہو جائے گی؟

جواب:《1》عدت گزرتے ہی ایک طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی۔《2》یہ طلاق بائن ہوگی۔《3》دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

سوال 7:《فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ》''تو اللہ تعالیٰ یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تو اللہ تعالیٰ یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' قسم اٹھانے کی وجہ سے انہوں نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا ان کے رجوع کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا۔《2》اللہ تعالیٰ رحیم یعنی نہایت رحم والا ہے کہ اس نے بندوں کی قسموں کو اٹوٹ اور ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر لازم قرار نہیں دیا بلکہ ان سے باہر نکلنے کے لیے کفارہ مقرر کیا۔ وہ ان پر اس لحاظ سے بھی مہربان ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں سے رجوع کیا ان سے مہربانی اور شفقت سے پیش آئے۔ (یعنی ان کا رجوع بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہے۔ (تفسیر سعدی:274/1)

سوال 8: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات **غَفُوْرٌ** اور **رَّحِیْمٌ** کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے شوہر کو قسم کھانے کے بعد لوٹنے کے لئے اپنی صفت رحمت ''رحیم'' کا شعور دلایا ہے کہ لوٹنے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی اور اللہ تعالیٰ قسم کے گناہ کو معاف کر دے گا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مغفرت ''غفور'' کا شعور دلایا ہے۔

﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾(227)

''اور اگر وہ طلاق دینے کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ یقیناً سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔''(227)

سوال 1: ﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ﴾ ''اور اگر وہ طلاق دینے کا ارادہ کریں'' طلاق کسے کہتے ہیں؟

جواب: شوہر اور بیوی میں ہم آہنگی نہ ہو سکے تو رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کے لیے مرد اور عورت کے درمیان جدائی کے لیے مرد کو جو حق اسلام دیتا ہے اسے طلاق کہتے ہیں۔

سوال 2: ''اگر وہ طلاق کا ارادہ کرلیں'' ان الفاظ سے ''ایلاء'' کے حکم کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ چار ماہ گزرتے ہی طلاق خود بخود واقع نہیں ہوگی بلکہ شوہر کے طلاق دینے سے ہوگی۔

سوال 3: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ یقیناً سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: طلاق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ جانتے اور سنتے ہیں کہ تم دونوں میں سے کون ظالم اور کون مظلوم ہے۔ لہٰذا طلاق کے معاملہ میں احتیاط ضروری ہے۔ ذرا سی غفلت سے دونوں زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ (سراج البیان:83/1)

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ﴿سَمِيعٌ اور عَلِيمٌ﴾ کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے طلاق کے ارادے سے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو تم دل میں رکھتے ہو اللہ تعالیٰ علیم ہے، اسے جانتا ہے۔ ﴿2﴾ اور جو تم زبان سے کہتے ہو اللہ تعالیٰ سمیع ہے، اسے سنتا ہے۔

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِن كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(228)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہوں اور ان کے شوہر اس دوران میں انہیں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ اصلاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اور عورتوں کے بھی معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے اوپر حق ہے اور مردوں کا ان پر ایک درجہ ہے اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (228)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورت کو طلاق دی جاتی تھی مطلقہ (طلاق شدہ عورت) کے لئے عدت نہیں تھی، اس پر اللہ تعالیٰ نے طلاق کے لیے عدت نازل فرمائی۔ یعنی طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض تک عدت گزاریں۔ (لباب النقول فی اسباب النزول)

سوال 2: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ ''اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں'' یہاں کن طلاق یافتہ عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے؟

جواب: یہاں ان طلاق یافتہ عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے ﴿1﴾ جو حاملہ نہ ہوں۔ ﴿2﴾ جن کو دخول سے پہلے طلاق نہ دی گئی ہو۔ ﴿3﴾ جن کو حیض آنا بند نہ ہوا ہو۔ ﴿4﴾ جن کو حیض آنا شروع ہو چکا ہو۔

سوال 3: طلاق کی عدت تین قروء ہے۔ ''قُرُوْٓءٍ'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''قروء'' سے مراد تین حیض بھی ہو سکتے ہیں اور تین طہر بھی۔ دونوں معنوں کی گنجائش ہے۔ (ابن کثیر)

سوال 4: ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ ''اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں'' انتظار میں رکھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: انتظار میں رکھنے سے مراد ہے کہ طلاق یافتہ عورتیں تین حیض تک دوسری جگہ شادی کرنے سے خود کو روکے رکھیں۔ اس آیت کریمہ کے عموم سے مندرجہ ذیل صورتیں مستثنیٰ ہیں: ﴿1﴾ اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ ﴿2﴾ اگر مطلقہ غیر مدخولہ ہے یعنی اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو اس پر کوئی عدت نہیں۔ ﴿3﴾ لونڈیوں کی عدت دو حیض ہیں جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ آیات کریمہ کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ آیت میں مذکورہ عورت سے مراد آزاد عورت ہے۔ (تفسیر سعدی: 278/1)

سوال 5: ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ﴾ ''اور ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں پر واجب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں جو کچھ تخلیق کیا ہے اس کے بارے میں آگاہ کریں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اورحمل یا حیض کا چھپانا ان پر حرام ٹھہرایا کیونکہ ان کا حمل یا حیض کا چھپانا بہت سے مفاسد کا سبب بنتا ہے۔(تفسیر سعدی:275/1)《2》اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حیض اور حمل کے بارے میں عورت اگر کوئی خبر دیتی ہے تو وہ قابل قبول ہے۔

سوال 6: رحم کا معاملہ چھپانے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اس سے مراد حیض بھی ہوسکتا ہے اور حمل بھی۔《2》اگر اس سے مراد حیض ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ حیض کو نہ چھپائیں کیونکہ اس سے شوہر کا حق رجوع ثابت نہیں ہوسکتا۔《3》اگر اس سے مراد حمل ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وہ حمل کو نہ چھپائیں کیونکہ دوسری شادی کی صورت میں نسب مشتبہ ہوجائے گا۔ پہلے شوہر کا بچہ دوسرے کے نام ہوجائے گا جو کبیرہ گناہ ہے۔

سوال 7: عورت حیض کا معاملہ کب چھپاتی ہے؟

جواب:《1》عورت حیض کا معاملہ تب چھپاتی ہے جب وہ اپنے شوہر کو رجوع نہ کرنے دینا چاہتی ہو پھر وہ یہ کہہ دیتی ہے کہ مجھے تین حیض آچکے ہیں۔《2》عورت حیض کا معاملہ اس صورت میں بھی چھپاتی ہے جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو ایسی صورت میں اسے تین حیض آ بھی چکے ہوں وہ اظہار نہیں کرنا چاہتی تاکہ شوہر رجوع کر سکے۔ یہ دو پہلوؤں سے حرام ہے ایک تو وہ اس کی مستحق نہیں رہی دوسرے اس کو شریعت کی طرف منسوب کرنا حالانکہ وہ جھوٹی ہے۔《3》عورت جب حیض کے معاملے کو چھپا لیتی ہے تو عدت ختم ہونے کے بعد شوہر رجوع کر لیتا ہے۔ یہ رجوع زنا ہے کیونکہ اب عورت اس کے لیے اجنبی ہے۔(تفسیر سعدی:276/1)

سوال 8: عورت کا حیض یا حمل چھپانا کن مفاسد کا باعث بنتا ہے؟

جواب: عورت کا حیض یا حمل چھپانا بہت سے مفاسد کا باعث بنتا ہے۔ حمل کو چھپانا اس بات کا موجب بنتا ہے کہ:《1》عورت اپنے حمل کے نسب کو کسی ایسے شخص کے ساتھ ملحق کر دے جس میں اسے رغبت ہے۔《2》یا محض عدت کے پورا ہوجانے میں جلد بازی کے لیے حیض آنے کا اعلان کر دے۔《3》جب یہ عورت اپنے حمل کو اس کے باپ کے سوا کسی اور کے ساتھ ملحق کر دیتی ہے تو یہ چیز قطع رحمی اور میراث سے محروم کرنے کا باعث بنتی ہے۔《4》اس کے لیے اس کے محرموں اور اقارب سے پردے کا موجب بنتی ہے۔《5》اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اس الحاق سے محارم کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے۔《6》اس کے مقابلے میں باپ کے سوا کسی اور شخص سے اس حمل کا الحاق ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے تمام توابع مثلاً میراث وغیرہ کا اثبات ہوتا ہے اور جس شخص کے ساتھ حمل کا الحاق کیا گیا ہوتا ہے اس کے تمام اقارب کو بچے کے اقارب بنا دیتا ہے اور اس میں بہت بڑا شر اور فساد ہے جسے بندوں کے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(تفسیر سعدی:275/1)

سوال 9:《اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ》"اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہوں" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے طلاق یافتہ عورتوں کو حیض یا حمل چھپانے سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کی طرف متوجہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔ایمان لانے کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ حق نہ چھپائیں۔﴿2﴾ حیض یا حمل کو چھپانا عورت کے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہ لانے کی دلیل بن جاتا ہے۔﴿3﴾ اگر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہوتا اور اس کے نتیجے میں اعمال کی جزا پر یقین ہوتا تو حیض یا حمل چھپانے کا معاملہ کبھی نہ ہوتا۔

سوال10: طلاق یافتہ عورتوں کے کیا فرائض ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ عدت کے دوران اپنے آپ کو (دوسری شادی سے) روک کر رکھیں۔﴿2﴾ ان کے رحموں میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تخلیق کیا ہے اسے نہ چھپائیں۔

سوال11: ﴿**وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا**﴾ ''اور ان کے شوہر اس دوران میں انہیں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿**وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ**﴾ ''اور ان کے شوہر اس دوران میں انہیں واپس لینے کے زیادہ حق دار ہیں'' طلاق یافتہ عورتوں کے شوہر انہیں زوجیت میں واپس لینے کا حق رکھتے ہیں جب تک کہ وہ عدت میں ہوں۔﴿2﴾ ﴿**اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا**﴾ اس وقت تک ان کے شوہر ان سے رجوع کا زیادہ حق رکھتے ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہے۔یعنی اگر شوہر رغبت رکھتے ہوں، الفت اور مودت کا جذبہ رکھتے ہوں تو ان کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔﴿3﴾ اگر رجوع سے ان کا مقصد اصلاح نہیں تو وہ واپس لینے کا حق نہیں رکھتے۔بیوی کو نقصان پہنچانے اور عدت کو لمبا کرنے کے لیے رجوع کرنا جائز نہیں۔

سوال12: طلاق دینے والے مرد کا کیا فرض ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رجوع کرے تو خالص نیت سے کرے۔﴿2﴾ رجوع سے عورت کو تکلیف اور اذیت دینا مقصود نہ ہو۔

سوال13: شوہر عدت کی مدت میں رجوع کرنے کا حق کب رکھتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب وہ عورت کو رجوع کر کے تنگ نہ کرنا چاہتا ہو۔﴿2﴾ جب وہ اصلاح کا ارادہ رکھتا ہو۔﴿3﴾ رجوع کا یہ حق طلاق رجعی کے ساتھ خاص ہے۔﴿4﴾ طلاق بائن میں شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوتا۔

سوال14: کیا عورت کا ولی رجوع کرنے کے راستے میں رکاوٹ بن سکتا ہے؟

جواب: ولی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ رجوع کے راستے میں رکاوٹ ڈالے۔

سوال15: ﴿**وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**﴾ ''اور عورتوں کے بھی معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے اوپر حق ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

جواب: ''اور عورتوں کے بھی معروف کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کے اوپر حق ہے'' سے مراد وہ حقوق ہیں جن کو پورا کرنے کے دونوں پابند ہیں۔

سوال 16: طلاق یافتہ عورت کا حق کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نان ونفقہ طلاق یافتہ عورت کا حق ہے اس لیے کہ وہ قانون کی رو سے رکی ہوئی ہے۔ ﴿2﴾ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ نان ونفقہ، لباس، معاشرتی تعلق، گھر اسی طرح میاں بیوی کے درمیان خاص تعلق ان سب کا مرجع معروف ہے۔ یہ عقد مطلق کی صورت میں ہے یعنی نکاح کے وقت کوئی شرط طے نہ کی گئی ہو۔ (تفسیر سعدی: 277/1)

سوال 17: مرد اور عورت کے حقوق کے حوالے سے اسلام کا کیا مؤقف ہے؟

جواب: ﴿1﴾ خاندانی نظام میں ہر ایک کے حقوق ہیں، مرد ہو یا عورت اور ہر ایک کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ ﴿2﴾ مرد اور عورت دونوں کو چاہیے کہ حق لینے کے ساتھ ساتھ پوری طرح حق ادا بھی کریں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿يَآ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی اور اس نے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داری (کو بگاڑنے) سے بھی ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ سے پورا نگہبان ہے۔ (النساء: 1) مشترکہ حقوق: ﴿i﴾ امانت۔ ﴿ii﴾ محبت اور رحم۔ ﴿iii﴾ باہمی اعتماد۔ ﴿iv﴾ شگفتگی اور معاملات میں نرمی۔ شوہر کے حقوق: ﴿i﴾ فرماں برداری۔ ﴿ii﴾ مال ومتاع، عزت، گھر کے تمام کاموں میں حفاظت۔ ﴿iii﴾ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کوئی کام نہ کرے۔ بیوی کے حقوق: ﴿i﴾ معروف طریقے سے نباہ: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ﴿ii﴾ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا پابند بنائے۔ ﴿iii﴾ بیویوں کے درمیان انصاف کرے۔ ﴿iv﴾ بیوی کا راز افشاء نہ کرے۔

سوال 18: عورت سے حسن سلوک کے بارے میں تین احادیث لکھیں؟

جواب: ﴿1﴾ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ : أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَّخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَآئِهِمْ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان کے اعتبار سے مومنوں میں سے اکمل وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے اور تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہے۔ (جامع ترمذی: 1162) ﴿2﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کے حق میں وصیت قبول کرو۔ عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں اوپر کا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہے، اگر اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے اور اگر اسے چھوڑ دو گے تو برابر ٹیڑھی رہے گی۔ پھر عورتوں کے حق میں وصیت قبول کرو۔ (مسلم: 3644) ﴿3﴾ لوگو! سنو، عورتوں کے حق میں خیر اور بھلائی کی بات قبول کرو۔ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح ہیں۔تم ان پر زیادتی کا اس کے سوا کوئی اختیار نہیں رکھتے کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو انہیں ان کے بستروں میں چھوڑ دو اور انہیں ایسی مار مارو جو زخم نہ چھوڑے۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان پر زیادتی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ خبردار رہو! مردوں کے عورتوں پر حقوق (ویسے ہی) ہیں (جیسے) عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں۔'' (جامع ترمذی:1163) ﴿4﴾ حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا: بیوی کا خاوند پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے، چہرے پر نہ مارے، گالی نہ دے، (کبھی الگ کرنے کی ضرورت پڑے تو) اپنے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ الگ نہ کرے۔'' (سنن ابن ماجہ:1850) ﴿5﴾ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم دن کو مسلسل روزے رکھتے ہو اور رات کو مسلسل قیام کرتے ہو؟' میں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور ترک بھی کرو، رات کو قیام بھی کرو اور آرام بھی کرو۔ تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے، تیری آنکھوں کا تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ (صحیح بخاری:1975)

سوال 19: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ''اور مردوں کا ان پر ایک درجہ ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور مردوں کا ان پر ایک درجہ ہے'' ﴿1﴾ مرد کو قوام ہونے کے اعتبار سے درجہ حاصل ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ مرد عورتوں پر نگران ہیں اس وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے اموال میں سے خرچ کیا ہے۔ (النساء:34) ﴿2﴾ فطری قوتوں کے اعتبار سے مرد کو درجہ حاصل ہے۔ ﴿3﴾ مرد کو جہاد کی اجازت ہے، اس اعتبار سے اس کا درجہ بڑا ہے۔ ﴿4﴾ میراث کے دوگنا ہونے میں مرد کو درجہ حاصل ہے۔ ﴿5﴾ طلاق اور رجوع کے اختیار میں مرد کو درجہ حاصل ہے۔ ﴿6﴾ منصب نبوت، منصب قضا، امامت صغریٰ، امامت کبریٰ اور دیگر تمام شعبوں کی سربراہی مردوں سے مخصوص ہے۔ ﴿7﴾ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس جملے کا مطلب یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مقابلے میں بڑا درجہ دیا ہے، اس لیے ان کو زیادہ تحمل سے کام لینا چاہیے کہ اگر عورتوں کی طرف سے ان کے حقوق میں کوتاہی ہو بھی جائے تو ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ اس کو برداشت کریں اور صبر سے کام لیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ (قرطبی) (معارف القرآن:553/4)

سوال 20: ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عزیز ہے، عزت، غلبہ، بہت بڑے تسلط اور اختیارات کا مالک ہے۔ تمام کائنات اس کے سامنے سرافگندہ ہے مگر وہ حکیم ہے، اپنے غلبہ اور اختیارات کے باوجود اپنے تصرفات میں نہایت حکمت سے کام لیتا ہے۔ (تفسیر سعدی:227/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ عزیز ہے نافرمانوں سے انتقام لینے کے لیے غلبہ رکھتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ اپنے احکامات اور اپنی شریعت میں حکیم ہے۔ (تفسیر قاسمی:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(246/3)

سوال21: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عزیز اور حکیم کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے عورت پر مرد کے غلبے کی وجہ سے اپنی صفت عزیز کا شعور دلایا ہے کہ تم پر بڑا اور غالب تمہارا رب ہے لہٰذا اس کے غلبے کو ذہن میں رکھ کر حقوق ادا کرنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت حکیم سے شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت دونوں کے حقوق بھی رکھے ہیں اور اپنی حکمت سے مردوں کا ایک درجہ رکھا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ فیصلے کو قبول کرلو۔

رکوع نمبر 29

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَـيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْھِمَا فِـيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (229) ﴾

"(رجعی) طلاق دو بار ہے، پھر یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا نیکی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے اور تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم اس میں سے لے لو جو کچھ بھی تم نے ان کو (مہر میں) دیا ہے پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے جو عورت (خلع کے) فدیہ میں دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں چنانچہ ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔" (229)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاہتا طلاقیں دے دیتا تھا اور جس وقت اس سے عدت میں رجوع کر لیتا وہ پھر بھی اسی کی بیوی رہتی، خواہ اسے سو یا اس سے زیادہ طلاقیں دے دے، یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اللہ کی قسم میں تجھے نہ کبھی ایسی طلاق دوں گا کہ تو مجھ سے جدا ہو جائے اور نہ تجھ کو سکون سے رہنے دوں گا، اس کی بیوی نے کہا یہ کس طرح ممکن ہوگا؟ وہ کہنے لگا: میں تجھے طلاق دیتا رہوں گا۔ جب تیری عدت کی مدت ختم ہونے والی ہوگی پھر تجھ سے رجوع کر لیا کروں گا۔ اس پر عورت نے جا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ کہہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ آیت اتار دی، "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (الخ)" یعنی وہ طلاق جس میں رجوع کرنا درست ہے وہ دو مرتبہ ہے۔

(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)

سوال2: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ "(رجعی) طلاق دو بار ہے" اس سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿ **اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ** ﴾ ''(رجعی) طلاق دو بار ہے'' سے مراد ہے کہ وہ طلاق جس میں شوہر کو بیوی سے رجوع کرنے کا حق ہے وہ دو مرتبہ ہے کیونکہ تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے مرد کو صرف تین طلاقوں کا حق دیا اور رجوع کا حق صرف دو طلاقوں تک قائم رکھا۔(مختصر ابن کثیر:147/1)

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کے حق کو محدود کیوں کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے طلاق دینے کے حق کو اس لیے محدود کیا ہے کہ دور جاہلیت میں طلاق دینے کا حق غیر محدود تھا جس کی وجہ سے عورت کو نہ بسایا جاتا تھا، نہ آزاد کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس حق کو محدود کر کے ظلم کے دروازے بند کئے ہیں۔

سوال 4: طلاق کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں عورت کو حالت طہر میں ایک بار طلاق دی جائے، وہ طہر ایسا ہو کہ شوہر نے اس میں بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔﴿2﴾اب اگر مرد چاہے تو دوسرے طہر میں طلاق دے دے ورنہ ایک ہی طلاق پر عدت گزر جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔﴿3﴾یا پھر دوران حمل بیوی کو طلاق دی جائے۔﴿4﴾ حیض یا طہر کی حالت میں جماع کے بعد عورت کو طلاق دینا سنت کے خلاف ہے۔﴿5﴾سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی بیوی (آمنہ بنت غفار) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں (حالت حیض میں) طلاق دے دی۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عبداللہ سے کہو کہ اپنی بیوی سے رجوع کر لیں اور پھر اپنے نکاح میں باقی رکھیں، جب حیض بند ہو جائے، پھر حیض آئے اور پھر بند ہو، تب اگر چاہیں تو اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں باقی رکھیں اور اگر چاہیں تو طلاق دے دیں (لیکن طلاق اس طہر میں) ان کے ساتھ جماع سے پہلے ہونی چاہئے۔ یہی (طہر کی) وہ مدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔'' (صحیح بخاری:5251)﴿6﴾طلاق دینے کا مسنون اور سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ مرد حالت طہر میں عورت کو ایک طلاق دے اور پوری عدت گزر جانے دے۔ اس صورت کو فقہی اصطلاح میں طلاق احسن کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے اور دوسرے میں دوسری اور تیسرے میں تیسری دے دے۔ اس صورت کو حسن کہتے ہیں۔ پہلی صورت کا فائدہ یہ ہے کہ اگر عدت گزر جانے کے بعد بھی میاں بیوی آپس میں مل بیٹھنے پر رضامند ہوں تو تجدید نکاح سے یہ صورت ممکن ہے۔(تیسیر القرآن:174/1)

سوال 4:﴿ **اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ** ﴾اور طَلَّقَتَان میں کیا فرق ہے؟

جواب:﴿ **اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ** ﴾سے مراد ہے طلاق دو مرتبہ ہے اور طَلَّقَتَان سے مراد دو طلاقیں ہیں۔ دونوں میں فرق ہے۔ دو مرتبہ سے مراد ایک نشست میں دو یا تین طلاقیں نہیں بلکہ ایک طلاق کے بعد سوچنے سمجھنے کا موقع ملے پھر اگلے موقع پر یعنی اگلے حیض کے بعد اگلی طلاق ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سوال 5: اگر پہلی مرتبہ کی طلاق سے ہمیشہ کی جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس کا کیا نقصان ہوتا؟

جواب: اگر پہلی مرتبہ کی طلاق کے بعد ہمیشہ کی جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو بہت زیادہ معاشرتی مسائل پیدا ہو جاتے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ الطَّلَاقُ۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز اشیا میں سب سے مبغوض چیز طلاق ہے۔'' (سنن ابی داؤد:2178)

سوال 6: ﴿ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ ''پھر یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے'' عورت کو اچھے طریقے سے روکنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد ہے اس عورت سے رجوع کر کے اسے اچھے طریقے سے بسانا۔ ﴿2﴾ یعنی رجوع اور حسن معاشرت۔ (تفسیر بیضاوی:517/1) ﴿3﴾ یعنی حسن معاشرت اور وہ ہے شوہر کی طرف سے حقوق کی ادائیگی۔ (ایسر التفاسیر:119)

سوال 7: ﴿ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ ''یا نیکی کے ساتھ رخصت کر دینا ہے'' نیکی کے ساتھ رخصت کر دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نیکی کے ساتھ رخصت کر دینے سے مراد ہے رجوع نہ کرنا۔ (اضواء البیان:104/1) ﴿2﴾ یعنی احسن انداز میں طلاق دینا۔ اگر حق مہر رہتا ہو تو اس کو ادا کرنا۔ کچھ متاع دینا یعنی کچھ سامان دے کر رخصت کرنا اور برا تذکرہ نہ کرنا۔ ﴿3﴾ بھلائی یہ ہے کہ اس نے بیوی کو جو مال دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے اس لیے کہ یہ ظلم ہے اور یہ کچھ دیے بغیر مال لینے کے زمرے میں آئے گا۔

سوال 8: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾ ''اور تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم اس میں سے لے لو جو کچھ بھی تم نے ان کو (مہر میں) دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ ﴾ اور تمہارے لیے یعنی شوہر کے لیے یہ حلال نہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جو کچھ دے چکا ہو، اس میں سے کوئی چیز لینے کا حق دار نہیں ہے مثلاً زیور، مہر و کپڑے، پلاٹ، گھر وغیرہ۔ ﴿3﴾ امام ابوداؤد ناسخ اور منسوخ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انسان اپنی بیوی کا تمام مال کھا جاتا تھا، خواہ اس نے اسے دیا ہوتا، یا نہ دیا ہوتا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا، تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ کچھ لو اس مال میں سے جو تم نے اپنی عورتوں کو دیا ہے۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطیؒ) ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اعلیٰ تعلیم دی ہے۔ ﴿ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بدلنے کا ارادہ کر لو اور تم نے ان میں سے ایک کو خزانہ تک دے دیا ہو تو بھی اس میں سے تم کچھ واپس نہ لو۔ (النساء:20)

سوال 9: ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ﴾ ''مگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے'' کی وضاحت کریں؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ ’’مگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے‘‘ یعنی وہ حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے جو حسن معاشرت کے حوالے سے ان پر واجب ہیں۔ (فتح القدیر:302/1) ﴿2﴾ اس میں معروف کے ساتھ خلع کا بیان ہے (جس میں شوہر کو معاوضہ لے کر طلاق دینے کی اجازت ہے۔) ﴿3﴾ مردوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ عورتوں کے مہر سے تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی لیں۔ (واضح المیسر :84) ﴿4﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ ایک آدمی کسی عورت سے نکاح کرلے تو اسے طلاق دے دے اور اس کا مہر بھی ادا نہ کرے۔‘‘ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطیؒ)

سوال10: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ ’’تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے جو عورت (خلع کے) فدیہ میں دے‘‘ خلع سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں جو عورت خلع کے فدیے میں دے۔ ﴿2﴾ خلع سے مراد ہے ایک عورت کا اپنے شوہر کو کچھ دے دلا کر طلاق حاصل کرنا۔ (مستدرک حاکم) اس کی صورت یہ ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کو اس کی عادات یا جسمانی بدصورتی کی وجہ سے ناپسند کرتی ہو اور ڈرتی ہو کہ وہ شوہر کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کر سکے گی تو وہ خلع کے ذریعے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔

سوال11: خلع کب مشروع ہے؟

جواب: اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب خوف ہو کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت جو معاوضہ دے گی ان پر کوئی گناہ نہیں اس لیے کہ یہ اس جدائی کا معاوضہ ہے جو عورت حاصل کرنا چاہتی ہے۔

سوال12: عورت شوہر سے خلع کیسے لے سکتی ہے؟

جواب: عورت شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے تو شوہر عورت سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے سکتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ’’یارسول اللہ ﷺ! میں ثابت بن قیس کی دین داری اور اخلاق میں عیب نہیں نکالتی بلکہ مجھے مسلمان ہو کر شوہر کی ناشکری کے گناہ میں مبتلا ہونا پسند نہیں۔‘‘ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: ’’کیا تم ثابت کا (مہر میں) دیا ہوا باغ واپس کرنے کو تیار ہو؟‘‘ عورت نے عرض کیا: ’’ہاں!‘‘ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ’’اپنا باغ واپس لے لو اور اسے طلاق دے دو۔‘‘ (صحیح بخاری:5273)

سوال13: شوہر اگر علیحدگی قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو تو عورت خلع کیسے لے سکتی ہے؟

جواب: اگر شوہر علیحدگی قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو تو عدالت شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے گی۔

سوال14: اگر شوہر عدالت کا حکم نہ مانے تو عورت خلع کیسے لے سکتی ہے؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: اگر شوہر عدالت کا حکم نہ مانے تو ایسی صورت میں عدالت نکاح فسخ کر دے گی۔

سوال 15: کیا عورت بغیر کسی معقول عذر کے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے؟

جواب: عورت بغیر کسی معقول عذر کے طلاق کا مطالبہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکتی۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت نے بغیر وجہ کے اپنے شوہر سے طلاق مانگی، اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔'' (ترمذی: 1187) عَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : اَلْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''(بلاوجہ) خلع حاصل کرنے والی عورتیں منافق ہیں۔'' (ترمذی: 1186)

سوال 16: خلع کی عدت کتنی ہے؟

جواب: سیدنا ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں اپنے شوہر سے خلع لی تو نبی اکرم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ ایک حیض عدت گزارے۔ (ترمذی: 1185)

سوال 17: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں چنانچہ ان سے آگے نہ بڑھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں'' اللہ تعالیٰ کی حدود سے مراد احکام نکاح اور فراق ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ اللہ تعالیٰ کی حدود جن کا اس نے حکم دیا ہے کہ ان سے آگے نہ بڑھو یعنی ان کی مخالفت نہ کرو۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے نہ بڑھو یعنی حلال سے تجاوز کر کے حرام کی طرف نہ جاؤ، احسان سے تجاوز کر کے برائی کی طرف نہ جاؤ اور معروف سے تجاوز کر کے منکر کی طرف نہ جاؤ۔ (ایسر التفاسیر: 191)

سوال 18: ﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں'' اللہ تعالیٰ کی حدود سے نکل جانے والا کس پر ظلم کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے لیے پیش کر کے ظالموں میں سے ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو شدید عذاب کا مستحق بنا لیتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی حدود سے نکل جانے والا اپنی بیوی کا مال ہتھیا کر اس پر ظلم کرتا ہے اور اس کی زندگی کو تنگ کر کے اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ ﴿3﴾ وہ اپنے بچوں پر اور رشتہ داروں پر ظلم کرتا ہے اس طرح کہ وہ اپنے تعلق کی وجہ سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اور بیوی کے رشتے دار تو مالی، ذہنی اور معاشرتی ہر طرح کی اذیتیں برداشت کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے کی وجہ سے ممکن ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حدود کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو حدیں مقرر کی ہیں ان سے آگے نہ بڑھو، جو فرائض متعین فرما دیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ جو چیزیں حرام کر دی ہیں ان کی حرمتوں کے پردے نہ توڑو اور جن سے بھول کر نہیں بلکہ ترس کھا کر خاموشی اختیار فرمائی ہے، ان کی کرید نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر: 149/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 19: ﴿فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''تو یہی لوگ ظالم ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ظلم کی تین اقسام ہیں: ﴿1﴾ بندے کا ان معاملات میں ظلم کا ارتکاب کرنا جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہیں۔ ﴿2﴾ بندے کا ظلم اکبر یعنی شرک کا ارتکاب۔ ﴿3﴾ بندے کا ان معاملات میں ظلم کا ارتکاب جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ شرک کو توبہ کے بغیر نہیں بخشتا اور حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ بالکل نہیں چھوڑے گا (بلکہ ایک دوسرے کو بدلہ دلوایا جائے گا) اور وہ ظلم جو بندے اور اس کے مابین ہے اور شرک سے کم تر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر منحصر ہے۔ (تفسیر سعدی: 279/1)

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (230)﴾

''پھر اگر وہ اسے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دے تو وہ اس کے بعد اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح (نہ) کرے، پھر اگر وہ (دوسرا شخص) اس کو طلاق دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ دونوں سمجھیں کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود قائم رکھ سکیں گیا ور یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔'' (230)

سوال 1: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ ''پھر اگر وہ اسے (تیسری مرتبہ) طلاق دے دے تو وہ اس کے بعد اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح (نہ) کرے پھر اگر وہ (دوسرا شخص) اس کو طلاق دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ دونوں آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ دونوں سمجھیں کہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود قائم رکھ سکیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا﴾ پھر اگر وہ مرد تیسری بار طلاق دے دے۔ ﴿2﴾ ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ ''تو وہ اس کے بعد اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح (نہ) کرے'' یعنی وہ عورت دوسرے شوہر سے صحیح نکاح کرے اور وہ اس سے جماع کرے۔ (بخاری: 5261) ﴿3﴾ ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا﴾ پھر اگر وہ یعنی دوسرا شوہر اسے طلاق دے دیتا ہے اور عورت کی عدت پوری ہو جاتی ہے۔ ﴿4﴾ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ﴾ تو ان دونوں پر یعنی پہلے شوہر اور اس کی بیوی پر کوئی گناہ نہیں۔ ﴿5﴾ ﴿أَنْ يَّتَرَاجَعَآ﴾ یہ کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے رجوع کر کے نکاح کر لیں یعنی باہمی رضامندی سے کیونکہ تراجعا سے دونوں کا رجوع مراد ہے۔ ﴿6﴾ ﴿إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ اگر وہ دونوں یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھیں گے اور اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر اور بیوی پچھلے رویوں پر شرمندہ ہوں جن کی وجہ سے جدائی ہوئی اور یہ پختہ عزم کریں کہ اپنے رویوں میں تبدیلی لا کر ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کے حقوق ادا کریں گے تو ایک دوسرے سے رجوع کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔﴿7﴾ اگر انہیں یہ گمان ہو کہ گزشتہ رویے برقرار رہیں گے تو پھر ان پر گناہ ہوگا۔

سوال 2: حلالہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: طلاق کے بعد ایک عورت اپنے شوہر کے لیے حلال نہیں رہتی۔ دوسری بار ایک عورت کا اپنے شوہر کے لیے حلال ہو جانا کس طرح سے جائز ہے؟ اگر وہ اپنی آزاد مرضی سے، گھر والوں کی اجازت سے کہیں اور نکاح کر لیتی ہے لیکن پھر نباہ نہیں ہوتا۔ پھر اگر دوسرے شوہر نے طلاق دے دی تو اب اگر پہلا شوہر اس سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی اس صورت میں اجازت ہے اگر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے کا یقین رکھتے ہوں یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا یقین ہو۔ طلاق کے بعد دوسری بار اپنے شوہر کے لیے حلال ہو جانا اسی طرح جائز ہے کسی سازشی نکاح سے نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھیں، ان کی بیوی نے دوسری شادی کر لی، پھر دوسرے شوہر نے بھی (جماع سے پہلے) انہیں طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: ''کیا پہلا شوہر اب ان کے لیے حلال ہے (کہ ان سے دوبارہ شادی کر لیں)؟'' نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''نہیں یہاں تک کہ وہ یعنی شوہر ثانی اس کا مزہ چکھے جیسا کہ پہلے نے چکھا تھا۔'' (صحیح بخاری:5261)

سوال 3: حلالہ کرنا اور کرانا کیسا عمل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ حلالہ کرنا اور کرانا حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت کی ہے۔ (ابن ماجہ) ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں مانگا ہوا بکرا نہ بتاؤں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بولے یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتایئے۔ فرمایا: حلالہ کرنے والا۔ ﴿3﴾ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری قوم میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیں۔ اس پر وہ دونوں نادم ہوئے، میرا ارادہ ہے کہ اس عورت سے نکاح کر لوں، اس کا مہر ادا کروں اور پھر جس طرح شوہر اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے، جاؤں اور اس کے بعد اسے طلاق دے دوں تاکہ وہ اپنے شوہر کے لیے حلال ہو جائے، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''اے نوجوان! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی حدود کے لیے آگ کی کھونٹی نہ بنو۔''

سوال 4: ﴿وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ''اور یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں یعنی اس کی شریعت ہے جس کو اس نے مقرر فرمایا۔ ﴿2﴾ ﴿يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ ''جنہیں وہ ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں'' اللہ تعالیٰ علم والوں کے لیے اپنی حدود کو واضح فرماتا ہے۔ علم والے خود بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں۔ ﴿3﴾ اس آیت میں علم والوں کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔ ﴿4﴾ اس آیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا علم حاصل کریں اور ان کو سمجھیں۔

سوال 5: یہاں علم رکھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں علم رکھنے سے مراد وہ لوگ ہیں جو حدود اللہ کو توڑنے کے انجام کا علم رکھتے ہیں۔

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (231)﴾

''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو، پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو اچھے طریقے سے انہیں روک لو یا اچھے طریقے سے انہیں چھوڑ دو اور انہیں تکلیف دینے کے لیے نہ روکے رکھو کہ تم زیادتی کرو اور جو ایسا کرے تو یقیناً اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اور جو کتاب و حکمت میں سے اس نے تم پر نازل کیا، وہ تمہیں اس کے ساتھ نصیحت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' (231)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عوفی کے ذریعے سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا، پھر عدت پوری ہونے کے بعد اس سے رجوع کر لیتا تھا، اس کے بعد پھر اسے طلاق دے دیتا تھا، اسی طرح اس کو نقصان پہنچاتا اور لٹکائے رکھتا تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ (تفسیر طبری)

سوال 2: **﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا﴾** ''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو، پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو اچھے طریقے سے انہیں روک لو یا اچھے طریقے سے انہیں چھوڑ دو اور انہیں تکلیف دینے کے لیے نہ روکے رکھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ **﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ﴾** یعنی جب آپ اپنی بیویوں کو ایک یا دو رجعی طلاق دے چکو۔ ﴿2﴾ **﴿فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾** پھر وہ اپنی عدت پوری کرنے کے قریب ہوں۔ ﴿3﴾ **﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾** ''تو اچھے طریقے سے انہیں روک لو'' اچھے طریقے سے روکنے سے مراد ہے کہ بسانے کے لیے رجوع کریں اور ان کے حقوق پورے کریں۔ ﴿4﴾ **﴿أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾** ''یا اچھے طریقے سے انہیں چھوڑ دو'' اچھے طریقے سے چھوڑنے سے مراد ہے کہ رجوع کیے اور نقصان پہنچائے بغیر چھوڑ دیں اور اس کا حق یعنی مہر، اس کو تحائف میں جو کچھ دے چکے ہوں، اس کا جہیز، اس کی جائیداد اور اس کے علاوہ کچھ دے دلا کر باعزت طریقے سے رخصت کریں جیسے کسی مہمان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کورخصت کیا جاتا ہے۔﴿5﴾﴿ وَلَا تُمۡسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوا ﴾''اور انہیں تکلیف دینے کے لیے نہ روکے رکھو کہ تم زیادتی کرو''ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو کہ تم زیادتی کرو یعنی حلال سے تجاوز کر کے حرام میں نہ پڑ جاؤ۔حلال سے مراد معروف طریقے سے بیوی کو روکنا ہے اور حرام سے مراد نقصان پہنچانا ہے۔

سوال 3: عورت کو ظلم اور زیادتی سے کیسے روکا جاتا ہے؟

جواب: روکنے کے لیے اس سے رجوع کر لیا جاتا ہے تا کہ وہ کہیں دوسری جگہ نکاح نہ کر سکے یا عورت کو بسانے کے لیے رجوع نہ کیا جائے یا عورت کو اذیت میں مبتلا کرنے کے لیے رجوع کیا جائے تا کہ وہ تنگ آ کر مہر چھوڑ دے۔

سوال 4: ﴿ وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهُۥ ﴾''اور جو ایسا کرے تو یقیناً اس نے اپنی جان پر ظلم کیا''اپنی جان پر ظلم کرنے کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾﴿ وَمَن يَفۡعَلۡ ذَٰلِكَ ﴾ جو ایسا کرے گا یعنی اپنی بیوی کو نقصان پہنچائے یا اسے حق نہ دے تو نقصان اسی کی طرف لوٹے گا جس نے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا۔﴿2﴾ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے لیے پیش کر کے ظالموں میں سے ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو شدید عذاب کا مستحق بنا لیتا ہے۔اس طرح وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

سوال 5: ﴿ وَلَا تَتَّخِذُوٓاْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ هُزُوٗا ﴾''اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق نہ اڑاؤ''اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑانے سے مراد ہے عورت کو تکلیف دینے کی غرض سے طلاق دینا اور رجوع کرنا۔رجوع محض ان کو ستانے اور نقصان پہنچانے کی غرض سے نہ ہو کیونکہ ایسا کرنا ظلم و زیادتی اور احکام الٰہی سے مذاق کرنا ہے۔﴿2﴾ سیدنا ابن ابی عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آدمی طلاق دیتا تھا پھر اس کے بعد کہتا کہ میں تو کھیل رہا ہوں اور غلام کو آزاد کرتا اور کہتا کہ میں مذاق کر رہا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق نہ سمجھو۔(لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطیؒ)﴿3﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین کام ایسے ہیں جو چاہے سنجیدگی سے کیے جائیں یا مذاق کی نیت سے وہ نافذ العمل ہوتے ہیں۔نکاح،طلاق اور بیوی سے رجوع کرنا۔(ابوداؤد:2194،ترمذی:1184)

﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی فرماں برداری نہ کرنا دراصل ان کا مذاق اڑانا ہے مثلاً بیوی کو نقصان پہنچانے کی خاطر روکنا یا جدا رکھنا یا تین طلاق ایک ہی بار دینا جب کہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ طلاق دینے کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔

سوال 6: ﴿ وَٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ ﴾''اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو''نعمت کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ ﴿**وَاذْكُرُوْا**﴾ اور یاد کرو۔ زبان سے یاد کرنے کے لیے اس کی حمد وثنا کرو۔ ﴿2﴾ دل سے یاد کرنے کے لیے اقرار کرو۔ ﴿3﴾ اعضاء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رہو۔ ﴿4﴾ نعمت سے مراد نعمت اسلام ہے۔

سوال 7: ﴿**وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ**﴾ ''اور جو کتاب وحکمت میں سے اس نے تم پر نازل کیا، وہ تمہیں اس کے ساتھ نصیحت کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿**وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ**﴾ اور جو اس نے تم پر نازل کیا۔ ﴿2﴾ ﴿**مِّنَ الْكِتٰبِ**﴾ سے مراد قرآن مجید اور ﴿3﴾ ﴿**وَالْحِكْمَةِ**﴾ حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ ﴿4﴾ ﴿**يَعِظُكُمْ بِهٖ**﴾ وہ تمہیں اس سے نصیحت کرتا ہے جو اس نے نازل کیا ہے کہ اس کے احکامات کی مخالفت سے ڈر جاؤ۔ ﴿5﴾ وہ تمہیں کتاب اور حکمت کے ذریعے نصیحت کرتا ہے۔

سوال 8: حکمت کے ساتھ نصیحت کیسے ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ حکمت سے مراد شریعت کے راز ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کے اندر ہیں۔ ﴿2﴾ حکمت یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے راز ترغیب کے ساتھ رغبت کا باعث بنتے ہیں اور ڈراوے کے ساتھ حکمت اللہ تعالیٰ کے خوف کا سبب بنتی ہے۔

سوال 9: ﴿**وَاتَّقُوا اللّٰهَ**﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے سے ڈرنے کا حکم دیا ہے تا کہ لوگ اس کی نافرمانی سے بچ جائیں۔ قرآن کریم کا اسلوب حکیمانہ اور خاص انداز بیان ہے کہ ہر قانون کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کا حساب یاد دلایا جاتا ہے۔ قرآن کریم قانون کو دنیا کے قوانین تعزیرات کی طرح بیان نہیں کرتا بلکہ مربیانہ انداز میں اس کی حکمت اور مصلحت کی وضاحت کرتا ہے جس کی وجہ سے کوئی ان جرائم پر اقدام کر ہی نہیں سکتا۔

سوال 10: اللہ تعالیٰ نے طلاق کے معاملے میں زیادتیوں سے روکنے کے لئے اپنی صفت علیم کا شعور دلایا ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علیم کا شعور دلا کر زمینی اور گھریلو مسائل کے ساتھ اپنے گہرے تعلق کا اظہار کیا ہے کہ خوب جان لو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ مومن اسی علم الٰہی کے شعور سے زیادتیاں کرنے سے بچ سکتا ہے۔

سوال 11: ﴿**وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ**﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' یہ کہہ کر کس جذبے کو بیدار کیا جا رہا ہے؟

جواب: یہاں خوف اور خبرداری کے جذبات کو بیدار کیا جا رہا ہے۔ مومن کو ہر طرف سے گھیر کر حسن سلوک اور سچائی کے طرز عمل کو اختیار کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

رکوع نمبر30

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ(232) ﴾

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ نکاح کر لیں جب وہ اچھے طریقے سے آپس میں راضی ہو جائیں یہ ہے جس کے ساتھ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ یہی تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اور صاف ستھرا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔''(232)

سوال1: ﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ ﴾ ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ ﴾ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو ایک یا دو۔ ﴿2﴾ ﴿ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ ﴾ اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں یعنی عدت پوری ہو جائے۔ ﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت اس کے بارے میں ہے جو اپنی عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے دیتا ہے پھر اس کی عدت گزر جاتی ہے پھر دونوں باہمی رضامندی سے نیا نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن عورت کے ولی مزاحمت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مزاحمت سے منع فرمایا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 151/1) ﴿4﴾ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی لیکن جب عدت گزر گئی اور طلاق بائن ہو گئی تو انہوں نے پھر ان کے لیے پیغام نکاح بھیجا۔ معقل رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا مگر عورت چاہتی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی: تم انہیں اس سے مت روکو کہ وہ اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کریں۔ (صحیح بخاری: 4529)

سوال2: اپنی عدت کو پہنچنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اپنی عدت کو پہنچنے سے مراد طلاق یافتہ عورت کی عدت کا مکمل ہونا ہے۔

سوال3: ﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ ''تو ان کو نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ نکاح کر لیں جب وہ اچھے طریقے سے آپس میں راضی ہو جائیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ ﴾ ''تو ان کو نہ روکو'' عضل کے معنی روکنے اور مشکل میں ڈالنے کے ہیں یعنی نکاح سے روکنے کا حق اولیاء کو نہیں ہے۔ یعنی طلاق پر غصے اور نفرت کی وجہ سے میاں بیوی کو تجدید نکاح سے نہ روکیں۔ ﴿2﴾ ﴿ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ’’ کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ نکاح کرلیں جب وہ اچھے طریقے سے آپس میں راضی ہوجائیں‘‘ کہ وہ اپنے شوہروں کے ساتھ نکاح کرلیں، یہ نصیحت ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی وعیدوں پر، اس کے عذابوں پر اور جزا وسزا پر یقین رکھتے ہوں۔ ﴿3﴾ حقیقت یہ ہے کہ متقی مومن ہی رسم ورواج اور غیرت کو بالائے طاق رکھ کر اللہ تعالیٰ کی شریعت کے آگے جھکتے ہیں۔

سوال 4: عدت پوری کرنے کے بعد دوبارہ نکاح کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے پہلی یا دوسری طلاق کی عدت گزرنے کے بعد سابقہ شوہر اور بیوی کا باہمی رضامندی سے نکاح کرنا یا ان کا دوسرا نکاح مراد ہے۔

سوال 5: شوہر اور بیوی دونوں سچے دل سے ازدواجی زندگی کا آغاز کرنا چاہیں تو اسلام کا مؤقف کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ بنیں جب وہ اچھے طریقے سے آپس میں راضی ہوجائیں۔

سوال 6: کیا عدت ختم ہونے کے بعد عورت کو دوسرے نکاح کا حق حاصل ہے؟

جواب: عدت ختم ہونے کے بعد عورت کو دوسرے نکاح کا حق حاصل ہے اور یہ جائز اور درست نہیں کہ تم ان کے نکاح میں روڑے اٹکاؤ اور ان کو مشکلات میں ڈالو۔ (سراج البیان: 86/1)

سوال 7: ﴿ **فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ** ﴾ ’’ تو ان کو (دوبارہ نکاح کرنے سے) نہ روکو‘‘ اس سے عورت کے نکاح کے بارے میں اس کے اور اس کے ولی کے حق کے بارے میں کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی۔ نکاح میں ولی کا ہونا ضروری ہے۔ (ترمذی، ابن جریر) ﴿2﴾ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو اپنا حق غلط طریقے سے استعمال کرنے سے روکا ہے۔ ﴿3﴾ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عورت کے ولیوں کو عورت پر جبر کرنے کی اجازت نہیں۔ عورت کی رضامندی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

سوال 8: کیا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا؟

جواب: ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيّ۔ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (صحیح البانی)

سوال 9: جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح کرتی ہے اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اگر اس سے صحبت ہوئی ہے تو اس کی شرم گاہ کے حلال کرنے کے عوض اس کے لئے حق مہر ہے اگر وہ اختلاف کریں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

توجس کا کوئی ولی نہیں بادشاہ اس کا ولی ہے۔(جامع ترمذی:1102)

سوال10: اگر ولی عورت کی رضامندی کے بغیر زبردستی نکاح کردے تو اسلام عورت کو کیا حق دیتا ہے؟

جواب: اگر عورت کا ولی زبردستی نکاح کردے تو اسلام عورت کو یہ حق دیتا ہے کہ عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کروالے۔

سوال11: اگر ولی زبردستی کرے اور لڑکی کے مفادات کے مقابلے میں اپنے مفادات کو ترجیح دے تو اسلام عورت کو کیا حق دیتا ہے؟

جواب: اسلام عدالت کے ذریعے ایسے ولی کو حق ولایت سے محروم کرکے دور کے ولی کے ذریعے یا عدالت خود ولی بن کر اس عورت کے نکاح کا فرض انجام دے گی۔

سوال12: اگر ولی آپس میں لڑ پڑیں تو عورت کا ولی کون ہوگا؟

جواب: ولی آپس میں لڑ پڑیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ اختلاف کریں تو جس کا کوئی ولی نہیں بادشاہ اس کا ولی ہے۔(جامع ترمذی:1102)

سوال13: ولیوں کے آپس میں لڑنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ولیوں کے آپس میں لڑنے سے مراد ایسے جھگڑے کرنا ہے جس کی وجہ سے بالغ لڑکی کے نکاح میں رکاوٹ آجائے۔

سوال14: اگر کوئی عدالت لڑکی کے حق میں محض اس لیے فیصلہ کردے کہ وہ بالغ ہے اور اس کی رائے یا فیصلہ اس کے باپ کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے تو ایسے فیصلے کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: اگر کوئی عدالت لڑکی کے حق میں محض اس لیے فیصلہ کردے کہ وہ بالغ ہے اور اس کی رائے یا فیصلے کو اس کے باپ کے مقابلے میں زیادہ صحیح قرار دے تو ایسے فیصلے غیر صحیح ہیں۔عدالتوں کو خیرخواہ والدین کے حق ولایت کو ختم نہیں کرنا چاہیے۔

سوال15: ﴿ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''یہ ہے جس کے ساتھ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ ﴾ ''یہ ہے جس کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے'' یعنی نکاح سے روکنے اور مشکل میں ڈالنے سے بچنے کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''اس شخص کو جو تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے'' اس نصیحت کو وہی قبول کرسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے کی جانب توجہ دلا کر نکاح میں رکاوٹ بننے سے روکا گیا ہے کہ ان کو نہ روکو اگر وہ اپنے شوہروں کے ساتھ نکاح کرلیں جب وہ اچھے طریقے سے آپس میں راضی ہوجائیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نکاح میں مشکلات ڈالنے اور نکاح سے روکنے سے منع کرتا ہے۔

سوال16: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت دلوں تک کیسے پہنچتی ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾جب دل اللہ تعالیٰ کی ذات اورآخرت پر یقین رکھے۔﴿2﴾جب مومن اس دنیا سے زیادہ وسیع آخرت پر توجہ رکھے۔ ﴿3﴾جب دل کی پسنداللہ تعالیٰ کی رضاکے تابع ہوجائے۔﴿4﴾جب دل میں یہ شعورپیداہوجائے کہ اللہ تعالیٰ جس طرزعمل کواختیارکرنے کے لیے کہتاہے،وہی بہترین ہوتاہے۔﴿5﴾جب دل میں یہ یقین ہوکہ جوراہ نمائی کرتا ہے وہ سب جانتاہے۔اس کی بات پر لبیک کہنا ہمارا فرض ہے۔

سوال17:﴿ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ﴾''یہی تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ اورصاف ستھراہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ ذٰلِكُمْ ﴾یہ عمل یعنی نکاح میں رکاوٹ ڈالنے سے بچنا۔﴿2﴾﴿ اَزْكٰى لَكُمْ ﴾''تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے''زیادہ نفع مندہےتمہارے لیے۔﴿3﴾﴿ وَاَطْهَرُ ﴾اورزیادہ صاف ستھراہےیعنی گناہوں کی گندگی سے بچنے کے لیے۔(تفسیر بیضاوی:523,524/1) ﴿4﴾یعنی عورت کا نکاح کی تجدیدکرناتمہارے لیےاس سے زیادہ پاک اورنفع مندہے جوعورت کا ولی سمجھتاہے(یعنی نکاح نہ کرنادرست اور نکاح سے روکنا پہلی طلاق کاانتقام ہے۔)متکبرلوگوں کواور مالی وسعت رکھنے والوں کاعمومی طور پر ایسا ہی مزاج ہوتاہے۔﴿5﴾اس سے مراد یہ ہے کہ اگرآپ شوہراوربیوی کے دوبارہ نکاح کے لیےرکاوٹ نہیں بنوگےتو آپ کے دلی معاملات پاکیزہ رہیں گے،تلخی مٹ جائے گی اوربدگمانیاں ختم ہوجائیں گی۔ظاہری طور پربھی پاکیزگی ملے گی اور معاملات سنور جائیں گے۔تمہارے لیے بہترین تزکیہ اور پاکیزگی کا ذریعہ یہی ہے۔

سوال18:﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾''اوراللہ تعالیٰ جانتاہےاورتم نہیں جانتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ ﴾''اوراللہ تعالیٰ جانتاہے''کہ کس چیز میں لوگوں کے لیے نفع اوراصلاح ہے۔﴿2﴾﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اورتم نہیں جانتے''تم تو اپنی لاعلمی کوبھی نہیں جانتے۔﴿3﴾یعنی اگرولی سمجھتاہے کہ نکاح نہ کرنے میں شوہراوربیوی کی مصلحت ہے تواسے اللہ تعالیٰ جانتاہےاورتم نہیں جانتے۔اس لیےاللہ تعالیٰ کی اطاعت کروکیونکہ وہ تمہارا بھلا چاہتاہے۔تمہارے بھلے کاتم سے زیادہ علم رکھتاہے۔تمہارے مصالح پرقادرہے،ان کوتمہارے لیےآسان بناتاہے۔

﴿ وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (233) ﴾

''اور مائیں اپنی اولادکوپورے دوسال دودھ پلائیں،یہ اس کے لیے ہے جوارادہ رکھے کہ رضاعت کی مدت کوپوراکرے اور باپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ذمے ان عورتوں کو معروف کے مطابق کھانا اور کپڑے دینا ہے کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی، نہ کسی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور یہی ذمہ داری وارث پر بھی ہے، پھر اگر دونوں باہمی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں تو بھی ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم ارادہ کر لو کہ اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جب معروف طریقے کے مطابق جو دینا ہو وہ تم ان کو پورا ادا کر دو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان رکھو یقیناً جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔" (233)

سوال 1: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ "اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ اس کے لیے ہے جو ارادہ رکھے کہ رضاعت کی مدت کو پورا کرے" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ﴾ اور مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ ﴿2﴾ اس سے معلوم ہوا کہ بچے کو دودھ پلانا ماں پر فرض ہے خصوصاً جب بچہ اس کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پینے کے لیے تیار نہ ہو۔ (ابن کثیر، قرطبی، اشرف) ﴿3﴾ ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ پورے دو سال۔ حول کا لفظ سال یا سال کے بڑے حصے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿كَامِلَيْنِ﴾ پورے دو سال۔ ﴿4﴾ دودھ انسان کی پہلی خوراک ہے جس سے بچے کے ہونٹ آشنا ہوتے ہیں اور یہ پہلی غذا ہے جو تولید لحم ودم میں بیشتر حصہ لیتی ہے۔ اگر اسے زیادہ عرصہ تک جاری رکھا جائے تو بعض اعضاء نشو ونما سے بالکل رک جائیں گے اور بچہ باوجود بڑھنے کے اور بڑا ہونے کے کمزور و ناتواں رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حیوانات بھی دو سال سے زیادہ بچوں کو دودھ نہیں پلاتے۔ امکان یہ تھا کہ ماں بتقاضائے محبت رضاعت کو زیادہ وسیع کر دے۔ اس لیے قرآن حکیم نے جو بجائے خود شفائے کامل ہے دو سال کی تحدید کر دی۔ (سراج البیان: 87/1) ﴿5﴾ ﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ یعنی اگر ماں باپ دونوں باہمی مشورہ سے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھڑانا چاہیں مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ اچھا نہ ہو اور بچے کی صحت خراب رہتی ہو یا اگر ماں باپ کے نکاح میں ہے تو اس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ماں کو اس دوران حمل ٹھہر جائے اور بچہ کو دودھ چھڑانے کی نوبت پیش آئے تو ایسی صورت میں دونوں پر کچھ گناہ نہ ہو گا اور یہ ضروری نہ رہے گا کہ بچہ کو ضرور دو سال دودھ پلایا جائے۔ (تیسیر القرآن: 187/1)

سوال 2: والدہ کے کیا فرائض ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ والدہ پورے دو سال دودھ پلائے۔ ﴿2﴾ بچے کی صحت اور نفسیات کا لحاظ رکھے۔ ﴿3﴾ بچے کی صحیح نشو ونما کے لیے ممتا بھری گود سے بچے کو محروم نہ کرے۔

سوال 3: رضاعت سے کیا مراد ہے؟

جواب: بچے کو اس کی ماں کے علاوہ کسی اور سے دودھ پلانا رضاعت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 4: رضاعت کا کیا حکم ہے؟

جواب: ﴿1﴾ رضاعت کی مدت دو سال ہے۔ دو سال کے بعد رضاعت معتبر نہیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ﴾ اور اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ماہ کا ہے۔ (الاحقاف:15) ان دو نصوص سے یہ مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت 6 ماہ ہے۔ اس مدت میں بچے کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ ﴿2﴾ جو دو سال سے کم دودھ پلانا چاہے اس کے لئے گنجائش ہے۔ رضاعت کی مدت کی تکمیل ضروری نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی بچہ کا دودھ چھڑایا جاسکتا ہے۔ (ابن کثیر) ﴿3﴾ رضاعت کی مدت کے اندر کوئی بچہ کسی عورت کا اس طریقے سے دودھ پی لے جس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان رضاعت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو آنتیں بھر دے اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔ (ترمذی) ﴿4﴾ ایک روایت میں ہے کہ رضاعت دودھ چھڑانے کے بعد نہیں، یتیمی بلوغت کے بعد نہیں۔ (مسند طیالسی)

سوال 5: ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''اور باپ کے ذمے ان عورتوں کو معروف کے مطابق کھانا اور کپڑے دینا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ ﴾ اور بچے کے باپ پر۔ ﴿2﴾ ﴿ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''ان عورتوں کو معروف کے مطابق کھانا اور کپڑے دینا ہے'' اس حکم میں دودھ پلانے والی ماں کا حق جو نکاح میں ہو یا طلاق یافتہ دونوں کو شامل ہے۔ ﴿3﴾ بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی ماں کا نان و نفقہ اور لباس واجب ہے۔ ﴿4﴾ یہ دودھ پلانے کی اجرت ہے۔ ﴿5﴾ ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ معروف کے مطابق یعنی باپ کے حسب حال جتنی اس کی تنگی یا وسعت ہو۔ (ایسر التفاسیر:122,123) ﴿6﴾ ﴿ الْمَوْلُوْدِ لَهٗ ﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلالت کرتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی ملکیت ہوتا ہے کیونکہ وہ اسی کو عطا کیا گیا ہے اور اس لیے کہ بیٹا درحقیقت باپ کا کسب ہے پس اسی لیے باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا مال لے لے خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو اس کے برعکس ماں مال نہیں لے سکتی۔ (تفسیر سعدی:285/1)

سوال 6: طلاق ہو جانے کی صورت میں دودھ پیتے بچے اور ماں کی کفالت کے مسئلے کو اللہ تعالیٰ نے کیسے حل کیا ہے؟

جواب: طلاق ہو جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو مطلقہ عورت اور دودھ پیتے بچے کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

سوال 7: طلاق یافتہ والدہ کا کیا حق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ بچے کا باپ نان و نفقہ اور لباس معروف طریقے سے فراہم کرے۔ ﴿2﴾ بچے کی ماں سے حسن سلوک کیا جائے۔

سوال 8: اگر عورت مرد کے نکاح میں ہے کیا اس وقت عورت کو رضاعت کی اجرت دینا واجب ہے؟

جواب: یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک عورت مرد کے نکاح میں ہے اس وقت تک عورت کو رضاعت کی اجرت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیناواجب نہیں سوائے نان ونفقہ اور لباس کے۔ نان ونفقہ اور لباس بھی مرد کے حسب حال اور حیثیت کے مطابق ہے۔(تفسیر سعدی:285/1)

سوال 9: ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ دین اسلام کا اصول ہے کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ یہاں یہ بات اس حوالے سے کی گئی ہے کہ نہ کسی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ ہی باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا﴾ اللہ تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہے مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے۔ (الطلاق:7) ﴿2﴾ یعنی کسی غریب کو مال دار جیسا نان ونفقہ دینے کا پابند نہیں کیا جائے گا اور نہ ایسے شخص کو جس کے پاس نان ونفقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو۔

سوال 10: ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا﴾ ''نہ کسی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے'' ماں کو تکلیف پہنچانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ماں کو تکلیف پہنچانے سے مراد ہے کہ ماں کو دودھ پلانے سے روک دیا جائے۔ ﴿2﴾ ماں کو نان ونفقہ، لباس اور اجرت وغیرہ جیسے واجبات ادا نہ کیے جائیں اور اسے زبردستی دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے۔ ﴿3﴾ یونس نے زہری سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باپ اپنے بچے کی وجہ سے ماں کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس کی صورت یہ ہے مثلاً باپ ماں کو دودھ پلانے سے روکے اور خواہ مخواہ کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کرے۔ (صحیح بخاری: کتاب النفقات، باب5)

سوال 11: ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ '' اور نہ ہی باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے'' باپ کو تکلیف دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: یعنی باپ کو نقصان پہنچانے کے لیے ماں بچے کو دودھ پلانے سے انکار کردے یا اس اجرت سے زیادہ مطالبہ کرے جتنا اس کا حق ہے اور اسی طرح کے مزید نقصانات ہیں۔

سوال 12: ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ ''اور وارث پر بھی یہی ذمہ داری ہے'' وارث پر اس جیسی ذمہ داری ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ وارث پر اس جیسی ذمہ داری ہونے سے مراد یہ ہے کہ باپ کے وفات پا جانے کے بعد یہ ذمہ داری وارثوں کی ہے کہ وہ بچے کی ماں کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تاکہ بچے کی پرورش متاثر نہ ہو اور ماں کو بھی تکلیف نہ ہو۔ ﴿2﴾ جب بچے کا باپ بھی نہ ہو اور مال بھی نہ ہو تو بچے کے وارث پر دودھ پلانے والی کا نان ونفقہ واجب ہے جو باپ پر ہوتا ہے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خوش حال قریبی رشتہ داروں پر واجب ہے کہ اپنے تنگ دست اقرباء کے نان ونفقے کا انتظام کریں۔ (تفسیر سعدی:285/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال13: بچے کا وارث کون ہے؟

جواب: اگر باپ وفات پا جائے تو جو اس کی جگہ بچے کا ولی ہو اسے یہ حق ادا کرنا ہوگا۔

سوال14: ﴿فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ ”پھر اگر دونوں باہمی رضامندی اور باہمی مشورے سے دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں تو بھی ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَإِنْ أَرَادَا﴾ پس اگر دونوں چاہیں یعنی بچے کے ماں باپ۔ ﴿2﴾ ﴿فِصَالًا﴾ دودھ چھڑانا۔ یعنی دو سال سے پہلے ہی بچے کا دودھ چھڑوانا چاہیں۔ ﴿3﴾ ﴿عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا﴾ آپس کی رضامندی سے یعنی دونوں دودھ چھڑوانے پر راضی ہوں۔ ﴿4﴾ ﴿وَتَشَاوُرٍ﴾ اور مشورے سے یعنی دونوں ماں باپ کا مشورہ کہ بچے کے لیے دودھ چھڑانا درست ہے یا نہیں۔ ﴿5﴾ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ ”تو بھی ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں“ اگر بچے کی مصلحت ہو اور دونوں راضی ہوں تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ ﴿6﴾ اگر دونوں میں سے ایک راضی ہو یا بچے کی مصلحت نہ ہو تو دودھ چھڑانا جائز نہیں۔ (تفسیر سعدی:285/1)

سوال15: کیا ماں اپنی آزاد مرضی سے دو سال سے پہلے دودھ چھڑا سکتی ہے؟

جواب: ماں اپنی آزاد مرضی سے دو سال سے پہلے دودھ نہیں چھڑا سکتی۔ ماں باپ باہمی مشورے سے دو سال سے پہلے مخصوص حالات میں دودھ چھڑا سکتے ہیں۔

سوال16: ﴿وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”اور اگر تم ارادہ کرلو کہ اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جب معروف طریقے کے مطابق جو دینا ہو وہ تم ان کو پورا ادا کر دو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ﴾ ”اور اگر تم ارادہ کرلو کہ اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ“ یعنی اگر تم نقصان پہنچائے بغیر بچے کی ماں کی بجائے کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہو۔ ﴿2﴾ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”تو تم پر کوئی گناہ نہیں جب معروف طریقے کے مطابق جو دینا ہو وہ تم ان کو پورا ادا کر دو“ یعنی اگر دودھ پلانے والی عورت کو معروف طریقے کے مطابق ان کی اجرت عطا کر دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ﴿3﴾ یعنی اگر ماں باپ اس پر راضی ہو جائیں کہ ماں کسی عذر سے دودھ نہیں پلا سکتی یا باپ کسی عذر سے دودھ نہیں پلوا سکتا اور دونوں کسی اور عورت سے دودھ پلوانے پر راضی ہوں اور باپ طلاق یافتہ ماں کو معروف کے مطابق اجرت ادا کر چکا ہو تو کسی اور عورت سے دودھ پلوانے میں کوئی گناہ نہیں۔

سوال17: ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلوانے کی صورت میں کیا ذمہ داری ہے؟

جواب: ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے دودھ پلانے کی اجازت ہے مگر اس صورت میں جب کہ معاوضہ معروف طریقے کے مطابق ادا کر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دیا جائے۔

سوال 18: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان رکھو یقیناً جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ ﴿2﴾ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا ﴾ اور جان رکھو یعنی اس کا علم حاصل کرنا چاہیے اور معرفت رکھنی چاہیے۔ ﴿3﴾ ﴿ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ ’’یقیناً جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ سے تمہارا کوئی قول و فعل چھپا ہوا نہیں۔

سوال 19: اللہ تعالیٰ نے عورت اور بچے کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کیسے اپنے سے خوف دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے خاندان کی حفاظت کے لیے عورت اور بچے کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اپنی صفت بصیر کا شعور دلا کر اپنی ذات سے ڈرایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اعمال کو دیکھنے کا شعور انسان کے اندر خوف پیدا کرتا ہے۔ اس کا تجربہ انسان روزے کی حالت میں کرتا ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا شعور انسان کو بھوک اور پیاس کے باوجود کھانے جیسی نعمت سے روک لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی شعور کو بے دار کر کے حقوق کی ادائیگی میں کمی سے روک رہے ہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (234) ﴾

’’اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن تک انتظار میں رکھیں پھر جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو جو کچھ وہ اپنی ذات کے بارے میں معروف طریقے سے کریں تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے پوری طرح باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔‘‘ (234)

سوال 1: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾ ’’اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن تک انتظار میں رکھیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ ﴾ ’’اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں‘‘ یعنی جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لکھی ہوئی عمر ختم ہو جائے اور وہ وفات پا جائیں۔ (ایسر التفاسیر: 124) ﴿2﴾ ﴿ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ﴾ اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں۔ ﴿3﴾ ﴿ يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ﴾ ’’وہ اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن تک انتظار میں رکھیں‘‘ شوہر کے وفات پا جانے کے بعد عورت پر فرض ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت میں بیٹھے خواہ مرنے والے نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ ﴿4﴾ غیر مدخولہ کی عدت بھی یہی ہے کیونکہ عدت کی یہ آیت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عام ہے۔ ﴿5﴾ اس عموم سے حاملہ عورتیں مخصوص ہیں کیونکہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔ ﴿6﴾ لونڈی کی عدت نصف یعنی دو ماہ اور پانچ دن ہے۔

سوال 2: عدت وفات میں کیا حکمت ہے؟

جواب: جب شوہر فوت ہو جائے تو عورت پر فرض ہے کہ وہ گھر میں چار مہینے دس دن ٹھہرے اور انتظار کرے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت میں حمل واضح ہو جاتا ہے اور پانچویں مہینے میں بچہ پیٹ میں حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 286/1)

سوال 3: عدت وفات گزارنے والی کے کیا احکامات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ عدت وفات گزارنے والی شوہر کی وفات کے وقت جس گھر میں رہائش پذیر تھی اسی میں رہے گی۔ کسی حاجت یا ضرورت کے بغیر وہاں سے نہیں نکل سکتی۔ جیسا کہ بیماری کے وقت ہسپتال جانا، بازار سے ضرورت کی چیز (روٹی وغیرہ) خریدنے کے لیے جانا، جب کہ کوئی اور کام کرنے والا نہ ہو۔ ﴿2﴾ خوب صورت ملبوسات سے اجتناب کر کے عام لباس پہنے گی۔ ﴿3﴾ خوشبو کی تمام اقسام سے اجتناب کرے گی، ہاں حیض سے فارغ ہونے کے بعد خوشبو استعمال کر سکتی ہے۔ ﴿4﴾ سونے، چاندی، ہیرے اور ہر قسم کے زیورات سے گریزاں رہے، چاہے ہار ہوں یا کنگن ہوں یا جیسے بھی ہوں۔ ﴿5﴾ سرمے کا استعمال بھی نہ کرے کیونکہ رسول ﷺ نے سوگ منانے والی کو ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔ ﴿6﴾ وہ جب چاہے پانی، صابن اور بیری کے پتوں سے غسل کر سکتی ہے۔ رشتہ دار ہوں یا غیر ان سے جب چاہے بات کر سکتی ہے۔ ﴿7﴾ اپنے محرموں کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے انہیں قہوہ اور کھانا وغیرہ پیش کر سکتی ہے۔ ﴿8﴾ اپنے گھر میں اور گھر کے باغیچہ میں اور چھت پر رات دن کام کر سکتی ہے۔ اسی طرح گھر کے سب کام جیسا کہ پکانا، سینا، پرونا، جھاڑو دینا، کپڑے دھونا اور جانوروں کا دودھ دوہنا وغیرہ۔ جو کام سوگ نہ منانے والی کرتی ہے وہ سب کام یہ بھی کر سکتی ہے۔ ﴿9﴾ اسی طرح دیگر عورتوں کی طرح رات کے وقت سفر بھی کر سکتی ہے۔ ﴿10﴾ اگر پاس کوئی غیر محرم نہ ہو تو سر سے کپڑا بھی ہٹا سکتی ہے۔ (ابن باز، مجموع الفتاوی والمقالات: 185/22) ﴿11﴾ بیوہ کا لباس: گھر میں کام کاج کرتے وقت جو کپڑے وہ پہنتی ہے وہی پہنے سرخ، سبز، سیاہ نیلگوں وغیرہ۔ لیکن خوب صورت اور زیب وزینت سے مرصع لباس جو التفات نظر کا موجب ہو نہیں پہن سکتی، نیز ایسا لباس بھی جو اجنبیوں کے پاس اور فنکشن وغیرہ میں پہنتی ہے۔ (ابن جبرین الفتاوی: 3717) ﴿12﴾ خوشبو کا استعمال: بیوہ عورت کے لیے درست نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے البتہ خوشبو اپنے بچوں یا مہمانوں کو پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ خود ان کی شریک کار نہ ہو۔ (ابن باز، مجموع الفتاوی والمقالات: 204/22) ﴿13﴾ ضرورت کے وقت سوگ منانے والی عورت کا غسل کرنا جائز ہے چاہے ہر روز ہو، جمعہ یا کسی اور دن کا تعین درست نہیں۔ ﴿14﴾ غسل کے لیے شیمپو استعمال کر سکتی ہے۔ (ابن جبرین الفتاوی: 4117) ﴿15﴾ عدت والی عورت کے لیے واجب ہے کہ حج کے لیے سفر نہ کرے، اس حالت میں اس پر حج لازم نہیں۔ (الفوزان المنتقی: 299) ﴿16﴾ گھر شفٹ کرنا: جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہے اگر اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دورانِ عدت کسی ضرورت سے دوسرے گھر منتقل ہونا پڑ رہا ہے جیسا کہ تنہا اپنے گھر میں رہنے سے خوف محسوس کرتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں جس گھر منتقل ہو رہی ہے اس میں اس کی عدت مکمل ہو جائے گی۔(اللجنۃ الدائمۃ:20924)

سوال 4: عدت کے احکامات کے بارے میں نبی ﷺ کی کوئی ایک حدیث تحریر کریں؟

جواب: سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ عورت سرمہ لگائے، نہ رنگا ہوا کپڑا پہنے اور نہ خوشبو استعمال کرے۔(صحیح بخاری:5342,43)

سوال 5: ﴿ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ﴾ انتظار میں رہنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد محض نکاح سے رکنا نہیں، زینت سے رکنا بھی ہے۔

سوال 6: عدت وفات سے کون سی عورت مستثنیٰ ہے؟

جواب: عدت وفات کی زیب و زینت کی پابندیوں سے طلاق رجعی والی عورت مستثنیٰ ہے۔

سوال 7: ﴿ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ "پھر جب وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو جو کچھ وہ اپنی ذات کے بارے میں معروف طریقے سے کریں تم پر اس کا کوئی گناہ نہیں" اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس سے مراد ہے کہ عدت کے بعد بیوہ عورت اگر زینت اختیار کرے تو کوئی حرج نہیں۔﴿2﴾عدت کے بعد اجازت اور مشاورت سے ولی کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہیں تو تم پر کوئی حرج نہیں۔

سوال 8: ولی پر بیوہ عورت کے بارے میں کیا واجب ہے؟

جواب:﴿1﴾بیوہ عورت کے ولی پر واجب ہے کہ اس پر نظر رکھے اور جو فعل جائز نہ ہو اس کے ارتکاب سے اسے منع کرے۔﴿2﴾ولی اس فعل کے بجالانے پر بیوہ عورت کو مجبور کرے گا جو اس پر واجب ہو۔عورت کا ولی اس آیت کا مخاطب ہے اور ایسا کرنا اس پر واجب ہے۔(تفسیر سعدی:286/1)

سوال 9: ﴿ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾ "اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے پوری طرح باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اعمال کو پوری طرح جاننے والا ہے۔اور تمہیں اس کی جزا دے گا۔اس میں شدید وعید اور تہدید ہے کیونکہ جب وہ بندوں کے اعمال پر نگران ہے تو انہیں اس پر جزا دے گا۔(واضح المیسر:87)﴿2﴾اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری، باطنی اور چھوٹے، بڑے سب اعمال کی خبر رکھتا ہے تمہیں ان کی جزا دے گا۔

سوال 10: اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کو نکاح کرنے سے روکنے کے لیے ولیوں کو کیسے اپنی ذات کا شعور دلایا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کو نکاح کرنے سے روکنے کے لیے ولیوں کو اپنی ذات کا شعور دلایا ہے کہ خبیر ہوں تمہارے اعمال سے باخبر ہوں اس لئے ظلم سے بچ جاؤ اور اپنے اعمال درست کرلو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ (235) ﴾

''اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان عورتوں کو اشارتاً نکاح کا پیغام دو یا اپنے دل میں چھپاؤ، اللہ تعالیٰ نے جان لیا ہے کہ تم لازماً انہیں ضرور یاد کرو گے لیکن تم ان سے کوئی پوشیدہ عہد و پیمان نہ کرو مگر یہ کہ تم معروف بات کہو اور عقد نکاح کا ارادہ نہ کرو یہاں تک کہ عدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور جان لو اللہ تعالیٰ یقیناً جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے لہٰذا تم اس سے ڈر جاؤ اور جان لو اللہ تعالیٰ یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔'' (235)

سوال 1: ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ﴾ ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان عورتوں کو اشارتاً نکاح کا پیغام دو یا اپنے دل میں چھپاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ ﴾ ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان عورتوں کو اشارتاً نکاح کا پیغام دو'' اللہ تعالیٰ نے تعریض یعنی اشارے کنائے سے نکاح کی بات کرنے سے گناہ کو ختم کر دیا ہے۔ ﴿2﴾ عدت کے دوران نکاح کی خواہش کا اظہار کسی اچھے انداز میں کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً میرا بھی نکاح کا ارادہ ہے، میں نیک عورت کی تلاش میں ہوں۔ مطلقہ بائنہ سے عدت میں ایسی بات کرنا جائز ہے۔ ﴿3﴾ یہ حکم اس عورت کے بارے میں ہے جسے طلاق بائنہ دے دی گئی ہو یا شوہر کی وفات کی عدت گزار رہی ہو۔ ﴿4﴾ رجعی طلاق کی عدت میں شوہر کے سوا کسی کو صراحت سے یا کنائے سے پیغام دینے کی اجازت نہیں۔ ﴿5﴾ ﴿ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ﴾ ''یا اپنے دل میں چھپاؤ'' اپنے دل میں چھپا کر رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ فلاں عورت جو عدت گزار رہی ہے اس کی عدت ختم ہونے پر اس سے نکاح کرلوں گا۔

سوال 2: ﴿ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے جان لیا ہے کہ تم لازماً انہیں ضرور یاد کرو گے لیکن تم ان سے کوئی پوشیدہ عہد و پیمان نہ کرو مگر یہ کہ تم معروف بات کہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ﴿ لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا ﴾ سے یہ مراد ہے کہ عورت سے چھپ کر بدکاری نہ کرو۔ (صحیح بخاری:5124) اللہ تعالیٰ نے انسانی کمزوری کو بیان فرمایا ہے کہ اس نے جان لیا ہے کہ تم لازماً انہیں ضرور یاد کرو گے۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ انسانوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمزوریوں پر یعنی یاد آنے پر گرفت نہیں کرتا۔ ﴿2﴾ ﴿اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ ''مگر یہ کہ تم معروف بات کہو'' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ﴿فِيْمَا عَرَّضْتُمْ﴾ کی تفسیر میں کہا کہ کوئی شخص کسی ایسی عورت سے جو عدت میں ہو کہے کہ میرا ارادہ نکاح کا ہے اور میری خواہش ہے کہ مجھے کوئی نیک بخت عورت میسر آ جائے۔ ﴿3﴾ قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ (تعریض یہ ہے کہ) عدت میں عورت سے کہے کہ تم میری نظر میں بہت اچھی ہو اور میرا خیال نکاح کرنے کا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں بھلائی پہنچائے گا یا اسی طرح کے جملے کہے۔ ﴿4﴾ عطا ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تعریض و کنایہ سے کہے، صاف صاف نہ کہے (مثلاً) کہے کہ مجھے نکاح کی ضرورت ہے اور تمہیں بشارت ہو اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھی ہو اور عورت اس کے جواب میں کہے کہ تمہاری بات میں نے سن لی ہے (بصراحت) کوئی وعدہ نہ کرے۔ ایسی عورت کا ولی بھی اس کے علم کے بغیر کوئی وعدہ نہ کرے اور اگر عورت نے زمانۂ عدت میں کسی مرد سے نکاح کا وعدہ کر لیا اور پھر بعد میں اس سے نکاح کیا تو دونوں میں جدائی نہیں کرائی جائے گی۔ (بخاری:5124) ﴿5﴾ یہ تمام تفصیلات عقد کے مقدمات میں شمار ہوتی ہیں۔ رہا عقد نکاح تو وہ جائز نہیں۔ (تفسیر سعدی:287/1)

سوال 3: ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ ''اور عقد نکاح کا ارادہ نہ کرو یہاں تک کہ عدت اپنی انتہا کو پہنچ جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کا ارادہ نہ کرو کیونکہ عدت میں بالاتفاق نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (مختصر ابن کثیر:155/1) ﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اَلْكِتٰبُ اَجَلَهٗ سے مراد عدت کا پورا کرنا ہے۔ (بخاری:5124)

سوال 4: اگر کوئی عدت کے دوران نکاح کر لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ﴿1﴾ عدت کے دوران نکاح کے بارے میں حکم یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تفریق کروا دی جائے۔ ﴿2﴾ عدت کے بعد دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

سوال 5: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ﴾ ''اور جان لو اللہ تعالیٰ یقیناً جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے لہٰذا تم اس سے ڈر جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ ''اور جان لو'' نفع مند علم ہے اسے سیکھو، اس کے لیے وقت لگاؤ کیونکہ یہ علم نہ آسانی سے ملتا ہے نہ ٹھہرتا ہے جب کہ خبر تو سبھی کو ہے کہ ﴿2﴾ ﴿اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے ارادوں سے باخبر ہے۔ اس لیے کوشش کرو کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف برے خیالات نہ آئیں۔ اس سے ثواب کی امید رکھ کر ہمیشہ بھلائی کی نیت رکھو۔ ﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے ڈر جاؤ۔ (زاد المسیر:246/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿4﴾ ﴿فَاحْذَرُوْهُ﴾ اس سے ڈر جاؤ۔ اس کے عذاب کا خوف رکھ کر گناہوں سے بچ جاؤ۔

سوال 6: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ''اور جان لو اللہ تعالیٰ یقیناً بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاعْلَمُوْٓا﴾ اور جان لو! علم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم تمام علوم سے زیادہ جلیل القدر اور عالی شان ہے۔ ﴿2﴾ ﴿اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ غفور ہے، وہ توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کردیتا ہے، رجوع کرنے والوں کو بخش دیتا ہے۔ وہ لغزشوں کو معاف کرنے والا ہے اس لیے اس کی رحمت سے امید رکھو۔ ﴿3﴾ ﴿حَلِيْمٌ﴾ اللہ تعالیٰ بردبار ہے وہ پکڑنے کی قدرت رکھنے کے باوجود جلدی نہیں کرتا۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ تحمل والا ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

سوال 7: باہمی تعلقات میں حسن سلوک، نرمی اور احسان کی فضا کو غالب رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کیسے انسان کو ذہنی طور پر تیار کرتے ہیں؟

جواب: اللہ سبحانہ وتعالیٰ تقویٰ کے احساس کو تیز کرتے ہیں اور اس بات سے ڈراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھنے والا اور نگران ہے۔ اس لیے دلوں کو صاف اور خالی رکھو۔ رشتہ داری کامیاب ہو یا ناکام، ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط رکھنا چاہیئے۔

رکوع نمبر 31

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ (236)﴾

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو کہ تم نے ابھی انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو یا ان کا مہر تک مقرر نہ ہوا اور ان کو کچھ سامان دے دو، خوش حال پر اس کی کشائش کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق معروف طریقے سے ساز و سامان دینا ہے نیکی کرنے والوں پر یہ حق ہے۔'' (236)

سوال 1: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ﴾ ''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو کہ تم نے ابھی انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو یا ان کا مہر تک مقرر نہ ہوا اور ان کو کچھ سامان دے دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ تم پر کوئی گناہ نہیں اے مردو! اگر تم اپنی بیویوں کو چھونے سے پہلے ہی طلاق دے دو اگر چہ اس میں عورتوں کو ضرر پہنچتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور تم طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ ﴿3﴾ ﴿وَّمَتِّعُوْهُنَّ﴾ ان کو کچھ متاع سامان یعنی متعہ طلاق دے دو۔ اس سے ان کی دل جوئی ہو جائے گی اور کسی حد تک نقصان کی تلافی بھی ہو جائے گی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: مہر کسے کہتے ہیں؟

جواب: مہر نکاح کے موقع پر مرد کی طرف سے عورت کو دیا جانے والا حق ہے جو کہ لازمی فریضہ ہے۔ یہ حق مال، زیور، جائیداد وغیرہ کسی بھی صورت میں دیا جا سکتا ہے۔

سوال 3: ﴿ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ﴾ ''خوش حال پر اس کی کشائش کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق'' متعہ طلاق کتنا ہونا چاہیے؟

جواب: ﴿1﴾ متعہ طلاق حیثیت کے مطابق ہے۔ تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق اور خوش حال پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں طلاق کے بعد اعلیٰ درجے کا متعہ خادم ہے درمیانی درجے کا روپیہ پیسہ اور ادنیٰ درجے کا کپڑا ہے۔

سوال 4: کیا متعہ طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کے لیے ہے؟

جواب: متعہ طلاق ہر قسم کی طلاق یافتہ عورت کے لیے ہے۔

سوال 5: متعہ طلاق کی کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس کی وجہ سے تلخی اور کشیدگی کم ہو جاتی ہے۔ ﴿2﴾ عورت کی دل جوئی کی وجہ سے مستقبل کے جھگڑوں کا امکان کم ہو جاتا ہے۔

سوال 6: ہمارے یہاں طلاق کے موقع پر کیا کیا جاتا ہے؟

جواب: عام طور پر ہمارے یہاں طلاق کے موقع پر ایسے برے طریقے سے رخصت کیا جاتا ہے کہ دونوں خاندانوں کے تعلقات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتے ہیں۔

سوال 7: ﴿ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴾ ''معروف طریقے سے ساز و سامان دینا ہے نیکی کرنے والوں پر یہ حق ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ معروف طریقے سے ساز و سامان دینے سے مراد ہے ان کو ان کے حق سے زائد دیں۔ ﴿2﴾ ﴿ حَقًّا ﴾ یہ حق واجب ہے۔ ﴿3﴾ ﴿ عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴾ محسن سے مراد ہے احسان کرنے والا جو دوسروں کو ان کے حق سے زائد دیتا ہے۔ جو معاملات کو خوبی کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ نیکی کرنے والوں پر یہ ان عورتوں کا حق ہے جن کو تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو یا ان کا مہر مقرر نہ ہوا ہو۔ ﴿4﴾ انہیں معروف طریقے سے ساز و سامان دیں، معذرت اور افسوس کا اظہار کرنے کے لیے دیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (237) ﴾

’’اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور تم ان کے لیے مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جو تم نے مقرر کیا اس کا نصف (لازم) ہے مگر یہ کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ مرد معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور تقویٰ کے زیادہ قریب یہی ہے کہ تم معاف کر دو اور آپس میں فضل کو فراموش نہ کرو یقیناً تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘ (237)

سوال 1: ﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ﴾ ’’اور اگر تم نے انہیں طلاق دے دی اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور تم ان کے لیے مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو جو تم نے مقرر کیا اس کا نصف (لازم) ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے جن کا مہر مقرر کیا گیا لیکن چھوئے بغیر طلاق دے دو تو طلاق یافتہ عورت کے لیے نصف مہر ہے اور باقی نصف مہر تمہارا ہے۔

سوال 2: مہر کی کتنی شکلیں ہیں؟

جواب: مہر کی چار شکلیں ہیں: ﴿1﴾ نکاح ہوا، نہ مہر مقرر ہوا، نہ رخصتی ہوئی تو متعہ طلاق ہے۔ ﴿2﴾ نکاح ہوا، مہر مقرر ہوا، رخصتی نہیں ہوئی تو آدھا مہر ہے۔ ﴿3﴾ نکاح ہوا، مہر مقرر نہیں ہوا، رخصتی ہوئی تو مہر مثل ہے۔ ﴿4﴾ نکاح ہوا، مہر مقرر ہوا، رخصتی ہوئی تو پورا مہر ہے۔

سوال 3: ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ ’’مگر یہ کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ مرد معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ ﴾ مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں جب کہ ان کا معاف کرنا صحیح ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ ’’یا وہ مرد معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے‘‘ اس سے مراد شوہر ہے نہ کہ ولی کیونکہ شوہر ہی وہ شخص ہے جو نکاح کی گرہ کھول سکتا ہے۔ عورت کے ولی کے لیے تو درست ہی نہیں کہ وہ عورت کے کسی حق واجب کو معاف کرے کیونکہ نہ وہ مالک ہے نہ وکیل۔ (تفسیر سعدی: 289/1) ﴿3﴾ نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

سوال 4: شوہر کے معاف کرنے سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ شوہر اپنا حق یعنی نصف مہر معاف کر دے اور عورت کو پورا مہر دے دے۔

سوال 5: ﴿ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ ’’اور تقویٰ کے زیادہ قریب یہی ہے کہ تم معاف کر دو‘‘ کی وضاحت کریں؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کی طرف رغبت دلائی کہ معاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ ﴿2﴾ معاف کرنا احسان کا کام ہے جو شرح صدر کا باعث بنتا ہے۔ ﴿3﴾ مومن کو نیکی اور احسان کے کاموں میں پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔

سوال 6: ﴿ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ﴾ ''اور آپس میں فضل کو فراموش نہ کرو'' اللہ تعالیٰ نے کس فضل کو نہ بھولنے کی تلقین کی؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے فضل واحسان کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔ ﴿2﴾ فضل سے مراد احسان اور مودت ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مرد کی طرف سے پورے مہر کی ادائیگی اور عورت کی جانب سے اپنا حصہ چھوڑ دینا ہے۔ (زاد المسیر :248/1)

سوال 7: نکاح اور طلاق کے قوانین بیان کرتے ہوئے بار بار تقویٰ اور احسان کی تلقین کی گئی، حکمت واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ تقویٰ اور احسان کی تلقین میں بڑی حکمت ہے۔ تقویٰ (اللہ تعالیٰ کے خوف) کی وجہ سے مومن کو یہ احساس رہتا ہے کہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش آنا ہے اس طرح معاملات احسان کی صورت اختیار کرنے لگتے ہیں۔ احسان کرنے والا مرد عورت کو پورا مہر ادا کر کے اپنا حصہ معاف کر دیتا ہے۔ ﴿2﴾ کسی حکم کو اس کی اصلی روح کے ساتھ عمل میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے افراد ایک دوسرے سے احسان (حسن سلوک) کا جذبہ رکھتے ہوں۔ ﴿3﴾ انسان کو انسانوں کے معاملے میں یہ احساس کہ دوسروں کے ساتھ احسان (حسن سلوک) نہ کرنا اپنے ساتھ حسن سلوک نہ کیے جانے کا خطرہ مول لینا ہے، محتاط اور احسن رویہ رکھنے والا بنا دیتا ہے۔

سوال 8: ﴿ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴾ ''یقیناً تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے مہر کی ادائیگی کے لئے اپنی صفت بصیر کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دلایا ہے کہ خاندانوں کے اندر ہونے والے معاملات اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ بصیر ہے لہٰذا اس سے ڈر جاؤ اور حقوق کی حفاظت کرو۔

﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (238) ﴾

''سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے فرماں بردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔'' (238)

سوال 1: ﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ ﴾ ''سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خصوصاً درمیانی نماز کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ ﴾ ''سب نمازوں کی حفاظت کرو'' اللہ تعالیٰ نے نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ ﴿2﴾ نماز کی حفاظت کا مطلب ہے انہیں وقت کی پابندی کے ساتھ، تمام واجبات و مستحبات کے ساتھ خشوع و خضوع کے ساتھ مشروط ارکان کا خیال رکھتے ہوئے ادا کیا جائے۔ ﴿3﴾ نماز کی حفاظت کے ساتھ تمام عبادات کی حفاظت بھی ہو جاتی ہے۔ ﴿4﴾ نماز کو اخلاص، عاجزی، ذلت کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے جذبے کے ساتھ آرام اور سکون سے ادا کرنا چاہئے۔ ایسی نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔﴿5﴾ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''وقت پر نماز پڑھنا۔'' (مسلم:254)﴿6﴾ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''جس شخص نے نماز کی حفاظت کی اس کے لیے نماز قیامت کے روز نور، برھان اور نجات کا باعث ہوگی جس نے نماز کی حفاظت نہ کی اس کے لیے نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات، نیز قیامت کے روز اس کا انجام قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔'' (ابن حبان:1467)﴿7﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے بندے کو نماز کا حساب دینا ہوگا اگر وہ پوری ہے تو بہتر نہیں تو پروردگار فرمائے گا: دیکھو میرے بندے کے پاس کچھ نفل نماز ہے، پھر اگر نفل نماز ہوگی تو اس سے فرض نماز کی کمی پوری کی جائے گی۔ (نسائی:468)﴿8﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جو شخص بہترین وضو کر کے انہیں وقت پر ادا کرتا ہے ان کے رکوع وسجود اور خشوع کو مکمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ وعدہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسے معاف فرمائے گا اور جو ایسے نہیں کرتا اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی وعدہ نہیں، چاہے گا تو اسے معاف کر دے گا اور چاہے گا تو اسے عذاب دے گا۔'' (سنن ابوداؤد:425)

سوال 2: صلوٰۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صَلَاةُ الْوُسْطَى صَلَاةُ الْعَصْرِ ''صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد صلوٰۃ عصر ہے''۔ (ترمذی:2985)﴿2﴾ نبی ﷺ نے غزوۂ احزاب میں نماز عصر کو صلوٰۃ وسطیٰ قرار دیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الجہاد)﴿3﴾ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: ''صلوٰۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔'' (جامع ترمذی:2983)﴿4﴾ سیدنا علی بن طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے غزوہ خندق کے دن کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور گھروں کو آگ سے بھر دے، جس طرح انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطیٰ سے مشغول کر دیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ (صحیح بخاری:293/1)

سوال 3: ازدواجی زندگی کے احکامات اور طلاق کے احکامات کے درمیان نماز کی بحث اہمیت کی حامل ہے، واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ نماز کی بحث کا مقصد مسلمانوں کے دل میں بندگی کا جامع تصور بٹھانا ہے کہ جیسے طلاق کے معاملات کا فیصلہ رب سے لینا ہے ایسے ہی اپنی ساری زندگی میں رب سے رابطہ استوار رکھنا ہے۔ ہمیشہ اپنے آپ کو اس کے آگے جھکا دینا ہے اور نماز اس کی غلامی کا اظہار ہے۔﴿2﴾ طلاق کے معاملے میں ہونے والی تلخیاں اور پریشانیاں نمازوں کو متاثر کر سکتی ہیں۔ اس لیے فرمایا نمازوں کی حفاظت کرو۔

سوال 4: نماز کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ انسان کی تربیت کیسے کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ نماز برائی اور بے حیائی سے بچاتی ہے۔﴿2﴾ نماز انسان کو اخلاص اور عاجزی کے بلند مقام تک پہنچا دیتی ہے۔﴿3﴾ نماز کے ذریعے مومن ثابت قدمی سیکھتا ہے۔﴿4﴾ نماز امن کے دور میں انسان کو مہذب مومن بناتی ہے۔﴿5﴾ نماز مومن کو امن وسکون

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی دنیا میں داخل کرتی ہے۔

سوال5: ﴿ وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کے لیے فرماں بردار بن کر کھڑے ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قانتین بمعنی مطیعین یعنی فرماں بردار'' اور اللہ تعالیٰ کے سامنے فرماں برداروں کی طرح خاموش کھڑے ہوا کرو۔'' ﴿2﴾ خاموشی سے دنیا کی بات نہ کرنا مراد ہے۔(بخاری کتاب التفسیر) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ نماز دل کی خوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے کھڑے ہو جانا ہے۔ ﴿4﴾ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پہلے ہم نماز پڑھتے ہوئے بات بھی کر لیا کرتے تھے' کوئی بھی شخص اپنے دوسرے بھائی سے اپنی کسی ضرورت کے لیے بات کر لیتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''سب ہی نمازوں کی پابندی رکھو اور خاص طور پر بیچ والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے فرماں برداروں کی طرح کھڑے ہوا کرو۔'' اس آیت کے ذریعہ ہمیں نماز میں چپ رہنے کا حکم دیا گیا۔(صحیح بخاری:4534) ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہیں یعنی اخلاص، عاجزی اور ذلت کا اظہار کرتے ہوئے تعظیم سے جھکیں اور آرام و سکون کے ساتھ نماز ادا کریں۔

﴿ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ (239) ﴾

''پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار ہو کر پڑھ لو، پھر جب امن میں آجاؤ تو اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی یاد کرو جیسے اس نے تمہیں سکھایا ہے، جسے تم نہیں جانتے تھے۔''(239)

سوال1: ﴿ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ فَرِجَالًا اَوۡ رُكۡبَانًا ﴾ ''پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار ہو کر'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اگر حالت خوف میں ہو تو پیدل یا سواری پر سوار رہتے ہوئے ہی نماز پڑھ لو۔ ﴿2﴾ نماز کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہو سکتی۔

سوال2: دشمن کے خوف کے وقت کیسے نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب: دشمن کے خوف کے وقت پیدل، چلتے ہوئے، سواری پر بیٹھے ہوئے ہر طرح نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

سوال3: ﴿ فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمۡ ﴾ ''پھر جب امن میں آجاؤ تو اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی یاد کرو جیسے اس نے تمہیں سکھایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ آپ نماز پڑھو جو ذکر کی بہترین صورت ہے یعنی جب امن کی حالت میں ہو تو اس طرح نماز پڑھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم کو سکھایا ہے۔ ﴿2﴾ اس میں ذکر کی ہر قسم شامل ہے۔ ﴿3﴾ کامل نماز پڑھنا بھی اس ذکر کی ایک صورت ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال4: ﴿ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ ”جسے تم نہیں جانتے تھے“ سے اللہ تعالیٰ نے کس طرف توجہ دلائی ہے؟

جواب: ”جسے تم نہیں جانتے تھے“ سے اللہ تعالیٰ نے ماضی کی جہالت کو یاد کروایا ہے کہ دیکھو تم پہلے رب کو یاد کرنا، نماز پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے تم کو دین سکھا دیا۔

﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (240) ﴾

”اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں (ان پر لازم ہے) وہ اپنی بیویوں کے لیے ایک سال تک سامان دینے اور (انہیں) نہ نکالنے کی وصیت کریں، پھر اگر وہ نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں جو کچھ وہ اپنے بارے میں معروف طریقے سے کریں اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ (240)

سوال1: ﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ﴾ ”اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں (ان پر لازم ہے) وہ اپنی بیویوں کے لیے ایک سال تک سامان دینے اور (انہیں) نہ نکالنے کی وصیت کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ اللہ تعالیٰ کی وصیت ہے کہ بیوہ عورت کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے۔

سوال2: کیا ایک سال تک گھر سے نہ نکالنے کا حکم برقرار ہے؟

جواب: ایک سال تک گھر سے نہ نکالنے کا حکم برقرار نہیں ہے۔ یہ آیت اپنے سے پہلی آیت سے منسوخ ہو گئی ہے۔ ﴿ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ﴾ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن تک انتظار میں رکھیں۔ (البقرۃ:234) ﴿1﴾ جب عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہو گئی تو وصیت والی آیت منسوخ ہو گئی۔ ﴿2﴾ چونکہ عورت کو اب میراث میں سے حصہ مل جاتا ہے اس لیے سال بھر کے نان ونفقہ کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

سوال3: کیا فوت ہونے والے بیویوں کے لیے وصیت کر سکتے ہیں؟

جواب: میراث کا حکم آجانے کے بعد عورت کے لیے شوہر کو کسی قسم کی وصیت کرنے کی ضرورت نہیں۔

سوال4: ﴿ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ﴾ ”پھر اگر وہ نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں جو کچھ وہ اپنے بارے میں معروف طریقے سے کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے وہ جو کچھ کریں تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿2﴾ یہ اسلامی تعلیمات کی وسعت ہے کہ بیوہ عورت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں معروف طریقے سے فیصلہ کر سکتی ہیں۔﴿3﴾ اسے زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کی نذر نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مردوں کے ظلم وستم برداشت کرتی رہے۔

سوال 5: ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے'' سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے۔﴿2﴾ ﴿ حَكِيمٌ ﴾ ''اللہ تعالیٰ کمال حکمت والا ہے'' اپنے احکامات اور قوانین میں حکیم ہے۔

﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (241) ﴾

''اور طلاق یافتہ عورتوں کو معروف طریقہ سے کچھ سامان دینا متقی لوگوں پر لازم ہے۔'' (241)

سوال 1: ﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ ''اور طلاق یافتہ عورتوں کو معروف طریقہ سے کچھ سامان دینا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ طلاق یافتہ عورتوں کو بھی کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر مردوں کے لیے حلال ہوتی ہیں۔﴿2﴾ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ متعہ طلاق واجب ہے۔

سوال 2: ﴿ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴾ ''متقی لوگوں پر لازم ہے'' میں کس جانب توجہ دلائی گئی ہے؟

جواب: ﴿ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴾ ''متقی لوگوں پر لازم ہے'' میں اس جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ مردوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی عورتوں پر ظلم اور زیادتی کریں۔

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (242) ﴾

''اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔'' (242)

سوال: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ ''اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو'' اللہ تعالیٰ اپنی آیات بیان کر کے سمجھ بوجھ سے کام لینے کی تلقین کرتے ہیں، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ ''اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے'' اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات، حلال وحرام، فرائض وحدود اور امر ونہی کھول کھول کر تمہارے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ ذرا سا بھی ابہام نہ رہے اور تم ضرورت کے وقت فائدہ اٹھالو۔﴿2﴾ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ تاکہ تم سمجھو اور ان کا اصل مقصد تمہیں سمجھ آجائے کیونکہ جو سمجھے گا وہ عمل کرے گا۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے خاندانی زندگی کے اختتام پر پیدا ہونے والی الجھنوں کو واضح کیا ہے۔(الف) جب عورت بیوہ ہو جائے تو اس کے حقوق کیا ہیں؟ (ب) جب عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جائے تو اس وقت کیسے اس کی دل جوئی کرنی ہے؟ (ج) اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات کو واضح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر کے حقوق بھی دلائے، تلخیاں بھی ختم کیں اور احسن انداز میں نئی زندگی شروع کرنے کے راستے بھی ہموار کیے۔ (د) عقل والوں کے لئے معاشرتی زندگی کے بہترین احکامات نشانی ہیں کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں رب کا کلام ہے۔

رکوع نمبر 32

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ(243) ﴾

''کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا: مرجاؤ، پھر اس نے انہیں زندہ کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً لوگوں پر بڑے فضل والا ہے مگر اکثر لوگ شکرادا نہیں کرتے۔'' (243)

سوال 1: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ﴾ ''کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے؟'' موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلنے کی بات یہاں کس مقصد کے لیے کی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں گھروں سے نکلے تھے۔ ﴿2﴾ ان کے نکلنے کی وجہ موت کا خوف تھا لیکن تقدیر کے سامنے ان کی تدبیر بے بس ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر کسی کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ ﴿3﴾ جس طرح کوئی تقدیر سے بھاگ نہیں سکتا اسی طرح جہاد سے بھاگ کر بھی حیات نہیں پا سکتا۔ زندگی کی مقررہ مدت نہیں بڑھ سکتی۔ موت اور رزق مقرر کیا جا چکا۔ ﴿4﴾ مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو کافروں نے حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مقابلے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی طاقت دشمنوں کی نسبت کم تھی اس لیے کچھ لوگوں کے اندر بے ہمتی پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی خرابی کو واضح کر کے مسلمانوں کو سمجھایا کہ دیکھو وہ بھی موت سے ڈر کر بھاگے تھے لیکن موت آ گئی۔ موت کے ڈر سے موت نہیں ٹلتی، خوف سے زندگی میں اضافہ نہیں ہوتا، زندگی اور موت کا آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

سوال 2: ﴿ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا: مرجاؤ پھر اس نے انہیں زندہ کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا: مرجاؤ'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ لوگ طاعون سے بھاگے تھے اور کسی صحت افزاء علاقے میں ٹھہرنا چاہتے تھے۔ جب کسی مخصوص مقام پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب فوت ہوگئے۔ ﴿2﴾ ﴿ ثُمَّ ﴾ پھر۔ ﴿3﴾ ﴿ اَحْيَاهُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا۔ ﴿4﴾ نبی کی دعا کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا۔ ﴿5﴾ یہ ان پر رحمت، مہربانی اور حلم کا اظہار تھا اور مردوں کو زندہ کرنے کی ایک نشانی دکھانا مقصود تھا۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے بنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسرائیل کی خرابی کو واضح کر کے مسلمانوں کو سمجھایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بھاگ نہیں سکتے۔﴿7﴾ زندگی اور موت کا آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔﴿8﴾اس کے فیصلوں پر اطمینان رکھنا چاہیئے۔جس طرح انسان کو زندگی اس کی کوشش کے بغیر دی جاتی ہے اسی طرح زندگی واپس لینے میں بھی اس کی حکمت شامل ہوتی ہے۔

سوال3: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کیا سبق دیا ہے؟

جواب:﴿1﴾موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔﴿2﴾موت وحیات پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قدرت نہیں رکھتا اس لیے بہتر یہی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کیا جائے اور ضرورت مندوں کو قرض حسنہ دیا جائے۔

سوال4: موت کے ڈر سے بھاگنا کیا ثابت کرتا ہے؟

جواب: موت کے ڈر سے بھاگنا یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان زندگی کی حرص رکھتے ہیں۔

سوال5:﴿ **إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ** ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ یقیناً لوگوں پر بڑے فضل والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل تھا کہ انھیں موت کے بعد زندگی عطا کی۔اللہ تعالیٰ یقیناً لوگوں پر بڑے فضل والا ہے۔

سوال6:﴿ **وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ** ﴾'' مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات پر اس کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ وہ ان انعامات کا انکار کرتے ہیں۔(صفوۃ التفاسیر:141/1) ﴿2﴾اکثر لوگ انعامات پا کر مزید گناہ کرتے ہیں۔﴿3﴾اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو نہیں پہچانتے، نہ ان کا اعتراف کرتے ہیں نہ اس کی اطاعت میں استعمال کرتے ہیں۔

﴿ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (244) ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو اور جان لو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا،سب کچھ جاننے والا ہے۔''(244)

سوال1:﴿ **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ** ﴾''اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ **وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ** ﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جنگ کرو۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے سے پیچھے نہ ہٹو۔

سوال2: فی سبیل اللہ سے مراد کیسی جنگ ہے؟

جواب: فی سبیل اللہ سے مراد ایسی جنگ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی بلندی، تحفظ دعوت، دین کی نشر و اشاعت کو اس حد تک ممکن بنانے کے لیے کی جاتی ہے تاکہ اس کام کو لے کر چلنے والے مغلوب نہ ہوں، کوئی شعائر دین کو قائم کرنے کے راستے میں اور اس کے احکامات کی تلقین کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راستے میں رکاوٹ نہ بن سکے اور اسلامی ممالک کے دفاع کے لیے کی جاتی ہے۔

سوال 3: جہاد فی سبیل اللہ میں کیا کچھ مطلوب ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جان کی قربانی۔ ﴿2﴾ مالی خرچ۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے کا حکم دے کر کیا سمجھایا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ زندگی کی محبت کی وجہ سے گھروں میں نہ بیٹھ جانا۔ موت کے ڈر سے پیچھے نہ ہٹ جانا۔ ﴿2﴾ موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو، کسی اور مقصد کے لیے نہ لڑو۔ ﴿3﴾ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے اور دعائیں سنتا ہے، تمہارا کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا۔

سوال 5: ﴿وَاعْلَمُوٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور جان لو بلا شبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاعْلَمُوٓا﴾ اچھی طرح سے جان لو، اس کا علم حاصل کرو، اسے سمجھو اور اس پر غور و فکر کرو۔ ﴿2﴾ ﴿اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ﴾ بلا شبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہے۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے نفسوں کی نگرانی کریں تا کہ ہر تقصیر سے بچ سکیں۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ سمیع ہے جو ان کی باتوں کو سنتا ہے، وہ علیم ہے، وبائی زمین کا علم رکھتا ہے۔ (تفسیر سمرقندی:159)

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۭ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ(245)﴾

''کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے؟ سو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''(245)

سوال 1: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ قرض حسنہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کے لیے مال خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کی رغبت اور شوق دلایا اور اسے اپنے ذمہ قرض قرار دیا تا کہ جتنا ہو سکے نیکی کے کاموں میں اور خاص طور پر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرچ کریں۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرے۔

سوال 2: قرض حسنہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قرض حسنہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا مراد ہے۔ ﴿2﴾ قرض حسنہ سے مراد ایسا قرض ہے جو خالص نیکی کے جذبے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے،اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بدلے کی خواہش کے بغیر کسی کو دیا جائے۔اس طرح جو مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے ذمے قرض قرار دیتے ہیں۔

سوال3: ﴿ فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ﴾ ''سو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر اس کے لیے کئی گنا کر دے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک یا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ثواب میں اضافہ خرچ کرنے والے کی نیت، حالت، خرچ کے لیے ضرورت اور فائدے کے مطابق ہوگا۔

سوال4: انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں قرآن حکیم کا کیا مؤقف ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انفاق سے مال کم نہیں ہوتا۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ ''صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور بندے کے معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھا دیتا ہے اور جو آدمی بھی اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے۔'' (صحیح مسلم:6592) ﴿2﴾ انفاق فی سبیل اللہ، اللہ تعالیٰ کے نام قرض حسنہ ہے۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری تو ابو الداحداح انصاری رضی اللہ عنہ بولے: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے؟ فرمایا: ہاں! بولے: یا رسول اللہ ﷺ! ذرا ہاتھ تو دکھائیے تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ان کے ہاتھ میں دے دیا تو بولے: میں نے قرض کے طور پر اپنا باغ اللہ تعالیٰ کو دے دیا جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں اور اس میں ام دحداح اور اس کے بچے بھی رہتے ہیں۔پھر باغ میں آ کر ام دحداح سے کہا: یہاں سے سامان اٹھا لو میں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا ہے۔(ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) ﴿3﴾ انفاق فی سبیل اللہ کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ اس مال کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیں گے۔دنیا میں برکت اور آخرت میں بے حساب اجر، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا نصیب ہوگی۔سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ایک اونٹنی لے کر آیا جس کو مہار ڈالی ہوئی تھی۔عرض کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں (صدقہ) ہے تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے پاس قیامت کے دن اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ہوں گی جن کی مہار ڈالی ہوئی ہوگی۔'' (صحیح مسلم:4897) ﴿5﴾ مال گھٹانا اور بڑھانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔﴿6﴾ انسان حرص اور بخل کی وجہ سے غنی نہیں ہوتا، دولت مندی اور فقیری اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔﴿7﴾ اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جمع کیا ہوا مال کام نہیں آئے گا۔

سوال5: ﴿ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: انسان کو بعض اوقات یہ خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ مفلس ہو جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ﴾ یعنی جس کا رزق چاہتا ہے وسیع کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔یہ معاملات صرف اسی کے ہاتھ میں ہیں اور تمام امور کا دارومدار اسی کی ذات پر ہے۔بچا بچا کر رکھنے سے رزق بڑھتا نہیں اور خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں۔(تفسیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سعدی:294)

سوال 6: ﴿ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'' کہہ کر کیا سمجھایا گیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے'' کہہ کر یہ سمجھایا گیا ہے کہ جو خرچ کرو گے وہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ ایک دن آنے والا ہے جب اپنی پیش کی ہوئی اشیاء پوری بلکہ زیادہ اضافے کے ساتھ کئی گناہ وصول کر لو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے اعمال کی پوری جزا دے گا۔ ﴿2﴾ دنیا کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے تو پھر زور و شور سے جہاد کریں، جانیں بھی پیش کریں، مال بھی دیں، زندگی محدود ہے، رزق مقرر ہے، جرأت والی زندگی، آزاد زندگی گزاریں، دنیا کی غلامی چھوڑ دیں اور ایک اللہ تعالیٰ کی غلامی اختیار کریں۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (246) ﴾

''کیا آپ نے موسیٰ کے بعد، بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا؟ جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ''ہمارے لیے کسی کو بادشاہ بنا دیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کریں'' نبی نے جواب دیا: ''یقیناً قریب ہو تم کہ اگر تم پر جنگ فرض کر دی جائے کہ تم قتال ہی نہ کرو''، انہوں نے کہا: ''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ نہ کریں حالانکہ ہمیں ہمارے گھروں سے اور ہمارے بیٹوں سے نکالا گیا ہے؟'' پھر جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو ان میں سے تھوڑی سی تعداد کے علاوہ باقی سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔'' (246)

سوال 1: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ﴾ ''کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو سرداران بنی اسرائیل کا واقعہ سنایا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ الْمَلَاِ ﴾ اشراف قوم کو کہتے ہیں۔ ﴿3﴾ یہاں بنی اسرائیل کے واقعات کا اختتام ہو رہا ہے۔ یہ واقعات نبی ﷺ کی رسالت کی دلیل ہیں۔ ﴿4﴾ بنی اسرائیل کے سرداروں کے بارے میں سوال کر کے ان واقعات کو نبی ﷺ کی رسالت کی دلیل بنایا گیا کیونکہ ان کے بارے میں بنی اسرائیل کے کم ہی لوگ جانتے تھے۔

سوال 2: ﴿ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ''ہمارے لیے کسی کو بادشاہ بنا دیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کریں'' بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کے لیے بادشاہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقرر کرنے کا مطالبہ کیوں کیا؟

جواب: بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہونے والے نبی سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کے لیے بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ اس لیے کیا کہ ﴿1﴾ ان کے دلوں میں ایمان نے کروٹ لی تھی۔ ﴿2﴾ ان کے سامنے مقصد واضح ہو گیا تھا۔ ﴿3﴾ ان کے سامنے منزل آ گئی تھی، جہاد فی سبیل اللہ کی منزل۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارا دشمن باطل پر ہے۔ ﴿4﴾ اب وہ چاہتے تھے کہ انہیں منظم کیا جائے تاکہ وہ دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ بنی اسرائیل میں انبیاء سیاسی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

سوال 3: ﴿قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا﴾ نبی نے یہ کیوں کہا کہ ''یقیناً قریب ہو تم کہ اگر تم پر جنگ فرض کر دی جائے کہ تم قتال ہی نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: نبی نے یہ بات کہ اگر تم پر جنگ فرض کر دی جائے کہ قرب ہے کہ تم قتال ہی نہ کرو اس لیے کی تاکہ وہ تسلی کر لیں کہ ﴿1﴾ ان کی نیت پختہ ہے۔ ﴿2﴾ ان کا عزم سچا ہے۔ ﴿3﴾ وہ عظیم ذمہ داری اٹھا سکتے ہیں۔ ﴿4﴾ وہ اس معاملے میں سنجیدہ ہیں۔

سوال 4: ﴿قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا﴾ انہوں نے کہا: ''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ نہ کریں حالانکہ ہمیں ہمارے گھروں سے اور ہمارے بیٹوں سے نکالا گیا ہے؟'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ نبی کے سوال پر بنی اسرائیل کا جوش و خروش عروج پر پہنچ گیا۔ ﴿2﴾ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ جنگ ناگزیر ہے اور حالات جہاد کے بغیر سدھر نہیں سکتے کیونکہ ہمارے گھر اجاڑ دیے گئے۔ ہم بچوں سے دور ہیں، ان حالات میں جہاد کا حکم نہ آئے تب بھی ہمیں لڑنا چاہیے۔

سوال 5: ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ﴾ ''پھر جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو ان میں سے تھوڑی سی تعداد کے علاوہ باقی سب پھر گئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ نبی کے سوال کے بعد جب ان کے لیے بادشاہ مقرر کر دیا گیا اور ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو ان میں سے تھوڑی سی تعداد کے علاوہ باقی سب نے جہاد سے اعراض کیا۔ ﴿2﴾ انہوں نے دشمن کی شان و شوکت کا مشاہدہ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دیا اور پیچھے رہ گئے۔ ﴿3﴾ بنی اسرائیل کی نیتیں خالص نہیں تھیں، ان کا اللہ تعالیٰ پر توکل مضبوط نہیں تھا، انہیں بزدلی کی وجہ سے جہاد کرنے کی ہمت نہ ہوئی، ان کا عزم کمزور پڑا اور جہاد کی آرزو جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ ﴿4﴾ ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ﴾ ''ان میں سے تھوڑی سی تعداد کے علاوہ'' یہ تھوڑی سی تعداد ثابت قدم تھی۔ انہوں نے دشمن سے لڑنے کا ارادہ کیا تو انہیں عزت نصیب ہوئی۔

سوال 6: بنی اسرائیل کا معاہدوں پر کیا رویہ رہا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ سخت وعدہ خلافی کرنے والے۔﴿2﴾ عہد کر کے پھر جانے والے۔﴿3﴾ اطاعت سے پہلو بچانے والے۔﴿4﴾ فرائض کی ادائیگی میں پیچھے رہنے والے۔﴿5﴾ حق سے منہ موڑنے والے۔﴿6﴾ باہمی اختلافات میں مبتلا ہونے والے۔

سوال 7:﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: بنی اسرائیل نے خود پر ظلم کیا، جہاد کو ترک کیا اور دنیا میں کمزور بن کر رہے اور آخرت میں ان بدبختوں میں شامل ہوں گے جنھیں عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ اس میں ان کے راستے پر چلنے والوں کے لیے وعید ہے۔

سوال 8: بنی اسرائیل جیسی خصوصیات کیا اور قوموں میں بھی پائی جاتی ہیں؟

جواب: بنی اسرائیل جیسی خصوصیات ہر اس قوم اور جماعت میں پائی جاتی ہیں جن کی ایمانی تربیت میں کمی ہو۔

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (247)﴾

''اور ان کے نبی نے ان سے کہا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔'' انہوں نے جواب دیا: ''ہم پر اس کی حکومت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہت کے حق دار ہیں اور اسے مالی کشائش بھی نہیں دی گئی؟'' نبی نے کہا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر چنا ہے اور اسے علمی اور جسمانی فراخی عطا کی ہے' اور اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (247)

سوال 1:﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾ ''اور ان کے نبی نے ان سے کہا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یقیناً طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ﴾ ان کے نبی نے ان کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے کہا۔﴿2﴾﴿اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾ بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ نامزد کیا ہے۔﴿3﴾ طالوت قبیلہ بن یامین کا ایک تیس سالہ نوجوان تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہت کے لیے منتخب کیا تھا۔﴿4﴾ ان کا فرض تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مان لیتے لیکن انہوں نے اعتراض کیا۔

سوال 2:﴿قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ﴾ ''انہوں نے جواب دیا: ''ہم پر اس کی حکومت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ہم اس سے زیادہ بادشاہت کے حق دار ہیں اور اسے مالی کشائش بھی نہیں دی گئی؟'' کی وضاحت کریں؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب: بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: وہ کیسے ہمارا بادشاہ ہوسکتا ہے جب کہ وہ غریب ہے اور حکومت قائم رکھنے کے لیے اس کے پاس مال نہیں اور وہ خاندانی طور پر بھی ہم سے کم تر ہے۔ ان کا بادشاہت کا تصور غلط تھا کہ اس کے لیے اونچا خاندان اور لمبا مال ہونا ضروری ہے۔

سوال 3: ﴿قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ ''نبی نے کہا: '' بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر چنا ہے اور اسے علمی اور جسمانی فراخی عطا کی ہے'' بنی اسرائیل کو طالوت کی بادشاہت پر اعتراض کا کیا جواب دیا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ بنی اسرائیل کو طالوت کی بادشاہت پر اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ ﴿2﴾ ﴿وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ طالوت جسمانی اور علمی برتری رکھتا ہے۔ اس کی اطاعت کرنا تمہارا فرض ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے عقل اور جسم کی قوت عطا کی ہے اور ملک کے معاملات اسی کی بنیاد پر انجام پاتے ہیں۔

سوال 4: حکمرانی کے لیے کون سی دو بنیادی خصوصیات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ حکمرانی کے لیے دو بنیادی خصوصیات ہیں۔ (i) جسمانی فراخی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے ''عقل سلیم جسم سلیم میں ہوتی ہے۔'' شجاعت، مدافعت کی قدرت، ہیبت اور وقار جسمانی فراخی کا ہی نتیجہ ہیں۔ (ii) علمی فراخی جس کے بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوا ''سردار بننے سے پہلے سمجھ دار بنو۔ یعنی دین کا علم حاصل کرو۔'' ابوعبداللہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بَعْدَ أَنْ تُسَوَّدُوا سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرو۔ (صحیح بخاری: کتاب العلم: باب15) ﴿2﴾ جب کوئی عقل اور رائے میں کمال رکھتا ہو اور قانون نافذ کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو تو کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک کے کم ہونے کی صورت میں نظام خراب ہو جاتا ہے۔

سوال 5: ﴿وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مُلْكَهٗ'' سے مراد اس کی بادشاہت ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ قدرت والا، سب کچھ جاننے والا، بڑی وسعت والا، کمال حکمت والا ہے۔ وہ اپنا ملک یعنی اپنی بادشاہت جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

سوال 6: طالوت کی بادشاہت پر بنی اسرائیل کو کیسے یقین آیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی طرف سے تابوت سکینہ مل جانے کا معجزہ ہوا تو انہیں یقین آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام سے ان کے دلوں کے تمام شکوک وشبہات دور ہوگئے۔ کیونکہ طالوت میں حکمرانوں والی خوبیاں موجود تھیں اور اللہ تعالیٰ اپنا فضل جسے چاہتا ہے دیتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 7: ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، وسیع تصرف اور قدرت والا ہے۔ وہ بہت کشادگی والا ہے فضل وکرم والا ہے۔ جب بھی اس کی حکمت کسی کام کا تقاضا کرتی ہے تو لامحالہ وہ ہو جاتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿ عَلِيْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ فضل کا صحیح حق دار کون ہے۔ اسی کے مطابق وہ فضل دیتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی عمومی رحمت کسی کو محروم نہیں رکھتی۔ ﴿4﴾ اس کلام سے لوگوں کے دلوں کے شکوک دور ہو گئے۔ انہوں نے جان لیا کہ طالوت میں حکمرانی کی خوبیاں موجود ہیں اور حسی نشانی یعنی تابوت سکینہ بھی اسی کے دور میں ملنے کی بشارت بھی تھی۔

﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ(248) ﴾

''اور ان سے ان کے نبی نے کہا: ''اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت ہوگی اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی باقیات ہوں گی، اس کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے، بلاشبہ اس میں تمہارے لیے یقیناً نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔''(248)

سوال 1: ﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ ''اور ان سے ان کے نبی نے کہا: ''اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت ہوگی اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی باقیات ہوں گی اور اسو فرشتے اٹھا کر لائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ﴾ اور اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ﴿2﴾ ﴿ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ ﴾ طالوت کی حکومت کی پہلی برکت، پہلی نشانی یہ ظاہر ہوگی۔ ﴿3﴾ ﴿ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ ﴾ کہ انہیں وہ تابوت مل جائے گا جو ایک طویل عرصے سے ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ﴿4﴾ ﴿ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ اس تابوت میں تمہارے رب کی جانب سے تمہارے لیے دل کا اطمینان اور سکون موجود ہے۔ ﴿5﴾ تابوت سکینہ ایک صندوق تھا جو بنی اسرائیل میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے زمانے سے چلا آرہا تھا اور اس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے کچھ متبرک آثار تھے۔ بنی اسرائیل اپنی لڑائیوں میں اسے آگے آگے رکھتے اور اسے دیکھ کر حوصلہ اور ہمت محسوس کرتے مگر ان کی بداعمالیوں کے باعث ان کے دشمن یہ تابوت ان سے چھین کر لے گئے تھے۔ انہوں نے اسے اپنے معبد میں بت کے نیچے رکھ دیا تھا۔ اس وجہ سے ان میں وبا پھوٹ پڑی اور تقریباً پانچ شہر ویران ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے اسے منحوس سمجھ کر رات کو بیل گاڑی پر رکھ کر بنی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اسرائیل کی طرف دھکیل دیا۔(ابن کثیر)﴿6﴾﴿ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ﴾اس میں موسیٰ علیہ السلام اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی اشیاء تھیں مثلاً ایک طشت تھا جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے۔اسی میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے تورات کی تختیاں رکھی تھیں۔﴿7﴾﴿ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے تو لوگ آنکھوں سے دیکھیں گے۔﴿8﴾فرشتے بیلوں کو ہانک کر بنی اسرائیل کی بستی تک لے آئے اور وہ رات کے وقت طالوت کے گھر کے سامنے آموجود ہوا۔اس سے بنی اسرائیل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ طالوت کے زیر قیادت اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے آمادہ ہوگئے۔(اشرف الحواشی:49)

سوال 2:﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾"بلاشبہ اس میں تمہارے لیے یقیناً نشانی ہے اگر تم مومن ہو" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾تابوت کی بنی اسرائیل کی جانب واپسی میں ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے، طالوت کی بادشاہت کی نشانی تھی۔(الاساس فی التفسیر:577/1)﴿2﴾اگر تمہارے اندر ایمان ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کے نبی کا معجزہ بھی ہے جو آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے اور یہ طالوت کی اطاعت کی نشانی بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا فرمان ہے کہ طالوت تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادشاہ مقرر کیا گیا لہٰذا طالوت کی بادشاہت کو تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

رکوع نمبر:33

﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ(249) ﴾

"پس جب طالوت فوجوں کے ساتھ جدا ہوا تو اس نے کہا:"اللہ تعالیٰ تمہیں یقیناً ایک نہر کے ذریعے آزمانے والا ہے چنانچہ جس نے اس میں سے پیا وہ مجھ سے نہیں اور جس نے اسے نہ چکھا تو یقیناً وہ میرا ہے مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔"سو ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے پیا چنانچہ جب طالوت نے اور ان لوگوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے دریا پار کر لیا تو انہوں نے کہا:"آج ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔"لیکن جو یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے والے ہیں انہوں نے کہا:"کتنی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آگئیں!"اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"(249)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 1: ﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ﴾ ''پس جب طالوت فوجوں کے ساتھ جدا ہوا'' طالوت کن فوجوں کے ساتھ کس کے مقابلے کے لیے روانہ ہوا؟

جواب: ﴿ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ﴾ جب بنی اسرائیل پر طالوت کی حکومت مستحکم ہوگئی تو وہ بنی اسرائیل کے لشکر لے کر روانہ ہوئے اور ان کی تعداد زیادہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آزمالیا کہ کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون میدان سے بھاگ جاتا ہے۔ وہ عمالقہ سے جہاد کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم اصحاب محمد ﷺ آپس میں یہ گفتگو کرتے تھے کہ اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کی تعداد بھی اتنی ہی تھی جتنی اصحاب طالوت کی، جنھوں نے آپ کے ساتھ نہر فلسطین پار کی تھی اور ان کے ساتھ نہر کو پار کرنے والے صرف مومن ہی تھے یعنی تین سو دس پر اور کئی آدمی۔ (صحیح بخاری:3958)

سوال 2: ﴿ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ ﴾ ''اس نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں یقیناً ایک نہر کے ذریعے آزمانے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جب بنی اسرائیل پر طالوت کی حکومت قائم ہوگئی اور مستحکم ہوگئی تو قوم نے دشمن سے مقابلے کی تیاری کی۔ طالوت بنی اسرائیل کے لشکروں کو لے کر روانہ ہوا، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کا امتحان لیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ثابت قدم رہنے والا کون کون ہے اور دوسری طرح (بھگوڑا) کون ہے اس لیے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں، نافرمان ہے۔ اس کی بے صبری اور گناہ کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہ آئے اور جو اسے نہ پیئے وہ میرا ہے۔

سوال 3: نہر اردن پر کیا آزمائش ہوئی تھی؟

جواب: ﴿1﴾ جب طالوت کی قیادت میں بنی اسرائیل عمالقہ سے جہاد کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو طالوت نے کہا کہ ابھی ایک نہر آئے گی جو اردن اور فلسطین کے درمیان تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تمہارے صبر کا امتحان ہے کہ پیاس کی شدت کے باوجود تمہیں اس کا پانی نہیں پینا۔ جو پانی پیے گا وہ ہماری فوج سے الگ ہو جائے گا۔ بے صبری اور گناہ کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہ آئے۔ ﴿2﴾ جو ایک چلو سے زیادہ نہیں پیے گا وہ ہمارے ساتھ آگے بڑھے گا۔ ﴿3﴾ اس آزمائش میں ان میں سے اکثر لوگ پورے نہیں اترے، تھوڑے سے لوگوں نے صبر سے کام لیا۔

سوال 4: ﴿ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ﴾ ''چنانچہ جس نے اس میں سے پیا وہ مجھ سے نہیں اور جس نے اسے نہ چکھا تو یقیناً وہ میرا ہے مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''چنانچہ جس نے اس میں سے پیا وہ مجھ سے نہیں اور جس نے اسے نہ چکھا تو یقیناً وہ میرا ہے مگر جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لے‘‘سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جس نے ایک چلو پانی پیا وہ سیراب ہوگیا،اور جس نے خوب پیا وہ سیراب نہیں ہوا۔جب سب ایمان لانے والے نہر پار کر گئے تو ان میں سے بعض ضعیف الیقین لوگوں نے کہا کہ آج ہم جالوت اور اس کی فوج سے جنگ نہیں کر سکتے تو ان کے قوی الایمان علماء نے ان کی ہمت بڑھائی جنہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے اور فتح ونصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔اس کا تعلق کثرت تعداد سے نہیں ہوتا اور کہا کہ بسا اوقات تھوڑی تعداد والی فوج اللہ تعالیٰ کے حکم سے زیادہ تعداد والی فوج پر غالب آجاتی ہے۔ اس پر ان کی ہمت بڑھی اور انہوں نے جالوت کی فوج سے جنگ کی اور داؤد علیہ السلام نے (جو بعد میں طالوت کی فوج میں آکر شامل ہوگئے تھے اور جو ابھی نبی اور بادشاہ نہیں ہوئے تھے) جالوت کو قتل کر دیا،اور بنی اسرائیل کو فتح مبین حاصل ہوئی۔(تیسیر الرحمٰن:143,142/1)

سوال5: بنی اسرائیل کے کمانڈر نے پیاس سے نڈھال لوگوں کو پانی پینے سے کیوں روکا؟

جواب: ﴿1﴾ فوج کی قوت ارادی کو آزمانے کے لیے بنی اسرائیل کے کمانڈر نے پیاس سے نڈھال لوگوں کو پانی پینے سے روکا۔﴿2﴾ صبر اور ثابت قدمی کو پرکھنے کے لیے،ان کا گھڑی بھر پانی سے صبر نہ کر سکنا بہت بڑی دلیل تھی کہ وہ جنگ میں بھی صبر نہیں کر سکیں گے۔ ﴿3﴾ اور یہ جاننے کے لیے کہ کس حد تک خواہشات نفس اور مرغوبات نفس کے مقابلے میں ٹھہر سکتے ہیں!﴿4﴾ یہ جاننے کے لیے کہ کس قدر ضروریات زندگی سے محرومی اور مشکلات کو برداشت کر سکتے ہیں!﴿5﴾ کثیر تعداد کے پلٹ جانے سے باقی لشکر میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور عاجزی جیسی کیفیات اور زیادہ ہوگئیں اور دشمن کے مقابلے میں زیادہ ثابت قدم ہوگئے۔

سوال6: ﴿فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ﴾ ’’سو ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے پیا‘‘ پانی سے روکنے کے تجربے نے کیا ثابت کیا؟

جواب: ﴿1﴾ صرف چھپی ہوئی نیت کافی نہیں،عملی تجربہ ضروری ہے۔﴿2﴾ میدان جنگ میں قدم رکھنے سے پہلے نشیب وفراز سے واقفیت ضروری ہے۔

سوال7: ظاہری قوت کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قوت پر کون بھروسہ کر سکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ثابت قدم لوگ جن کا ایمان مکمل ہو چکا ہو۔﴿2﴾ جن کی اقدار بدل چکی ہوں۔﴿3﴾ جو خیر وشر کا فرق ایمان کی روشنی میں دیکھتے ہوں۔

سوال8: فوج کی کامیابی کس وجہ سے ہوا کرتی ہے؟

جواب: فوج کی کامیابی عظیم تعداد سے نہیں،پختہ ارادے سے ہوا کرتی ہے۔مضبوط ایمان،مضبوط دل اور مستقل مزاجی کامیابی کے لیے ضروری سرمایہ ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 9: مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کن صفات کی ضرورت ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مشکلات پر جمنا۔ ﴿2﴾ سردار کی اطاعت کرنا۔

سوال 10: طالوت اولوالعزم تھے ان کی بلند ہمتی کہاں کہاں سامنے آئی؟

جواب: ﴿1﴾ جب اعلان جہاد ہوا تو اکثر لوگوں نے انکار کر دیا لیکن ان کا ارادہ متزلزل نہ ہوا۔ ﴿2﴾ پانی سے روکنے کے تجربے نے فوج کی اکثریت کو ناکام کر دیا، انہوں نے پیٹھ پھیری لیکن طالوت ثابت قدم رہے، ان کا ارادہ متزلزل نہیں ہوا۔

سوال 11: ﴿ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ﴾ ''چنانچہ جب طالوت نے اور ان لوگوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے دریا پار کر لیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جب طالوت اور باقی وہ لوگ جو ایمان لائے تھے نہر پر سے گزر گئے یعنی جنہوں نے جائز حد سے زیادہ پانی نہیں پیا تھا۔

سوال 12: ﴿ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ﴾ ''انہوں نے کہا: ''آج ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یہودیوں نے کہا آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں کیونکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اسلحہ بھی۔

سوال 13: ﴿ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ ﴾ ''لیکن جو یقین رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے والے ہیں انہوں نے کہا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والے خالص اور پختہ ایمان والوں نے کہا۔ ﴿2﴾ وہ دوسروں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے اور صبر کی تلقین کر رہے تھے۔

سوال 14: ﴿ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾ ''کتنی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آ گئیں''، قلیل گروہ بڑے گروہ پر کیسے غالب آتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت سے غالب آ جاتی ہیں کیونکہ معاملات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کی مدد کے بغیر کثرت کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہی فیصلے کرتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی ذلت دیتا ہے۔ اس کی مدد حاصل ہو تو قلت کا نقصان نہیں اور اس کی مدد نہ ہو تو کثرت کا کوئی فائدہ نہیں۔ ﴿2﴾ قلیل گروہ کے افراد کا یہ یقین انہیں کامیابی تک لے جاتا ہے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا یقین صبر کا سرچشمہ بنتا ہے۔ ﴿3﴾ اس گروہ کے افراد اپنی قوت کو اللہ تعالیٰ کے حکم میں تلاش کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ کرتے ہیں اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ غیر متزلزل رہتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔﴿4﴾ کمزوری اور قلت کے باوجود خوفزدہ نہیں ہوتے،صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر خطرناک معرکوں میں کود پڑتے ہیں۔

سوال15:﴿ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''صبر اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ ان کے دشمنوں کے مقابلے میں ان کی مدد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں تو دشمن سے مڈبھیڑ کے موقع پر وہ انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔﴿3﴾ مدد اور معاونت ایمان والوں کے صبر کی وجہ سے انہیں نصیب ہوتی ہے۔اسی لیے رب العزت نے فرمایا:﴿ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

﴿ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (250) ﴾

''اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے ہوئے تو انہوں نے دعا کی:اے ہمارے رب!ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمارے قدموں کو جما دے اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''(250)

سوال1:﴿ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ﴾''اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے ہوئے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جالوت عمالقہ کا قائد تھا۔جب جالوت میدان معرکہ میں سامنے آیا تو وہ ان کے مقابلے میں آئے اس موقع پر مسلمانوں نے دعا مانگی۔

سوال2:﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ﴾''اے ہمارے رب!ہم پر صبر انڈیل دے'' کی دعا سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب:''اے ہمارے رب!ہم پر صبر انڈیل دے''یعنی ہمارے دلوں کو مضبوط کر دے اور ہمیں صبر کی توفیق عطا فرما دے۔اس دعا سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دل کی گھبراہٹ اور پریشانی کو اللہ تعالیٰ ہی دور کر سکتا ہے،وہی ہے جو سکینت نازل کر سکتا ہے اور دلوں کو مضبوط کر سکتا ہے۔

سوال3:﴿ وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا ﴾''اور ہمارے قدموں کو جما دے'' کے دعائیہ الفاظ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور ہمارے قدموں کو جما دے'' کے دعائیہ الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہمارے پائے ثبات میں لغزش نہ آئے اور ہم میدان جنگ سے بھاگنے کے گناہ سے بچ جائیں۔﴿2﴾قدم تو تیرے حکم سے ہی جمتے ہیں،تو ہمارے لیے اپنا حکم نافذ فرما دے۔﴿3﴾ آپ ہی متزلزل ہونے سے اور عملی طور پر پھسلنے سے بچا سکتے ہیں تو ہمیں وسوسوں اور گھبراہٹوں سے بھی بچا لیں اور پیچھے ہٹنے سے بھی بچا لیں۔

سوال4:﴿ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾''اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما''اس دعا سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾''اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما''اس دعا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جالوت اور اس کی قوم کافر تھے۔اللہ تعالیٰ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کی دعا قبول فرمائی۔وہ مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں کود دے اور انہوں نے قبولیت کے اسباب پیدا کر دیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔﴿2﴾فتح اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کیونکہ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔مومن تو دراصل قدرت کا ایک ہاتھ ہیں،ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔مومن تو اللہ تعالیٰ کا غلام ہے،اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اہم کردار ادا کرنے کا اعزاز بخشا ہے۔مومن کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ ضرور اپنی منزل پر پہنچے گا۔مومن کی نیت صاف،دل میں اخلاص اور توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ صرف مادی ساز و سامان پر بھروسہ درست نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد خاص کا طلب گار رہنا چاہئے۔اس لیے کہ حالات کی تبدیلی اسی کے اختیار میں ہے۔وہ چاہے تو ابرہہ کے لشکر کو چھوٹی چھوٹی چڑیوں سے تباہ کر دے۔

﴿ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ (251) ﴾

"چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت اور حکمت عطا کی اور جتنا اس نے چاہا اسے علم بھی عطا فرمایا اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین یقیناً فساد سے بھر جاتی لیکن اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر بڑے فضل والا ہے۔"(251)

سوال1:﴿ فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ ﴾"چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں شکست دی"اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:"چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں شکست دی"﴿1﴾انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جالوت اور اس کے لشکروں کو شکست دی۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی مدد کی۔انہوں نے صبر کیا،وہ ثابت قدم رہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں شکست دی۔

سوال2:﴿ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ ﴾"اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا"داؤد علیہ السلام کون تھے؟انہوں نے جالوت کو کیسے قتل کیا تھا؟

جواب:"اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا"﴿1﴾داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے،جو اس وقت کم سن تھے۔﴿2﴾اتفاق سے طالوت کے لشکر میں وہ اس وقت جا پہنچے جب جالوت نے مقابلے کی دعوت دی اور کسی نے اس کی دعوت قبول نہ کی۔﴿3﴾داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا اور قوم کے محبوب بن گئے۔

سوال3:﴿ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ﴾"اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بادشاہت اور حکمت عطا کی اور جتنا اس نے چاہا اسے علم بھی عطا فرمایا"اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام پر کیا انعامات کئے؟

جواب:﴿1﴾﴿ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ ﴾اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کو بادشاہت دی۔﴿2﴾﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾اور انہیں حکمت عطا کی یعنی علم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر عمل کرنے والا بنایا اور انہیں نبوت دی۔ ﴿3﴾ ﴿وَعَلَّمَهٗ مِمَّا یَشَآءُ﴾ اور جتنا اس نے چاہا اسے علم بھی عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کو علم عطا کیا اور انہیں زرہیں بنانے کی تعلیم دی۔ ﴿4﴾ انہیں شریعت کا علم بھی دیا اور سیاست کا علم بھی۔ اس طرح انہیں نبوت اور حکومت دونوں عطا فرما دیں۔ اس سے پہلے انبیاء اور ہوتے تھے اور بادشاہ اور۔ (تفسیر سعدی:299/1) ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی تو وہ اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ انہوں نے دشمنوں کو مغلوب کر دیا اور بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اقتدار بھی نصیب فرمایا اور جہاد فی سبیل اللہ کی برکات بھی۔

سوال 4: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین یقیناً فساد سے بھر جاتی'' اللہ تعالیٰ ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے کیوں ہٹاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ زمین کے نظام کو بگاڑ سے بچانے کے لیے ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے ہٹاتا ہے۔ نادان لوگ کہتے ہیں کہ لڑائی کرنا نبیوں کا کام نہیں۔ اس واقعے سے معلوم ہوا کہ جہاد ہمیشہ سے رہا ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو فسادی لوگ شہروں کو ویران کر ڈالیں۔ ﴿2﴾ ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی گروہ قوت واقتدار کے نشے میں انسانی حد سے آگے بڑھنا چاہتا ہے تو اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کسی دوسرے گروہ کے ذریعے سے اسے ہٹا دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین فساد سے بھر جاتی اور اس میں کبھی امن قائم نہ ہو سکتا۔ ﴿3﴾ اگر مجاہدوں کے ذریعے سے برے لوگوں اور کافروں کا قلع قمع نہ ہو تو کافروں کے غلبے کی وجہ سے کفر کی رسمیں قائم ہونے سے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک دیے جانے کی وجہ سے زمین فساد سے بھر جاتی۔ یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے جہاد مقرر کر دیا جس میں ان کی سعادت اور دفاع ہے۔ (تفسیر سعدی:299/1)

سوال 5: ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''لیکن اللہ تعالیٰ تمام جہانوں پر بڑے فضل والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے زمین پر فساد عظیم کی نوبت ہی نہیں آنے دیتا اور بدکاروں اور نافرمانوں کے غلبہ کو فرماں برداروں کے ذریعہ سے ہٹاتا رہتا ہے۔

سوال 6: اللہ تعالیٰ اقتدار مستقل طور پر کچھ افراد کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے اس کی حکمت بیان کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جس کے پاس اقتدار ہوتا ہے، وہ تکبر میں مبتلا ہو کر ظلم کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ﴿2﴾ اگر اقتدار مستقل طور پر کسی ایک گروہ کے پاس رہے تو زمین ظلم سے بھر جاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمین سے فساد دور کرنے کے لیے اقتدار کو مستقل کسی کے پاس نہیں رہنے دیا۔

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (252)﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھ رہے ہیں اور بے شک آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔"(252)

سوال1:﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ﴾"یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھ رہے ہیں" اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ واقعات جس میں طالوت کی بادشاہت، جالوت کے قتل کا تذکرہ ہے انسانی ذہن کی اختراع نہیں ہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ سارے حقائق کو واضح کر رہا ہے۔

سوال2:﴿ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾"اور بے شک آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾"اور بے شک آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں" ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں۔ جو خود امی ہیں اور امی ماحول میں پلے ہیں۔ وہ معرکتہ الآراء مسائل حل فرما دیتے ہیں اور اخلاق، سیاست اور دین کے باریک نکات سلجھاتے ہیں۔ آپ ﷺ کا علم کسی انسانی استفادہ کا نتیجہ نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید کے بغیر کوئی انسان صحرائے عرب کے قلب میں بیٹھا ہوا معرفت وحکمت کے چشمے بہائے؟﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے رسول کی رسالت کی گواہی ہے۔﴿3﴾ پچھلے انبیاء کے واقعات، انبیاء کے پیروکاروں اور مخالفوں کے واقعات کا بیان یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور آپ ﷺ کا دین سچا ہے۔

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (253)﴾

"یہ سب رسول ہیں ان کے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کچھ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کو اس نے درجات میں بلند کیا اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں دیں اور ہم نے روح پاک کے ساتھ اس کو قوت عطا کی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ جو ان کے بعد تھے آپس میں نہ لڑتے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آئیں، لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے کوئی ایمان لایا اور ان میں سے کسی نے کفر کیا اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔"(253)

سوال1:﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾"یہ سب رسول ہیں ان کے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے" کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے منتخب کردہ انسان تھے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب فرماتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا،سب کچھ دیکھنے والا ہے۔(الحج:75)﴿2﴾سب رسولوں کے اعمال صالح تھے اور وہ انسانوں کو نفع پہنچاتے تھے۔﴿3﴾رسول براہ راست اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی پاتے تھے۔رب العزت نے فرمایا:﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی معبود نہیں چنانچہ تم میری ہی عبادت کرو۔(الانبیاء:25)﴿4﴾﴿ **فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ** ﴾''ان کے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے''اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو تمام لوگوں پر فضیلت دی کہ رسولوں پر وحی نازل کی۔انہوں نے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔﴿5﴾اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ ﴾ یقیناً ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔(بنی اسرائیل:55)﴿6﴾ صحیح ابن حبان کی ایک حدیث میں معراج کے بیان میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے الگ الگ کس نبی کو کس آسمان میں پایا؟ یہ رسولوں کے مرتبوں کی کمی بیشی پر دلیل ہے۔﴿7﴾ صحیح بخاری میں اس وضاحت کے بغیر کہ رسول اللہ ﷺ نے کس آسمان پر کس نبی کو پایا، یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء علیہم السلام کو پایا۔(بخاری:3342)

سوال2: رسالت کا فریضہ کیسے ادا کیا جاتا ہے؟

جواب:﴿1﴾رسول براہ راست فرشتے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی حاصل کرتے رہے۔﴿2﴾رسول انسانوں کو تعلیم دیتے رہے اوران کے نفوس کو پاک کرتے رہے۔﴿3﴾رسول اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عبادت کی دعوت دیتے رہے اور شرک سے بچاتے رہے۔﴿4﴾رسول چار کام کرتے رہے:(الف) اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیات تلاوت کرتے رہے۔(ب) کتاب کی تعلیم دیتے رہے۔(ج) حکمت کی تعلیم دیتے رہے۔(د) انسانوں کے نفوس کا تزکیہ کرتے رہے۔﴿5﴾رسولوں نے پاک باز افراد کی تربیت کی جو انسانیت کی راہ نمائی کرتے رہے۔

سوال3: کیا انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت دی جاسکتی ہے؟

جواب:﴿1﴾فضیلت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے بندوں کا نہیں، بندوں کا کام سن کر ایمان لانا اور اطاعت کرنا ہے۔﴿2﴾نبی ﷺ نے فرمایا: پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فوقیت نہ دو۔(بخاری،مسلم)﴿3﴾سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اور یہودی میں جھگڑا ہوگیا کیونکہ یہودی نے مسلمان کے سامنے اس طرح قسم کھائی کہ اس کی قسم جس نے موسیٰ کو دنیا والوں میں منتخب کیا۔مسلمان سے ضبط نہ ہوسکا اور یہودی کے چانٹا مارا اور بولا کیا رحمت عالم ﷺ پر بھی! یہودی نے رحمت عالم ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فوقیت نہ دو، کیونکہ قیامت کے دن تمام لوگ بے ہوش ہوجائیں گے پھر مجھے سب سے پہلے ہوش آئے گا اور میں موسیٰ کو عرش

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا پایہ پکڑے ہوئے پاؤں گا۔معلوم نہیں وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئیں گے یا طور والی بے ہوشی کے بدلے میں بے ہوش ہی نہیں ہوں گے۔(صحیح بخاری:3408)﴿4﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو نصاریٰ نے ان کے مرتبے سے زیادہ بڑھادیا ہے۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس لیے یہی کہا کرو(میرے متعلق) کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔(صحیح بخاری:3445)

سوال 4:﴿مِنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾''ان میں سے کچھ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور بعض کو اس نے درجات میں بلند کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾**﴿مِنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ﴾**''ان میں سے کچھ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام سے کلام کیا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے طور پہاڑ پر اور سیدنا محمد ﷺ سے معراج والی رات میں کلام کیا جیسا کہ ابن حبان کی ابو ذر رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہے۔(مختصر ابن کثیر:166/1)﴿2﴾**﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾**''اور بعض کو اس نے درجات میں بلند کیا'' اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو دوسرے انبیاء سے افضل بنایا اور آپ ﷺ میں وہ تمام فضائل جمع فرمادیے جو دوسرے رسولوں کو الگ الگ ملے تھے اور آپ ﷺ کو ایسے مناقب بخشے جن کی وجہ سے آپ اولین اور آخرین سے اشرف قرار پائے۔(تفسیر سعدی:302/1)﴿3﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قیامت کے دن میں سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر کھلے گی اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔''(مسلم:5940)

سوال 5:﴿وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ اللہ تعالیٰ نے رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت نہ دو'' دونوں کے درمیان کیا مطابقت ہے؟

جواب:﴿1﴾ دونوں کے درمیان مطابقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فضیلت دی ہے اور یہ حق ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کے بارے میں اس کے مطابق اعتقاد رکھا جائے مگر نبی ﷺ کی فضیلت اس طرح بیان نہیں کرنی کہ کسی نبی کی شان میں کمی ہو۔﴿2﴾ نبی ﷺ نے اپنی امت کو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ادب واحترام سکھایا ہے کہ آپ کو لوگوں کے بارے میں پورا علم نہیں کہ انہیں کس بنیاد پر ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے اس لیے میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہیں کرنا کہ کسی نبی کی شان میں کمی ہو۔

سوال 6:﴿وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ﴾''اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو واضح نشانیاں دیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو جو واضح نشانیاں دیں وہ ان کے معجزات تھے۔اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول اور سیدہ مریم علیہا السلام کی طرف نازل ہونے والا اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کی جانب سے آنے والی روح

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔

سوال7: عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کوکون سے معجزات عطا کئے گئے تھے؟

جواب:《1》مردوں کوزندہ کرنا۔《2》اللہ تعالیٰ کے حکم سے مٹی کے پرندوں میں پھونک مارکرانہیں زندہ کرنا۔《3》پیدائشی اندھے اورکوڑھی کواچھا کرنا۔《4》لوگوں کوان کے کھانے اورذخیرہ کرنے کے بارے میں بتادیناوغیرہ۔

سوال8:《وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ》''اورہم نے روح پاک کے ساتھ اس کوقوت عطا کی'' قوت عطا کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》قوت عطا کرنے سے مراد ایمان اوریقین ہے جس کے ذریعے انہوں نے وہ فریضہ ادا کیا جوان پر عائد کیا گیا تھا۔《2》روح القدس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں جو ہروقت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے۔

سوال9:《وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا》''اوراگراللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ جوان کے بعد تھے آپس میں نہ لڑتے ،اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آئیں،لیکن انہوں نے اختلاف کیا''اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ》''اوراگراللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ لوگ جوان کے بعد تھے آپس میں نہ لڑتے ،اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آئیں'' اللہ تعالیٰ نے ہدایت اورگمراہی دونوں کے راستے واضح کردیے اورانسانوں کوکوئی راستہ اختیارکرنے کے لیے مجبورنہیں کیا بلکہ انسان کواختیاراورارادے کی آزادی دی تاکہ انسان کا امتحان لے۔اس طرح ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ لوگ ہدایت یا گمراہی پر رہنے کا فیصلہ خودکریں۔《2》《وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا》''لیکن انہوں نے اختلاف کیا''رسول کی مخالفت کے لیے جو چیزانسانوں کوجری بناتی ہے وہ یہ سوچ ہے کہ ہم بزرگوں کے وارث ہیں،ہم نے اپنے بڑوں کا دامن تھام لیا ہے،ہمیں کسی اورکی کیا ضرورت ہے ،کسی بھی امت کے زوال کے دورمیں لوگ دنیا کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں اورچاہتے ہیں کہ جنت بھی محفوظ رہے۔اس وقت یہ عقیدہ کہ ہم بزرگوں کے وارث ہیں ایک نفسیاتی سہارابن جاتا ہے۔وہ بزرگوں کے تصورمیں یہ سکون پا لیتے ہیں کہ دنیامیں جوجی چاہے کریں ہماری آخرت خراب ہونے والی نہیں ہے۔یہی اعتماداللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی مخالفت پرجری بنادیتا ہے۔

سوال10: کیااللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین میں اختلاف پسندیدہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین میں اختلاف پسندیدہ نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کی رضاتواسی میں ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت پرعمل کرکے اس کے عذاب سے بچیں۔اسی لیے اس نے کتابیں نازل کیں،انبیاء کا سلسلہ جاری کیااوربعدوالوں میں امر بالمعروف اورنہی عن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

المنکر کا سلسلہ جاری کیا تا کہ لوگ اس کی پسندیدہ راہ اختیار کریں۔

سوال11: ﴿ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُم مَّن كَفَرَ ﴾ ''تو ان میں سے کوئی ایمان لایا اور ان میں سے کسی نے کفر کیا'' اللہ تعالیٰ کو ہدایت کا راستہ پسند ہے پھر لوگوں میں کوئی مومن اور کوئی کافر کیوں ہو جاتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے چونکہ ہدایت کا راستہ اختیار کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا اس لیے کوئی اپنے اختیار کا صحیح استعمال کر کے مومن بن جاتا ہے اور کوئی اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر کے کافر بن جاتا ہے۔ یہ اختیار انسانوں کو اس کی حکمت اور مشیت سے ملا ہے ورنہ اس کی رضا تو اسی میں ہے کہ لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔

سوال12: ﴿ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا ﴾ ''اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ لوگوں میں اختلاف نہ ہو، ان کا معاملہ لڑائی تک نہ پہنچے تو وہ آپس میں نہ لڑتے۔ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴾ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو زمین میں ہیں سب اکٹھے ضرور ایمان لاتے، تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے یہاں تک کہ وہ سب مومن ہو جائیں۔ (یونس:99)

سوال13: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو جبراً اختلاف سے کیوں نہیں روکا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اختلاف سے اس لیے نہیں روکا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو امتحان کی غرض سے پیدا کیا اور اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ارادے اور اختیار کی آزادی دی ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اس امتحان میں کامیابی کے لیے نبی بھیجے تا کہ وہ انسانوں کو سیدھا راستہ دکھائیں۔ ﴿3﴾ اگر انبیاء علیہم السلام لوگوں کو دین قبول کرنے کے لیے مجبور کرتے تو امتحان ختم ہو جاتا۔ ﴿4﴾ اگر سب لوگ پیدائشی طور پر ہدایت یافتہ ہوتے تو امتحان کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی۔

سوال14: ﴿ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴾ ''لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے کی کوئی رکاوٹ نہیں۔ وہ قدرت رکھتا ہے، بااختیار ہے، قوی ہے کوئی اس کے فیصلے بدل نہیں سکتا۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن وہ العادل ہے، وہ الحق ہے۔ اس کا ہر کام حق اور انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ الحکیم ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ﴿2﴾ آیت میں اس کی تعلیم ہے کہ چھوٹی بڑی، اچھی بری کوئی شے بھی ہو بہر حال مشیت الٰہی سے باہر نہیں۔

رکوع نمبر 34

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿الظّٰلِمُوْنَ(254)﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی تجارت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش اور کافر ہی ظالم ہیں۔''(254)

سوال1:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ اے لوگو جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کی۔﴿2﴾﴿اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ''اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے'' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ایمان کا تقاضا پورا کرنے کا حکم دیا ہے کہ اس رزق میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔ ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے صدقے کو ہمارے لئے ثواب کا ذریعہ بنایا۔

سوال2:﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی تجارت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ رب العزت نے قیامت کے دن کے لئے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے جب انسان کو نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور زمین بھر دولت خرچ کر کے بھی نہ نیکیاں ملیں گی نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات ملے گی۔﴿2﴾ وہ دن جب نہ کوئی دوست کام آئے گا نہ سفارش اسی لیے فرمایا کہ اس دن کے آنے سے پہلے صدقہ کرلو۔

سوال3:﴿وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ ''اور نہ کوئی سفارش ہوگی'' قرآن حکیم نے شفاعت کی نفی کیوں کی ہے؟

جواب: قرآن حکیم میں ایک جگہ بھی شفاعت کی تائید نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی جس شفاعت کے قائل تھے اس کے مطابق یہودیت اور عیسائیت قبول کر لینے کے بعد ہر معصیت اور ہر گناہ جائز ہے۔ قرآن مجید اس قسم کی شفاعت کی نفی کرتا ہے۔ البتہ شفاعت ہوگی ضرور۔ اللہ تعالیٰ جس کو اذن دیں گے وہ شفاعت کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ بھی پابند صوم وصلوٰۃ مسلمانوں کی شفاعت کریں گے۔

سوال4: انفاق کے معاملے کو آخرت کے ہولناک منظر کے ساتھ مربوط کرنے کی حکمت بتائیں؟

جواب: آخرت کا دن کائنات کے مالک کی عظمت وجلال کے ظاہر ہونے کا دن ہے۔ جس دن کوئی سفارش، دوستی، فدیہ یا مدد کام نہیں آئے گی۔ انسان کے شعور کو اس ہولناک دن میں پہنچا کر انفاق کرنے پر ابھارا گیا ہے کہ جب کوئی کام آنے والا نہیں ہوگا تب بندے کا صدقہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا سایہ بنے گا۔ یوں انسان انفاق کا راستہ اختیار کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

سوال5: ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''اور کافر ہی ظالم ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور کافر ہی ظالم ہیں'' ﴿1﴾ اس میں دلیل ہے کہ کافر اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ ظلم سے مراد ہے حق دار کو اس کا حق نہ دینا۔ ﴿3﴾ ایک چیز کو اس کے مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا ظلم ہے۔ ﴿4﴾ کافروں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا اور اپنے جیسی مخلوق کی عبادت کی۔ ﴿5﴾ کافروں نے حلال کی بجائے حرام کو اختیار کر کے ظلم کیا۔ ﴿6﴾ کافر خود بھی ہدایت کے راستے پر نہ چلے اور دوسروں کو بھی اس راستے سے روک کر ظلم کیا۔ ﴿7﴾ کافر آخرت کا انکار کر کے دنیا میں من مانی زندگی اختیار کر کے آخرت میں ناکامی مول لے کر اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ کافر ہی ظالم ہیں۔

سوال6: انفاق فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ابن جریج نے کہا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو مال خرچ کیا جائے خواہ وہ زکوٰۃ ہو یا صدقات انفاق فی سبیل اللہ کہلاتا ہے۔ (الدرالمنثور:571/1) ﴿2﴾ انفاق فی سبیل اللہ سے مراد اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ ﴿3﴾ انفاق فی سبیل اللہ میں زکوٰۃ اور صدقات دونوں شامل ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی بھی انفاق ہے، اہل وعیال کا نان ونفقہ بھی انفاق ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق نیک کاموں پر مال خرچ کرنا بھی انفاق ہے۔

سوال7: رسول اللہ ﷺ کیسے انفاق کیا کرتے تھے؟

جواب: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریاں مانگیں تو آپ ﷺ نے اسے اتنی ہی بکریاں عطا فرما دیں۔ وہ آدمی اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے قوم! اسلام قبول کر لو۔ اللہ کی قسم! محمد ﷺ اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ پھر محتاجی کا خوف ہی نہیں رہتا۔ (مسلم:6021)

سوال8: انفاق کرنے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انفاق کرنے کا بنیادی مقصد اپنے رب کو راضی کر کے اپنے دل کی تنگی کو دور کرنا ہے۔ ﴿2﴾ آخرت کی کامیابی کے لیے کوششیں کرنا ہے۔ ﴿3﴾ انفاق کرنے کا مقصد اسلام کی بقاء کے لیے کی جانے والی کوششوں میں اپنا حصہ ڈالنا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم کی ترویج واشاعت کے لیے مال لگا کر ماحول کی اصلاح کے لیے کی جانے والی کوششوں میں اپنا حصہ ڈالنا ہے۔

سوال9: رسول اللہ ﷺ نے کیسے صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین اعمال کے: صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا صالح اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4223:﴿2﴾سیدنا ابو برزہ نضلہ بن عبید اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''قیامت والے دن کسی بندے کے قدم نہیں ہٹیں گے یہاں تک کہ اس سے (پانچ چیزوں کی بابت) نہ پوچھ لیا جائے: اس کی عمر کے متعلق کہ اس نے اسے کن کاموں میں ختم کیا؟ اس کے علم کے متعلق کہ اس کے مطابق کیا کیا؟ اس کے مال کے بارے میں اس نے اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں کہ کن چیزوں میں اسے بوسیدہ کیا (کھپایا)؟''(جامع ترمذی:2417)﴿3﴾سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟''صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا:''یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال ہی سب سے زیادہ محبوب ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:''پس انسان کا مال تو وہی ہے جو اس نے (صدقہ وخیرات) کر کے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ پیچھے چھوڑ گیا۔''(بخاری:6442)﴿4﴾عَنْ عَدِيِّ بنِ حَاتِمٍ رضی اللہ عنہ قَال : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ :اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:''تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کے صدقے) کے ساتھ ہی۔''(بخاری:6023)﴿5﴾ایک دفعہ نبی ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تکبیر ہو چکی تھی لیکن آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہیں چھوڑ کر گھر تشریف لے گئے، تھوڑی دیر کے بعد آئے اور نماز پڑھائی۔ کسی نے اس بے وقت گھر جانے کی وجہ پوچھی تو نبی ﷺ نے فرمایا: گھر میں ایک سونے کا ٹکڑا پڑا رہ گیا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو وہ گھر میں پڑا رہے اور میں چل بسوں۔''(بخاری:851)

سوال10: اسلام کو اختیار کرتے ہی انفاق (صدقہ کرنے) کا حکم ملتا ہے۔ اسلام کو انفاق کی قیمت پر اختیار کرنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اسلام کو انفاق کی قیمت پر اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انفاق کرنے والا اسلام سے مخلص ہے اور اسلام کے معاملے میں سنجیدہ ہے۔

سوال11: انفاق (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ) نہ کرنے کا نقصان کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾انفاق (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ) نہ کرنے والا ہمیشہ اندھیرے میں رہتا ہے، اسے اسلام کا مقصد ہی سمجھ نہیں آتا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والے کو شیطان بہکا کر ایسے راستے پر چلاتا ہے جس کی آخری منزل جہنم ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والا آخرت کے معاملے کو سادہ معاملہ سمجھنے لگتا ہے اور چند ظاہری کاموں کو آخرت کی نجات کے لیے کافی سمجھنے لگتا ہے۔ ﴿4﴾انفاق (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ) نہ کرنے سے انسان کے دل سے نیکیاں کرنے کی خواہش نکل جاتی ہے۔

سوال12: اہل ایمان سے صدقہ کرنے کا مطالبہ کس نوعیت کی اپیل ہے؟

جواب:﴿1﴾ایک محبت بھری اپیل ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک روحانی رابطہ ہے۔﴿3﴾ اپیل یہ ہے کہ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اس کا ایک حصہ ہمیں دے دو، آخر ہم ہی دینے والے ہیں۔ ہم اپنے دیے ہوئے میں سے کچھ مانگ رہے ہیں۔﴿4﴾

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

توجہ دلائی جارہی ہے کہ ایسے مواقع بار بار نہیں آتے۔اگر تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو پھر یہ مواقع نصیب نہیں ہوں گے۔یہ آخری موقع ہے،اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔﴿5﴾ توجہ دلائی جارہی ہے کہ مال نفع بخش بزنس میں لگ رہا ہے۔اس کے بعد کوئی دوستی،کوئی سفارش اس نقصان کی تلافی کے لیے نہیں ہے۔﴿6﴾ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیا جائے گا ہر شخص اپنے صدقے کے سائے تلے رہے گا۔(مستدرک حاکم)﴿7﴾ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ اہل قبور سے گرمی کو ختم کرتا ہے اور مومن قیامت کے دن اپنے صدقے کے سائے تلے ہوگا۔(طبرانی)

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (255) ﴾

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہمیشہ زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے،اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے،کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں سفارش کرے،وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے،اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سموئے ہوئے ہے اور ان دونوں کی حفاظت اسے نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند،سب سے بڑا ہے۔''(255)

سوال1: آیت الکرسی کا موضوع کیا ہے؟

جواب: آیت الکرسی اسلامی نظام زندگی کے بنیادی تصور توحید کے موضوع پر ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ اور عظیم مسائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال2: آیت الکرسی کی فضیلت بیان کریں؟

جواب:﴿1﴾ ترمذی میں ہے ہر چیز کی کوہان اور بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے۔﴿2﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کون سی ہے؟ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ آیت آیت الکرسی ہے۔(ابن مردویہ)﴿3﴾ سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر یہی سوال کرتے ہیں۔بار بار سوال کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: آیت الکرسی۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں: ابوالمنذر! اللہ تعالیٰ تجھے تیرا علم مبارک کرے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آیۃ الکرسی کی زبان ہوگی اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی کی تقدیس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوگی۔ (مسند احمد) ﴿4﴾ آیت الکرسی میں اسم اعظم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر:351/1) ﴿5﴾ آیت الکرسی پڑھنے سے شیطان دور ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سورہ البقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے جس گھر میں وہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے وہ آیت، آیت الکرسی ہے۔ (مستدرک حاکم) ﴿6﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صدقہ فطر کے غلہ کی حفاظت پر مجھے مقرر کیا، ایک شخص آیا اور دونوں ہاتھوں سے غلہ لپ بھر بھر کر لینے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ پھر انھوں نے آخر تک حدیث بیان کی۔ اس چور نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جب تم اپنے بستر پر سونے کے لیے لیٹنے لگو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ایک نگہبان مقرر ہو جائے گا اور شیطان تمہارے قریب صبح تک نہ آ سکے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بات تو اس نے سچی کہی ہے اگر چہ وہ خود جھوٹا ہے۔ وہ شیطان تھا۔ (صحیح بخاری:3275) ﴿7﴾ نماز کے بعد پڑھنے والے اور جنت کے درمیان صرف موت حائل ہوتی ہے۔ ﴿8﴾ نماز کے بعد پڑھنے سے آئندہ نماز تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہوتی ہے۔ ''جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روکے گی سوائے موت کے۔'' (ابن مردویہ) ﴿9﴾ بستر پر لیٹتے وقت آیت الکرسی پڑھنے والے کے ساتھ ایک محافظ فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ (بخاری:2311) ﴿10﴾ صبح کے وقت آیت الکرسی پڑھنے والا شام تک، شام کے وقت پڑھنے والا صبح تک شیطان کے شر سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔

سوال3: آیت الکرسی کی اہمیت کیا ہے؟

جواب: آیت الکرسی میں اسلامی زندگی کی بنیاد بننے والے عقائد و تصورات کی وضاحت کی گئی ہے۔ جب تک بنیاد ٹھیک نہ ہو عمارت درست نہیں ہو سکتی، اسی طرح جب تک انسان کے ذہن میں صحیح عقیدہ نہیں جمتا اس وقت تک زندگی کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی توحید و صفات کو نہایت خوب صورتی اور نزاکت سے بیان فرمایا ہے جس سے ایک طرف تو رب ذوالجلال کی عظمت و عزت دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف تمام شبہات جو اس کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کے دلوں میں تھے، دور ہو جاتے ہیں۔ (سراج البیان:98,99/1)

سوال4: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے لہٰذا ہر قسم کی عبادت اور اطاعت اسی کے لئے ہونی چاہئے کیونکہ وہ تمام صفات سے متصف اور عظیم نعمتیں دینے والا ہے۔ ﴿2﴾ بندے کا حق یہ ہے کہ اپنے رب کا بندہ بن کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہے،اس کے احکامات کی تعمیل کرتا رہے،اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے بچتا رہے۔《3》اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے لہٰذا اس کے سوا ہر ایک کی عبادت باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق اور ناقص، ہر لحاظ سے محتاج ہے لہٰذا کسی قسم کی عبادت کا حق نہیں رکھتی۔(تفسیر سعدی:304/1)《4》اس جملے میں نفی اور اثبات ہے۔نفی اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں اور اثبات اس بات کا ہے کہ ہر قسم کی الوہیت وعبودیت کے حق دار صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہیں۔《5》امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حیی وقیوم کے علاوہ کسی بھی چیز کی عبادت کی ممانعت ہے۔(تفسیر طبری:386/5)《6》حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں اس بات کی خبر ہے کہ وہ تمام مخلوقات کے لیے تنہا الوہیت والے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر:330/1)《7》اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:﴿ الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ ا-ل-م-اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہمیشہ زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔(آل عمران:1,2)《8》رب العزت کا ارشاد ہے:﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات میں سچا اور کون ہے!(النساء:87)《9》رب العزت کا ارشاد ہے:﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ڶ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴾ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔(التوبہ:129)《10》اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ﴾ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں،اس کے لیے بہترین نام ہیں۔(طٰہٰ:8)《11》امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس آیت کریمہ میں عقیدہ توحید کا اثبات اور ان سب گروہوں کی تردید ہے،جن کے باطل عقائد پہلے تفصیل سے بیان کے گئے ہیں اس آیت میں سب سے جلیل القدر،سب سے بڑی عظمت والی،سب سے زیادہ عدل وانصاف والی اور سب سے سچی گواہی ہے جو کہ سب سے بڑی شان وعظمت والے اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی قدرومنزلت والی بات عقیدہ توحید کی دی ہے۔(بدائع التفسیر:217/1)《12》رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کی ساٹھ سے کچھ اوپر یا ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں۔ان میں سے سب سے بڑی فضیلت والی《لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ》شاخ ہے اور سب سے کم رتبے والی راستے سے اذیت کو ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔''(صحیح مسلم:58)《13》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جب کبھی بھی بندہ کبائر سے اجتناب کرتے ہوئے اخلاص سے (یعنی ریا کاری اور دکھاوے کے لیے نہ کہا جائے ایمان ویقین کے ساتھ کہے)《لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ》 کہتا ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ کلمہ توحید عرش تک پہنچ جاتا ہے۔''(ترمذی:3824)《14》سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:''سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر《لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ》ہے''(ترمذی:3607)《15》عبدالرحمٰن مبارک پوری لکھتے ہیں: کیونکہ یہ کلمہ توحید ہے اور توحید جیسی کوئی چیز نہیں۔یہ کفر وایمان کے درمیان حد فاصل ہے۔دل کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ جوڑنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والا، غیر اللہ کی سب سے زیادہ نفی کرنے والا، تزکیہ نفس میں سب سے مؤثر، باطن کی صفائی میں سب سے قوی، خیالات کو نفس کی خباثت سے سب سے زیادہ دور کرنے والا اور شیطان کو سب سے زیادہ دفع کرنے والا ہے۔(تحفۃ الاحوذی:229/9)《16》عن ابن عبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قالَ : كانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقولُ عِندَ الكَرْبِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ العَلِيمُ الحَلِيمُ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ العَرْشِ العَظِيم لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوات ورَبُّ الاَرْض وَرَبُّ العَرْش الكَرِيم۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت جاننے والا بڑا بردبار ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں جو آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب اور عرش کریم کا رب ہے۔(صحیح بخاری:7426)

سوال5:《اَلْحَیُّ》"ہمیشہ زندہ ہے" اس کا مفہوم واضح کریں؟

جواب:《1》《اَلْحَیُّ》سے مراد وہ ہستی ہے جسے کامل حیات حاصل ہو اور یہ مستلزم ہے تمام صفات ذاتیہ کو مثلاً سننا، دیکھنا، جاننا اور قدرت رکھنا وغیرہ۔(تفسیر سعدی:301/1)《2》قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا:"《اَلْحَیُّ》وہ ذات ہے جو فوت نہیں ہوتی۔"(تفسیر قرطبی:271/1)《3》امام سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا:"اَلْحَیُّ سے مراد باقی رہنے والے۔"(تفسیر قرطبی:271/3)《4》امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"بلاشبہ اَلْحَیُّ سے مراد وہ ذات ہے کہ اسی کے لیے دائمی زندگی اور ایسی بقا ہے کہ نہ تو اس کے اول کے لیے کوئی حد ہے اور نہ آخر کے لیے کوئی انتہا، کیونکہ اس کے علاوہ ہر چیز اگرچہ زندہ ہو، اس کی زندگی کے اول کے لیے حد ہے اور آخر کے لیے انتہا ہے وہ اپنی مدت کے ختم ہونے سے ختم ہو جاتی ہے اور اپنے وقت کے پورے ہونے پر ناپید ہو جاتی ہے۔"(تفسیر طبری:386،387/5)《5》امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے:"وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔"(تفسیر بغوی:238/1)《6》امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"اسی کے لیے زندگی اپنی انتہائی شکل میں ہے اسی لیے اس پر موت کا بالکل غلبہ نہیں۔"(القصیدۃ النونیۃ:538)《7》رب العزت کا فرمان ہے:《هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ》وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، چنانچہ اسی کو پکارو کہ دین کو اس کے لیے خالص کرنے والے ہو، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔(المومن:65)《8》شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اسم مبارک تمام صفات کمال کو لازم کر دیتا ہے اور یہی اسم اعظم ہے۔وہ لکھتے ہیں:"《اَلْحَیُّ》بجائے خود تمام صفات کو لازم کرتا ہے اسی لیے قرآن کریم کی عظیم ترین آیت《اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ》ہے وہی اسم اعظم ہے کیونکہ ہر زندہ، شعور اور ارادے والا ہوتا ہے اسی لیے وہ تمام صفات کو لازم کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی ایسی صفت پر اکتفا کرنا ہوتا جو دیگر صفات کو لازم کرے تو صفت اَلْحَیُّ سے کیا جاتا۔"(مجموع الفتاویٰ:311/18)《9》شیخ محمد بن صالح عثیمین نے بیان کیا:"《اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ》اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں سے دو نام ہیں اور وہ دونوں اپنے اندر تمام اوصاف اور افعال کو سموئے ہوئے ہیں کمال اوصاف اَلْحَیُّ میں اور کمال افعال اَلْقَیُّوْمُ میں ہیں، کیونکہ اَلْحَیُّ کا معنی کامل زندگی والے۔اللہ تعالیٰ کی زندگی کا کمال وجود وعدم اور کمال ونقص دونوں پہلوؤں سے ہے (یعنی وہ ہمیشہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا اور اس کی زندگی ہر قسم کے نقص، عیب، خلل اور کوتاہی سے یکسر خالی ہے۔)۔《10》نبی ﷺ کی دعاؤں میں سے ہے، ''اللّٰھم لک أسلمتُ ، وبک آمنتُ ، وعلیک توکلتُ ، وألیک أنبتُ وبک خاصمتُ ، اللّٰھم أنی أعوذ بعزّتک ، لا أله ألاّ أنت أنْ تُضلّني ، أنت الحیُّ الذی لا یموت، والجنُّ والأنُسُ یَمُوْتُوْن ''اے اللہ ! میں نے تیری فرماں برداری کی اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری ہی مدد سے جہاد کیا یا اللہ! میں تیری عزت کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں کہ تو مجھے گمراہ کردے۔ تو زندہ ہے جسے موت نہیں اور جن و انس سب مرجائیں گے۔(صحیح بخاری:6948)(صحیح مسلم:6899)

سوال6:《اَلْقَيُّوْمُ》 ''ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《**اَلْقَيُّوْمُ**》سے مراد وہ ذات ہے جو خود قائم ہو اور دوسروں کا قیام اس سے ہو۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے وہ تمام افعال شامل ہو جاتے ہیں جس سے وہ متصف ہو، یعنی وہ جو چاہے کرسکتا ہے استوا، نزول، کلام قول، پیدا کرنا، رزق دینا، موت دینا زندہ کرنا اور دیگر نوع کی تدبیر سب اس کے قیوم ہونے میں شامل ہیں۔ اس لئے بعض محققین کا کہنا ہے یہی وہ اسم اعظم ہے جس کے ذریعے دعا رد نہیں ہوتی۔(تفسیر سعدی:305/1)《2》《**اَلْقَيُّوْمُ**》''ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے'' اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کی تخلیق، رزق، دیکھ بھال اور حفاظت کرنے والے ہیں۔ ہر چیز کا وجود بقا اور تدبیر اس کے دست قدرت سے ہے۔《3》امام طبری لکھتے ہیں:《**اَلْقَيُّوْمُ**》لفظ قیام سے فَیْعُوْلُ کا وزن ہے اور اس کا اصلی لفظ اَلْقَیْوُوْمُ ہے۔ ''اپنی مخلوق کو رزق دینے اور اس کی حفاظت کا بندوبست فرمانے والے ہیں۔'' 《4》اللہ تعالیٰ بذات خود قائم ہے اس کا قیام کسی دوسری چیز پر منحصر نہیں۔ قیام ذات کی عزت کا وہی مالک ہے۔《5》ہمیشگی اسی کو حاصل ہے۔ وہ ہر چیز پر قائم، موجود، لازوال اور غیر متغیر ہے۔《6》امام ربیع سے نقل ہے کہ انہوں نے بیان کیا: ''ہر چیز کا نظم و نسق چلانے والا کہ وہ اس کی دیکھ بھال کرتا اسے رزق دیتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔''(تفسیر طبری:388/5)《7》امام قتادہ رحمہ اللہ نے بیان کیا: ''اپنی مخلوق کے معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے۔''(البحر المحیط:287/1)《8》امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنے القصیدۃ النونیہ میں قلم بند کیا ہے: ''《**اَلْقَيُّوْمُ**》میں دو باتیں ہیں: ان دو میں سے ایک یہ کہ وہ از خود قائم ہے اور دوسری یہ کہ پوری کائنات کا قیام اس کے ساتھ ہے وہ دو باتیں ہیں: (الف) وہ اپنے سوا ہر کسی سے مستغنیٰ ہے۔ (ب) تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔《**اَلْقَيُّوْمُ**》کی صفت والا ہونا بہت بڑی شان و عظمت والی بات ہے اس طرح اس صفت والا اللہ تعالیٰ بھی بہت بڑی شان والا ہے۔《9》اپنے سوا دیگر سب چیزوں کو قائم رکھنے والا، اسی لیے سب موجود چیزیں اس کی محتاج ہیں اور وہ ان سے بے نیاز ہے۔ اس کے حکم کے بغیر ان سب چیزوں کا قیام نہیں یعنی نہ تو از خود وجود میں آسکتی ہیں اور نہ ہی وجود میں آنے کے بعد اپنے تئیں باقی رہ سکتی ہیں۔''(تفسیر ابن کثیر:330/1)《10》کائنات کی تمام چیزوں کا وجود، بقا اور حفاظت حکم الٰہی ہی سے ہے، قرآن وسنت میں اس کے پختہ دلائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ رب العزت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا ارشاد ہے۔﴿ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘؔ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴾ اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمان کے سوا انہیں کوئی نہیں تھامتا، بلاشبہ وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (الملک:19)﴿11﴾﴿ اَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴾ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں؟ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں تھامتا بلاشبہ اس میں یقیناً نشانیاں ہیں ان کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ (النحل:79)﴿12﴾ قاضی ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں: ''تمام اسمائے حسنیٰ کا مدار ان دو ناموں ﴿ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ﴾ پر ہے اور ان سب کے معنی ان دونوں ہی کی طرف پلٹتے ہیں'' اور اسم مبارک وہ اپنے اندر کمال غنیٰ اور کمال قدرت سموئے ہوئے ہے سو وہ بلاشبہ اپنی وجہ سے قائم ہیں، وہ اپنے علاوہ کسی کے بھی کسی بھی اعتبار سے محتاج نہیں ہیں۔ اپنے سوا سب کو قائم کرنے والے ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کا بھی ان کے بغیر قیام نہیں۔ اس طرح ان دونوں ناموں نے اپنے اندر صفات کمال کو بہترین انداز میں سمو رکھا ہے۔'' (شرح الطحاویۃ فی العقیدۃ السلفیۃ، ص:78)

سوال 7:﴿ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوۡمٌ ﴾ ''اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند'' وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی حیات اور قومیت کا ایک مظہر ہے کہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔﴿ لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوۡمٌ ﴾ ''اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند'' اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اونگھ، غفلت، نینداور بے خبری سے پوری طرح پاک ہے۔ اسی لیے وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔﴿2﴾ مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں: ''جاہلی مذہبوں کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگذاشتیں ہوجاتی ہیں، مسیحیوں اور یہود کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جب چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بناڈالا تو ساتویں دن اسے ستانے اور آرام لینے کی ضرورت پڑ گئی، اسلام کا خدا، دائم، بے دار، غفلت، سستی اور تھکن سب سے ماوراء خدا ہے۔'' (تفسیر ماجدی)﴿3﴾ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم کو چار باتیں بتائیں: اللہ تعالیٰ سوتا نہیں نہ نینداس کی ذات کے لائق ہے، وہ ترازو کا محافظ ہے جس کے لیے چاہے جھکا دے جس کے لیے چاہے نہ جھکائے، دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف لے جائے جاتے ہیں، اس کے سامنے نور یا آگ کے پردے ہیں اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جن تک اس کی نگاہ پہنچے۔

سوال 8:﴿ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ﴾ ''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا مالک ہے اور باقی سب مملوک ہیں۔ وہ خالق ہے اور باقی مخلوق، وہ رازق ہے اور باقی سب مرزوق ''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے'' سورج، چاند، ستارے، فرشتے اور آسمان میں موجود ہر چیز اور زمین میں موجود ہر چیز، اپنی تخلیق، ملکیت، بندگی، تدبیر اور انتظام وانصرام کے اعتبار سے تنہا اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس میں کوئی اس کا شریک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔《2》زمین و آسمان میں کسی کو نہ اپنے معاملے میں خود اختیار ہے نہ دوسرے اختیار رکھتے ہیں۔امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''وہ ان تمام چیزوں کے کسی شریک اور مد مقابل کے بغیر مالک اور دیگر تمام معبودان باطلہ کے بغیر خالق ہیں۔''(تفسیر طبری:395/5)《3》قاضی ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''ملکیت کے ساتھ لہٰذا وہ تمام چیزوں کے مالک اور رب ہیں۔''(المحرر الوجیز:276/2)《4》امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''ملکیت اور تخلیق کے اعتبار سے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ان ہی کے لیے ہے۔''(تفسیر بغوی:239/1)

سوال9: اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک ہے،اس عقیدے کا انسان کی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے،اس کی ملکیت کسی حد میں محدود نہیں،اس کی ملکیت کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں،اس کی ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں،اس کی ملکیت کبھی ختم ہونے والی نہیں۔اس عقیدے کا مومن کی زندگی پر گہرا اثر پڑتا ہے۔وہ شعوری طور پر اپنی ہر چیز کو مالک کی ملکیت سمجھنے لگتا ہے۔《2》اس عقیدے کی وجہ سے مومن کے دل سے لالچ،حرص،بخل اور رات دن جمع کرنے کی فکر ختم ہو جاتی ہے۔《3》اس عقیدے کی وجہ سے مومن کے اندر صبر،قناعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونے کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ فیاض اور سخی ہو جاتا ہے۔اس کے دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔《4》اس عقیدے کی وجہ سے مومن کے دل میں کسی چیز کے نہ ملنے پر حسرت،جلن یا گھٹن پیدا نہیں ہوتی۔

سوال10:《مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ》''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں سفارش کرے''اس میں بندے کے مقام کی کیسے وضاحت کی گئی ہے،واضح کریں؟

جواب:《1》''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی جناب میں سفارش کرے''اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور کبریائی کا بیان ہے۔روز قیامت کوئی اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت کرنے کی جسارت بھی نہیں کر پائے گا۔رب العزت کا فرمان ہے:《وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى》''اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لئے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے۔''(الانبیاء:28)《2》کوئی شفاعت نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ شفاعت کا مالک ہے لیکن جب وہ چاہے گا تو جس بندے پر رحم کرے گا اس کے حق میں اجازت دے گا۔اجازت ملنے سے پہلے کوئی شفاعت نہیں کر سکے گا۔《3》اللہ تعالیٰ کی جانب سے شفاعت کی خاطر اجازت کا حاصل ہونا ثابت ہے۔انسان اللہ تعالیٰ کے دربار میں غلاموں کی طرح کھڑا ہوگا۔نہ اپنے مقام سے آگے بڑھ سکے گا نہ سفارش کی جرأت کر سکے گا الا یہ کہ پیشگی اس کی اجازت دی گئی ہو۔《4》اذن الٰہی کے بغیر شفاعت کی نفی پر دلالت کرنے والی آیات کے مقابلے میں اس آیت یعنی آیت الکرسی کے حصے سے حاصل ہونے والی بات کہیں درجے زیادہ زوردار ہے۔《5》علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''اس میں اس شخص کے لیے انتہا درجے کی ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبیخ ہے جو کہ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی کو شفاعت کے ذریعے نفع پہنچا سکتا ہے۔اس میں قبروں کے پجاریوں کے سینوں پر ایسی ضرب کاری،چہروں پر ایسا زوردار طمانچہ اور بازوؤں کا اس قدر توڑنا ہے کہ اس کا کماحقہ اندازہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا محال اوراس کی انتہا کو پہنچنا ناممکن ہے۔'' ﴿6﴾ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی کا بیان ہے کہ یہ تو بہت دور کی بات ہے کہ کوئی عناد یا دشمنی یا جھگڑے سے اس کے ارادے کی راہ میں رکاوٹ بنے بلکہ صورت حال یہ ہے کہ ایسا بھی نہیں ہے کہ کوئی اس کے مساوی یا رتبے میں قریب ہونے کی بنا پر شفاعت یا اس کے روبرو عاجزی کر کے، اس کے ارادے کو ٹال دے۔'' (تفسیر بیضاوی:134/1)

﴿7﴾ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور کبریائی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ کسی کے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرنے کی خاطر آگے بڑھے۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اذن سے شفاعت کے ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اذن کا یہاں معنیٰ حکم ہے۔ (البحر المحیط:288/1) اس انداز سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آخر یہ کیسے ہوسکتا ہے، کون ہے جو یہ جرأت کرے؟ ﴿8﴾ اس حقیقت کی روشنی میں سارے غلط نظریات واضح ہو جاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ رب رب ہے اور بندہ بندہ ہے۔

سوال11: شفاعت کا عقیدہ خود اللہ تعالیٰ نے دیا، شفاعت کیسے ہوگی، وضاحت کریں؟

جواب: شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسی طرح جیسے ہم دنیا میں جمع ہوتے ہیں، مومنوں کو اکٹھا کرے گا (وہ گرمی وغیرہ سے پریشان ہو کر) کہیں گے: کاش ہم کسی کی سفارش اپنے مالک کے پاس لے جاتے تاکہ ہمیں اپنی اس حالت سے آرام ملتا۔ چنانچہ سب مل کر سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ ان سے کہیں گے: آدم علیہ السلام آپ لوگوں کا حال نہیں دیکھتے کس بلا میں گرفتار ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے (خاص) اپنے ہاتھ سے بنایا اور فرشتوں سے سجدہ کرایا اور ہر چیز کے نام آپ کو بتلائے، کچھ سفارش کیجیے تاکہ ہم کو اس جگہ سے نجات ہو کر آرام ملے۔ کہیں گے میں اس لائق نہیں، ان کو وہ گناہ یاد آجائے گا جو انہوں نے کیا تھا (ممنوع درخت میں سے کھانا) مگر تم لوگ ایسا کرو نوح علیہ السلام پیغمبر کے پاس جاؤ وہ پہلے پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا تھا۔ آخر وہ لوگ سب نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں۔ اپنی خطا جو انہوں نے (دنیا میں) کی تھی یاد کریں گے۔ کہیں گے تم لوگ ایسا کرو ابراہیم علیہ السلام پیغمبر کے پاس جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں (ان کے پاس جائیں گے) وہ بھی اپنی خطائیں یاد کر کے کہیں گے: میں اس قابل نہیں، تم موسیٰ علیہ السلام پیغمبر کے پاس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات عنایت فرمائی، ان سے بول کر باتیں کیں۔ یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی کہیں گے میں اس لائق نہیں اپنی خطا جو انہوں نے دنیا میں کی تھی یاد کریں گے مگر تم ایسا کرو عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول، اس کے خاص کلمہ اور خاص روح ہیں۔ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس لائق نہیں تم ایسا کرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں بخش دی گئی ہیں۔ آخر یہ سب لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئیں گے۔ میں چلوں گا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت مانگوں گا، مجھ کو اجازت ملے گی۔ میں اپنے پروردگار کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور جب تک اس کو منظور ہے وہ مجھ کو سجدے میں ہی پڑا رہنے دے گا۔اس کے بعد حکم ہوگا ''محمد اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو، تمہاری عرض سنی جائے گی، تمہاری درخواست منظور ہوگی، تمہاری سفارش مقبول ہوگی۔'' اس وقت میں اپنے مالک کی ایسی تعریفیں کروں گا جو وہ مجھ کو سکھا چکا ہے۔(یا سکھلائے گا) پھر لوگوں کی سفارش شروع کروں گا۔سفارش کی ایک حد مقرر کردی جائے گی۔میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا، پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا اور اس کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک پروردگار چاہے گا مجھ کو سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔اس کے بعد ارشاد ہوگا: ''محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ! جو تم کہو گے سنا جائے گا اور سفارش کرو گے تو قبول ہوگی۔ پھر میں اپنے پروردگار کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سکھلائیں (یا سکھلائے گا) اس کے بعد سفارش کردوں گا لیکن سفارش کی ایک حد مقرر کردی جائے گی میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا، پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا۔اس کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک پروردگار چاہے گا مجھ کو سجدے میں پڑا رہنے دے گا اس کے بعد ارشاد ہوگا: ''محمد اپنا سر اٹھاؤ جو تم کہو گے سنا جائے گا اور سفارش کرو گے تو قبول ہوگی۔'' پھر میں اپنے پروردگار کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اس نے مجھ کو سکھلائیں (یا سکھلائے گا) اس کے بعد سفارش شروع کردوں گا لیکن سفارش کی ایک حد مقرر کردی جائے گی۔میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا عرض کروں گا: یا پاک پروردگار! اب تو دوزخ میں ایسے ہی لوگ رہ گئے ہیں جو قرآن کے بموجب دوزخ ہی میں ہمیشہ رہنے کے لائق ہیں (یعنی کافر اور مشرک) انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی ﷺ نے فرمایا، دوزخ سے وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا اور ان کے دل میں چیونٹی برابر (یا بھنگے برابر) ایمان ہوگا۔(صحیح بخاری:7410)

سوال 12:﴿يَعْلَمُ﴾ ''وہ جانتا ہے'' اللہ تعالیٰ کا علم کیسا ہے؟

جواب:﴿1﴾اس کا علم کامل ہے، وہ ماضی، حال اور مستقبل کا علم رکھتا ہے۔حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں '' کائنات کی تمام چیزوں کے ماضی حال اور مستقبل کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے احاطہ کرنے کی دلیل ہے'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا، اور وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں گرتا اور نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر سب کھلی کتاب میں ہے۔(الانعام:59) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: غیب کی پانچ کنجیاں ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ رحم مادر میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی، اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس جگہ کوئی مرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی۔(صحیح بخاری:7379)

﴿2﴾وہ ہر ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے، ہر حاضر و غائب کا علم رکھتا ہے، وہ ساری جزویات پر حاوی علم رکھتا ہے۔نواب صدیق حسن خان لکھتے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہیں'' اس کا مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا ایسا جاننے والا ہے کہ مخلوق کے حالات میں سے کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں، یہاں تک کہ وہ غبار آلود زمین کے نیچے ہر طرف سے بند پتھر کے اوپر تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کے چلنے، آسمان کی فضا میں ذرہ کی حرکت، ہوا میں (اڑنے والے) پرندے اور پانی میں (تیرنے والی) مچھلی سے آگاہ ہے۔''

سوال13: اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا تصور انسان پر کیسے اثرات مرتب کرتا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کے عقیدے کی وجہ سے مومن اس ذات سے قلبی اور ذہنی تعلق میں بندھ جاتا ہے، وہ ہر لمحے اللہ تعالیٰ کو خود پر نگران محسوس کرتا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کے عقیدے کی وجہ سے مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ اس سے کچھ بھی چھپایا نہیں جا سکتا۔《3》اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے پر یقین سے مومن کی روح کانپتی ہے پھر وہ ہر ایسے کام سے بچتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہو۔《4》مومن تکلیف میں اسی کو پکارتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا رب میرے حالات سے واقف ہے، وہ قدرت رکھنے والا ضرور میری مدد فرمائے گا۔《5》مومن یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے، ہر حاضر و غائب کا علم رکھتا ہے، وہ ساری جزویات پر حاوی علم رکھتا ہے۔ وہ یقین رکھتا ہے کہ اس نے زندگی گزارنے کے لیے جو طور طریقے، اصول، ضابطے اور قوانین دیے ہیں وہی اصل حق ہے، ان ہی کی پابندی کرنی ہے۔《6》مومن یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زندگی کو ہمارے لیے نمونہ بنایا ہے تو پوری زندگی ان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔《7》اس لیے مومن اپنے اعمال میں حد درجہ محتاط ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ہر سوچ، اپنی گفتگو، اپنے تعلقات، حقوق و فرائض کی ادائیگی میں اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ میرا مولا علیم ہے مجھ سے حساب لے گا۔ یوں مومن متقی بن جاتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا مولا اسے وہاں دیکھے جہاں سے اس نے روکا ہے۔《8》اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کے عقیدے کی وجہ سے مومن کو اللہ تعالیٰ کی رضا عزیز ہو جاتی ہے۔《9》اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا عقیدہ مومن کو ہر بدی اور ہر ظلم سے روکتا ہے۔

سوال14: اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا یقین کیسے نصیب ہوتا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کا یقین اس کے 'العلیم' ہونے کے پختہ علم کے ساتھ نصیب ہوتا ہے۔《2》اس پر غور و فکر سے کہ اس سے کچھ بھی چھپایا نہیں جا سکتا۔《3》اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے پر گفتگو کرنے سے، اس پر علمی مذاکرے کرنے سے پختہ علم نصیب ہوتا ہے اور اس علم کے ساتھ یقین نصیب ہوتا ہے۔《4》تواصوا بالحق کرنے سے اس کے علیم ہونے کا یقین نصیب ہوتا ہے۔

سوال15:《**يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ**》'' وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》'' وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے'' اللہ تعالیٰ انسانوں کے ماضی اور مستقبل کے حالات اور معاملات کی تفصیلات جانتا ہے یعنی اگلے پچھلے حاضر غائب سب کا علم رکھتا ہے۔ ان میں بندوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔《2》اس میں مخلوق کی بغیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اجازت کے شفاعت سے محرومی کا سبب بتایا گیا ہے۔شفاعت کرنے اور شفاعت پانے کی اہلیت کا علم صرف اللہ رب العزت کو ہے۔اس لیے شفاعت کرنے کا اختیار بھی صرف وہی دے سکتا ہے۔﴿3﴾﴿مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ سے مراد ان سے پہلے دنیا کے معاملات اور ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ سے مقصود ان کے بعد آخرت کا معاملہ۔(تفسیر بغوی:239/1)﴿4﴾اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ہر اس چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو تھی اور جو ہے اور جو ہوگی۔کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی اور چھپی ہوئی نہیں وہ ساری مخلوقات کے تمام حالات سے خوب آگاہ ہے۔جابر بن عبداللہ سلمی رضی اللہ عنہ نے خبر دی،انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو اپنے ہر مباح کام میں استخارہ کرنا سکھاتے تھے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا قصد کرے تو اسے چاہیے کہ فرض کے سوا دو رکعت نفل نماز پڑھے، پھر سلام کے بعد یہ دعا کرے ''اے اللہ میں تیرے علم کے طفیل اس کام میں خیریت طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے طفیل طاقت مانگتا ہوں اور تیرا فضل۔کیونکہ تجھے قدرت ہے اور مجھے نہیں،تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیوب کا بہت جاننے والا ہے۔اے اللہ!پس اگر تو یہ بات جانتا ہے(اس وقت استخارہ کرنے والے کو اس کام کا نام لینا چاہیے) کہ اس کام میں میرے لیے دنیا و آخرت میں بھلائی ہے یا اس طرح فرمایا کہ''میرے دین میں اور گزران میں اور میرے ہر انجام کے اعتبار سے بھلائی ہے تو اس پر مجھے قادر بنا دے اور میرے لیے اسے آسان کر دے، پھر اس میں میرے لیے برکت فرما۔اے اللہ!اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے برا ہے میرے دین اور گزارہ کے اعتبار سے اور میرے انجام کے اعتبار سے، یا فرمایا کہ میری دنیا و دین کے اعتبار سے تو مجھے اس کام سے دور کر دے اور میرے لیے بھلائی مقدر کر دے جہاں بھی وہ ہو اور پھر مجھے اس پر راضی اور خوش رکھ۔''(صحیح بخاری:7390)﴿5﴾﴿مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ سے مراد آخرت ہے، کیونکہ وہ ان کے آگے ہے اور وہ اس کی جانب پیش قدمی کر رہے ہیں اور ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ سے مقصود دنیا ہے کیونکہ وہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ رہے ہیں۔(تفسیر کبیر:11,10/7)﴿6﴾﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ جو خیر و شر وہ کر چکے ہیں اور ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ جو وہ اس کے بعد کریں گے۔(تفسیر کبیر:11/7)﴿7﴾﴿مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ جو کچھ وہ محسوس کرتے ہیں اور ﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ جو کچھ وہ سمجھتے ہیں۔(تفسیر بیضاوی:134/1)﴿8﴾اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہیں۔تمام مخلوقات کے سب احوال سے خوب آگاہ ہیں۔کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

سوال16:﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾''اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے''اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز انسان کو تب ملتی ہے جب وہ خود دینا چاہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے''اللہ تعالیٰ کی معلومات کے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتا۔اس کے بارے میں انسان اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اس نے خود علم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز انسان کو تب ملتی ہے جب وہ خود دینا چاہے۔﴿2﴾انسان کا علم محدود ہے اس لیے کوئی بھی اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا احاطہ نہیں کر سکتا ماسوائے اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو اس نے خود علم دیا ہے۔《3》 کائنات کی ہر چیز کا کامل اور محیط علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس کے سوا کسی اور کو نہیں۔اللہ تعالیٰ جس قدر مناسب سمجھتا ہے اتنا علم انسان کو عطا کر دیتا ہے۔《4》علامہ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''احاطہ کا تقاضا تمام اطراف سے چیز کو گھیرنا اور اس پر مشتمل ہونا ہے۔''(البحر المحیط:289/1)《5》علامہ ابن ابی العز حنفی اس کی شرح میں تحریر کرتے ہیں:''اور اس کا معنی یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور ہر چیز کے اوپر ہے۔''(العقیدۃ الطحاویہ:259)《6》امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''اور وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا اور اس کے اوپر ہے۔''(العقیدۃ الطحاویہ:257)《7》علامہ راغب اصفہانی نے تحریر کیا ہے:''کسی چیز کے علم کے اعتبار سے احاطہ یہ ہے کہ اس کے وجود، جنس، کیفیت، غرض وغایت، اس کی ایجاد کس چیز کے ساتھ اور کس سے ہوئی اور ان سب باتوں کے بارے میں علم ہو۔''(المفردات:136،137)صرف اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے، بے قید ہے۔《8》اس طرح یہ دو باتیں کہ''جو ان کے آگے ہے اور وہ جانتا ہے جو ان کے پیچھے ہے''اور''وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے''《اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ》کے لیے دلیل ہیں کہ الوہیت وعبودیت کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جسے کائنات کی ہر چیز کے بارے میں کامل اور محیط علم ہو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں۔اس لیے اس کے علاوہ کوئی بھی الوہیت وعبودیت کا حق دار نہیں۔

سوال17:انسان سے کون سے علوم پوشیدہ رکھے گئے؟

جواب:《1》وہ علوم جن کا ہدایت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔《2》وہ علوم جن کا احاطہ انسانی عقل نہیں کر سکتی۔

سوال18:《وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ》''اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سموئے ہوئے ہے''''اس کی کرسی''کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《كُرْسِيُّهُ》''اس کی کرسی''اس بارے میں علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:''حقیقی معنی چھوڑ کر کسی دوسرے معنی کی طرف جانے کا کوئی معقول سبب نہیں۔''(فتح القدیر:412/1)《2》وَسِعَ سے مراد جیسے کہ امام بغوی نے بیان کیا ہے''بھر دیا''اور''احاطہ کیا''۔(تفسیر بغوی:239/1)《3》علامہ شوکانی نے تحریر کیا ہے:''یعنی سارے آسمان اور زمین اس آیت میں ہیں اور بلاشبہ وہ ان کا احاطہ کرنے میں کوتاہ نہیں، کیونکہ وہ بہت فراخ اور وسیع ہے۔''(فتح القدیر:412/1)《4》حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الکرسی کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں الکرسی کے مقابلے میں ایسے ہی ہیں جیسے کہ چٹیل زمین پر پھینکا ہوا چھلہ ہو اور بلاشبہ عرش کی الکرسی پر برتری چٹیل زمین کی اس چھلے پر فوقیت کی مانند ہے۔''(تفسیر ابن کثیر:332/1)《5》شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ حدیث《وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ》کی تفسیر کی غرض سے بیان کی گئی ہے اور یہ واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ الکرسی مخلوقات میں سے عرش کے بعد سب سے بڑی مستقل موجود چیز ہے اور وہ کوئی معنوی چیز نہیں۔اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس کی تاویل بادشاہت اور وسیع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکمرانی سے کرتے ہیں جیسا کہ بعض تفسیروں میں ذکر کیا گیا ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ تفسیر کہ اس سے مراد ''علم'' ہے،اس کی سند درست نہیں۔(سلسلہ احادیث صحیحہ:109)《6》شیخ ابن عاشور رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ《وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ》''اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سموئے ہوئے ہے''《اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ》کی تائید کرتا ہے کہ عبودیت والوہیت کے حق دار صرف اللہ جل جلالہ ہیں۔ (تفسیر التحریر والتنویر:3۔23)

سوال19:《وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا》''اور ان دونوں کی حفاظت اسے نہیں تھکاتی'' وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور ان دونوں کی حفاظت اسے نہیں تھکاتی'' اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی حفاظت کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ اس پر گراں نہیں لیکن ان دونوں میں جو کچھ موجود ہے ان کی حفاظت کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔قاضی ابو سعود رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں لکھتے ہیں:''اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں موجود چیزوں کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ان دونوں کی حفاظت کے ضمن میں ان میں موجود چیزوں کی بھی حفاظت ہے۔''(تفسیر ابی سعود:248/1)اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی حفاظت کے بارے میں ذکر فرمایا:《وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ》اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا۔اور وہ اس کی نشانیوں سے منہ موڑنے والے ہیں۔(الأنبیاء:32)《2》اللہ تعالیٰ کو زمین وآسمان کی حفاظت کے لیے کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔《اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا》یقیناً اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ دونوں ٹل نہ جائیں۔(فاطر:41)《3》اللہ تعالیٰ کو حفاظت سے تھکاوٹ نہیں ہوتی۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔اسے رات دن کی بخشش بھی کم نہیں کرتی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب سے اس نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں اس نے کتنا خرچ کیا ہے۔اس نے بھی اس میں کوئی کمی پیدا نہیں کی جو اس کے ہاتھ میں ہے اور فرمایا کہ اس کا عرش پانی پر ہے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں ترازو ہے۔جسے وہ جھکاتا اور اٹھاتا رہتا ہے۔(صحیح بخاری:7411)《4》اپنی کتاب عزیز کی حفاظت کے بارے میں فرمایا:《اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ》بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(الحجر:9)

سوال20:《وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ》''اور وہی سب سے بلند،سب سے بڑا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ《الْعَلِيُّ》،اپنی ذات کے اعتبار سے بہت بلند ہے۔《2》اللہ تعالیٰ اس لئے بھی《الْعَلِيُّ》ہے کہ وہ عرش عظیم پر مستوی ہے۔《3》اللہ تعالیٰ اس لئے بھی《الْعَلِيُّ》ہے کہ تمام مخلوقات اس کی زیر نگیں ہیں۔《4》اللہ تعالیٰ اس لئے بھی بلند شان والا ہے کہ اس کی صفات کامل ہیں۔(تفسیر سعدی:306/1)《5》امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ《الْعَلِيُّ》کے بارے میں لکھتے ہیں:اس سے مراد ''اپنی مخلوق سے بہت بلند اور سب چیزوں اور شرکاء سے بہت اونچا اور یہ بھی کہا گیا ہے بادشاہت اور اقتدار کے ساتھ بہت بلند وبالا۔''(تفسیر بغوی:240/1)《6》امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے القصیدہ النونیہ میں لکھتے ہیں:''وہ ہی《الْعَلِيُّ》ہے،پس بلندی کی تمام اقسام اسی کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلاانکار ثابت ہیں۔‘‘(القصیدہ النونیہ:3233)ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:’’اسی کے لیے ذات،غلبہ اوراونچے مقام ومرتبہ کے تمام اعتبارات سے بلندی ہے۔‘‘(القصیدہ النونیہ:3233)《7》شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:’’اوراس کے نام《الْعَلِيُّ》کی تفسیر،ان دومعنوں سے کی گئی ہے:وہ مقام ومرتبہ میں سب سے برتر ہے اسی لیے کمال کی صفات کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔وہ ان سے قہروغلبہ کے اعتبار سے بلند ہے اس بنا پر وہ ان سب پر کمال قدرت رکھنے والا اوروہ سب اس کے زیراقتدار ہیں اوراس کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ وہ ان کا خالق اور رب ہے۔ان دونوں معنوں میں ضمنی طور پر یہ بھی ہے کہ وہ خود ہر چیز سے بلندوبالا ہے اورکوئی چیزاس سے اوپر نہیں۔‘‘(مجموع الفتاویٰ:358/16)《8》شیخ صالح بن عبدالعزیز آل الشیخ نے تحریر کیا ہے:’’《الْعَلِيُّ》پس وہ ذات کہ اسی کے لیے اَلْعُلُوُّ بلندی کی یہ ساری انواع واوصاف ہیں۔اس ہی کے لیے ذات کی بالادستی،غلبہ کی برتری اورشان وعظمت کی فوقیت ہے۔﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾اوروہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔(الانعام:18)(عقیدۃ الواسطیہ:251/1)《9》اللہ تعالی العلی ہے جو اپنے خالص اور برگزیدہ بندوں کے لیے تعریف کو دنیا میں قائم فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ العلی ہے اپنی حکمت،کبریائی اورعظمت کے ساتھ۔《10》شیخ ابوبکر جزائری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:’’اَلْعَلِيُّ وہ ذات ہے کہ اس کے اوپر کوئی چیز نہیں اوروہ《الْقَاهِرُ》ہے کہ جس پر کوئی چیز غالب نہیں۔‘‘(ایسرالتفاسیر:203/1)《11》شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اوراپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے بارے میں بالا ہونے،عرش پر بلند ہونے اوراوپر ہونے کا وصف بیان کیا ہے۔انھوں نے یہ بات اپنی کتاب کی بہت زیادہ آیات میں بیان فرمائی ہے یہاں تک کہ امام شافعی کے بعض اکابر شاگردوں نے کہا:’’قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے بالا اوراپنے بندوں سے اوپر ہونے کے ایک ہزار یااس سے زیادہ دلائل ہیں۔‘‘(مجموع الفتاویٰ:121/5)《12》اللہ تعالیٰ العظیم ’’سب سے بڑا ہے‘‘ ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا:’’اَلْعَظِيْمُ وہ ذات جو اپنی عظمت وشان میں درجہ کمال پر ہے۔‘‘(تفسیر طبری:405/5)《13》حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:’’وہ بہت بڑے سب سے عالی شان کی مانند ہے۔‘‘(ابن کثیر:333/1)《14》امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ’’وہ عظمت والا ہے۔ہر چیز ان سے فروتر ہے اورکوئی چیز بھی اس سے زیادہ عظمت والی نہیں۔‘‘(تفسیر طبری:405/5)《15》امام بغوی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:’’بہت بڑی وہ ذات کہ کوئی چیز اس سے زیادہ عظمت والی نہیں۔‘‘(تفسیر بغوی:134/1)《16》شیخ ابوبکر الجزائری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ’’وہ ذات کہ اس کی عظمت کے سامنے ہر چیز چھوٹی اورمعمولی ہے۔‘‘(ایسرالتفسیر:203/1)《17》اللہ تعالیٰ العظیم ہے۔عرش عظیم پر مستوی ہے جس کی عظمت کے سامنے بڑے سے بڑے جبار،متکبر اورزبردست بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں۔اس آیت میں توحید الوہیت بھی ہے اورتوحید ربوبیت بھی ہے اورتوحید اسماء وصفات بھی۔اس میں بادشاہت کا محیط ہونا بھی مذکور ہے اورعلم کا بھی،اس کی سلطنت کی وسعت بھی ہے۔اس کا جلال،مجداوراس کی عظمت وکبریائی کا بھی بیان ہے۔لہٰذا یہ آیت اکیلی ہی اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات اورتمام اسماء حسنیٰ کے معنی کی جامع ہے۔(تفسیر سعدی:306/1)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال21: ’’اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے‘‘ یہ عقیدہ مومن پر کیا اثرات مرتب کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔‘‘ اس عقیدے کی وجہ سے مومن سرکشی چھوڑ دیتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے ﴿الْعَظِيمُ﴾ ’’سب سے بڑا‘‘ ہونے پر یقین ہونے کی وجہ سے مومن کی طبیعت میں جھکاؤ پیدا ہوجاتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے ’’سب سے بلند، سب سے بڑا‘‘ ہونے پر یقین کی وجہ سے مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور خوف بیٹھ جاتا ہے۔ ﴿4﴾ اس عقیدے کی وجہ سے مومن کا طرزِ عمل مؤدبانہ ہوجاتا ہے۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے ’’سب سے بلند، سب سے بڑا‘‘ ہونے پر یقین کی وجہ سے مومن اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مقابلے میں بھی غرور وتکبر کا رویہ چھوڑ دیتا ہے۔ ﴿6﴾ اللہ تعالیٰ کے ’’سب سے بلند، سب سے بڑا‘‘ ہونے پر یقین کی وجہ سے اس کی روح پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے پھر وہ ہر ایسے کام سے بچتا ہے جس سے اس نے روکا ہو۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ کے الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ہونے کا عقیدہ مومن کو ہر برائی اور ظلم سے روکتا ہے۔

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۟ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (256)﴾

’’دین میں کوئی زبردستی نہیں، یقیناً ہدایت گمراہی سے صاف واضح ہوچکی، چنانچہ جو باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جس نے کبھی ٹوٹنا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔‘‘ (256)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انصار کے کچھ لوگ یہودی یا عیسائی ہوگئے بعد میں انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو انہوں نے اپنی اولاد کو بھی جو یہودی یا عیسائی ہوچکے تھے زبردستی مسلمان بنانا چاہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿2﴾ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرکہ عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنادیں گے یہودیوں کے سپرد کردیں گے، اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے انصار بنے، یہودیوں سے جنگ ہوئی اور ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کے لئے سرور رسل علیہ السلام نے یہ حکم جاری فرمایا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلاوطن کردیا جائے، اس وقت انصاریوں نے اپنے بچے جوان کے پاس تھے ان سے طلب کئے تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر:354/1)

سوال2: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ ’’دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے‘‘ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ’’دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے‘‘ دین کو قبول کرنے میں زبردستی نہیں لیکن دین قبول کرنے کے بعد اطاعت کرنا لازم ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿2﴾ زبردستی اس کام میں کی جاتی ہے جس کے حقائق واضح نہ ہوں یا جو کام انتہائی ناپسندیدہ ہو۔اس صراط مستقیم کا تو ہر گوشہ واضح ہے۔اس کا چپہ چپہ روشن ہے۔کوئی بھی سمجھ دار آدمی معمولی سا غوروفکر کرے تو اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔لیکن جس کی نیت درست نہ ہو،غلط ارادے رکھتا ہو،ایسا بدظن آدمی حق دیکھ کر بھی باطل کو اختیار کر لیتا ہے۔اچھی چیز کو دیکھ کر پھر گندی چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ اسے دین قبول کرنے پر مجبور کرے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور زبردستی قبول کرایا گیا ایمان معتبر نہیں۔اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑتے ہیں ان کے خلاف جہاد نہ کیا جائے۔(تفسیر سعدی:306/1)

سوال3: اسلام نے یہ اصول دیا ہے کہ دین کے معاملے میں زبردستی مجبور نہیں کیا جائے گا۔اس اصول کا انسان کو کیا فائدہ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اس اصول سے ''دین کے معاملے میں زبردستی مجبور نہیں کیا جائے گا'' انسان کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ اس سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ارادے،اس کی فکر اور شعور کا احترام کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس اصول سے انسان کو عزت دی ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اس اصول سے ہدایت اور گمراہی اختیار کرنے میں انسان کو آزادی دی ہے۔﴿4﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا غلام اسبق نصرانی تھا،آپ اس پر اسلام پیش کرتے،وہ انکار کرتا آپ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی اسلام جبر سے روکتا ہے۔(تفسیر ابن کثیر:354/1)

سوال4: قرآن حکیم بندے اور رب کے تعلق کے بارے میں کیا وضاحت کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قرآن بندے اور رب کے تعلق کے بارے میں واضح کرتا ہے کہ رب بندے پر رحمت کرتا ہے،وہ بندے کے قریب ہے اس کی سنتا ہے،اس کے حالات جانتا ہے۔﴿2﴾ رب بندے کی مدد کرتا ہے،وہ اس کا ایسا سہارا بنتا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔﴿3﴾ رب بندے سے محبت کرتا ہے اور بندہ رب سے محبت کرتا ہے۔بندہ رب کا سہارا لیتا ہے اور رب بندے کو تھام لیتا ہے۔﴿4﴾ مومن رحمت رب کی ٹھنڈی چھاؤں میں زندگی بسر کرتا ہے تو اپنے آپ کو بے آسرا نہیں سمجھتا اور محفوظ پناہ گاہ میں اطمینان محسوس کرتا ہے۔

سوال5: ﴿قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ ''یقیناً ہدایت گمراہی سے صاف واضح ہو چکی'' یہ کہہ کر کس چیز کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''یقیناً ہدایت گمراہی سے صاف واضح ہو چکی'' یہ کہہ کر یہ توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ایمان کا راستہ،ہدایت کا راستہ ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ اسے اختیار کرے اور اس پر چلے۔﴿2﴾ اس سے یہ توجہ بھی دلائی جا رہی ہے کہ کفر گمراہی ہے لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اس سے نفرت کرے اور اس کی طرف نہ جائے۔

سوال6: ہدایت پر کون ہے؟

جواب: ہدایت پر وہ ہے جو طاغوت کا انکار کرے اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال7:﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾ ”چنانچہ جو باطل معبود کا انکار کرے“ طاغوت کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ ہر عقیدہ جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہ ہو طاغوت ہے۔﴿2﴾ ہر وہ قوت جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے روکے طاغوت ہے۔﴿3﴾ عمر بن خطاب نے کہا: طاغوت شیطان ہے۔﴿4﴾ محمد نے کہا: طاغوت ساحر ہے۔(تفسیر جامع البیان:20/3) ﴿5﴾﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾ جو شخص بھی غیر اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر، شیطان کی فرماں برداری کو ترک کرے وہ اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت پر قائم ہو سکتا ہے۔(تفسیر سعدی:367/1)

سوال8:﴿وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑا تھام لیا جس نے کبھی ٹوٹنا ہی نہیں“ مضبوط کڑا، مضبوط سہارا کون سا ہے؟

جواب:﴿1﴾﴿وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے“ جو طاغوت کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لے آئے تو وہ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت پر قائم ہو جائے گا۔﴿2﴾﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ ”تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا“ یعنی ایسا پختہ دین اختیار کیا جس کی بنیادیں بھی مضبوط ہیں اور عمارت بھی۔ وہ پورے اعتماد سے اس پر قائم رہتا ہے۔(تفسیر سعدی307/1)﴿3﴾ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول:﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ ”تو اس نے مضبوط کڑا تھام لیا“ کے بارے میں کہا: لا الہ الا اللہ ہے۔(جامع البیان:22/3)﴿4﴾ سدی نے کہا: عروۃ الوثقیٰ اسلام ہے۔﴿5﴾ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے عہد میں ایک خواب دیکھا جو آپ ﷺ سے بیان کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک باغ میں ہوں اور اس کی کشادگی اور سرسبزی کی تعریف کی، اور اس کے درمیان میں ایک لوہے کا ستون ہے جس کا پایہ زمین میں ہے اور سر آسمان میں، اس کے اوپر کی طرف ایک کڑا لگا ہے۔ تو مجھے کہا گیا کہ اس کے اوپر چڑھ۔ میں نے کہا کہ میں اتنی طاقت نہیں رکھتا (نہیں چڑھ سکتا) پھر ایک خدمت گار آیا اور اس نے پیچھے کی طرف سے میرے کپڑے اٹھا دیے، پس میں چڑھنے لگا یہاں تک کہ چوٹی پر پہنچ گیا اور میں نے وہ کڑا پکڑ لیا تو مجھ سے کہا گیا کہ مضبوطی سے تھامے رکھ۔ جب تک میں نیند سے اٹھا یہ کڑا تھامے رہا۔ میں نے یہ خواب نبی ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”باغ سے دین اسلام مراد ہے اور ستون سے مراد اسلام کا ستون (کلمہ شہادت یا پانچوں ارکان) اور کڑا عروۃ الوثقیٰ ہے اور تو اپنی موت تک اسلام پر قائم رہے گا۔“(صحیح بخاری:7014)

سوال9:﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ طاغوت کا انکار کرنے والے کے انکار اور ایمان لانے والے کے اقرار کو سننے والا سمیع ہے۔﴿2﴾ انسانوں کے کفر اور اپنی ذات پر ایمان کی حقیقت کا علم رکھنے والا علیم ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کے معاملے کو واضح کیا۔ اسی نے ہدایت اور گمراہی کی حقیقت سے آگاہ کیا، یقیناً وہ انسانوں کے معاملات کا جاننے والا علیم ہے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال کو جانتا ہے وہ اپنے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

علم کے مطابق بدلہ دے گا۔

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (257)﴾

’’اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں، وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، یہی لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔‘‘(257)

سوال1: ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ ’’اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ یہ آیت ایمان والوں کی اللہ تعالیٰ سے دوستی پر مشتمل ہے۔ وہ رب سے محبت رکھتے ہیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کفر، جہالت اور نافرمانیوں کے اندھیرے سے نکال کر ایمان اور علم کی روشنی میں پہنچاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ قبر کے اور حشر کے اندھیروں سے محفوظ رہ کر جنت میں پہنچ جاتے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ رب العزت نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴾ یقیناً تمہارے دوست اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ (المائدۃ:55) ﴿3﴾ ﴿ اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴾ بلاشبہ میرا مددگار وہ اللہ تعالیٰ ہے، جس نے یہ کتاب اتاری ہے۔ اور وہی نیک لوگوں کا مددگار بنتا ہے۔ (الاعراف:196) ﴿4﴾ سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ احد کے موقع پر ابوسفیان نے کہا: ’’ہبل بلند رہے۔‘‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’اس کا جواب دو۔‘‘ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ’’کیا جواب دیں؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’کہو، اللہ تعالیٰ سب سے بلند اور بزرگ و برتر ہے۔‘‘ ابوسفیان نے کہا: ’’ہمارے پاس عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اس کا جواب دو۔‘‘ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ’’کیا جواب دیں؟‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ’’کہو، اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی نہیں۔‘‘ (صحیح بخاری:4043) ﴿5﴾ ﴿ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ ﴾ ’’وہ ان کو اندھیروں سے نکالتا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ جہالت کی تاریکیوں سے، کفر سے نکالتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے، تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں، یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق و سلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں پھر وہ اسلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر:355/1)《6》《اِلَى النُّوْرِ》 ''روشنی کی طرف''(ا)ایمان(ب)اللہ تعالیٰ کے دین کا علم۔دونوں ہی وہ نور ہیں جن سے انسان دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتے ہیں۔《7》ظلمات ''اندھیروں'' سے مراد گمراہی کی حالت ہے اور ''نور'' سے مراد ہدایت ہے۔اس آیت سے یہ سمجھ آتی ہے کہ گمراہی کے راستے بہت سے ہیں جب کہ حق کا راستہ ایک ہے کیونکہ ایمان ایک ہے۔(البحر المحیط:618/2)《8》اسی جانب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے:《وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ》اور بلاشبہ یہی میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے چنانچہ تم اس کی پیروی کرو۔اور دیگر راستوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔یہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم بچ جاؤ۔(الانعام:153)

سوال2: اللہ تعالیٰ کو ولی بنانے والوں کے لئے کیا لازم ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کو ولی بنانے والوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اخلاص پیدا کریں۔《2》اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ادھر ادھر نہ بھٹکیں۔《3》خود کو اللہ تعالیٰ کی غلامی میں دے دیں۔《4》اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کریں۔

سوال3:《وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَـھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ》''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں،وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست باطل معبود ہیں'' کفر کرنے والوں کے دوست شیاطین ہیں۔(تفسیر بیضاوی:558_559/1)《2》《يُخْرِجُوْنَـھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ》''وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں'' مقاتل بن حیان نے اس آیت کے بارے میں کہا:اس سے مراد اہل کتاب ہیں جو محمد ﷺ کو پہچان گئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ وہ اپنی کتابوں میں ان کے بارے میں لکھا ہوا پاتے تھے۔وہ نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے ان پر ایمان رکھتے تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے کفر کیا،یہ ان کا نور سے نکلنا تھا یعنی محمد ﷺ پر ایمان لانے سے جن پر وہ پہلے ایمان رکھتے تھے،اور ظلمات سے مراد ان کا کفر ہے۔(ابن ابی حاتم:496/2)

سوال4:《اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ》''یہی لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یہی لوگ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' اہل ظلمات جن کے دلوں میں حق کا نور باقی نہ رہا ہو ان کے لیے وہ گھر ہوگا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔(تفسیر مراغی:389/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رکوع نمبر 35

﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ‌ۘ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحۡىٖ وَاُمِيۡتُ‌ ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاۡتِىۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىۡ كَفَرَ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ‌(258) ﴾

’’ کیا آپ نے اس کونہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت دی تھی ’’ جب ابراہیم نے کہا میرا رب تو وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے۔‘‘ اس نے کہا: ’’ میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں‘‘ ابراہیم نے کہا: ’’ اللہ تعالیٰ تو بلاشبہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے پھر تم اس کو مغرب سے نکال لاؤ‘‘ تو وہ حیران رہ گیا جس نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘(258)

سوال1:﴿ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِىۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِىۡ رَبِّهٖۤ ﴾ ’’ کیا آپ نے اس کونہیں دیکھا جس نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا‘‘ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کس نے جھگڑا کیا تھا؟

جواب: جھگڑا کرنے والے بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن سام بن نوح تھا۔ (ابن کثیر)

سوال2:﴿ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ﴾ ’’ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت دی تھی‘‘ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کس بنیاد پر جھگڑا کیا گیا تھا؟

جواب: نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا اور اس بناء پر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ حکومت پا کر اس میں رعونت، سرکشی آ گئی تھی جس کی بنا پر اس نے جھگڑا کیا۔

سوال3: نمرود بادشاہ کیسے بنا؟

جواب: قدیم بادشاہ لوگوں کو یہ یقین دلا کران پر حکومت کیا کرتے تھے کہ وہ خدا کا انسانی پیکر ہیں۔ نمرود کی قوم سورج کو دیوتاؤں کا سردار مانتی تھی اور اس کی پوجا کرتی تھی۔ نمرود نے کہا کہ وہ سورج دیوتا کا اوتار ہے اس لیے وہ لوگوں پر حکومت کرنے کا خدائی حق رکھتا ہے۔

سوال4:﴿ اَنۡ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ﴾ ’’ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت دی تھی‘‘ کہہ کر کس طرف توجہ دلائی جا رہی ہے؟

جواب:﴿1﴾ ’’ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حکومت دی تھی‘‘ یہ کہہ کر توجہ دلائی جا رہی ہے کہ بادشاہ اللہ تعالیٰ کے غلام ہوتے ہیں۔ بادشاہت اس لیے نہیں ملتی کہ لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا جائے اور ان سے اپنے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کروائی جائے۔﴿2﴾ بادشاہت کی وجہ سے شکر گزاری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا لیکن اس نے کفر اور طغیانی کا رویہ اختیار کیا۔ ایک مدت تک بادشاہت کرنے کی وجہ سے کبر و غرور میں مبتلا ہو گیا تھا اور شیطان نے اس کے دماغ میں یہ خیال بٹھا دیا تھا کہ وہی لوگوں کا رب ہے۔ اس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کی

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

ربوبیت کے بارے میں بحث کی اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ بھی وہی کام کرسکتا ہے۔﴿3﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی تھی کہ ہم سب کا معبود ایک ہے ہمارا خالق اور مالک صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے۔کوئی نہیں جو خدائی میں اس کا شریک ہو، وہ بے مثل ہے۔

سوال5: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کی دلیل دی کہ ﴿ **رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ** ﴾ ''میرا رب تو وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ **إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ** ﴾ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کے بارے میں واضح فرمایا۔﴿2﴾ ﴿ **رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ** ﴾ ''میرا رب تو وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے'' میرا رب تو وہ ہے جسے ہر کام کا اختیار حاصل ہے اسے زندگی اور موت پر اختیار ہے۔زندگی اور موت کی مثال اس لیے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے عظیم کام ہے۔زندگی دنیا کی ابتداء اور موت آخرت کی۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ زندگی عطا کرتا ہے، زندگی کو پیدا کیا، روح کو پیدا کیا، جسموں میں روح پھونک کر زندگی عطا کی۔وہی اللہ تعالیٰ دلوں کو زندگی عطا کرتا ہے۔وہی اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو ایمان عطا کر کے زندگی دیتا ہے۔وہی اللہ تعالیٰ عدم سے وجود میں لا کر ساری قوتیں اور صلاحتیں عطا کرتا ہے۔﴿4﴾ وہی موت سے ہم کنار کرتا ہے کیونکہ وہ موت کا مالک ہے، وہی موت کا خالق ہے، اسی کے فیصلے موت اور حیات کے لیے نافذ ہوتے ہیں۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ کے زندگی دینے سے مراد عدم سے وجود میں لانا ہے یعنی پہلے کچھ نہیں ہوتا پھر وہ حیات عطا کرتا ہے۔اس کے موت دینے سے مراد یہ ہے کہ سب کچھ موجود ہوتا ہے اور وہ مٹا ڈالتا ہے ختم کر دیتا ہے۔یعنی موجودات کا نہ ہونا۔پھر ہونا، پھر مٹ جانا، پیدا کرنے والے کی کھلی دلیل ہے کہ وہ ہے، بااختیار ہے، جو چاہے کرسکتا ہے۔تمام موجودات پر اسی کا قانون چلتا ہے۔﴿6﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ توحید کی دعوت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی واحد معبود ہے تو اس کے لیے ایجاد کائنات کی عقلی دلیل دی کہ چیزوں کی ایجاد اور فنا کے لیے کسی ذات کے وجود کی ضرورت ہے یعنی کوئی ایسا ہو جو موت اور حیات پر قادر ہو۔یہی اس کلی اختیار رکھنے والے، کلی تصرف رکھنے والے کے لیے دلیل ہے کہ کائنات میں تبدیلیاں یونہی نہیں آجاتیں وہی اللہ تعالیٰ جو زندگی اور موت پر قادر ہے تمہارا معبود ہے جس کی عبادت کی تمہیں دعوت دی جارہی ہے۔

سوال6: ﴿ **قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ** ﴾ ''اس نے کہا: ''میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں'' اس سے نمرود کے کس شبہ کا پتہ چلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اس نے کہا: ''میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں'' اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نمرود سمجھتا تھا کہ وہ اپنی قوم کا خودمختار حاکم ہے اس کے فیصلے قوم پر نافذ ہوتے ہیں۔وہ سمجھتا تھا کہ میں سزائے موت بھی دے سکتا ہوں اور معاف بھی کرسکتا ہوں تو گویا میں رب ہوں۔﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس نے اسی مجلس میں دو قیدی منگائے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔وہ موت اور زندگی کے راز کے بارے میں شبہ میں تھا۔(تیسیر الرحمٰن:180/1)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 7: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے توحید کے لیے دوسری دلیل دی کہ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ ''اللہ تعالیٰ تو بلاشبہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے پھر تم اس کو مغرب سے نکال لاؤ'' اس دلیل کا انتخاب کس وجہ سے کیا؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دلیل اس لیے دی کہ جو موت اور حیات پر قادر ہو وہ ہر تصرف پر بھی قدرت رکھتا ہے وہی ذرّوں کو پیدا کرتا ہے اور اپنے ارادے سے ان کی حرکات کو قائم کرتا ہے اس لیے انہوں نے نمرود کو دعوت دی کہ سارے ستاروں کو چھوڑ کر ایک سورج کی حرکت پر اپنے تصرف کو ثابت کردو۔ اگر تم سورج کی حرکت کنٹرول کرلو تو تم واقعی خدا ہو ورنہ جھوٹے ہو۔ اس دلیل پر نمرود حیران رہ گیا، اس کے پاس اس دلیل کا کوئی توڑ موجود نہیں تھا، اس طرح اس پر حجت قائم ہوگئی۔ ﴿2﴾ ہماری آنکھ روزانہ فطرت کا یہ نظارہ دیکھتی ہے کہ کبھی اس نظام میں کوئی خلل نہیں آیا۔ کائنات کی گواہی انسان کی فطرت کو اپیل کرتی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فطرت انسانی کا ہاتھ پکڑ کر چیلنج کیا تو نمرود کے پاس کوئی جواب نہیں رہ گیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے نمرود حریف نہیں تھا اس لیے وہ چاہتے تھے ایسی دلیل دیں جو اس کے دل کو اپیل کرے اس وجہ سے انہوں نے دل لگتی دلیل کا انتخاب کیا۔

سوال 8: ﴿فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ﴾ ''تو وہ حیران رہ گیا جس نے کفر کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا چیلنج سامنے آیا تو حق واضح ہوگیا، اب انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ایمان لے آتا لیکن اس نے انکار کیا اور کافرانہ رویہ اختیار کیا۔ کافر تکبر میں مبتلا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ حق کی طرف نہیں آپاتا، وہ حیران و پریشان رہ جاتا ہے، اسے نہیں سوجھتا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے، یہی کیفیت نمرود کی تھی۔ اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس کی دلیل غلط ثابت ہو گئی اور اس کا پیش کردہ شبہ کالعدم ہوگیا۔ جو جھوٹا بھی حق اور عناد کے ذریعے سے حق کا مقابلہ کرنا چاہے وہ اسی طرح مغلوب اور شکست خوردہ ہو جایا کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 308/1)

سوال 9: نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت سے اپنے اوپر زد پڑتے ہوئے کیوں محسوس کی؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رب کی طرف دعوت دی۔ اس عقیدے کے مطابق سورج ایک بے زور غلام ہے۔ اس طرح وہ اس عقیدے کی بنیاد کو ڈھا رہے تھے جس کے اوپر نمرود نے اپنا تخت بچھا رکھا تھا۔ اسی وجہ سے وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دشمن ہوگیا۔

سوال 10: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو سے انبیاء علیہم السلام کے طریقہ دعوت کے کون سے نکات پتہ چلتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ انبیاء علیہم السلام سوالوں کا تسلی بخش جواب دیتے ہیں، مناظرانہ انداز اختیار نہیں کرتے۔ ﴿2﴾ وہ فطرت انسانی کا ہاتھ پکڑ کر حکیمانہ دلائل دیتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کائنات کی گواہی پیش کرتے ہیں جو انسانی فطرت کو اپیل کرتی ہے۔ ﴿3﴾ انبیاء مخالفین کو اپنا حریف نہیں بلکہ مدعو سمجھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال11:﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾''اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ ظالموں کے دلوں میں قطعی دلائل کے لیے گنجائش نہیں بناتا، اس لیے کہ انہیں نہ ہدایت کے راستے کی تلاش ہوتی ہے نہ اس پر چلنے کا شوق ہوتا ہے۔﴿2﴾ سیدھے راستے پر آنا انسان کا حق ہے اور ظالم اپنے آپ کو اس حق سے محروم کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے حق کا راستہ نہیں سجھاتے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کفر اور گمراہی میں مبتلا رہنے دیتے ہیں کیونکہ وہ خود اپنے لیے اسی کو پسند کرتے ہیں۔ اگر کسی کا مقصد ہدایت حاصل کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے اور ہدایت تک پہنچنے کے اسباب بھی مہیا کر دیتا ہے۔

سوال12: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی چیز کو انسان مختلف معنوں میں لے سکتا ہے، واضح کریں؟

جواب:﴿1﴾ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور امتحان میں دونوں پہلو سامنے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ایک ہی چیز کو دو مختلف معنوں میں لیا جاسکے تاکہ امتحان کا مقصد پورا ہو سکے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے پاس دولت ہے وہ اس کو ایسے رخ سے بھی دیکھ سکتا ہے کہ اسے یہ اپنی صلاحیت اور محنت کا نتیجہ نظر آئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھے۔ ایسے ہی کسی شخص کو اقتدار ملا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی کامیابی کو اپنی محنت کا نتیجہ سمجھے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھے۔ دونوں مثالوں میں پہلی صورت ظلم کی ہے اور دوسری شکر کی۔﴿2﴾ جو شخص ظالمانہ مزاج رکھتا ہے اس کو ہر واقعے سے تکبر اور خود پسندی کی غذا ملے گی جس کی وجہ سے وہ مزید گمراہ ہوگا۔ گمراہی کی غذا تکبر اور خود پسندی ہے۔ شکر گزار کے لیے ہر واقعے میں ہدایت کا سامان ہوتا ہے۔ اس کے لیے ہر واقعے میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان ہوتی ہے۔ اس طرح اس کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے اس کے لیے ہر واقعے میں عاجزی کا سامان ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی کو پاتا ہے۔ دنیا اور اس کی ساری وسعتیں شکر گزار انسان کے لیے ایمانی رزق کا دسترخوان ہیں۔

سوال13: اس آیت کے کیا اسباق ہیں؟

جواب:﴿1﴾ یہ آیت قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق اور وہی مختار کل ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عبادت اور ہر حال میں توکل اس کا حق ہے۔ رب العزت نے فرمایا:﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ﴾ سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ کریں۔(ھود:123)﴿2﴾ ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا: اس مناظرے میں ایک باریک نقطہ ہے کہ دنیا میں شرک کا دارومدار ستاروں اور قبروں کی عبادت پر ہے۔ بعد میں انہی کے نام سے بت تراشے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں ان سب کی الوہیت کی اجمالاً تردید موجود ہے کیونکہ اللہ وحدہ لاشریک ہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے وہ زندہ جسے مر جانا ہے وہ زندگی میں معبود بننے کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ مرنے کے بعد کیونکہ اس کا ایک رب ہے، پھر جو قادر ہے، زبردست ہے، وہ اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرتا ہے جو ایسا مجبور ہو وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کی صورت کا بت بنایا جائے اور اس کی پوجا کی جائے۔ اسی طرح ستاروں کا حال ہے ان میں سے بڑا نظر آنے والا سورج ہے۔ یہ بھی حکم کا پابند ہے، اپنے بارے میں آزادی سے فیصلہ نہیں کرسکتا بلکہ اس کا خالق و مالک ہی اسے مشرق سے لاتا ہے تو اس کے حکم اور مرضی کے مطابق اطاعت کرتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے یعنی یہ بھی مربوب اور مسخر یعنی حکم کا پابند غلام ہے معبود نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔'' (مفتاح دار السعد ۃ:211,210/1) ﴿3﴾ حقیقت یہ ہے کہ ایمان انسان کے لیے اتنا اہم اور ضروری ہے جس قدر زندگی کے لیے کھانا، پینا اور ہوا ضروری ہے۔

﴿ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (259) ﴾

''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں کے اوپر اوندھی پڑی تھی، اس نے کہا: ''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ کرے گا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک موت دے دی، پھر اس کو زندہ کیا اور پوچھا: ''تم کتنی دیر رہے؟'' اس نے کہا، ''میں ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بلکہ تم سو سال تک رہے، سو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو وہ بالکل بھی خراب نہیں ہوئیں اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کیسے ہم ان کو اٹھا کر جوڑتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں'' پھر جب اس پر خوب واضح ہو گیا تو اس نے کہا: ''میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر واقعتاً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔'' (259)

سوال 1: ﴿ أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ﴾ ''یا اس شخص کی مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں کے اوپر اوندھی پڑی تھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ أَوْ كَالَّذِي ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت خدا کی دین ہے جسے چاہے دے اور جس طریق سے چاہے دے۔ نمرود کو تم نے دیکھا۔ کیونکہ دلائل ہی سے گھبرا گیا۔ اب اس شخص کا قصہ سنو جس نے جب تک موت و زندگی کو تجربۃً نہ دیکھ لیا یقین نہیں کیا۔ (سراج البیان:101/1) ﴿2﴾ غالباً وہ سیدنا عزیر تھے جن کا دور پانچویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ ﴿3﴾ کسی نے کہا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ مجاہد کا قول ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا ایک فرد تھا۔ اور یہی قول اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ واقعہ کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آدمی اللہ تعالیٰ کی اس قدرت میں شبہ کرتا تھا کہ وہ دوبارہ مردوں کو زندہ کرے گا اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ وہ نبی نہ تھا بلکہ ایک عام انسان تھا جسے بعث بعد الموت میں شبہ تھا۔ (تیسیر الرحمٰن:150/1) ﴿4﴾ ﴿ مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ ﴾ ''اس کا گزر ایک بستی پر ہوا'' وہ بستی بیت المقدس تھی جسے بخت نصر نے اجاڑا تھا۔ ﴿5﴾ ﴿ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ﴾ ''جو اپنی چھتوں کے اوپر اوندھی پڑی تھی'' خاوی یعنی خالی جگہ جہاں کوئی رفیق نہ ہو ﴿ عُرُوشِهَا ﴾ سے مراد اس کی عمارتیں ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿6﴾ ایک بستی ہے جو گر کر اپنی بنیادوں پر پڑی ہے، ریزہ ریزہ ہو چکی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔موت ، بوسیدگی اورٹوٹ پھوٹ کانقشہ پرتاثیرانداز میں نہایت رقّت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔یوں لگتا ہے سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہے۔انسان کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا؟اس تباہی میں سے تعمیر کیسے ابھرے گی؟

سوال2:﴿**قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا**﴾''اس نے کہا:''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ کرے گا؟''اس شخص کے دل میں یہ خیال کیوں آیا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا؟

جواب:اس شخص نے بیت المقدس کوویران دیکھ کر یہ سوچا کہ یہ شہرکتنا پررونق تھااس کی رونق خاک میں مل گئی۔اب اجڑنے کے بعد کیسے آباد ہوگا؟نہ کوئی انسان ہے،نہ مکان۔کھنڈرات کیسے آباد ہوں گے؟بیت المقدس کی ویرانی کے بارے میں سوچتے سوچتے یہ خیال آیا کہ اب یہ آباد کیسے ہوگا؟اسے یہ چیز ناممکن محسوس ہوئی،اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔

سوال3:﴿**فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ**﴾''تو اللہ تعالیٰ نے اس کوسوسال تک موت دے دی،پھراس کوزندہ کیااور پوچھا:''تم کتنی دیر رہے؟اس نے کہا،''میں ایک دن یااس کا کچھ حصہ رہا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿**فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ**﴾''تو اللہ تعالیٰ نے اس کوسوسال تک موت دے دی''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کوسوسال کے لیے سلادیا جس کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو کیسے زندہ کرے گا۔﴿2﴾﴿**ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ**﴾''پھراس کوزندہ کیااور پوچھا:''تم کتنی دیر رہے؟''پھراٹھایااور پوچھا کتناعرصہ اس حال میں رہے؟﴿3﴾﴿**قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ**﴾''اس نے کہا:ایک دن یااس کا کچھ حصہ''وہ دن نکلتے ہی فوت ہوگئے تھےاورغروب آفتاب کے وقت زندہ ہوئے اس لیے سمجھے کہ ایک دن گزرا اور ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا.اس لیے کہا کہ دن کا بھی کچھ حصہ رہا ہوں۔دوسرے یہ کہ اس کے احساسات ختم ہوچکے تھے.اسے صرف اپنی موت سے پہلی والی حالت یادتھی۔

سوال4:﴿**قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ**﴾''بلکہ تم سو سال تک رہے سواپنے کھانے پینے کی چیزوں کودیکھووہ بالکل بھی خراب نہیں ہوئیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿**قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ**﴾اللہ تعالیٰ نے جواب دیا بلکہ تم سو برس اس حال میں رہے ہو۔﴿2﴾﴿**فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ**﴾اپنے کھانے پینے کی طرف دیکھواس میں سے کچھ بھی خراب نہیں ہوا۔اس شخص کے پاس انگور،انجیراور کچھ پھلوں کارس تھاان میں سے کچھ خراب نہیں ہوا تھا نہ انگورخراب ہوئے نہ پھلوں کارس خراب ہوا حالانکہ وہ جلدخراب ہونے والی چیزیں ہیں اور سوسال گزرچکے تھے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ سوسالوں کی مدت گزرجانے کے باوجوداس نے کھانے پینے کی چیز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وں کو تبدیل یا خراب ہونے سے بچائے رکھا۔

سوال5:﴿ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے نشانی بنائیں'' اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے گدھے کو کس چیز کی نشانی بنا دیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے گدھے کو زندگی کے بعد موت کی نشانی بنا دیا۔ اس کا گدھا مر چکا تھا ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اس کی طرف توجہ دلائی اپنے گدھے کو دیکھو کیسے بوسیدہ ہو رہا ہے حالانکہ کھانے کی نسبت زندہ مخلوق دیر سے گلتی سڑتی ہے۔

سوال6:﴿ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ﴾ ''اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کیسے ہم ان کو اٹھا کر جوڑتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے گدھے کو کیسے ان کے سامنے زندہ کیا؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی آنکھوں کے سامنے گدھے کو زندہ کیا۔ گدھے کی ہڈیاں اٹھا کر اس میں جوڑیں پھر ان کے سامنے گدھے کا ڈھانچہ تیار کر دیا۔ پھر ان ہڈیوں پر گوشت پوست، رگیں اور پٹھے پیدا کر دیے پھر فرشتہ بھیجا اور اس نے گدھے کے نتھنوں سے روح پھونک دی اور گدھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہنہنانے لگا۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ایک شخص اور اس کے گدھے کو سو سال بعد زندہ کر دیا اور اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو خراب نہیں ہونے دیا اس سے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کرنے کو ثابت کیا ہے۔

سوال7:﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''جب اس پر خوب واضح ہو گیا تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر واقعتاً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ﴾ ''جب اس پر خوب واضح ہو گیا'' اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا علم ہو گیا۔ اس کے سامنے گدھے کو زندہ کیا گیا۔ ان کے سامنے زندگی کے بعد موت کا معاملہ واضح ہو گیا۔﴿2﴾﴿ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر واقعتاً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' آیت کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص موت کے بعد زندگی کا منکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ اسے ہدایت دے کر لوگوں کے لیے نشانی اور قیامت کی دلیل بنا دے۔ اس موقف کے تین دلائل ہیں (الف) اس نے کہا:﴿ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ''اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟'' اگر وہ نبی یا نیک بندہ ہوتا تو یوں نہ کہتا۔ (ب) اللہ تعالیٰ نے اس کی خوراک، اس کے مشروب، اس کے گدھے اور اس کی ذات میں اپنی نشانی دکھا دی، تا کہ وہ جس چیز کا انکار کرتا ہے اسے آنکھوں سے دیکھ کر اقرار کر لے۔ آیت میں یہ ذکر نہیں کہ وہ بستی بعد میں پہلے کی طرح آباد ہو گئی تھی۔ نہ سیاق کلام سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ نہ اس کا کوئی خاص فائدہ ہی ہے۔ ایک بستی جو بے آباد ہو گئی۔ بعد میں اس کے باشندوں نے واپس آ کر یا دوسرے لوگوں نے رہائش اختیار کر کے اسے آباد کر دیا تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا؟ اصل دلیل تو خود اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اوراس کے گدھے کوزندہ کرنے میں اوراس کے سامان خوردونوش کواصلی حالت میں باقی رکھنے میں ہے۔(ج)اللہ تعالیٰ نے فرمایا﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ﴾ ''جب اس کے لیے ظاہر ہوگیا'' یعنی جو چیزاسے معلوم نہیں تھی،اس سے مخفی تھی،وہ ظاہراور واضح ہوگئی۔اس سے معلوم ہوا ہماراقول صحیح ہے۔واللہ اعلم۔(تفسیرسعدی:311,310/1)﴿3﴾اس نے کہامیں جانتاہوں یعنی زندگی کے بعدموت کاعقیدہ رکھتاہوں آنکھوں سے دیکھ کرتوسب سے بڑھ کر جانتاہوں۔یہ یقین رکھتاہوں کہ اللہ تعالیٰ ہرچیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والے ہیں۔﴿4﴾﴿ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہرچیز پرواقعتاً پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ ''القدیر'' ہے کہ وہ تقدیر کا مالک ہے۔اس نے ہرچیز کواندازے سے پیدا کیا۔وہ موت اورزندگی کواندازے کے مطابق رکھتاہے۔کوئی انسان اس کی قدرت کااندازہ نہیں لگاسکتا نہ اس کی شان کے مطابق اس کی تعظیم کرسکتا ہے۔

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (260) ﴾

''اورجب ابراہیمؑ نے کہا:''اے میرے رب!مجھے دکھا کہ تو مردوں کوکیسے زندہ کرے گا؟''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اورکیا تویقین نہیں رکھتا؟''اس نے کہا:''کیوں نہیں؟لیکن اس لیے کہ میرادل مطمئن ہوجائے۔''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''توپرندوں میں سے چارلے کر انہیں اپنے سے مانوس کروپھرہرپہاڑ پران کاایک ٹکڑارکھ دوپھرانہیں بلاؤوہ تمہاری طرف بھاگتے چلے آئیں گے۔''اورجان لوکہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پرغالب،کمال حکمت والا ہے۔''(260)

سوال1:﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ﴾ ''اورجب ابراہیم علیہ السلام نے کہا:''اے میرے رب!مجھے دکھا کہ تو مردوں کوکیسے زندہ کرے گا؟''سیدناابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رضاپرراضی رہنے والے،خشوع وخضوع کرنے والے عبادت گزار پیغمبر تھے۔انہوں نے کہا کہ مالک!مجھے دکھادے کہ تو مردوں کوکیسے زندہ کرتاہے؟یہ شوق کس حقیقت کوظاہر کرتاہے؟

جواب: یہ ذوق وشوق ایک فطری امرہے۔اس شوق کاتعلق ایمان کی پختگی کے ساتھ نہیں ہے۔ایمان کے نتیجے میں مومن کے دل میں کئی قسم کے جذبات پیداہوتے ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ قدرت کے رازوں میں جھانکے۔یہ شوق بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سوال2: سیدناابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ سوال ﴿ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ﴾ ''اے میرے رب!مجھے دکھا کہ تو مردوں کوکیسے زندہ کرے گا؟''کیوں کیاتھا؟

جواب: سیدناابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہاتھا کہ میرارب زندہ بھی کرتاہے اورمارتابھی ہے اس لیے آپ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف جاناچاہتے تھے اورمشاہدہ کی طرف ترقی کرناچاہتے تھے کہ کہیں نمرود یہ نہ پوچھ لے کہ کبھی رب کومارتااورجلاتاہوادیکھابھی ہے اس لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے مشاہدہ زندگی بعد موت کے لیے دعا کی تھی۔(مختصر ابن کثیر:176/1)

سوال3:﴿قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اور کیا تو یقین نہیں رکھتا؟''اس نے کہا:''کیوں نہیں؟''اس کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا تھا یقین تو ہے مگر دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:''ابراہیم کی نسبت ہم اطمینان قلب کے زیادہ محتاج ہیں۔''(بخاری)

سوال4:﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ﴾''لیکن اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہوجائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یقین تو تھا لیکن حق الیقین کا مقام چاہتے تھے تاکہ ایمان میں اضافہ ہو یعنی دلائل سے انسان کا دل مطمئن ہوجاتا ہے کیونکہ دلائل سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور یقین کامل ہوجاتا ہے۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شک کرنے کا ہمیں ابراہیم رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق ہے، جب انہوں نے عرض کیا تھا کہ اے میرے رب! مجھے دکھادے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا، کیا تجھ کو یقین نہیں ہے؟ عرض کی یقین ضرور ہے، لیکن میں نے یہ درخواست اس لئے کی ہے کہ میرے دل کو اور اطمینان حاصل ہوجائے۔(صحیح بخاری:4537)﴿2﴾اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام شک میں مبتلا ہوتے تو ہم لوگ اس کے زیادہ قریب تھے اور جب ہم شبہ نہیں کرتے تو ابراہیم علیہ السلام کیسے شبہ کرسکتے تھے؟ قرطبی نے لکھا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے اس قسم کا شبہ جائز نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا﴾ میرے بندوں پر بلاشبہ تجھے کوئی اختیار نہیں اور آپ کا رب ہی کارساز کافی ہے۔(الاسراء:65)(تیسیر الرحمن)

سوال5:﴿قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا﴾''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو پرندوں میں سے چار لے کر انہیں اپنے سے مانوس کرو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تمہاری طرف بھاگتے چلے آئیں گے''اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے تخلیق کے راز کو کیسے واضح کیا؟

جواب:﴿1﴾﴿قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ﴾ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ چار پرندے لیں۔﴿2﴾﴿فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ﴾۔انہیں اپنے ساتھ مانوس کرلیں۔ان کی خصوصیات اور نشانیاں اچھی طرح سے جان لیں۔﴿3﴾﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ﴾''پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں بلاؤ'' پھر ذبح کرکے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔ان کے اجزا کو پہاڑوں پر بکھیر دیں پھر پکاریں۔ان میں زندگی لوٹ آئے گی۔﴿4﴾﴿يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا﴾''وہ دوڑ کر تمہاری طرف لوٹ آئیں گے''پوری قوت سے دوڑتے ہوئے اور تیزی سے اڑتے ہوئے۔سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ہی کیا۔اس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تخلیق کے راز کو پالیا۔انہیں مردوں کے زندہ ہونے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشاہدہ حاصل ہوگیا رب العزت نے فرمایا:﴿ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴾اور ابراہیم کو اسی طرح ہم آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت دکھاتے تھے تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔(الانعام:85)

سوال6: کیا زندگی اور موت کی حقیقت اور موت کے بعد زندگی کے راز کو انسان اپنی عقل سے پا سکتا ہے؟

جواب:﴿1﴾انسان کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور کثرت سے جہان سے جاتے ہیں لیکن عقل موت اور حیات کی حقیقت کو پانے سے عاجز ہے۔﴿2﴾انسانی عقل کے پاس موت اور حیات کی حقیقت کو پانے کے لیے زیادہ سے زیادہ جو ذریعہ ہے وہ زندگی کے آثار ہیں جن کو دیکھ کر انسان زندگی کا اندازہ لگا تا ہے۔انسان مرنے والوں کی موت کے آثار دیکھ کر موت کا اندازہ لگا تا ہے۔﴿3﴾موت کے بعد زندگی کو اللہ تعالیٰ نے ذہن پر نقش کیا ہے۔عقلی دلائل نہیں دیئے گئے ،ماضی کا کوئی واقعہ نہیں سنایا گیا،ذاتی تجربے سے گزار کر شعور دیا گیا۔سب سے زیادہ ذاتی تجربہ انسان کے شعور اور احساسات پر چھایا رہتا ہے،اور دل مطمئن ہو جاتا ہے مزید یقین دہانی کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

سوال7: انبیاء علیہم السلام کو غیب کے پردے کے پیچھے چھپے حقائق دکھانے کا خصوصی معاملہ کیوں ہوتا ہے؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کو غیب کا پردہ ہٹا کر اس لیے سب کچھ دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو ان چھپی ہوئی حقیقتوں سے باخبر کر سکیں اور ان کے بارے میں کہہ سکیں کہ ہم دیکھی ہوئی چیز سے باخبر کر رہے ہیں نہ کہ سنی ہوئی چیز سے۔

سوال8:﴿ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾''اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب،کمال حکمت والا ہے''اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ''عزیز''اور''حکیم'' کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی زندگی پر غلبے سے اپنے''عزیز''ہونے کا شعور دلایا ہے یقیناً جو ٹکڑے ٹکڑے گوشت کو پورے وجود کی شکل میں زندگی دیتا ہے وہ غالب ہے۔﴿2﴾ہر چیز اس کی قدرت کے دائرے میں ہے کوئی اس کا حکم نہیں ٹال سکتا۔جو وہ چاہتا ہے بغیر کسی رکاوٹ کے ہو جاتا ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ اپنے اقوال وافعال،اپنی شریعت میں بڑی حکمت والا ہے۔

رکوع نمبر36

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (261)﴾

''جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک دانے جیسی ہے جو سات خوشے اگا تا ہے،ہر خوشے میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا بڑھا تا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا،سب کچھ جاننے والا ہے۔''(261)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1: اس آیت کا سبب نزول کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ آیت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے غزوۃ تبوک میں انفاق کے بارے میں نازل ہوئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جب ایک ہزار اونٹ اور ایک ہزار دینار نبی ﷺ کے سامنے لا کر رکھے تو آپ ﷺ ان کو الٹتے پلٹتے رہے اور فرمایا: آج کے بعد عثمان کا کوئی فعل اسے نقصان نہیں دے گا۔ ﴿2﴾ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس چار ہزار درہم لے کر آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے۔ میں نے چار ہزار اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے روک لیے اور چار ہزار میں نے اپنے رب کو قرض دے دیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِيمَا أَمْسَکْتَ وَفِيمَا أَعْطَيْتَ اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں برکت دے جو آپ نے روک دیا اور جو آپ نے عطا کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (اسباب النزول للواحدی:47)

سوال2: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾ ”جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک دانے جیسی ہے جو سات خوشے اگاتا ہے، ہر خوشے میں سو دانے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک دانے جیسی ہے جو سات خوشے اگاتا ہے، ہر خوشے میں سو دانے ہیں“ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایک دانے سے دی گئی ہے جس کو بونے سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اس سے اللہ تعالیٰ یہ سمجھا رہے ہیں کہ اس کی راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے جتنا خلوص ہوگا اسی کے مطابق اس کا اجر زیادہ ہوگا۔ جو رب ایک دانے سے سات سو دانے نکال سکتا ہے، وہ ایک روپے کو ترقی دے کر سات سو بھی کر سکتا ہے۔

سوال3: انفاق فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: انفاق فی سبیل اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی کے لیے خرچ کیا جانے والا مال ہے۔ فی سبیل اللہ سے مراد ہر وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے۔ جہاد فی سبیل اللہ، مسلمانوں کو نفع پہنچانے والے اعمال، نفع مند علوم کی نشر و اشاعت اور فقراء و مساکین پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون اپنا مال خرچ کرتا ہے؟

جواب: رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝٢٩

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴾ یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز برباد نہیں ہوگی۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے اجر ان کو پورے کے پورے دے اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دے۔ یقیناً وہ بے حد بخشنے والا، نہایت قدر دان ہے۔(فاطر:29,30)

سوال5: انفاق کو بیج سے تشبیہ دے کر رب العزت نے کس طرح انسانی فطرت کو جھنجوڑا ہے؟

جواب:﴿1﴾اس مثال کے ذریعے عمل کے ثواب میں اضافے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ رب العزت نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر پیش کیا ہے۔﴿2﴾اس حقیقت کے خوب صورت اظہار کی وجہ سے انسانی شعور میں جوش وخروش پیدا ہوتا ہے اور انسانی ضمیر جاگ اٹھتا ہے۔﴿3﴾انسان کے سامنے زندہ ہری بھری فصل آتی ہے۔﴿4﴾انسان کے سامنے عام لیکن عجیب تجربہ آتا ہے۔﴿5﴾اس زندہ منظر کی وجہ سے انسان کا ضمیر بھی سخاوت کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور انسان اپنا سب کچھ لگانے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔﴿6﴾انسان کو اپنے کیے کا اتنا پھل ملنے کا یقین ہوجاتا ہے۔ اس طرح وہ اور زیادہ خرچ کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔

سوال6: انفاق کو بیج سے تشبیہ دے کر ہمیں کیا سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے؟

جواب: انسان کا عمل بیج کی طرح ہے جو اچھا بھی ہوسکتا ہے اور برا بھی۔ زمین بھی اچھی بری ہوسکتی ہے۔ انسان دنیا کی زمین میں ڈالے گا تو یہیں پھل پائے گا، آخرت کی زمین میں انفاق کا بیج ڈالے گا تو آخرت میں کئی گنا پھل پائے گا۔

سوال7: انفاق کے لیے نبی ﷺ نے کیسے ترغیب دلائی ہے؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ کہ (میری راہ میں) خرچ کرو تو میں بھی تم پر خرچ کروں گا“ اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات اور دن کے مسلسل خرچ سے بھی یہ کم نہیں ہوتا“ اور فرمایا: ”تم نے دیکھا نہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا ہے، مسلسل خرچ کیے جارہا ہے لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان عدل ہے جسے وہ جھکاتا اور اٹھاتا رہتا ہے۔“ (صحیح بخاری:4684)

سوال8:﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا بڑھاتا ہے“ وہ کون سا انفاق ہے جو بڑھتا ہے؟

جواب: ”اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا بڑھاتا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے۔ وہ انفاق بڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ کیا جائے۔ انفاق خرچ کرنے والے کے حالات، اس کے اخلاص یا خرچ کی کیفیت، منافع اور موقع پر ہونے کی مناسبت سے بڑھتا ہے۔﴿1﴾عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهٗ سَبْعُ مِائَةِ ضِعْفٍ۔ سیدنا خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے اس کے لیے سات سو گنا اجر لکھا جاتا ہے۔'' (جامع ترمذی:1625)《2》سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی ایک اونٹنی لے کر آیا جس کو مہار ڈالی ہوئی تھی۔ عرض کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں (صدقہ) ہے تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے پاس قیامت کے دن اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ہوں گی جن کی مہار ڈالی ہوئی ہوگی۔'' (صحیح مسلم:4897)

سوال9: دنیا کے لیے کیا جانے والا خرچ کس نوعیت کا ہوتا ہے؟

جواب:《1》جس مال کو خرچ کر کے انسان دنیا کا فائدہ چاہے مثلاً دنیا میں شہرت، عزت وغیرہ۔《2》دنیا کے لیے کیے جانے والے خرچ کا بدلہ دنیا میں مل جاتا ہے۔《3》دنیا کے لیے کیے جانے والے خرچ کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

سوال10: آخرت کے لیے کیا جانے والا خرچ کس نوعیت کا ہوتا ہے؟

جواب:《1》جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے مال خرچ کرتا ہے وہ کسی پر بھی احسان نہیں جتاتا۔《2》اگر کسی سوال کرنے والے کو نہ دیا جا سکے تو اسے برا بھلا بھی نہیں کہتا۔《3》اس کے مال خرچ کرنے پر لوگ اچھا response نہ دیں تو وہ ناراضگی کا اظہار نہیں کرتا کیونکہ اس کے دل کو یقین ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے بدلہ لینا ہے۔《4》نہ دے سکنے کی صورت میں نرمی سے معذرت کر لیتا ہے کیونکہ اس کے دل کو یقین ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے رب کے سامنے کہہ رہا ہوں۔

سوال11: اللہ تعالیٰ《**وَاسِعٌ**》''بڑی وسعت والا ہے'' کی وضاحت ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ《**وَاسِعٌ**》بڑی وسعت والا ہے، اس کی عطا میں کمی نہیں۔《2》وہ وسعت والا ہے اس کا ہاتھ تنگ نہیں کہ کسی مومن کا عمل جتنی ترقی کر سکتا ہو اتنی ترقی نہ دے۔《3》اللہ تعالیٰ کا فضل وسیع ہے، اس کی وسعت کبھی ختم ہونے والی نہیں، اس کی عطا بے حساب ہے لہٰذا خرچ کرنے والے کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ اس کے لیے کوئی انعام مشکل ہے۔

سوال12: اللہ تعالیٰ کے《**عَلِيْمٌ**》''سب کچھ جاننے والا'' ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ہے کہ جو خرچ کیا جائے اسے معلوم ہی نہ ہو کہ کون دوگنے چوگنے ثواب کا مستحق ہے۔《2》اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے کہ اسے انسان کے سچے جذبوں کی خبر ہی نہ ہو اور ان کا اجر مارا جائے۔《3》اللہ تعالیٰ نیتوں کا حال جانتا ہے، وہ اپنے علم کی وجہ سے نیکی اور نیتوں پر اجر دیتا ہے کیونکہ اس کا علم اور حکمت کامل ہے۔

《اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (262)》

''وہ جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں پھر جو انہوں نے خرچ کیا اس کے پیچھے نہ کسی طرح کا احسان جتلانا لاتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور نہ ہی کوئی تکلیف پہنچانا، ان کے لئے ان کا اجران کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"(262)

سوال1: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "وہ جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں" انفاق فی سبیل اللہ سے اللہ تعالیٰ کن مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ انفاق کرنے والے کا نفس پاک ہو جائے۔ ﴿2﴾ انفاق کرنے والے کو اخلاقی پاکیزگی نصیب ہو جائے۔ ﴿3﴾ انفاق کرنے والے کے نفس کی اصلاح ہو جائے۔ ﴿4﴾ معاشرے کے افراد کے درمیان محبت پیدا ہو جائے۔ ﴿5﴾ انفاق کرنے والا خالص اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے صدقہ دے۔

سوال2: انفاق کے فوائد حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ذہن کو کیسے تیار کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ یہ واضح فرماتے ہیں کہ سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے اور مال و دولت اسی کی ملکیت میں ہے۔ ﴿2﴾ دولت کے حصول کے قریبی اور دور کے سارے اسباب اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ ﴿3﴾ دولت کے حصول کا کوئی ذریعہ انسان کے کنٹرول میں نہیں ہے۔ ﴿4﴾ دولت والے اس رزق کے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے محافظ اور امین ہیں۔ ﴿5﴾ دولت والا اگر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرتا ہے۔ ﴿6﴾ اگر کوئی مال خرچ کر کے نیکی کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر دیں گے۔ ﴿7﴾ صدقہ دینے والے کے لیے صدقہ لینے والا اجر کا باعث بنتا ہے۔ ﴿8﴾ صدقہ کرنے سے نہ مال کم ہوتا ہے نہ ضائع ہوتا ہے۔ ﴿9﴾ انفاق کرنے کی بیش بہا فوائد سے ترغیب دی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مال خرچ کرتے ہیں اور اس کے بعد ایسے کام نہیں کرتے جس سے عمل ضائع ہو جائے یا اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے مثلاً احسان جتلانا اور زبانی اور عملی طور پر ایذا دینا تو ایسے لوگوں کا اجران کے رب کے پاس ہے۔

سوال3: ﴿ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى﴾ "پھر جو انہوں نے خرچ کیا اس کے پیچھے نہ کسی طرح کا احسان جتلاتے ہیں اور نہ ہی کوئی تکلیف پہنچانا" احسان جتلانا اور ایذا دینا کیسا عمل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ احسان جتلانے سے مراد ہے جس پر صدقہ کیا ہو اس کے سامنے صدقے اور اس کی تعداد کا ذکر کرنا اور اس پر اپنی بڑائی ثابت کرنا۔ ﴿2﴾ احسان جتلانا ایک ناپسندیدہ، گھٹیا اور مکروہ کام ہے۔ ﴿3﴾ جس پر احسان جتلایا جاتا ہے اس کے لیے باعث اذیت ہے۔ ﴿4﴾ جو احسان جتلاتا ہے وہ تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ﴿5﴾ "اَذًى" "تکلیف پہنچانے سے مراد یہ کہنا ہے کہ میں نے تمہیں فلاں فلاں چیز نہیں دی اور یہ کہ میں نے تم پر اس اس طرح سے خرچ نہیں کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال4: انسان کب احسان جتلاتا ہے؟

جواب:《1》انسان تب احسان جتلاتا ہے جب وہ جھوٹے احساس برتری میں مبتلا ہو اور یہ چاہے کہ لوگ اسے اچھا کہیں۔《2》جب وہ یہ چاہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں۔《3》جب وہ یہ چاہے کہ لوگ اس کے انفاق کو پسندیدہ نظروں سے دیکھیں۔《4》جب اس کے دل میں غرور و تکبر ہو۔《5》جب اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ وہ اپنے بھائی کو ذلیل ورسوا کرے۔《6》جب اس کا دل پاک نہ ہو اس میں بخل اور حرص ہو۔《7》احسان جتلانے والے کے دل میں نفاق، ریاکاری اور اللہ تعالیٰ سے دوری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

سوال5: جس پر احسان جتلایا جاتا ہے اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟

جواب:《1》وہ اپنے آپ کو کم تر اور برے حالات میں محسوس کرتا ہے۔《2》اس کے دل میں حقارت اور انتقام کے جذبات پروان چڑھتے ہیں۔《3》افرادِ معاشرہ کے درمیان دشمنیاں اور نفرتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ماہر نفسیات اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ احسان جتلانے والا اور جس پر احسان جتلایا جاتا ہے دونوں کے درمیان کسی موڑ پر دشمنی ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ جو احسان جتلاتا ہے وہ تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس پر احسان کیا جاتا ہے اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے۔یہ احساس ہر وقت اس کے اندر چھپا رہتا ہے اور اس پر غلبہ پانے کے لیے وہ احسان کرنے والے پر بھی حملہ آور ہو جاتا ہے۔《4》احسان جتلانے سے انفاق فی سبیل اللہ زہر اور آگ بن جاتا ہے جس سے دشمنی پھوٹ نکلتی ہے۔《5》احسان جتلانے سے انفاق اذیت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور بے اثر ہو جاتا ہے۔

سوال6: احسان جتلانے سے کیوں روکا گیا؟

جواب: احسان جتلانے سے اس لئے روکا گیا تاکہ《1》کوئی دینے والا احسان جتلا کر تکبر نہ خریدے۔《2》کوئی لینے والا صدقہ لے کر احساس کم تری کا شکار نہ ہو۔《3》احسان جتلانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور احسان جتلانے والا ان تین لوگوں میں سے ہے جن کی طرف قیامت کے دن نہ اللہ تعالیٰ دیکھے گا نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ”تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک وصاف کرے گا (معاف کرے گا) اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین بار یہ فرمایا۔سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ لوگ تو سخت نقصان اور خسارے میں ہوں گے، یہ کون لوگ ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا اور دے کر احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔“ (صحیح مسلم:293)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال7: انفاق فی سبیل اللہ کے معاشرے کو کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

جواب:《1》معاشرے کے افراد کے درمیان اچھے تعلقات پروان چڑھتے ہیں۔《2》وہ ایک دوسرے کے ہمدرد ہوجاتے ہیں۔《3》وہ ایک دوسرے کے لیے فراخ دل ہوجاتے ہیں۔《4》وہ ایک دوسرے کے لیے عالی ظرف ہوجاتے ہیں۔《5》وہ ایک دوسرے کے لیے خودغرضی، بخل، تنگدلی اور سنگدلی کا مظاہرہ نہیں کرتے۔《6》وہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔《7》اسلامی معاشرے میں وحدت پیدا ہوتی ہے۔《8》اسلامی معاشرے کے رجحانات ایک جیسے ہوجاتے ہیں۔《9》افراد معاشرہ میں ہم آہنگی ہوجاتی ہے۔《10》اسلامی معاشرے کے افراد کے فرائض اور ذمہ داریوں میں یک سوئی پیدا ہوجاتی ہے۔《11》وہ ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت کرتے ہیں۔

سوال8:《لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ》''ان کے لئے ان کا اجران کے رب کے پاس ہے اوران پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''ان کے لئے ان کا اجران کے رب کے پاس ہے اوران پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے'' جو انفاق فی سبیل اللہ میں احسان نہیں جتلاتے اور تکلیف نہیں دیتے، ان کو اللہ تعالیٰ ان کے شایان شان اجر عطا فرمائیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا نیک کام کیا جو اس کو ضائع کرنے والے اسباب سے پاک تھا۔《2》اوران پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔اس لیے کہ انہوں نے اپنے رب کی رضا کے لیے صدقہ کیا اور احسان جتلانے اور تکلیف دینے سے بچے۔

سوال9: صدقہ کرنے والے کو کس چیز کا خوف اور غم نہیں ہوگا؟

جواب:《1》صدقہ کرنے والے کو مال کم ہونے کا خوف اور غم نہیں ہوگا۔《2》صدقہ کرنے والے کا نہ اجر ضائع ہوگا، نہ ہی ضائع ہونے کا خوف اور غم ہوگا۔《3》صدقہ کرنے والے کو نہ دنیا میں کوئی غم ہوگا اور نہ آخرت میں برے انجام سے پریشانی ہوگی۔

سوال10: انفاق کے انفرادی فوائد کیا ہیں؟

جواب:《1》انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو اپنا ذاتی فائدہ سمجھنے لگتا ہے《وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ》اور خیر میں سے جو کچھ تم خرچ کروگے وہ تمھارے ہی لیے ہے۔(البقرہ:272)《2》انفاق فی سبیل اللہ برائیوں کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔《وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ》اور وہ (اللہ تعالیٰ) تمہاری کچھ برائیاں تم سے دور کردے گا۔(البقرہ:271)《3》انسان اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیے گئے مال کو پھلتا پھولتا محسوس کرنے لگتا ہے۔

سوال11: انفاق کے معاشی فوائد کیا ہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:《1》اللہ تعالیٰ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشو ونما دیتا ہے۔《2》جس معاشرے کے خوش حال افراد ضرورت سے زائد غریبوں کو دے دیں تا کہ وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں یا کاروباری لوگوں کو بلا سود قرضے دے دیں یا شراکت کے اصول پر نفع ونقصان کے حصہ دار بن جائیں یا حکومت کے پاس جمع کروائیں کہ وہ اجتماعی خدمات کے لیے استعمال کرے، اس سوسائٹی کی تجارت، صنعت اور زراعت میں بے انتہا اضافہ ہوگا۔

سوال12: انفاق کے کیا مقاصد ہیں؟

جواب:《1》انسانیت کی فلاح۔《2》انسانیت کی بہتری۔《3》انسانیت کا امن۔《4》انسان کی اچھی زندگی۔

سوال13: انفاق کے معاشرتی فوائد کیا ہیں؟

جواب:《1》انفاق کی وجہ سے معاشرے میں بے روزگاری ختم ہوجاتی ہے۔《2》معاشرے میں جرائم پروان نہیں چڑھتے۔《3》معاشرے کے افراد کے اخلاق بہتر ہوتے ہیں۔《4》اللہ تعالیٰ سے تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اور دین کے کام ہونے لگتے ہیں۔《5》معاشرتی تعلقات میں بہتری آتی ہے۔《6》جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے دشمن قوموں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا جاتا ہے۔

سوال14: انفاق کے اخلاقی فوائد کیا ہیں؟

جواب: انفاق کی وجہ سے انسان کے اخلاق اچھے ہوجاتے ہیں۔《1》انسان ہمدرد ہوجاتا ہے۔《2》انفاق کرنے والوں میں فراخ دلی پیدا ہوجاتی ہے۔《3》اچھی صفات پروان چڑھتی ہیں۔

《قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ(263)》

”اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے کسی طرح کی اذیت پہنچانا ہو اور اللہ تعالیٰ بہت بے پرواہ، بے حد بردبار ہے۔“(263)

سوال1:《**قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى**》”اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے کسی طرح کی اذیت پہنچانا ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》قول معروف سے مراد سوال کرنے والے سے نرمی اور شفقت سے بات کرنا اور دعائیہ کلمات سے جواب دینا ہے۔《2》کلبی نے کہا اس سے مراد وہ نیک دعا ہے جو کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں کرتا ہے۔(تفسیر مظہری:39/2)《3》کلمہ طیبہ صدقہ ہے اور آپ کا اپنے بھائی سے مسکراتے چہرے سے ملنا صدقہ ہے۔(مسلم:2626)《4》《**قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ**》سے مراد وہ پاک کلام ہے جو کسی محتاج ضرورت مند کے لیے کہا جائے مثلاً ”اللہ یرزقنا وایاکم“ ”اللہ تعالیٰ ہمیں بھی رزق دے اور آپ کو بھی۔“ ”اللہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کریم" اللہ تعالیٰ کریم ہے" اللہ یفتح علینا وعلیک" اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کشادگی عطا فرمائے اور آپ کو بھی۔(ایسر التفاسیر:140,141)《5》قول معروف جس کو دل پہچانتے ہیں اور اسے ناپسند نہیں کرتے۔اس میں ہر اچھی بات شامل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے دل کی خوشی کا باعث بننا کارِ ثواب ہے۔اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سائل کو جواب دینا ہو تو اچھے الفاظ سے جواب دیا جائے اور اسے دعا دی جائے۔(تفسیر سعدی:314/1)《6》《وَّمَغْفِرَةٌ》"اور درگزر کرنا" مغفرت سے مراد ہے سوال کرنے والے کے فقر اور اس کی ضرورت کا لوگوں کے سامنے اظہار نہ کرنا اور اس کی پردہ پوشی کرنا۔اسی طرح سوال کرنے والے کے منہ سے اگر کوئی بات نکل جائے تو اس سے چشم پوشی کرنا۔سائل برابر پیچھے پڑا رہے اور اس کی باتیں نفس پر گراں گزریں تو اس وقت اس سے درگزر کرنا اور اسے معاف کر دینا ہی خوبی کی بات ہے۔(تفسیر مراغی)《7》مغفرت یعنی درگزر کرنے سے مراد ہے مواخذہ نہ کرنا۔《8》《خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى》"اس صدقے سے بہتر ہے جس کے پیچھے کسی طرح کی اذیت پہنچانا ہو" سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "ہر مسلمان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔" لوگوں نے پوچھا: "اے اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ! اگر کسی کے پاس کچھ نہ ہو؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر اپنے ہاتھ سے کچھ کما کر خود کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔" لوگوں نے کہا کہ "اگر اس کی طاقت نہ ہو؟" فرمایا کہ "پھر کسی حاجت مند فریادی کی مدد کرے۔" لوگوں نے کہا کہ "اگر اس کی بھی سکت نہ ہو؟" فرمایا: "پھر اچھی بات پر عمل کرے اور بری باتوں سے باز رہے، اس کا یہی صدقہ ہے۔"(صحیح بخاری:1445)

سوال2: اچھی بات کہنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب:《1》قول معروف (اچھی بات) سے دل کے زخم بھر جاتے ہیں۔《2》اچھی بات سے دل کو خوشی ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ آدمی سب سے زیادہ پسند ہے جو دوسروں کو خوشی پہنچائے۔《3》اچھی بات سے ملنے والی خوشی کا جواب آتا ہے۔

سوال3: درگزر کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب:《1》درگزر کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے صدقہ قرار دیا ہے۔《2》دل کا میل دور ہو جاتا ہے یعنی بغض، کینہ وغیرہ۔《3》بھائی چارہ اور دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔《4》نفس میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔《5》آپس کے تعلقات بہتر ہو جاتے ہیں۔

سوال4:《وَاللَّهُ غَنِيٌّ》"اور اللہ تعالیٰ بہت بے پرواہ ہے" اللہ تعالیٰ کے بے پرواہ ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ《غَنِيٌّ》"بے پرواہ ہے" وہ کبھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔《2》اللہ تعالیٰ《غَنِيٌّ》"بے پرواہ ہے" وہ اپنی مخلوق سے بے پرواہ ہے اسی لیے انہیں سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔《3》اللہ تعالیٰ《غَنِيٌّ》"بے پرواہ ہے" وہ کسی بھی دیئے جانے والے صدقے سے بے پرواہ ہے۔《4》اللہ تعالیٰ《غَنِيٌّ》"بے پرواہ ہے" وہ ایسے صدقے سے بے پرواہ ہے جس کے ساتھ ایذا دینا شامل ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال5:اللہ تعالیٰ ﴿حَلِيْمٌ﴾ ’’بے حد بردبار ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ ﴿حَلِيْمٌ﴾ ’’بے حد بردبار ہے‘‘ وہ انسان کو وجود دیتا ہے، رزق دیتا ہے، اور وہ اس کا شکر ادا نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ فوراً سزا نہیں دیتا۔ انسانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بردباری سیکھیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ دیں تو جتلانا نہ شروع کر دیں اور اذیت دینا نہ شروع کر دیں کہ احسان مند تو شکر ادا کر رہا ہو اور اس کی کسی ناپسندیدہ بات کی وجہ سے یہ اذیت دے رہے ہوں۔﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا الحلیم وہ ہے جو اپنے حلم میں کامل ہے۔ (الدر المنثور:599/1)﴿3﴾اللہ تعالیٰ ﴿حَلِيْمٌ﴾ ’’بے حد بردبار ہے‘‘ جو اس کی نافرمانی کرے اسے فوراً سزا نہیں دیتا حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتا ہے لیکن اس کی رحمت، احسان اور بردباری اسے گناہ گاروں کو فوری سزا دینے سے مانع ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ انہیں مہلت دیتا ہے انہیں مختلف انداز سے اپنی آیات سناتا اور دکھاتا ہے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ البتہ جب یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں میں خیر کی کوئی رمق نہیں رہی اور انہیں آیات سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا پھر ان پر عذاب نازل فرما دیتا ہے اور اپنے عظیم ثواب سے محروم فرما دیتا ہے۔ (تفسیر سعدی:314/1)

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ(264)﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے سے ضائع نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی مثال جیسی ہے جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس پر زوردار بارش پڑے تو اس کو ایک سخت چٹان چھوڑ جائے، جو انہوں نے کمایا اس میں سے کسی چیز پر وہ قدرت نہیں رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘(264)

سوال1:﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے سے ضائع نہ کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب :﴿1﴾یہاں انفاق کے دو اہم آداب بتائے گئے ہیں۔(i)مَنًّا احسان نہیں جتلانا۔ (ii)﴿وَالْاَذٰى﴾ تکلیف نہیں دینی۔﴿2﴾اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں اور گناہوں کے نتیجے میں نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں جیسے رب العزت کا ارشاد ہے:﴿وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾ نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو اور نہ اس سے بات کرنے میں آواز بلند کیا کرو جیسے تم میں سے بعض، بعض کے لیے آواز بلند

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تم شعور نہ رکھتے ہو۔(الحجرات:2)ایک اور مقام پر فرمایا:﴿وَلَا تُبْطِلُوٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔(محمد:33)﴿3﴾سدی نے کہا: احسان جتلانے اور تکلیف پہنچانے سے صدقات ضائع ہو جاتے ہیں جیسے ریا کاری سے صدقہ ضائع ہو جاتا ہے۔(ابن ابی حاتم:517/2)﴿4﴾صدقات کا ثواب ضائع نہ کرلو جیسے ریا کار کے صدقے کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا۔(زادالمسیر:276/1)

سوال2:﴿كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾''اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا''اس سے مراد ہے کہ صدقات کا ثواب ضائع نہ کرلو جیسے منافق ریا کاری سے صدقے کا ثواب ضائع کر لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کا ارادہ نہیں رکھتا۔اس طرح منافق اور ریا کار کے عمل میں مماثلت ہو جاتی ہے۔

سوال3:ریا کاری سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ریا کاری سے مراد دکھاوے کے لیے کیا جانے والا عمل ہے جس میں نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ ہوتا ہے نہ اس سے اجر وثواب کی امید ہوتی ہے۔﴿2﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب سے زیادہ شرک سے لاپرواہ ہوں۔اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جس کے اندر کسی دوسرے کو میرا ساجھی قرار دیتا ہے(یعنی خالص میری رضا کے لیے نہیں کرتا) تو میں اس کو اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔(مسلم)﴿3﴾محمود بن لبید راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ اندیشہ شرک اصغر کا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ریا کاری۔(مسنداحمد)

سوال4:ریا کاری کون کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾جس دل کے اندر ایمان کی تازگی نہیں ہوتی وہ چاہتا ہے کہ اپنی نیکی کا اظہار کرے اس طرح وہ دکھاوے کے لیے عمل کر کے ریا کاری کرتا ہے جس میں نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ ہوتا ہے اور نہ اس سے اجر وثواب کی امید ہوتی ہے۔﴿2﴾جس شخص کو ایمان کی مٹھاس کا شعور نہیں ہوتا وہ ریا کاری کرتا ہے۔﴿3﴾جس کا دل گناہ اور غلطیوں سے سخت ہوتا ہے اس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال لگائے اس طرح وہ دکھاوے کے لیے عمل کر کے ریا کاری کرتا ہے۔

سوال5:ریا کاری سے کیے گئے صدقے کا کیا مقام ہے؟

جواب:ایسا صدقہ صرف مال کا ضیاع ہے جس سے کچھ ہاتھ نہیں آتا، ہاں نیکی برباد اور گناہ لازم ہو جاتا ہے۔عَنْ شَدَّادَ بْنِ اَوْسٍ رضی اللہ عنہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ : مَنْ صَلّٰى يُرَآئِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَآئِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَآئِيْ فَقَدْ اَشْرَكَ ۔ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کا صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔'' (مسند احمد، الترغیب والترھیب: حدیث43)

سوال6: دنیا میں ریاکار کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ ایمان نہیں رکھتا پھر آخرت میں اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے دن جس کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہوگا۔ اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی۔ وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟'' وہ کہے گا: ''میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو اس لیے لڑتا رہا کہ تجھے بہادر کہا جائے اور تحقیق وہ کہا جا چکا۔'' پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ دوسرا شخص وہ ہوگا جس نے علم حاصل کیا اور اسے لوگوں کو سکھایا اور قرآن کریم پڑھا اسے لایا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی۔ وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟'' وہ کہے گا: ''میں نے علم حاصل کیا، پھر اسے دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن مجید پڑھا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے جھوٹ کہا، تو نے علم اس لیے حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو یہ کہا جا چکا۔'' پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ تیسرا وہ شخص ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے وسعت کی تھی اور اسے ہر قسم کا مال عطا کیا تھا۔ اسے بھی لایا جائے گا اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی۔ وہ انہیں پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟'' وہ کہے گا: ''میں نے تیرے ہر راستے میں جس میں مال خرچ کرنا تجھے پسند ہو، تیری رضا حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے جھوٹ کہا بلکہ تو نے ایسا اس لیے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے سو وہ کہا جا چکا۔'' پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: 4923)

سوال7: ﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا﴾ ''تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی مثال جیسی ہے جس پر کچھ مٹی ہو، پھر اس پر زوردار بارش پڑے تو اس کو ایک سخت چٹان چھوڑ جائے، جو انہوں نے کمایا اس میں سے کسی چیز پر وہ قدرت نہیں رکھیں گے'' ریاکار کے صدقے کی مثال کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ﴾ ''تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی مثال جیسی ہے'' ریاکار کے صدقے کی مثال ایک صاف

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

چٹان کی مثال ہے۔چٹان سے مرادسنگ دلی ہے،نیت اور جذبے کی خرابی ہے۔جیسے چٹان پر کچھ اگنا ممکن نہیں ہوتا، ایسے ہی نیت کی خرابی کے ساتھ کوئی نیک عمل پھلتا پھولتا نہیں ہے۔اس کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے نہ آخرت میں۔ریاکار کا صدقہ دراصل ایک پردہ ہے جو دل کی سختی پر اور نفاق پر ڈالا جاتا ہے تاکہ مومنوں میں شمار ہو سکے اور لوگ اس کی مدح کریں اور اس کا شکر ادا کریں۔﴿2﴾ ﴿عَلَيْهِ تُرَابٌ﴾ ''جس پر کچھ مٹی ہو''مٹی کی تہہ سے مراد نیکی کی ظاہری شکل ہے۔﴿3﴾ ﴿فَأَصَابَهُ وَابِلٌ﴾ ''پھر اس پر زوردار بارش پڑے''زوردار بارش سے مراد صدقہ ہے۔﴿4﴾ ﴿فَتَرَكَهُ صَلْدًا﴾ ''تو اس کو ایک سخت چٹان چھوڑ جائے''بارش ہونے پر زمین کو لہلہانا چاہیے لیکن پتھروں پر سے تو بارش مٹی ہی بہا کر لے جاتی ہے کیونکہ زمین کے اندر بارش کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔﴿5﴾ ﴿لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا﴾ ''جو انہوں نے کمایا اس میں سے کسی چیز پر وہ قدرت نہیں رکھیں گے''صدقے کے اندر صلاحیت ہے کہ وہ نیکیوں کو نشوونما دے سکتا ہے لیکن اس وقت جب نیت نیک ہو۔ریاکاری سے کیے گئے صدقے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔جیسے انسان صدقے پر احسان جتلا کر اور دکھ دے کر اجر پانے پر قدرت نہیں رکھتا۔اسی طرح ریاکاری سے کیا گیا صدقہ بھی صرف مال کا ضیاع ہے جس سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔﴿6﴾ رب العزت کا فرمان ہے:﴿ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴾ اور ہم ان کے ہر عمل کی طرف آئیں گے جو انہوں نے کوئی بھی کیا تھا تو ہم اسے اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔(الفرقان:23)﴿7﴾ ﴿ مَّثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ﴾ جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی طرح ہے جس پر ایک آندھی والے دن میں تند ہوا چل پڑے۔(ابراہیم:18)

سوال8: ﴿ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''انہوں نے ان اعمال کو غلط جگہ پر رکھا اور اپنی جیسی مخلوق کے لیے انجام دیا جس کے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ نقصان اور جس رب کی عبادت سے فائدہ ہو سکتا ہے اس کی عبادت سے منہ موڑ لیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو ہدایت سے پھیر دیا۔(تفسیر سعدی)

﴿ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (265) ﴾

''اور ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں اور اپنے دلوں میں پختگی پیدا کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایک ایسے باغ کی مثال کی طرح ہے جو کسی اونچی جگہ پر ہو اسے زور کی بارش پہنچے تو وہ اپنا پھل دوگنا لائے، پھر اگر اسے زور کی بارش نہ بھی پہنچے تو کچھ شبنم ہی کافی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے۔''(265)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال1: ﴿وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ ''اوران لوگوں کی مثال جواللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں اوراپنے دلوں میں پختگی پیدا کرنے کے لیےخرچ کرتے ہیں'' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کسی ضرورت مند کی مدد پر کیسے آمادہ کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اوران لوگوں کی مثال جواللہ تعالیٰ کی رضا کی تلاش میں اوراپنے دلوں میں پختگی پیدا کرنے کے لیےخرچ کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ انسان کو یہ یاددلاتے ہیں کہ مال تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔﴿2﴾ رزق کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جس سے چاہتا ہے رزق روک لیتا ہے اورجس کو چاہتا ہے کثیر مقدار میں عطا کرتا ہے۔﴿3﴾ وہ احساس دلاتا ہے'' یاوہ کون ہے جوتمہیں رزق دے اگروہ اپنا رزق روک لے'' (الملک:21) ایک انسان یہ سوچتا ہے کہ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے کوروک لیا تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے روک لے گا، یہ احساس اسے انفاق پرآمادہ کرتا ہے۔﴿4﴾ اللہ تعالیٰ اس فضل کے بارے میں عہد بھی لیتے ہیں کہ وہ اس کے دیئے گئے رزق سے بغیراسراف کیے اپنی ضروریات بھی پوری کریں گے اورزائدازضرورت مال کواللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ بھی کریں گے۔ یہ عہدانسان کواللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے پرمجبورکرتا ہے۔﴿5﴾ بخل سے کراہت اورنفرت دلاکرکیونکہ بخیل انسان کی صرف مٹھی بندنہیں ہوتی بلکہ دل بھی نیکیوں کے لیے بندہوجاتا ہے۔﴿6﴾ فرشتوں کی بددعاؤں سے خوف دلاکرکہ ''اے اللہ دینے والوں کواوردے اورروکنے والے کا پہلا مال بھی ہلاک کردے۔''﴿7﴾ اللہ تعالیٰ انفاق کرنے والوں کی دل جوئی بھی کرتے ہیں جس سے دل جھک جاتے ہیں اورانسانوں کے آپس کےتعلقات بھی اچھے ہوجاتے ہیں۔﴿8﴾ اللہ تعالیٰ کے لیےعمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیےعمل کرے۔﴿9﴾ ﴿وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ ''اوراپنے دلوں میں پختگی پیدا کرنے کے لیے'' جواللہ تعالیٰ کے لیےخرچ کرتا ہے اس کا دل ایمان سے بھراہوا ہے۔﴿10﴾ دل کو پورایقین ہے جوخرچ کیااس کا پورااجر ملے گا۔﴿11﴾ خرچ کرنے سے دل کواورزیادہ تروتازگی مل رہی ہے۔﴿12﴾ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعدبن وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رضائے الٰہی کی خاطرتم جوبھی خرچ کروگے اس سے اللہ تعالیٰ کےنزدیک تمہارا مقام بلندہوگا۔حتیٰ کہ وہ لقمہ جوتم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالوگے۔(صحیح بخاری:2742) دل کے ثبات وقرار کے لیے یہ دعاپڑھنی چاہیئے: یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ ''اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کواپنے دین پرثابت قدم رکھنا۔'' (ترمذی:3587)

سوال2: انسان کوکون سی چیزخداپرستی پرجماتی ہے اورایمان میں ثابت قدمی عطا کرتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان جوعمل کرتا ہے اس عمل کے ساتھ وہ اپنی قوت ارادی کومضبوط کرتا ہے۔ جب انسان وہ عمل کرتا ہے جواللہ تعالیٰ چاہتا ہے تواس کا دل اللہ تعالیٰ کی بات پرایمان کے لیے جمنے لگتا ہے۔﴿2﴾ جب انسان آسان حالات میں عمل کرتا ہے یعنی جب (i) دل کی قبولیت، اس کی رضا شامل ہو۔(ii) مال خرچ کرنے میں آسانی ہو۔(iii) کوئی دوسری رکاوٹ نہ ہوتو دل کے اندرتھوڑے درجے کی ثابت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قدمی آتی ہے۔﴿3﴾جب انسان مشکل حالات میں خرچ کرتا ہےتو وہ اپنے مقصد کے لیے اپنے ارادے کواور زیادہ پختہ کر لیتا ہے۔

سوال3: انسان کو کون سی چیز خواہش پرستی پر جماتی ہے؟

جواب: خواہش کو پورا کرنے کے لیے جو عمل کیا جاتا ہےتو دل پھر خواہشات پر جمنا شروع ہوجاتا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے مشکل راستے کون سے ہیں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا مشکل راستہ وہ ہے جس مد میں خرچ کرنا دنیاوی اعتبار سے بے فائدہ ہو۔﴿2﴾جس کو خرچ کرنے کے لیے دل نہ چاہے اسے اللہ تعالیٰ کے لیے دینا۔﴿3﴾اس انسان کے لیے خرچ کرنا جس سے اچھا معاملہ کرنے پر طبیعت آمادہ نہ ہو۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو مجھے محروم کرے میں اسے عطا کروں۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے کاموں میں خرچ کرنا۔﴿5﴾جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خرچ کرنا۔

سوال5:﴿ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ﴾''ان کی مثال ایک ایسے باغ کی مثال کی طرح ہے جو کسی اونچی جگہ پر ہو اسے زور کی بارش پہنچے تو وہ اپنا پھل دوگنا لائے، پھر اگر اسے زور کی بارش نہ بھی پہنچے تو کچھ شبنم ہی کافی ہے'' اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کرنے والے کی مثال ایک باغ کے ساتھ دی گئی ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے:﴿1﴾﴿ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ﴾''ان کی مثال ایک ایسے باغ کی طرح ہے'' جنت سے مراد ایسا باغ ہے جس میں درخت بے شمار ہیں اور سایہ گھنا ہے۔جس کے درخت زمین کو چھپا لیتے ہیں اور اس تک دھوپ نہیں پہنچنے دیتے۔باغ کی زمین کی مٹی گہری ہے یعنی ایمان دل کے اندر تک اترا ہوا ہے۔انفاق کرنے والے کی مثال ہے جس کا دل ایک سرسبز باغ کی طرح ہے یعنی دل میں ایمان کی تروتازگی ہے۔﴿2﴾﴿ بِرَبْوَةٍ ﴾'' جو کسی اونچی جگہ پر ہو'' یہ باغ اونچی زمین پر ہے جس کو صبح، دوپہر اور شام سورج کی پوری روشنی حاصل ہوتی ہے۔ایسے باغ کے پھل زیادہ اور بہتر ہوتے ہیں۔یہ ایسی جگہ نہیں جہاں نہ ہوا لگے نہ دھوپ۔باغ اونچی زمین پر ہے جو زرخیز ہے یعنی دل کا مقام بلند ہے جو ایمان والا ہے، اس کے اندر نیکیاں کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔﴿3﴾﴿ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ﴾''اسے زور کی بارش پہنچے تو وہ اپنا پھل دوگنا لائے'' اونچی زمین پر موجود اس باغ پر زمین نم دار ہونے، دوسرے معاون اسباب ہونے اور بکثرت پانی کی موجودگی کی وجہ سے اس باغ سے دگنا پھل حاصل ہوا۔﴿4﴾﴿ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ﴾''پھر اگر اسے زور کی بارش نہ بھی پہنچے تو کچھ شبنم ہی کافی ہے'' یعنی عمدہ زمین کی وجہ سے معمولی بارش ہی کافی ہے۔باغ پر زور کی بارش سے مراد صدقہ کرنے کی خالص نیت ہے۔انتہائی جذبۂ خیر اور نیک نیتی دل کو سیراب کر دیتے ہیں اسے نئی زندگی ملتی ہے کیونکہ صدقہ دل کو پاک کر دیتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا حال ہے کوئی زیادہ خرچ کرے یا کم ہر ایک کو اپنے حالات کے مطابق فائدہ حاصل ہوتا ہے اور ہر ایک کے ثواب میں پوری طرح اضافہ ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:316/1)﴿5﴾یزید بن ابی حبیب بیان کرتے ہیں کہ مرثد بن عبداللہ مزنی اہل مصر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں سے مسجد جانے والے پہلے شخص ہیں۔ جب بھی میں انھیں مسجد کی طرف جاتے دیکھتا ان کی آستین میں کسی نہ کسی شکل میں صدقہ ضرور ہوتا۔ کرنسی یا روٹی یا گندم ہوتی بلکہ میں نے انہیں پیاز لے جاتے بھی دیکھا۔ میں ان سے کہتا: اے ابوالخیر! یہ تمہارے کپڑوں کو بدبودار کردے گا۔ وہ کہتے: اے ابن ابی حبیب! مجھے گھر میں صدقے کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں مل سکی۔ مجھے ایک صحابی نے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن مومن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا۔'' (صحیح ابن خزیمہ: 95/4، مسند احمد: 411/5)﴿6﴾ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب تک لوگوں کے درمیان فیصلہ نہیں کردیا جائے گا ہر شخص اپنے صدقے کے سائے تلے رہے گا۔'' (صحیح ابن حبان: 132/5، مستدرک حاکم: 416/1)

سوال 6: ﴿اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ﴾ ''اسے زور کی بارش پہنچے تو وہ اپنا پھل دوگنا لائے'' زور کی بارش پہنچے تو وہ اپنا پھل دوگنا لائے، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہوجاتا ہے۔ ﴿2﴾ اس بندے کا مال بھی پاک ہوجاتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت بھی ڈالتے ہیں۔ ﴿4﴾ امت مسلمہ کی اجتماعی زندگی میں بھی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ ﴿5﴾ اجتماعی رابطے بڑھتے ہیں۔ ﴿6﴾ آخرت کی کامیابی بھی ملتی ہے۔

سوال 7: ﴿فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ﴾ ''پھر اگر اسے زور کی بارش نہ بھی پہنچے تو کچھ شبنم ہی کافی ہے'' شبنم سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شبنم سے مراد ایسا صدقہ ہے جس میں نیکی کے جذبے کی زیادہ شدت نہ ہو۔ ﴿2﴾ مٹی میں اگر پہلے سے نمی موجود ہو یعنی دل میں ایمان کی حرارت موجود ہو تو جذبۂ خیر کی زیادہ شدت نہ بھی ہو تب بھی پھل اگتا ہے یعنی انسان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

سوال 8: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھنے والا ہے'' کہ اللہ تعالیٰ نیتوں سے بھی باخبر ہے اور اعمال کو بھی دیکھتا ہے اس لیے وہ اعمال کی مکمل جزا دے گا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ریاکاری سے ڈرا کر اخلاص کی ترغیب دلائی ہے۔

سوال 9: تیسری مثال میں صدقے کو ایک باغ سے تشبیہ دی گئی ہے، وضاحت کریں؟

جواب: صدقہ ایک باغ ہے۔ یہ نیکیوں اور اعمال صالحہ کا سدابہار باغ ہے۔ انسان صدقہ کرتا ہے تو اس کی اصلاح ہوتی ہے۔ یہ باغ نہروں سے سیراب ہے، یعنی مسلسل قلب مومن میں صدقہ کرنے کی وجہ سے ایمان کو پانی مل رہا ہے۔ کھجوروں، انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا پھل صدقے کے اثرات ہیں۔ صدقے کی وجہ سے مومن کے اخلاق اور اعمال میں جو تبدیلیاں آتی ہیں وہ اعمال صالحہ صدقے کے پھل ہیں۔ صدقہ لینے والے کے لیے بھی اور دینے والے کے لیے بھی فائدہ دینے والا ہے۔ صدقہ پورے معاشرے کے لیے برکتوں والا ہے، انفرادی اور اجتماعی ترقی کا باعث ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ(266)﴾

''کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اس کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس تک بڑھاپا آ پہنچے؟ اور اس کے کمزور بچے ہوں، پھر اس کو ایسا بگولا آ پہنچے جس میں آگ بھی ہو تو وہ جل جائے، اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کھول کر آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔''(266)

سوال1:﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ﴾ ''کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں اس کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس تک بڑھاپا آ پہنچے؟ اور اس کے کمزور بچے ہوں, پھر اس کو ایسا بگولا آ پہنچے جس میں آگ بھی ہو تو وہ جل جائے'' اس مثال کی وضاحت کریں؟

جواب: عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے اصحاب سے دریافت کیا کہ آپ لوگ جانتے ہو یہ آیت کس سلسلے میں نازل ہوئی ہے؟ ''کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ ہو؟'' سب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بہت خفا ہو گئے اور کہا، صاف جواب دیں کہ آپ لوگوں کو اس سلسلے میں کچھ معلوم ہے یا نہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: ''امیر المومنین! میرے دل میں ایک بات آتی ہے'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بیٹے! کہو اور اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ اس میں عمل کی مثال بیان کی گئی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیسے عمل کی؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ عمل کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''یہ ایک مال دار شخص کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نیک عمل کرتا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ شیطان کو اس پر غالب کر دیتا ہے، وہ گناہوں میں مصروف ہو جاتا ہے اور اس کے اگلے نیک اعمال سب غارت ہو جاتے ہیں۔'' (صحیح بخاری کتاب التفسیر 4538)

سوال2:﴿ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ﴾ ''پھر اس کو ایسا بگولا آ پہنچے جس میں آگ بھی ہو تو وہ جل جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اعصار اس تیز ہوا کو کہتے ہیں جو گول گھومتی اور اوپر کو بلند ہوتی ہے یعنی بگولہ۔ اس بگولے میں آگ تھی جس سے باغ جل گیا۔ یہ حادثہ شدید غم کا باعث ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک عمل کرتا ہے تو اس کے اعمال کھیتی اور بیجوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے اعمال کے صلے میں اسے باغ مل جاتا ہے اور نیکیوں کو ضائع کرنے والے اعمال اس بگولے کی طرح ہیں جس میں آگ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال3:﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ''اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کھول کر آیات بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر کرو'' اللہ تعالیٰ نے صدقہ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے کیسے توجہ دلائی ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے باغ کی مثال دی ہے جو بگولے کی وجہ سے راکھ ہو گیا اور اب دنیا سے جاتے ہوئے وہ نیک اعمال کرنے کے قابل نہیں رہ گیا۔﴿2﴾ بندہ اپنے اعمال کا سب سے زیادہ محتاج موت کے وقت ہوتا ہے کیونکہ اس وقت وہ عمل نہیں کر سکتا اور جن اعمال سے فائدے کی امید ہوتی ہے وہ جل کر راکھ ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ وہ صورت حال ہے جس کے بارے میں رب العزت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی کھلی آیات پر غور وفکر کرو تا کہ نقصان سے بچ جاؤ۔

رکوع نمبر 37

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (267) ﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں اور اس میں سے جو تم خرچ کرتے ہو گندی چیز کا ارادہ نہ کرو حالانکہ تم خود ہی اس کو لینے والے نہیں ہو مگر یہ کہ تم اس کے بارے میں آنکھیں بند کر لو اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بے پروا، بے حد خوبیوں والا ہے۔'' (267)

سوال1: اس آیت کا شان نزول بتائیں؟

جواب: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ کھجور پکنے کے زمانے میں لوگ مسجد نبوی میں دو عمودوں کے درمیان رسی سے کھجور کے گچھے لٹکا دیتے تا کہ غریب مہاجرین کھایا کریں۔ بعض لوگ ان گچھوں میں ردی کھجوروں کے گچھے ملا دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ایسا کرنا جائز ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ فرمائی کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ (ترمذی:2987)

سوال2:﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! خرچ کرو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! خرچ کرو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں'' اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس نے تمہیں کمانے کی توفیق دی ہے تو جو تم نے کمایا اس سے کچھ پاک مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو۔﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: اپنے پاک اموال میں سے صدقہ کرو۔ (الدر المنثور:611/1)﴿3﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صدقے کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حلال اور پاک کمائی میں سے ہو چاہے اس کا ذریعہ کوئی بھی ہو یعنی تجارت، زراعت یا صنعت وغیرہ۔ ﴿4﴾ ﴿وَمِمَّآ أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾ ''اوران میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہیں'' یعنی پھل، اجناس اور معدنیات وغیرہ میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔

سوال3: دنیا میں انسان کے مال خرچ کرنے کی کون سی صورتیں ہیں؟

جواب: مال خرچ کرنے کی دو صورتیں ہیں: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے میں خرچ کیا جائے۔ ﴿2﴾ شیطان کے بتائے ہوئے راستے میں خرچ کیا جائے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے میں خرچ کرنے کا طریقہ کار کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنی فکر کی اصلاح ضروری ہے۔ ﴿1﴾ مومن کو چاہئے کہ وہ مال کو اپنی ذاتی چیز نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی چیز سمجھے۔ ﴿2﴾ اپنی کمائی میں سے حقیقی ضرورت کے مطابق لے لے۔ ﴿3﴾ حقیقی ضرورت پوری کرنے کے بعد جو کچھ ہے اسے بلند مقاصد میں لگا دے۔ اللہ تعالیٰ کے کمزور بندوں کو دینا اور اس کے دین کی ضرورتوں میں خرچ کرنا انفاق کے بلند مقاصد میں سے ہے۔ ﴿4﴾ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو تمیم قبیلے کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس بہت سا مال و دولت اور اہل وعیال ہیں۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟ اور کیسے خرچ کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اپنے مال سے زکوۃ دے، تجھے پاک کر دے گی اور اپنے رشتے داروں سے تعلق قائم رکھ، مسکین، پڑوسی اور سائل کا حق پہچان۔ (مسند احمد: 136/3)

سوال5: کون سی سوچ اللہ تعالیٰ کے کمزور بندوں پر مال خرچ کرواتی ہے؟

جواب: یہ سوچ اللہ تعالیٰ کے کمزور بندوں پر مال خرچ کرواتی ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جب میں کمزور ہوں گا اور خالی دامن ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گا۔ اس دن مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ضرورت ہوگی۔ آج میں کمزوروں پر خرچ کر کے کل اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہو سکتا ہوں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں دو فرشتے آسمان سے نہ اترتے ہوں، ایک کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والوں کو اور زیادہ دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ ممسک اور بخیل کے مال کو تلف کر دے۔ (صحیح بخاری: 1442)

سوال6: کون سی سوچ دین کی ضرورتوں میں مال خرچ کرواتی ہے؟

جواب: یہ سوچ دین کی ضرورتوں میں مال خرچ کرواتی ہے کہ دین اللہ تعالیٰ کا ہے اور دین کو پھیلانا اس کا حکم ہے۔ چونکہ دین کو پھیلانے کا مشن اللہ تعالیٰ کا مشن ہے اس لیے یہ میرا مشن ہے۔ میں نے دین کی ضروریات کے لیے مال لگایا تو تب ہی میں اللہ تعالیٰ کے مشن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں شریک ہوں گا۔ میں اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے مال میں شامل کردوں تو یہ اس کے بڑے خزانے میں مل کر زیادہ ہو جائے گا۔

سوال7: ﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ ﴾ ''اور اس میں سے جو تم خرچ کرتے ہو گندی چیز کا ارادہ نہ کرو'' اس آیت سے رسول اللہ ﷺ کے دور کے حالات کا جو نقشہ سامنے آتا ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اس میں سے جو تم خرچ کرتے ہو گندی چیز کا ارادہ نہ کرو'' خبیث سے مراد ردی اور نکمی چیزیں ہیں، ان کا ارادہ نہ کرو۔ ﴿2﴾ سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مومن کی کمائی کبھی خبیث نہیں ہوتی مراد یہ ہے کہ بے کار چیز صدقہ میں نہ دو۔ ﴿3﴾ اس آیت کے حوالے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں بھی ایسے افراد موجود تھے جن کی تربیت کی ضرورت تھی، جنہیں بلندی کے راستے پر ڈالنے کی ضرورت تھی۔ یہ ضرورت ہر وقت، ہر دور میں موجود رہتی ہے۔ اس لیے کہ افراد کے مزاج ایک سے نہیں ہوتے، ان کی تربیت ایک سی نہیں ہوتی، ان کی طلب ایک جیسی نہیں ہوتی۔

سوال8: ﴿ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ﴾ ''حالانکہ تم خود ہی اس کو لینے والے نہیں ہو مگر یہ کہ تم اس کے بارے میں آنکھیں بند کر لو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی تم خود اسے لینا پسند نہیں کرتے۔ ﴿2﴾ سیدنا براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تمہیں وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تم اسے نہ لو گے مگر اس وقت جب تمہیں اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو تم چشم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے۔ ﴿3﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ تعالیٰ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر:365/1) ﴿4﴾ اس آیت میں انفاق کے معاملے میں مومنوں کے لیے نہایت عمدہ سبق ہے کہ جس چیز کو خود لینا پسند نہیں کرتے ہو اسے دینے سے بھی گریز کرو۔

سوال9: انفاق (صدقہ کرنے) کے حکم کا تقاضا کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ حلال اور پاکیزہ طریقے سے کمائے گئے مال کو خرچ کیا جائے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہترین مال خرچ کیا جائے۔ ﴿3﴾ تمام اموال میں سے خرچ کیا جائے، زرعی اجناس ہوں یا معدنیات۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ردی اور گھٹیا اشیاء کے خرچ کا ارادہ بھی نہ کیا جائے جن میں خود ان اشیاء کے مالک کی دلچسپی نہیں رہتی۔ ﴿5﴾ سیدنا عبداللہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین کام ایسے ہیں جو شخص انہیں سرانجام دے وہ ایمان کی حلاوت سے آشنا ہو جائے: جو شخص یہ یقین رکھتے ہوئے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اپنے مال کی زکوٰۃ ہر سال دل کی خوشی اور فراخ دلی سے ادا کرے، بوڑھی خارش زدہ بیمار اور گھٹیا (اونٹنی، بکری یا گائے وغیرہ) زکوٰۃ میں نہ دے بلکہ درمیانہ مال دے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے نہ تو بہترین مال مانگا ہے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور نہ برا مال دینے کا حکم دیا ہے۔(سنن ابوداؤد:1582)

سوال10:﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ "اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بے پروا، بے حد خوبیوں والا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ "اور جان لو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا بے پروا، بے حد خوبیوں والا ہے" اللہ تعالیٰ اس بات سے بڑا بے پروا ہے کہ کوئی اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے یا نہیں۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اغماض برتنے سے جو کہ محتاج ہے اپنے غنی ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جس آقا سے تم سب کچھ لیتے ہو اور وہ تمہیں دیتا ہے اور لیتا کچھ نہیں۔ اسے تمہارے مال کی ضرورت نہیں وہ تو بے پرواہ، بے حد خوبیوں والا ہے۔ ہاں اس صدقے کی تمہیں ضرورت ہے اس لئے اپنی ضروریات کا خیال کرلو۔ یہ دوزخ سے بچانے کے لئے ڈھال ہے، تمہارے لئے سایہ بنے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ اپنے فائدے کے لیے خرچ کرتا ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ بہترین خرچ کرو اور خوش دلی سے کرو اور اپنے دشمن شیطان کی پیروی نہ کرو جو تمہیں بخل کا حکم دیتا ہے اور ڈراتا ہے کہ خرچ کرو گے تو قلاش ہو جاؤ گے۔ یہ اس کا دھوکہ ہے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ حمید "بے حد خوبیوں والا ہے" وہ اپنی ذات میں آپ محمود ہے، اپنی ذات میں خود قابل تعریف ہے، حمد کا مالک ہے اس لئے اسے کسی کی حمد سے، کسی کے اعتراف نعمت سے فرق نہیں پڑتا۔ وہ پاکیزہ چیزوں پر اچھی جزا دیتا ہے۔

سوال11: اللہ تعالیٰ کی صفات الغنی اور الحمید کا انسان پر کیا اثر ہوتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفات الغنی اور الحمید سے مومن کو اپنے برے تصورات کا احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ ﴿1﴾ مجھے اللہ تعالیٰ کے اجر کا پورا یقین نہیں۔﴿2﴾ مجھے تنگ دستی کا خوف ہے جو کبھی اللہ تعالیٰ سے تعلق والوں کو لاحق نہیں ہوتا۔﴿3﴾ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ نہیں۔﴿4﴾ مومن کو یہ احساس ہوتا ہے کہ میرے اندر یہ تصورات جگانے والی قوت شیطانی قوت ہے۔﴿5﴾ مومن یہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فیاض ہے کیسے ممکن ہے کہ وہ برے اخلاق والے سے محبت کرے؟ اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کے لیے اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرتا ہے اور برائی کو دور کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ(268)﴾

"شیطان تمہیں مفلسی کا خوف دلاتا ہے اور تمہیں شرم ناک بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"(268)

سوال1:﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ "شیطان تمہیں مفلسی کا خوف دلاتا ہے اور تمہیں شرم ناک بخل کا حکم دیتا ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ شیطان دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ خرچ کرو گے تو فقیر ہو جاؤ گے، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اس وجہ سے دل کے اندر حرص اور بخل پیدا ہوتا ہے۔شیطان نیکی کے جذبوں پر بند باندھ دیتا ہے۔《2》شیطان نیک کام سے روک کر بے حیائی اور بدکاریوں کی ترغیب دلاتا ہے۔گناہوں، نافرمانیوں، حرام کاموں اور حق کی مخالفت پر اکساتا ہے۔《3》شیطان نیکی کے کام میں خرچ کرتے ہوئے ڈراتا ہے کہ ابھی تمہیں اس کی ضرورت ہے۔《4》نیکی کے کام میں خرچ کرتے ہوئے شیطان انسان کو لمبی امیدیں دلاتا رہتا ہے۔《5》نبی ﷺ نے فرمایا:''شیطان ایک چوکا مارتا ہے اور ایک توفیق کی رہبری فرشتہ کرتا ہے۔شیطان شرارت پر آمادہ کرتا ہے،حق جھٹلانے پر آمادہ کرتا ہے اور فرشتہ نیکی پر اور حق کی تصدیق پر آمادہ کرتا ہے۔جس کے دل میں ایسا خیال آئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جس کے دل میں وسوسہ پیدا ہو وہ اعوذ باللہ پڑھے۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔(ترمذی:219,220/5)《6》شیطان **الْفَحْشَآء** کا یعنی شرم ناک بخل کا حکم دیتا ہے۔عربی زبان میں **الْفَحْشَآء** ہر اس نافرمانی کے کام کو کہتے ہیں جس میں انسان حد سے باہر نکل جائے۔اس لفظ کا زیادہ تر استعمال بے حیائی کے کاموں پر ہوتا ہے لیکن یہ لفظ عام ہے۔مثلاً تنگ دستی کے خوف کی وجہ سے بچیوں کو زندہ دفن کر دینا، زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کے لیے سود کھانا، نمود و نمائش کے کاموں کے لیے خرچ کرنا، یہ خوف کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا تو فقیر ہو جائیں گے۔《7》《**الْفَحْشَآء**》سے مراد ادائیگی زکوٰۃ وصدقات میں بخل ہے۔《8》شیطان کا حکم خیر خواہی کا نہیں، دھوکہ دہی کا ہے۔اس لیے اس کا نہیں اپنے رب کا حکم مانو۔اس نے واضح فرمایا ہے:《اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ》یقیناً وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں سے ہو جائیں۔(فاطر:6)

سوال2:《**وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا**》''اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت (بخشش) اور فضل کا وعدہ دیتے ہیں، اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ تمہارے لیے آسانی ہو۔وہ بخشش اور اپنے فضل کا وعدہ دیتا ہے۔《2》آخرت کے لیے معافی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے کیونکہ پہلے مغفرت (بخشش) ہوتی ہے، فضل بعد میں ہوتا ہے۔فضل سے مراد رزق کی کشادگی ہے یعنی انفاق فی سبیل اللہ کی دنیا میں جزا رزق کی کشادگی اور دلوں کی خوشی کی صورت میں سامنے آتی ہے اور آخرت کی بھلائی قبر میں راحت اور قیامت کے دن کے ثواب کی صورت میں ملے گی۔《3》شیطان کی دھمکی کے مقابلے میں اللہ پاک کا فرمان ہے کہ صدقہ کی وجہ سے گناہ معاف کردوں گا اور ابلیس کی جانب سے فقیری کی دھمکی پر یقین نہ رکھو کیونکہ مجھ سے زیادہ فضل والا کوئی نہیں جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:《وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ》اور جو تم خرچ کرتے ہو پس وہی اس کا بدلہ بھی دیتا ہے۔(سبا:39)

سوال3:《**وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ**》''اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے“ وہ اپنی وسعت سے، فراخ دستی سے عطا کرتا ہے۔ اس نے اپنے فضل کے وعدے سے اپنے واسع ہونے کا شعور دلایا ہے۔ ﴿2﴾ ”اللہ تعالیٰ علیم ہے“ کم ہو یا زیادہ، خفیہ ہو یا ظاہر اپنے فضل سے اس کا بدلہ دے گا۔ اس نے مغفرت کے وعدے سے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اگرچہ وہ تمہارے گناہوں کا حساب کتاب رکھتا ہے، علیم ہے لیکن وہ وسیع رحمت والا ہے، علیم ہونے کے باوجود بخش دیتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ انسانوں کے سارے حالات سے واقف ہے۔ اس لیے کہ وہ ان کے خلجانات، رجحانات اور میلانات کو توازن اور اعتدال میں لانے کے لیے حکمت عطا فرماتا ہے تاکہ انسان مقصد، سبب اور نتیجے کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلے کریں۔

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (269)﴾

”وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت عطا کی گئی یقیناً اس کو بہت بھلائی دے دی گئی اور عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔“ (269)

سوال 1: ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ”وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے“ حکمت سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جس میں بڑی حکمتیں ہیں۔ اس پر عمل کرنے کی توفیق اس کو ملتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہو۔ ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حکمت سے قرآن کی سمجھ مراد ہے۔ ﴿3﴾ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن اور فقہ ہے۔ ﴿4﴾ سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکمت تفقہ فی الدین اور اس چیز کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ ﴿5﴾ صحیح بصیرت، صحیح قوت فیصلہ اور وہ سمجھ بوجھ جس کی وجہ سے انسان بھلے برے کو پہچان سکے حکمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رأس الحكمة مخافة الله ”حکمت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔“ (رحمۃ للعالمین) ﴿6﴾ حکمت سے مراد نفع مند علم، عمل صالح اور شریعت کے اسرار اور حکمتوں سے واقفیت ہے۔ (تفسیر سعدی: 320/1)

سوال 2: ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ ”اور جس کو حکمت عطا کی گئی یقیناً اس کو بہت بھلائی دے دی گئی“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جسے اللہ تعالیٰ نفع مند علم، عمل صالح کی توفیق اور شریعت کے اسرار اور حکمتوں سے واقفیت دے دیں تو اس سے بڑھ کر کیا بھلائی ہوگی کہ دنیا و آخرت کی ناکامیوں سے بچ کر دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہو جائے۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ یہ انبیاء کا ورثہ ہے۔ ﴿2﴾ حکمت و دانائی اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ بندے کو کمال صرف حکمت سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ کمال نام ہے علمی اور عملی قوت کے کامل ہونے کا۔ علمی قوت تو حق کی معرفت سے اور اس کے مقصود کی معرفت سے کامل ہوتی ہے اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عملی قوت نیکی کرنے اور برائی سے اجتناب کرنے سے مکمل ہوتی ہے۔اس کے نتیجے میں بندہ صحیح قول اور صحیح عمل کا حامل ہوسکتا ہے اور اپنی ذات کے بارے میں نیز دوسروں کے بارے میں ہر حکم کو اس کے صحیح مقام پر رکھ سکتا ہے۔اس کے بغیر یہ ممکن نہیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی فطرت میں یہ رکھ دیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں،بھلائی سے محبت رکھیں،حق کے طالب ہوں،اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول مبعوث فرمائے کہ لوگوں کو ان کی عقل وفطرت میں جڑیں رکھنے والی ان اشیاء کی یاددہانی کرائیں اور جو تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں وہ بیان فرمائیں۔پھر لوگ دو قسموں میں تقسیم ہوگئے۔ایک قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا،تو انہیں اپنے فائدے کی باتیں یاد ہوگئیں۔انہوں نے اس پر عمل کیا اور انہیں اپنے نقصان کی باتیں معلوم ہوگئیں تو وہ ان سے بچ گئے۔یہ لوگ کامل عقل وفہم کے مالک ہیں۔دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے انبیاء کی دعوت قبول نہیں کی بلکہ ان کی فطرت میں جو خرابی پیدا ہوگئی تھی اس کے مطابق عمل کیا۔یہ لوگ عقل والے نہیں ہیں۔(تفسیر سعدی:320,321/1)《4》سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ا،وہ خطبہ میں فرمارہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ ”جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عنایت فرمادیتا ہے۔“(صحیح بخاری:71)

سوال3:《وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ》”اور عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》عقل مند وہ ہیں جنہوں نے انبیاء پر یقین کیا اور ان کے ذریعے اپنے نفع اور فائدے کی باتیں انہوں نے یاد کرلیں اور ان پر عمل کیا۔انبیاء کی تعلیمات سے عقل والوں کو نقصان دینے والی باتوں کا علم ہوگیا تو وہ ان سے بچ گئے۔حقیقت یہ ہے عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔《2》عقل والے ہی واقعات سے عبرت حاصل کرسکتے ہیں۔《3》عقل والے ہی غوروفکر کر کے برے انجام سے بچ سکتے ہیں۔《4》عقل والے ہی دوسروں کے حالات سے اپنے لئے سبق حاصل کرتے ہیں اس لئے وہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔《5》عقل والے بے مقصد اور لہوولعب والی زندگی اختیار نہیں کرتے۔

《وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ(270)》

”اور جو بھی تم خرچ کرو،کوئی خرچ،یا جو بھی نذر مانو،کوئی نذر تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے،اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“(270)

سوال1:《وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ》”اور جو بھی تم خرچ کرو کوئی خرچ“ اس نفقہ”خرچ“ کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے؟

جواب:《1》”اور جو بھی تم خرچ کرو،کوئی خرچ“ اس کا اطلاق عام روزمرہ زندگی میں کیے جانے والے خرچ پر ہوتا ہے۔《2》اس نفقہ خرچ سے مراد وہ خرچ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ،وہ واجب ہو یا مستحب ہر خرچ کا اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرماتے ہیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال2: ﴿ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ ﴾ ''یا جو بھی نذر مانو، کوئی نذر'' نذر سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نذر وہ چیز ہے جسے عوامی زبان میں منّت ماننا کہتے ہیں، فقہ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ کسی مراد کے پورے ہونے پر اپنے اوپر کوئی ایسی چیز لازم کر لینا ہے جو واجب نہ تھی۔ ﴿2﴾ انسان اپنی کسی مراد کے پورا ہونے کے لیے کسی ایسے خرچ یا خدمت کو اپنے ذمے لازم کر لے جو اس کے لیے فرض نہ ہو۔ ﴿3﴾ آدمی اپنی کسی مراد کے برآنے پر کوئی ایسا نیک کام صدقہ کرنے کا اللہ تعالیٰ سے عہد کرے جو اس کے ذمے فرض نہ ہو۔ (تیسیر القرآن: 220/1)

سوال3: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے نذر ماننا کیسے شرک ہے؟

جواب: نذر نماز اور روزے کی طرح عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے نذر ماننا اس کی عبادت کرنا ہے جو شرک ہے۔

سوال4: کون سی نذر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے؟

جواب: ﴿1﴾ وہ نذر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو۔ ﴿2﴾ جو حلال اور جائز کام کی ہو۔

سوال5: کون سی نذر منع ہے؟

جواب: ﴿1﴾ وہ نذر منع ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے ہو (بت یا انسان وغیرہ)۔ ﴿2﴾ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے راستے میں ہو۔ ﴿3﴾ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی وجہ سے ہو۔

سوال6: نذر ماننا کیسا عمل ہے؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر نہ مانا کرو اس لیے کہ نذر تقدیری امور میں کچھ بھی نفع بخش نہیں۔ بس اس سے اتنا ہوتا ہے کہ بخیل کا مال نکل جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: 4241)

سوال7: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے'' اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نیتوں کا پورا علم ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ ضمیر کی پوشیدہ خواہشات کو جانتا ہے۔ ﴿3﴾ انسان کی خفیہ حرکات کو بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس نے خلوص نیت سے عمل کیا ہے اور کس نے خلوص سے نہیں کیا۔ ﴿5﴾ جو اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی خرچ کرے یا نذر پوری کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ثواب عطا فرماتا ہے۔

سوال8: ﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ ''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں'' یہاں ظالم سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ یہاں ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو واجب خرچ نہ کریں یعنی نذر مان کر اسے پورا نہ کریں۔ ﴿2﴾ جو مخلوق کی خوشی کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خرچ کریں یا نذر پوری کریں تو وہ ظالم بن جاتے ہیں۔﴿3﴾ جو شخص کسی چیز کو اس کے جائز مقام پر نہیں رکھتا وہ ظالم ہے۔ مخلوق کی خوشی کے لیے عمل کرنے والا اس لیے ظالم بن جاتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے کام کرنا تھا اس نے عمل کو غلط جگہ رکھ دیا۔﴿4﴾ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت سزا رکھی ہے کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ یُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (271) ﴾

”اگر تم صدقات ظاہر کرو تو کیا ہی اچھا ہے اور اگر تم اسے چھپاؤ اور انہیں ضرورت مندوں کو دو تو وہ تمہارے لیے بہت زیادہ بہتر ہے، اور وہ (اللہ تعالیٰ) تمہاری کچھ برائیاں تم سے دور کر دے گا، اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“(271)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تو اپنا آدھا مال رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو تو چونکہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کافی ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو دیے اور فرمانے لگے: اللہ کی قسم! جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں اس میں اے صدیق رضی اللہ عنہ! آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال2: ﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ﴾ ”اگر تم صدقات ظاہر کرو تو کیا ہی اچھا ہے“ ظاہر کر کے صدقہ دینا کس صورت میں افضل ہو جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو صدقہ فرض ہو اس کو اعلانیہ (ظاہر کر کے) دینا افضل ہے۔﴿2﴾ ظاہر کر کے صدقہ دینا ایسی صورت میں افضل ہو جاتا ہے جب لوگوں کے لئے صدقہ دینا ترغیب کا باعث بن جائے۔ ایسے مواقع پر اعلانیہ صدقہ فضیلت کا باعث بن جاتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں ریاکاری نہ ہو۔

سوال3: ﴿ وَ اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ﴾ ”اور اگر تم اسے چھپاؤ اور انہیں ضرورت مندوں کو دو تو وہ تمہارے لیے بہت زیادہ بہتر ہے“ چھپا کر ضرورت مندوں کو دینے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو صدقہ فرض کے علاوہ ہو اس کا چھپانا زیادہ بہتر ہے، اس طرح انسان ریاکاری سے بچتا ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خفیہ صدقہ کرنا باری تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔'' (طبرانی) ﴿2﴾ ''افضل صدقہ وہ ہے جو پوشیدگی سے کسی حاجت مند کو دے دیا جائے اور مال کی قلت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔'' سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے صدقہ کیا اور اسے اس طرح چھپایا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر تم صدقہ کو ظاہر کرو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر پوشیدہ طور پر دو اور فقراء کو دو تو یہ بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور تمہارے گناہ مٹا دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح خبردار ہے۔'' (صحیح بخاری: باب:13) ﴿3﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے (عرش کے) سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں سے ایک وہ انسان ہے جو صدقہ کرے اور اسے اس درجہ چھپائے کہ بائیں ہاتھ کو بھی نہ خبر ہو کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔'' (صحیح بخاری:1423) ﴿4﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اس نے ہلنا شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ گاڑ دیئے تو وہ ٹھہر گئی۔ فرشتوں نے پہاڑوں کی مضبوطی پر اظہار تعجب کیا اور کہا: ''اے ہمارے رب! کیا تو نے پہاڑوں سے بھی سخت مخلوق پیدا فرمائی ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہاں، لوہا'' انہوں نے کہا: ''کیا لوہے سے بھی سخت مخلوق پیدا کی ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آگ'' انہوں نے کہا: ''کیا آگ سے سخت بھی کوئی مخلوق ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پانی'' انہوں نے کہا: ''کیا پانی سے بھی سخت کوئی مخلوق ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہاں، ہوا'' انہوں نے کہا کہ ''کیا ہوا سے سخت بھی کوئی مخلوق ہے؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آدم کا بیٹا، جب دائیں ہاتھ سے صدقہ کرے اور بائیں ہاتھ سے اسے مخفی رکھے۔'' (ترمذی:3369) ﴿5﴾ پوشیدہ طور پر صدقہ دینا، ظاہر کر کے دینے سے افضل ہے لیکن آیت میں اشارہ ہے کہ جب صدقات نہ دیے جا رہے ہوں تو اس صورت میں پوشیدہ صدقہ ظاہر کرنے سے افضل نہیں ہے۔ ﴿6﴾ صدقات کو پوشیدہ رکھنے اور ظاہر کرنے کا دارومدار مصلحت اور فائدے پر ہے۔ اگر ظاہر کرنے سے امید ہو کہ دوسرے لوگ بھی نیک کام کریں گے تو خفیہ صدقے کی نسبت ظاہر کرنا افضل ہے۔ ﴿7﴾ ﴿وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ﴾ ''اور انہیں ضرورت مندوں کو دو'' صدقہ ضرورت مندوں کو تلاش کر کے دینا چاہیے۔ زیادہ ضرورت مند کی موجودگی میں کم ضرورت مند کو نہیں دینا چاہیے۔ ﴿8﴾ ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ''تو وہ تمہارے لیے بہت زیادہ بہتر ہے'' یعنی صدقہ دینے والے کے لیے صدقہ باعث ثواب ہوگا۔

سوال4: ﴿وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ﴾ ''اور وہ (اللہ تعالیٰ) تمہاری کچھ برائیاں تم سے دور کر دے گا'' صدقہ کیسے برائیوں کو دور کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ صدقے کے ذریعے برائیاں دور کر دیتے ہیں اور بندے کو عذاب سے بچا لیتے ہیں۔ ﴿2﴾ صدقہ دینے سے دل کی تنگی دور ہوتی ہے اور مومن بخل سے بچتا ہے۔ ﴿3﴾ صدقہ دینے سے مال کی محبت پر چوٹ پڑتی ہے اس طرح مومن کی حرص میں کمی آتی ہے۔ ﴿4﴾ چھپا کر صدقہ کرنے سے مومن کے نفس کی اصلاح ہوتی ہے اور مومن ریاکاری سے بچتا ہے۔ ﴿5﴾ صدقہ کرنے سے مومن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے نفس کی مسلسل اصلاح ہوتی جاتی ہے اوراس طرح اللہ تعالیٰ اس کے توسط سے اسے گناہوں سے دور کر دیتا ہے۔《6》رب العزت کا فرمان ہے:《 اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ 》بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔(ھود:114) نیکی کا ہر کام برائیوں کو دھوڈالنے والا ہے۔

《7》نبی ﷺ نے فرمایا: پوشیدگی کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھا دیتا ہے۔

سوال5:《وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ》''اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے'' اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ صدقے سے اپنے خبیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جس چیز کی بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔《2》تمہارے اعمال اچھے ہوں یا برے، اللہ تعالیٰ ان سے باخبر ہیں۔《3》اللہ تعالیٰ نے اپنے خبیر ہونے کا شعور دلا کر پوشیدہ صدقے کی ترغیب دلائی ہے۔《4》اللہ تعالیٰ کی صفت خبیر سے ثابت ہوتا ہے کہ جزا سزا ہوگی۔

《لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ یُّوَفَّ اِلَیْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ(272)》

''ان کو ہدایت دینا آپ کا ذمہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور خیر میں سے جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ تمہارے ہی لئے ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب میں خرچ کرتے ہو اور خیر میں سے جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''(272)

سوال1:اس آیت کا شان نزول بتائیں۔

جواب:《1》ابن ابی حاتم میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ یہ حکم فرماتے تھے کہ صرف اہل اسلام پر صدقہ کیا جائے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ لوگوں کو ہدایت دینے کی ذمہ داری تمہاری نہیں تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جس مذہب کے پیروکار تم سے سوال کریں انہیں صدقہ دیا کرو۔《2》آیت کے شان نزول سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمان غیر مسلم رشتہ داروں پر خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا اجر کا باعث ہے۔البتہ زکوٰۃ غیر مسلموں کو نہیں دی جا سکتی۔

سوال2:《لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ》''ان کو ہدایت دینا آپ کا ذمہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''ان کو ہدایت دینا آپ کا ذمہ نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے محمد! لوگوں کو ہدایت دینا آپ کا ذمہ نہیں ہے۔آپ کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے۔دل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں۔اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے پاس اختیار نہیں کہ وہ کسی کو ہدایت دے یا گمراہ کر دے۔《2》ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو مخلوق کا خالق ہے۔وہی دلوں کو موڑ سکتا ہے۔《3》رسول کا کام پہنچا دینا ہے اس لیے ہدایت کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کر کے دعائیں کرنی چاہئیں۔《4》ہدایت اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہٰذا دعوت دینے والے کے پاس کسی انسان سے نفرت کا جواز باقی نہیں رہتا اور نہ ہی کسی کی ضد کی وجہ سے دل تنگ کرنے کا جواز باقی رہتا ہے۔《5》داعی انتظار کرے گا کہ کب اللہ تعالیٰ دلوں کو اجازت دے اور وہ ہدایت کے راستے پر آئیں اور اپنے رب کو پہچان لیں۔

سوال3:《وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ》''اور خیر میں سے جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ تمہارے ہی لئے ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے کم ہو یا زیادہ چاہے یہ مال تم مسلمانوں پر خرچ کرو یا کافروں پر وہ تمہارے ہی لیے ہے یعنی تمہیں اس کا پورا اجر دیا جائے گا۔

سوال4: انسان جو انفاق کرتا ہے وہ کیسے اس کے کام آتا ہے؟

جواب:《1》دنیا میں انسان بخل، دل کی تنگی اور حرص جیسی بری عادتوں سے بچ جاتا ہے۔《2》آخرت میں اس کا کئی گنا اجر پاتا ہے۔

سوال5:《وَمَا تُنْفِقُوْنَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ》''اور تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب میں خرچ کرتے ہو'' کون مال کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خرچ کرتا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر وہ مال خرچ کرتا ہے جو دنیا میں بدلہ نہیں پانا چاہتا۔《2》جو ایسی مدات میں خرچ کرتا ہے جہاں سے واپسی کی امید نہیں ہوتی۔《3》مومن کے خرچ کی بنیاد ایمان ہوتی ہے۔وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے خرچ کرتا ہے۔《4》ایمان لہو ولعب کے کاموں میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔

سوال6:《وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ》''اور خیر میں سے جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور خیر میں سے جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا'' اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ تمہارا ہر صدقہ قبول ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہیں پورا پورا اجر دے گا۔《2》رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ رضائے الٰہی کی خاطر تم جو بھی خرچ کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا مقام بلند ہوگا۔حتیٰ کہ وہ لقمہ جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔(صحیح بخاری:2742)《3》《وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ》''اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' یعنی تمہارے گناہوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا اور نیک اعمال میں کمی نہیں کی جائے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال7: اسلام نے بلا امتیاز مذہب معاشی تعاون اور امداد کے دروازے کھول کر کیسی فضا قائم کی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ایک ایسی فضاء جس میں مذہبی آزادیوں کا اصول متعین ہے۔ ﴿2﴾ اور جہاں جبر وتشدد کا قلع قمع کیا گیا ہے۔ ﴿3﴾ ایک ایسی فضا جس میں مذہبی رواداری ہے۔ ایک ایسی فضا جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غیر مسلموں پر کیے جانے والے خرچ پر بھی اجر کا وعدہ ہے۔ ﴿4﴾ یوں انسانی ہمدردی کی فضا پروان چڑھتی ہے۔

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ (273) ﴾

''صدقات ان فقراء کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں روکے گئے ہوں، وہ زمین میں سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ناواقف آدمی سوال سے بچنے کی وجہ سے انہیں مال دار سمجھ بیٹھتا ہے، آپ انہیں ان کے چہرے ہی سے پہچان جائیں گے، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، اور جو مال میں سے بھی تم خرچ کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے۔'' (273)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے مال والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنا مال ان فقیروں اور محتاجوں پر خرچ کریں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے، یا دن رات اس کی بندگی اور حصول علم کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہاں مراد اصحاب صفہ ہیں۔ (تیسیر الرحمٰن:156) ﴿2﴾ حافظ ابن کثیر نے کہا: ان سے مراد وہ تمام مہاجرین ہیں جو مدینہ منورہ میں آ کر اقامت پذیر ہو گئے تھے اور تجارت اور حصول مال کے اسباب و ذرائع ان سے منقطع ہو چکے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر:369/1)

سوال2: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''صدقات ان فقراء کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں روکے گئے ہوں، وہ زمین میں سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے'' اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی مدات میں سے بڑی مد کون سی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا ہے کہ تمہارے خرچ کے کون لوگ زیادہ مستحق ہیں۔ ان کی چھ صفات بیان فرمائی ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''صدقات ان فقراء کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں روکے گئے ہوں'' اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی مدات میں سے بڑی مد دین کے ان خادموں کی مالی مدد کرنا ہے جو دین کی حفاظت کے کاموں میں مکمل مصروف رہنے کی وجہ سے بے معاش ہو گئے ہوں۔ ﴿3﴾ ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''وہ زمین میں سفر کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے'' جو رزق کی تلاش کے لیے سفر کے قابل نہ ہوں۔ ﴿4﴾ جیسے ایک کامیاب تاجر کے پاس اپنے بزنس کے علاوہ وقت نہیں ہوتا ایسے ہی ایک کامیاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

داعی کے لیے دین کے علاوہ وقت نہیں ہوتا۔اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ صاحب معاش ان لوگوں کے لیے حصہ نکالیں جو دینی مصروفیات کی وجہ سے اپنی معاشیات فراہم نہ کرسکیں۔

سوال3: دین کے خادموں کی خدمت کرنا ایک خاموش تقسیم کار ہے،اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》دین کا خادم خود کو اللہ تعالیٰ کے لیے یک سو کرتا ہے۔نہ وہ کسی انسان سے مانگتا ہے،نہ پانے کا امیدوار ہوتا ہے۔《2》صاحب معاش یہ سوچتا ہے کہ میرے پاس معاشی وسائل اس قیمت پر آئے ہیں کہ میں دین کی خدمت نہیں کرسکا تو اس کی تلافی ہونی چاہئے اور وہ ایسے کہ میں اپنے مال میں ان بھائیوں کا حصہ لگاؤں جو میری کمی کی تلافی اللہ تعالیٰ کے ہاں کررہے ہوں۔

سوال4: دین کے خادموں کے لیے اپنا مال لگانا انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا زیادہ مستحق کب بناتا ہے؟

جواب:《1》جب دین کی جدوجہد اس مرحلے میں ہو کہ دین کے نام پر معاشی عہدے نہ ملتے ہوں۔《2》جب دین کی راہ میں لگنے والا بے روزگار ہو جائے۔《3》جب دین کے نام پر کیے جانے والے خرچ کی وجہ سے سزا کا ڈر ہو۔《4》جب دین کے خادموں کو مال دینا ایک غیر اہم طبقے سے رشتہ جوڑنا ہو۔《5》جب دین کے کاموں پر خرچ کرنا مجلسوں میں قابلِ تذکرہ نہ ہو اور انسان کی حیثیت اور ناموری میں اضافہ نہ کرتا ہو۔《6》ایسا خرچ چونکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے اس لیے ایسا خرچ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔

سوال5:《**يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ**》''ناواقف آدمی سوال سے بچنے کی وجہ سے انہیں مال دار سمجھ بیٹھتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''ناواقف آدمی سوال سے بچنے کی وجہ سے انہیں مال دار سمجھ بیٹھتا ہے''یعنی ان کی غیرت وخودداری گوارا نہیں کرتی کہ وہ لوگوں سے سوال کریں۔ناواقفوں کو اس سے گمان یہ گزرتا ہے کہ یہ لوگ خوش حال ہیں،محتاج و مستحق امداد نہیں۔《2》《**التَّعَفُّفِ**》سے مراد ہے سوال نہ کرنا،سوال کرنے سے بچنا۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک یا دو کھجور، ایک یا دو لقمے در بدر لیے پھریں بلکہ مسکین وہ ہے جو مانگنے سے بچتا رہے اور اگر تم دلیل چاہو تو (قرآن سے) اس آیت کو پڑھ لو کہ''وہ لوگوں سے چمٹ کر نہیں مانگتے۔'' (صحیح بخاری:4539)

سوال6:《**تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ**》''آپ انہیں ان کے چہرے ہی سے پہچان جائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''آپ انہیں ان کے چہرے ہی سے پہچان جائیں گے''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر وقت رہتا تھا،میں خمیری روٹی نہ کھاتا اور نہ عمدہ لباس پہنتا تھا(یعنی میرا وقت علم کے سوا کسی دوسری چیز کے حاصل کرنے میں نہ جاتا) اور نہ میری خدمت کے لیے کوئی فلاں یا فلانی تھی بلکہ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ سے پتھر باندھ لیا کرتا۔بعض وقت میں کسی کو کوئی آیت اس لیے پڑھ کر اس کا مطلب پوچھتا تھا کہ وہ اپنے گھر لے جا کر مجھے کھانا کھلا دے،حالانکہ مجھے اس آیت کا مطلب معلوم ہوتا تھا۔مسکینوں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کرنے والے سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ہمیں اپنے گھر لے جاتے اور جو کچھ بھی گھر میں موجود ہوتا وہ ہم کو کھلاتے۔بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ صرف شہد یا گھی کی کپی ہی نکال کر لاتے اور اسے ہم پھاڑ کر جو کچھ اس میں ہوتا اسے ہی چاٹ لیتے۔ (صحیح بخاری:3708)

سوال7:﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾''وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے''﴿1﴾جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس چالیس درہم ہوں تو اس نے الحاف کیا۔﴿2﴾جو شخص لوگوں سے سوال کرتا ہو حالانکہ اس کے پاس پانچ اوقیہ برابر مال موجود ہو تو گویا اس نے اصرار کر کے سوال کیا۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:''مسکین وہ نہیں ہے جسے ایک یا دو کھجور،ایک یا دو لقمے در بدر لیے پھریں بلکہ مسکین وہ ہے جو مانگنے سے بچتا رہے اور اگر تم دلیل چاہو تو (قرآن سے) اس آیت کو پڑھ لو کہ ''وہ لوگوں سے چمٹ کر نہیں مانگتے۔'' (صحیح بخاری:4539)

سوال8:﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾''اور جو خیر میں سے بھی تم خرچ کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور جو خیر میں سے بھی تم خرچ کرو گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے''اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے کے لئے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں اس لئے خرچ کرو۔

رکوع نمبر 38

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ(274)﴾

''جو لوگ اپنے مال رات اور دن،چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔''(274)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾بغوی نے سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو جہاد کے لیے گھوڑے پالتے تھے۔گھوڑوں کو رات دن پوشیدہ اور علانیہ چارہ دیا جاتا تھا۔(تفسیر الوسیط:392/1)﴿2﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ان کے پاس چار درہم تھے۔انہوں نے اس میں سے ایک رات کو اور ایک دن کے وقت اور ایک پوشیدہ طور پر اور ایک ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیے تھے اور ابن منذر رحمہ اللہ نے ابن مسیب رحمہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان حضرات نے سامان جہاد فراہم کیا تھا۔ (الدر المنثور:642/1)

سوال2: ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً﴾ ''جو لوگ اپنے مال رات اور دن، چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ نیک لوگ دن رات، ہر وقت، کھلے چھپے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرتے ہیں۔ (تفسیر المیسر:61/1)

﴿2﴾ نیک لوگ حرام یا مکروہ کاموں میں یا اپنی خواہشات پوری کرنے یا دل کی مرضی کے لیے خرچ نہیں کرتے۔

سوال3: ﴿سِرًّا﴾ ''چھپے'' چھپا کر نیکیاں کرنے کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ چھپا کر نیکیاں کرنے سے انسان کے نفس کی مسلسل اصلاح ہوتی ہے۔ ﴿2﴾ بری صفات (حرص، بخل اور ریاکاری) مٹ جاتی ہیں۔ ﴿3﴾ اچھے اخلاق نشوونما پاتے ہیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان مقبول ہوتا ہے۔

سوال4: ﴿فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ''تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی رب رحیم کے پاس دن رات، کھلے چھپے خرچ کرنے والوں کا اجر ہے۔

سوال5: اس سے کون سا اجر مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دنیا میں لمبی عمر۔ ﴿2﴾ آخرت میں اچھا انجام۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی رضامندی۔

سوال6: اجر کا شعور انسان سے کیا کروالیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے رات دن اور کھلے چھپے خرچ کرنے کے لئے یہ شعور دلایا ہے کہ اس کام کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو ضائع ہونے والا نہیں، یقینی طور پر ملنے والا ہے۔ یہ اجر کا شعور انسان سے ہر حال میں مال خرچ کروالیتا ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے اور اس کے وعدہ کو سچا سمجھتے ہوئے کوئی گھوڑا راہ خدا میں کام آنے کے لیے پرورش کرتا ہے تو گھوڑے کا کھانا، پینا، لید، پیشاب (سب کچھ) قیامت کے دن اس کی میزان میں رکھا جائے گا (اور نیکیوں کی تول میں آئے گا۔) (بخاری)

سوال7: ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے غم میں مبتلا ہوں گے تو وہ لوگ جو اپنے مال رات اور دن، چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہوگا اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔ وہ اپنا اصل مقصد حاصل کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اس وقت کامیاب ہو جائیں گے اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رہیں گے جب حد سے بڑھنے والے غم میں مبتلا ہوں گے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ(275) ﴾

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، چنانچہ جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت آ جائے، سو وہ باز آ جائے تو جو پہلے گزر چکا وہ اس کے لیے ہے، اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے، اور جو دوبارہ سود کھائیں تو وہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“(275)

سوال1: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾ ”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کا برا انجام بیان کیا ہے۔ وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے ایسے اٹھیں گے گویا شیطان نے انہیں دیوانہ بنا دیا ہو۔ اس وقت انہیں سخت سزا ملنے کا یقین ہوگا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے سود خور کو مخبوط الحواس شخص سے تشبیہ دی ہے۔ سود خور روپے کے پیچھے پاگل ہے اور اپنے اس پاگل پن میں عقل سے بعید حرکات کرتا ہے۔ سود خور کا پاگل پن خود غرضی کا ہے۔ اسے کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ اس سے کس طرح انسانی محبت اور ہمدردی کی جڑیں کٹ رہی ہیں؟ معاشرتی فلاح و بہبود پر کتنے برے اثرات پڑ رہے ہیں؟ کتنے لوگوں کی بدحالی سے وہ اپنی خوش حالی کا سامان کر رہا ہے؟ اکثر مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ سود خور قیامت کے دن ایک دیوانے اور مخبوط الحواس شخص کی حالت میں اٹھے گا۔ سید قطب لکھتے ہیں کہ زمین پر ہماری زندگی میں بھی یہ خوفناک تصویر عملاً موجود ہوتی ہے۔ اقتصادی نظام میں ایک سود خور دیوانہ وار کوششوں میں مصروف ہے جس طرح شیطان کا چھوا ہوا شخص دیوانہ ہوتا ہے۔ ﴿3﴾ لفظ ”المس“ کے معنی جنون کے ہیں جسے دیوانگی بھی کہتے ہیں۔ فراء نے یہی تفسیر کی ہے۔ مس کا معنی جنوں کا چھونا۔ (بخاری کتاب التفسیر) سود خور آخرت میں ایسے شخص کی طرح اٹھے گا جسے شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں سود خور آخرت میں مجنون اٹھے گا۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿4﴾ سود خور کا پاگل پن خود غرضی ہے۔ اسے صرف اپنی ذات کی فکر ہے۔ اسے کوئی ہوش نہیں کہ میرے جیسا دل، میرے جیسی ضروریات کسی اور کی بھی ہیں، میرے جیسے مسائل کسی اور کے بھی ہو سکتے ہیں، ان کے اندر بھی زندگی ہے، سود خور کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، وہ پتھر دل، سنگ دل، تنگ دل اور خود غرض انسان ہے۔ اسے کوئی پرواہ نہیں کہ انسانی محبت کی جڑیں کٹ رہی ہیں۔ اس کے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس رویے کی وجہ سے انسانیت کن تکلیفوں میں مبتلا ہے۔اسے کوئی پروا نہیں اسے کوئی فکر نہیں ہوتی کہ معاشرے کی فلاح و بہبود کے کام ہونے چاہئیں۔وہ کبھی نہیں سوچتا کہ کتنے لوگ بدحال ہوتے ہیں اور میں خوش حال ہوتا ہوں؟ میں کتنے گھروں کو دکھ میں مبتلا کرتا ہوں؟ وہ لوگوں سے زندگی چھین کر انہیں موت کی مجبوریوں تک پہنچا کر بھی اپنی خوش حالی چاہتا ہے۔

سوال2: اہل جاہلیت کیسے سود وصول کرتے تھے؟

جواب: امام رازی کی تحقیق میں اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک شخص کو ایک معین مدت کے لیے روپیہ دیتے اور اس سے ماہ بہ ماہ ایک مقرر رقم سود کے طور پر وصول کرتے رہتے۔جب وہ مدت ختم ہوجاتی تو مدیون سے رأس المال کا مطالبہ کیا جاتا۔ اگر وہ ادا نہ کرسکتا تو پھر ایک مزید مدت کے لیے مہلت دی جاتی اور سود میں اضافہ کردیا جاتا۔(تفسیر کبیر:2:351)

سوال3: سود کب حرام ہوا؟

جواب: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب سود کے سلسلے میں سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں پڑھ کر لوگوں کو سنایا اور اس کے بعد شراب کی تجارت بھی حرام قرار پائی۔(صحیح بخاری:4540)

سوال4: سود کس درجے کا گناہ ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سات ہلاکت میں ڈالنے والی چیزوں سے بچو۔عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ سات ہلاکت میں ڈال دینے والی چیزیں کون سی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور جادو کرنا اور کسی نفس کا قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا سوائے حق کے اور یتیم کا مال کھانا،سود کھانا، جہاد میں دشمن کے مقابلہ سے بھاگنا اور پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔''(صحیح مسلم:262)﴿2﴾ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب والی طویل حدیث میں بیان فرمایا: پھر ہم ایک نہر پر آئے وہ خون کی طرح سرخ تھی اور اس نہر میں ایک آدمی تیر رہا تھا نہر کے کنارے پر بھی ایک آدمی تھا جس نے اپنے پاس بہت سے پتھر جمع کر رکھے تھے۔یہ تیرنے والا شخص تیرتا رہتا،اور جب اس شخص کے پاس آتا جس نے اپنے پاس پتھر جمع کر رکھے تھے تو وہ اس کے منہ کو کھولتا اور اس میں ایک پتھر داخل کردیتا۔پھر اس کی تعبیر میں آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد سود کھانے والا ہے۔(صحیح بخاری:7047)﴿3﴾۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود کے ستر درجے ہیں ان میں سے کم درجے کا گناہ اس قدر ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے نکاح (یعنی زنا) کرے۔(ابن ماجہ:2274)﴿4﴾ سود کا لین دین بہت ہی بڑا گناہ ہے اس لیے سود سے متعلق ہر شخص پر لعنت کی گئی ہے۔ابوجحیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے گودنے والی اور گدوانے والی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور مصور پر لعنت فرمائی ہے۔(صحیح بخاری: 2238)

﴿5﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے سود دینے والے،سود تحریر کرنے والے اور سودی لین دین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے گواہوں پر لعنت کی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: (گناہ میں) سب برابر ہیں۔(صحیح مسلم:4093)

سوال5: سود خور کی بھیانک تصویر کا انسانی زندگی پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟

جواب:﴿1﴾سود خور کی بھیانک تصویر کا انسانی زندگی پر گہرا اثر ہوتا ہے، اس سے انسان میں خوف پیدا ہوتا ہے۔﴿2﴾سرمایہ کاری کرنے والے سود خوروں کے انسانی جذبات جاگ سکتے ہیں، متحرک ہو سکتے ہیں۔﴿3﴾اس آیت کے ذریعے انہیں جھنجھوڑا جا رہا ہے اور مروجہ سودی نظام سے نکالنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔﴿4﴾یہ آیت لالچ اور خود غرضی کی فضا سے نکالنے کے لیے انتہائی مؤثر ہے۔

سوال6:﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾" یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ بات کہ تجارت بھی تو سود کی طرح ہے کوئی دیوانہ ہی کہہ سکتا ہے یا ایسا شخص جو دین کا دشمن ہو یا جس کی عقل اوندھی ہوگئی ہو۔اسی وجہ سے ان کو بدلہ بھی ان کے عمل کی طرح ملے گا یعنی قیامت کے دن وہ پاگلوں کی طرح اٹھیں گے۔

سوال7: کیا تجارت سود کی طرح ہے؟

جواب:﴿1﴾تجارت سود کی طرح نہیں ہے:(i) تجارت میں نقد رقم کا تبادلہ ہوتا ہے جب کہ سود میں نہیں۔ (ii) تجارت میں نفع اور نقصان کا امکان رہتا ہے جب کہ سود میں ایک کو یقینی نفع ہوتا ہے اور دوسرے فریق کے نفع و نقصان کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔(iii) تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام اس لئے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔۔امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں حرمت سود کے عقلی دلائل لکھے ہیں۔انہوں نے پہلے نمبر پر یہ بالکل صحیح لکھا ہے کہ سود کی رقم آخر کس چیز کا معاوضہ ہوتی ہے؟ بجز مفت خوری کی بدترین شکل کے اور یہ ہے کیا؟(تفسیر ماجدی: 505/1)﴿2﴾سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی انہوں نے فرمایا کہ تم ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سود کا لین دین رواج پائے ہوئے ہے۔جب کسی پر کچھ قرض ہو پھر وہ تمہیں بھوسہ کا ایک گٹھڑ یا جو کی گٹھری یا رسی میں بندھی ہوئی سبزی بھی دینا چاہے تو اس کو مت لینا کیونکہ وہ سود ہے۔(بخاری)﴿3﴾جو لوگ سودی کاغذات لکھتے ہیں اس کی فائلیں بنا کر رکھتے ہیں وہ سودی لین دین کی فرموں، کمپنیوں اور بینکوں میں کام کرتے ہیں اور جو سود لیتے ہیں اور سود دیتے ہیں وہ اپنے بارے میں غور کر لیں کہ لعنت کے کام میں مشغول ہیں۔گناہ کی مدد بھی حرام ہے اور جس نوکری میں گناہ پڑے وہ بھی حرام ہے اس کی تنخواہ بھی حرام ہے۔سود کا لین دین کرنے والوں اور زیادہ آمدنی کی خواہش رکھنے والوں کو مفتیوں کی بات ناگوار تو لگتی ہے مگر حق تو کہنا ہی پڑتا ہے۔(انوار البیان: 419/1)

سوال8: سود خوروں کے نظریے کی خرابی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں "تجارت بھی تو آخر سود جیسی چیز ہے" وضاحت کریں؟

جواب:

سود خوروں کا مؤقف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سود	تجارت
﴿2﴾ قرض پر دیئے ہوئے روپے کا منافع بھی جائز ہونا چاہیے۔	﴿1﴾ تجارت میں لگے ہوئے روپے کا منافع جائز ہے۔
﴿2﴾ ایک شخص روپے سے خود فائدہ اٹھانے کی بجائے قرض دیتا ہے اور دوسرا شخص فائدہ اٹھاتا ہے۔اس فائدے میں سے قرض دینے والے کو ادا کرنا چاہیے۔	﴿2﴾ ایک شخص اپنے روپے کو تجارت میں لگا کر اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

سوال9: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوا﴾ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے''اسلام کا موقف یہ ہے کہ سود حرام ہے اور تجارت حلال ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ﴾ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے کہ اس میں سب کے لیے نفع ہے چونکہ سب کو تجارت کی ضرورت ہے اس لیے اسے حرام قرار دینے میں نقصان ہے۔تجارت حصول رزق کی ایک عظیم بنیاد ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے حلال قرار دیا ہے۔﴿2﴾ ﴿وَحَرَّمَ الرِّبَوا﴾ ''اور سود کو حرام کیا ہے''سود ظلم پر مبنی ہے اس کا انجام ہلاکت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔﴿3﴾ تجارت اور سود کے بارے میں:

اسلام کا موقف

سود	تجارت
﴿1﴾ سود میں قرض دینے والے سرمایہ دار کو نقصان کا خطرہ نہیں ہوتا۔	﴿1﴾ ہر تجارت خواہ وہ سرمائے سے ہو یا محنت اور سرمائے سے اس میں نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔
﴿2﴾ سود میں قرض خواہ نہ وقت لگاتا ہے، نہ محنت اور نہ قابلیت،صرف سرمایہ لگا کر مقررہ منافع کی ضمانت ہوتی ہے۔اس کا مال محفوظ ہوتا ہے اور دوسرے کا مال غیر محفوظ ہوتا ہے۔	﴿2﴾ تجارت میں وقت، محنت، قابلیت اور سرمایہ لگا کر بھی مقرر منافع کی ضمانت نہیں ہوتی۔
﴿3﴾ سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں۔ سود لینے والا مال کی مقرر مقدار لیتا ہے منافع یقینی ہے۔	﴿3﴾ تجارت میں خریدار اور فروخت کرنے والے کے درمیان منافع کا تبادلہ مساویانہ ہوتا ہے۔ (فروخت کرنے والا محنت، ذہانت اور وقت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی اجرت لیتا ہے جو وہ چیز کو مہیا کرنے کے لیے لگاتا ہے)۔	سود دینے والا صرف مہلت لیتا ہے جس کا منافع بخش ہونا یقینی نہیں۔(اگر سرمایہ ذاتی ضروریات کے لیے لیا ہے تو مہلت نفع مند نہیں ہے)۔
﴿4﴾ تجارت کا معاملہ نفع اور نقصان میں شراکت کا ہے۔	﴿4﴾ سود کا معاملہ ایک فریق کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے۔
﴿5﴾ تجارت میں منافع خواہ کتنا ہی زائد ہو ایک بار ہوتا ہے۔	﴿5﴾ سود کے معاملے میں مال دینے والا مال پر مسلسل منافع وصول کرتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ منافع بڑھتا چلا جاتا ہے چاہے قرض لینے والے کے تن کے کپڑے اور گھر کے برتن تک بک جائیں۔
﴿6﴾ تجارت میں شے اور اس کی قیمت کے تبادلے پر معاملہ ختم ہو جاتا ہے، مکان یا زمین یا سامان کے کرائے میں اصل شے (جس کے استعمال کا معاوضہ دیا جاتا ہے) ختم نہیں ہوتی برقرار رہتی ہے اور مالک کو واپس کر دی جاتی ہے۔	﴿6﴾ سود کے معاملے میں قرض دار سرمایہ لیتا ہے اسے صرف کر لیتا ہے۔پھر صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کرتا ہے۔اضافے کے ساتھ واپس کرتا ہے۔
﴿7﴾ تجارت، صنعت اور زراعت میں انسان محنت، ذہانت اور وقت کا فائدہ لیتا ہے۔	﴿7﴾ سودی کاروبار میں نہ محنت، نہ ذہانت، نہ وقت، محض ضرورت سے زیادہ مال دے کر بغیر کسی محنت کے دوسرے کی کمائی کے زیادہ حصے میں شریک بن جاتا ہے۔
﴿8﴾ تجارت میں نفع ونقصان کی شراکت نفع کے تناسب اور نقصان کے تناسب سے ہوتی ہے۔	﴿8﴾ سود پر قرض دینے والا نفع ونقصان میں نہیں بلکہ صرف نفع میں ہی شریک ہوتا ہے۔نقصان ہو تب بھی اس کا منافع fix ہے۔پھر منافع میں بھی بلالحاظ تناسب طے شدہ منافع لیتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿9﴾ تجارت انسانی تمدّن کی تعمیر کرنے والی قوت بن جاتی ہے۔لوگوں کی صلاحیتیں لگتی ہیں،معاشرا ترقی کرتا ہے۔	﴿9﴾ سودانسانی تمدن کی خرابی کا باعث بنتا ہے۔ ذہانت بھی قومی سرمایہ ہے جوسود کی وجہ سے ضائع ہوجاتا ہے۔
﴿10﴾ تجارت امداد باہمی اور ہمدردی کے جذبات پیدا کرتی ہے۔	﴿10﴾ سودافراد میں بخل،خودغرضی،شقاوت،بے رحمی اورزر پرستی جیسی صفات پیدا کرتا ہے۔
﴿11﴾ تجارت کا فائدہ عوام الناس کو ہوتا ہے۔	﴿11﴾ سود کا فائدہ چند سرمایہ کاروں کا گروہ اٹھاتا ہے۔
﴿12﴾ تجارتی سرگرمیاں انسانیت کے لیے مفید ہیں۔	﴿12﴾ سودی لین دین اصلاًانسانیت کے لیے تباہ کن ہے۔
﴿13﴾ تجارت حلال ہے۔	﴿13﴾ سودحرام ہے۔

سوال10: ﴿ **فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ** ﴾ ’’چنانچہ جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت آجائے جس سے وہ باز آجائے تو جو پہلے گزر چکا وہ اس کے لیے ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جس کو اللہ تعالیٰ نے نصیحت حاصل کرنے کی توفیق دی اس کے لیے رحمت ہے۔﴿2﴾ سعید بن جبیر نے اس آیت کے متعلق کہا: یعنی قرآن کا سود کی حرمت کے بارے میں بیان آجائے تو وہ اس سے رک جائے۔اس نے ربا کی حرمت سے پہلے جو کھا لیا وہ اس کے لیے ہے۔(ابن ابی حاتم:545/2)﴿3﴾﴿ **فَانْتَهٰى** ﴾ ’’چنانچہ وہ باز آجائے‘‘ جو سود کے لین دین سے توبہ کر لے اس کے لیے قانونی رعایت ہے یعنی جو پہلے کھا چکا اسے واپس کرنے کا قانونی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

سوال11: سودخور کو قانونی رعایت دینے کے بعد فرمایا ﴿ **وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ** ﴾ ’’اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے‘‘ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن توبہ کرنے والے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔وہ جو چاہے گا فیصلہ کرے گا۔اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور مشیت پر ہے یعنی اخلاقی حیثیت سے اس مال کی نجاست برقرار ہے۔﴿2﴾ اس سے ایک خطا کار مسلمان کے دل میں ہمیشہ یہ خوف رہتا ہے کہ اس نے جو کیا بہرحال غلط تھا۔ایک تو وہ توبہ واستغفار کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سابقہ گناہوں کو معاف کر دیں گے۔دوسرے یہ کہ وہ آئندہ اس سرمائے میں اضافہ نہیں چاہے گا۔﴿3﴾ اب اسے سزا دینا اور مستقبل میں اس کے عمل کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

سوال12: ﴿ **وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ** ﴾ ’’اور جو دوبارہ سود کھائیں تو وہی لوگ آگ والے ہیں،وہ اس

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' یہ انسان کی تربیت کا قرآنی انداز ہے، وضاحت کریں؟

جواب:《1》《وَمَنْ عَادَ》'' اور جو دوبارہ سود کھائیں'' جس نے دوبارہ سود لیا اس نے سود پر اصرار کیا۔《2》《فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ》'' تو وہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' قرآن حکیم انسان کے اندر آخرت کا خوف پیدا کر کے انسان کی اصلاح کرتا ہے۔ انسانوں میں سے کچھ انسان آخرت کا علم تو رکھتے ہیں لیکن یقین نہیں رکھتے۔ اس لیے قرآن آگاہ کرتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو نہ مانے وہ گناہ گار ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے گناہ گاروں سے، کافروں سے نفرت کرتے ہیں۔

《يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ (276)》

'' اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے، گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔''(276)

سوال1:《يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا》'' اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے'' اللہ تعالیٰ سود کو کیسے مٹاتا ہے، وضاحت کریں؟

جواب:《1》لفظ《يَمْحَقُ》'بمعنی《یذھب》کے ہے یعنی مٹا دیتا ہے اور دور کر دیتا ہے۔(بخاری: کتاب التفسیر)《2》《يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا》'' اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے'' یعنی اس کی برکت لے جاتا ہے اور جس میں شامل ہوتا ہے اس مال کو ہلاک کر دیتا ہے۔ (تفسیر البیضاوی:575/1)《3》عباد بن منصور نے حسن سے اس آیت《يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ》کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ قیامت کا دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ سود کو مٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا۔(ابن ابی حاتم:547/2)《4》سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نہ ان سے صدقہ قبول کرے گا، نہ حج نہ، جہاد اور نہ صلہ رحمی۔(تفسیر خازن:211/1)《5》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حرام مال کما کر صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور جو کچھ اس میں سے خرچ کرے گا اس میں برکت نہ ہوگی اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو اس کے لیے دوزخ کی آگ میں لے جانے والا توشہ بنے گا۔(مشکوۃ:242)《6》سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو گوشت حرام سے بڑھا ہو جنت میں داخل نہ ہوگا اور جو گوشت حرام سے بڑھا دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہوگی۔(احمد ودارمی)《7》اس آیت کا ایک سیدھا سادا مفہوم تو یہ ہے کہ سود میں برکت نہیں ہوتی یعنی سود خور کا مال بالآخر برباد ہو جاتا ہے۔《8》دوسرا مفہوم ذرا زیادہ دقیق ہے اور وہ یہ ہے کہ سود سے اصل سرمایہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور قوم کے لئے یہ خسران مبین کا باعث ہوتا ہے۔ اقتصادیات کا یہ اصول ہے کہ دولت میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب اسے زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے اور سود سے روپیہ بجائے پھیلنے کے چند ہاتھوں میں سمٹ کے رہ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کی تمدنی ترقی رک جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر تعاونی جذبات کی ترقی ہو۔ روپیہ محدود ہاتھوں میں نہ رہے اور پھیلتا رہے تو قوم کے سرمایہ میں اضافہ ہوگا۔(سراج البیان:109/1)《9》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سودا گر چہ بہت ہو جائے اس کا انجام کمی کی طرف ہو جائے گا۔(مشکوۃ:246)﴿10﴾یعنی سود اگر چہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجام کار نتیجہ اس کا قلت ہے۔سود آفات کا باعث بنتا ہے۔اللہ تعالیٰ اسے اور اس کی برکت کو ختم کر دیتا ہے۔اگر اس کمائی کو سود خور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو اسے اجر نہیں ملے گا بلکہ اسے یہ جہنم میں لے جائے گا۔

سوال2: ﴿وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ ''اور صدقات کو بڑھاتا ہے'' اللہ تعالیٰ صدقات کو کیسے نشوونما دیتا ہے؟

جواب:﴿1﴾﴿وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ ''اور صدقات کو بڑھاتا ہے''یعنی جس مال سے صدقہ دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت نازل کرتا ہے اور اس کے ثواب کو بڑھاتا ہے۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ صدقات کا ثواب بڑھا دیتا ہے اور جس مال سے صدقہ نکلتا ہے اس میں برکت دیتا ہے۔نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا'' جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ تعالیٰ صرف حلال کمائی کے صدقہ کو قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے، پھر صدقہ کرنے والے کے فائدے کے لیے اس کو بڑھاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کوئی اپنے جانور کے بچے کو کھلا پلا کر بڑھاتا ہے یہاں تک کہ اس کا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔''(صحیح بخاری:1410)

سوال3: صدقات اور سود کے معاشرے پر کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا اور سود کو مٹاتا ہے۔

باہمی تعلقات

صدقات	سود
﴿1﴾جس معاشرے کے لوگ صدقات دیتے ہیں وہ ذاتی غرض اور ذاتی فائدے کے بغیر ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔	﴿1﴾سود کھانے والے خود غرضی کا معاملہ کرتے ہیں۔ایک شخص دوسرے کی ضرورت کو اپنے لیے نفع حاصل کرنے کا موقع سمجھ کر پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔
﴿2﴾صدقات کی وجہ سے مال دار طبقوں کا مفاد عوام الناس کے مفاد کے مطابق ہوتا ہے۔	﴿2﴾سود کی وجہ سے مال دار طبقوں کا مفاد عوام الناس کے مفاد کی ضد ہوتا ہے۔
﴿3﴾صدقات کی وجہ سے سوسائٹی مضبوط ہوتی ہے۔	﴿3﴾سود کی وجہ سے سوسائٹی مستحکم نہیں ہوتی۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿4﴾ جس معاشرے میں صدقات دیے جاتے ہیں وہاں افراد معاشرہ کے درمیان باہمی ہمدردی، غم خواری، دکھ درد میں شرکت، باہمی تعاون، ایثار، باہم احسان، باہم رضامندی جیسی صفات پروان چڑھتی ہیں۔	﴿4﴾ جہاں سود لیا اور دیا جاتا ہے اس معاشرے کے افراد کے درمیان باہمی بغض، حسد، بے دردی اور بے تعلقی نشو ونما پاتی ہے۔
سوسائٹی کا اجتماعی نظام:	
﴿1﴾ صدقات والے معاشرے میں اجتماعی تعاون اور باہمی کفالت پر استوار ہوتا ہے۔	﴿1﴾ سودی معاشرے میں ذاتی غرض اور ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آنا، اپنے مال میں اضافے کی ہوس پر اجتماعی نظام استوار ہوتا ہے۔
﴿2﴾ صدقات والے معاشرے میں ہر فرد کی تگ ودو اس لیے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے۔	﴿2﴾ سودی معاشرے میں ہر فرد کی تگ ودو اپنی ذاتی خوشی تک محدود ہوتی ہے۔
﴿3﴾ صدقات والے معاشرے میں ہر فرد کی تگ ودو اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اجر کا مستحق بن جائے۔	﴿3﴾ سودی معاشرے میں ساری تگ ودو کا مقصد مال کا حصول ہے۔
﴿4﴾ صدقات والے معاشرے میں ہر وقت اطمینان رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مددگار ہے وہ صدقہ اور احسان کا اجر کئی گنا دے گا۔	﴿4﴾ سودی معاشرے میں ہر وقت بے اطمینانی، روحانی قلق اور پریشانی رہتی ہے۔
﴿5﴾ صدقات والے معاشرے کے افراد پر برکتیں نازل ہوتی ہیں، مال، رزق، عمر، صحت، قوت میں برکت ہوتی ہے۔	﴿5﴾ سودی معاشرے میں ذہنی اور اعصابی کشمکش کی وجہ سے مال، عمر، صحت میں برکت نہیں ہوتی۔
﴿6﴾ صدقات والے معاشرے مین دل اطمینان سے سرشار ہوتے ہیں۔	﴿6﴾ سودی معاشرے میں دل مطمئن نہیں ہوتے۔

معاشی اعتبار سے

ذاتی ضروریات کے لیے قرض	

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک دوسرے کے ساتھ تعاون زکوٰۃ کی مد میں حصہ ہے۔صدقات کے ذریعے سے باہمی ہمدردی، تعاون اور باہمی احسان کی فضا پروان چڑھتی ہے۔ کوئی احسان جتلانا اور دکھ دینا نہیں ہے۔قرض کی واپسی نہ ہو سکے تو مہلت پر مزید اجر کی توقع ہے۔ معاف کرنا پڑے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر معاف کر دینا آسان ہے۔	سود کی وجہ سے قرض ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے اصل سے کئی گنا ادا کرنے کے باوجود اصل رقم برقرار رہتی ہے۔اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے بھی روپیہ نہیں بچتا دل لگا کر محنت نہیں کر سکتے۔چند افراد لاکھوں انسانوں کا خون چوس لیتے ہیں۔ مال دار طبقے کے خلاف نفرت، غصہ جب پھٹتا ہے تو بسا اوقات جان اور عزت تک سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔

کاروبار کے لیے قرض

1۔شراکت کے تحت فریقین کی دل چسپی، محنت، وقت اور سرمائے کی وجہ سے کاروبار پھلتا پھولتا ہے۔	**1**۔شرحِ سود جو رائج ہے اس کے مطابق اگر کوئی بزنس نفع نہ دے سکے تو وہ بزنس نہیں کیے جاتے چاہے ملک وملت کو اس کی ضرورت ہو۔
2۔ہر طرح کے کاروبار میں سرمایہ لگتا ہے۔	**2**۔مخصوص بزنس جو 5 یا 6٪ سالانہ شرح سود نکال سکتے ہیں (منافع کے علاوہ) وہ پروان چڑھتے ہیں۔
3۔بزنس کی بھلائی برائی سے دو طرفہ دل چسپی۔	**3**۔سرمایہ دار کو بزنس کی بھلائی برائی سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی۔
4۔تجارت اور صنعت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔	**4**۔تجارت اور صنعت ایک خاص سطح پر جا کر نقصان کا شکار ہو جاتی ہیں۔

سوال4: سود کا کاروبار کرنے والا اور صدقہ کرنے والا، شراکت پر کاروبار کرنے والا اپنے اندر کیسا انسان تیار کرتا ہے؟

جواب:《1》سود کا کاروبار کرنے والا اپنے اندر خود غرض اور دنیا پرست انسان تیار کرتا ہے۔《2》صدقہ کرنے والا، شراکت پر کاروبار کرنے والا اپنے اندر دوسروں کے لیے خیر خواہ، ذات سے بلند ہو کر سوچنے والا انسان تیار کرتا ہے۔

سوال5: صدقہ اور سود کی روح کیا ہے؟

جواب:《1》صدقہ کی روح حاجت مند کو اپنا مال اللہ تعالیٰ کے لیے دینا ہے۔《2》سود کی روح ضرورت مند کو اپنا مال اس کے استعمال کے لیے دینا ہے۔

سوال6: صدقہ اور سود کس چیز کی علامت ہیں؟

جواب:《1》صدقہ اس چیز کی علامت ہے کہ انسان آخرت میں اپنے لیے نعمتوں کے ڈھیر دیکھنا چاہتا ہے۔《2》سود اس بات کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

علامت ہے کہ انسان دنیا میں اپنے لیے مال کے ڈھیر لگانے کا خواہش مند ہے۔

سوال7: اللہ تعالیٰ کے یہاں سود خور اور صدقہ دینے والے کا انجام یکساں نہیں، وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے یہاں سود خور اور صدقہ دینے والے کا انجام یکساں نہیں ہے۔ دو الگ خصوصیات رکھنے والے انسانوں کا انجام ایک سا نہیں ہو سکتا۔ جس نے دنیا کے لیے محنت کی اسے دنیا ملے گی۔ جس نے آخرت کے لیے آج اپنے مال کو قربان کیا اسے آخرت ملے گی۔

سوال8: سود کی حرمت پر ایک حدیث لکھیں۔

جواب: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا: ''یہ سب (گناہ میں) برابر (شریک) ہیں۔'' (مسلم:4093)

سوال9: ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے، گناہ گار کو پسند نہیں کرتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے، گناہ گار کو پسند نہیں کرتا'' ﴿كَفَّارٍ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو جواز سود کے قائل ہیں۔ ﴿2﴾ ﴿اَثِيْمٍ﴾ سے مراد بڑے گناہ گار، یعنی سود خوری جیسی شدید معصیت میں مبتلا لوگ ہیں۔ ﴿3﴾ اس میں دونوں قسم کے نافرمان آگئے، وہ جو سودی کاروبار کرتے ہیں اور وہ جو اپنے عمل کے ساتھ ساتھ حرمت سود کے عقیدۃً بھی منکر ہیں۔ ﴿4﴾ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب کردہ زکوٰۃ اور صدقات ادا نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کے بندے اس کے شر سے محفوظ نہیں رہے۔ (تفسیر سعدی:326/1)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ(277)﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (277)

سوال1: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے'' اصل مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسولوں پر اور جو اس نے نازل کیا اس پر ایمان رکھتا ہے، نیک عمل کرتا ہے، نماز قائم کرتا ہے، زکوٰۃ ادا کرتا ہے، سخاوت کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کہ مجھ سے ہر ایک کو فائدہ حاصل ہو جائے۔ ﴿2﴾ جو دن رات خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ وہ مجھے بڑھا چڑھا کر دے گا تا کہ لوگوں کو اور دوں اور دیتا ہی جاؤں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال2:﴿لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾"ان کے لیے ان کا اجران کے رب کے پاس ہے اوران پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾"ان کے لیے ان کا اجران کے رب کے پاس ہے" ان کے لیے ان کا کامل ثواب جنت میں ہوگا۔﴿2﴾"ان پر نہ کوئی خوف ہوگا" اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن کی گھبراہٹوں میں ان پر کوئی خوف نہ ہوگا۔﴿3﴾"اور نہ وہ غمگین ہوں گے" یعنی جو دنیا میں ان سے چھوٹ جائے گا اس پر غم نہیں کریں گے۔(صفوۃ التفاسیر:158/1)

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ(278)﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جو سود میں سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔"(278)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ آیت قبیلہ ثقیف میں سے بنی عمرو بن عوف اور بنی مغیرہ کے بارے میں اتری ہے۔﴿2﴾بنی مغیرہ ثقیف کو سود پر مال دیا کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے مکہ مکرمہ فتح کر دیا اور اس دن تمام سودی کاروباروں کا خاتمہ کر دیا گیا تو بنی عمرو اور بنی مغیرہ عتاب بن اسید کے پاس آئے بنی مغیرہ نے آکر کہا کہ اس سود کی وجہ سے ہم تمام لوگوں سے بدتر ہوگئے اور ہمارے علاوہ اور لوگوں نے سود کا خاتمہ کر دیا تو بنی عمرو بولے کہ آپس میں ہم اس شرط پر صلح کر لیں کہ ہمارے لیے ہمارا سود ہے ان کی یہ بات عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھ کر روانہ کی تو اس پر یہ آیت اور اس سے بعد والی آیت نازل ہوئی اور ابن جریر نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت قبیلہ ثقیف میں سے مسعود حبیب ربیعہ اور عبد یالیل، بنو عمر اور بنو عمیر کے متعلق اتری ہے۔(تفسیر ابن عباس:166/1)﴿3﴾رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: "جاہلیت کے زمانے کا سود پامال کر دیا گیا ہے اور میں اپنے سود میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ کا سود معاف کرتا ہوں۔"(مسلم:2950)

سوال 2:﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ" سود چھوڑنے کے لیے تقویٰ کا مطالبہ کیوں کیا گیا؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ کا خوف انسان سے دنیا میں وہ کام کروا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہیں لیکن انسان کو وہ کام انتہائی مشکل محسوس ہوتے ہیں۔﴿2﴾تقویٰ کا شعور وہ ضمانت ہے جس کی وجہ سے اسلام اپنے قوانین نافذ کرتا ہے۔﴿3﴾تقویٰ انسان کے اندر ضمیر کا چوکیدار ہے، خدا خوفی اور رضائے الٰہی کا نگران ہے۔﴿4﴾وہ اندرونی گارنٹی جو اسلام پیدا کرتا ہے بیرونی دباؤ کی وجہ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نافذ کرنے والے قوانین کے مقابلے میں انتہائی مؤثر ہے۔﴿5﴾ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے جس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جس کے ذمے موجودہ لین دین میں سود ہے اسے چھوڑ دیں۔ جہاں تک پہلے سود کا معاملہ ہے اگر آئندہ سود نہ لیا تو پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

سوال3:﴿ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور جو سود میں سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں کہ ایمان کا مقتضیٰ سارے ہی احکام قرآن پر عمل کرنا ہے۔ محققین نے اس ٹکڑے سے یہ استدلال کیا ہے کہ شریعت کے کسی ایک جزء سے بھی انکار کرنا ساری شریعت سے انکار ہے۔ (تفسیر ماجدی)﴿2﴾ ''اور جو سود میں سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی رسول سے یہ قول منقول ہے کہ سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی۔ (تفسیر ماجدی:508/1)﴿3﴾ آپ ﷺ نے فرمایا کھلو گوں پر ایک زمانہ آئے گا جب ہر کوئی سود کھانے والا ہوگا سود نہ کھائے تو بھی اس کا بخار اور ایک دوسری روایت کے مطابق اس کا غبار اسے ضرور پہنچ کے رہے گا۔ (تیسیر القرآن:229/1)

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ(279) ﴾

''پھر اگر تم نے (ایسا) نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑی جنگ کا اعلان سن لو، اور اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا'' (279)

سوال1:﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ ''پھر اگر تم نے (ایسا) نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑی جنگ کا اعلان سن لو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ''پھر اگر تم نے (ایسا) نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑی جنگ کا اعلان سن لو'' جس نے اللہ تعالیٰ کی نصیحت قبول نہ کی اور سود سے باز نہ آیا وہ اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے والا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک کمزور انسان اپنے رب سے جنگ کر سکے جو کہ غالب اور حکمت والا ہے۔﴿2﴾ اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرے جو سودی اقتصادیات کو جاری رکھنے پر بضد ہیں اگر چہ یہ لوگ اعلان کریں کہ ہم مسلمان ہیں۔ نبی ﷺ نے حاکم مکہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے آل مغیرہ سے جنگ کریں کیونکہ وہ ان آیات کے نزول کے بعد بھی سودی کاروبار سے باز نہیں آئے۔﴿3﴾ یہ اعلان جنگ ہر اس معاشرے کے خلاف ہے جو اپنے اقتصادی نظام کی بنیاد سود پر رکھتا ہو۔ یہ اعصاب کی جنگ ہے۔ یہ خیر و برکت اور خوش حالی کے خلاف سود کی جنگ ہے۔﴿4﴾ مقاتل بن حیان نے اس آیت ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ کے بارے میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو لکھا، اگر وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سود چھوڑنے کے لیے تیار ہوں تو ان کے لیے ان کے اصل اموال ہیں اور اگر ایسا نہ کریں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑی جنگ کا اعلان سن لیں۔ (ابن ابی حاتم:2/549)《5》یعنی سود خوروں سے باغیوں اور مرتدوں کی طرح جہاد کیا جائے گا۔

سوال2: ﴿وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ﴾ ''اور اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور اگر تم توبہ کرو'' یہاں توبہ کا مطلب ہے کہ انسان سود جیسے حرام کام سے رجوع کر لے۔《2》''تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں'' یعنی اصل مال وصول کر لو۔

سوال3:﴿لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ ''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس سے مراد یہ ہے کہ اگر اصل زر سے زیادہ وصول کرو گے تو وہ سود تمہاری طرف سے ظلم ہوگا اور اگر تمہیں اصل زر نہ دیا جائے تو یہ تم پر ظلم ہوگا لہٰذا نہ ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔《2》سعید بن جبیر نے ﴿وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ کے بارے میں کہا کہ ان کے اعمال میں ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا، نہ ان کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی، اور نہ ان کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا۔ (الدرالمنثور:1/653)《3》اصل مال کی واپسی میں قرض خواہ اور قرض دار دونوں کا نقصان نہیں۔

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (280)﴾

''اور اگر کوئی تنگ دست ہو تو آسانی تک (اسے) مہلت دینا ہے اور تمہارا صدقہ کرنا ہی تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔'' (280)

سوال1:﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ ''اور اگر کوئی تنگ دست ہو تو آسانی تک (اسے) مہلت دینا ہے'' اسلام کے اس اصول کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اگر کوئی تنگ دست ہو تو آسانی تک (اسے) مہلت دینا ہے''《1》اسلام تنگ دست کا تعاقب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔《2》نہ قرض خواہ تعاقب کرے گا نہ قانون اور عدالتوں کو یہ اختیار ہوگا۔《3》تنگ دست کو حالات کی بہتری تک مہلت دی جائے گی۔ (i) قرض خواہ سے مطالبہ ہے یا تو وہ معاف کر دے۔ (ii) یا زکوٰۃ کی مد میں سے قرض کی ادئیگی کے لیے کوشش کی جائے۔《4》اسلامی نظام کا یہ اصول انسانیت کے لیے گھنی چھاؤں ہے اس میں خود غرضی، لالچ، بخل اور مفاد پرستی نہیں۔ انسانیت یہاں سکون کا سانس لیتی ہے۔ قرض دار کے لیے رحمت ہے۔ قرض خواہ کے لیے بھی اس لیے کہ نہ اس کا اصل زر مارا جاتا ہے نہ اجر۔

سوال2:﴿وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ''اور تمہارا صدقہ کرنا ہی تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾ سعید بن جبیر نے اس قول﴿ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ﴾ ''اور تمہارا صدقہ کرنا ہی تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے'' کے بارے میں فرمایا: جو کسی تنگ دست پر صدقہ کرے گا تو وہ اس کے لیے بڑے اجر کا ذریعہ ہوگا۔(ابن ابی حاتم :553/2)﴿2﴾ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی مر گیا اور جنت میں داخل ہوا تو اسے کہا گیا: تو کیا عمل کیا کرتا تھا؟ اسے یاد آیا یا یاد کرایا گیا۔ تو اس نے کہا: میں لوگوں کو مال فروخت کرتا تھا اور میں تنگ دست کو مہلت دیتا اور سکوں کے پرکھنے یا نقد میں درگزر کرتا تھا۔ تو اس کی مغفرت کر دی گئی۔ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا۔(صحیح مسلم :3995)﴿3﴾ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی بے چینیوں سے نجات دے تو تنگ دست (قرض دار) کو مہلت دے دے یا معاف کر دے۔(مسلم :18/2)﴿4﴾ سیدنا ابوالیسر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی تنگ دست کو قرض کی ادائیگی میں مہلت دے یا (قرضہ) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔(صحیح مسلم :7512)﴿5﴾ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ مسجد کی طرف نکلے اور آپ مسجد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے۔ ابو عبدالرحمٰن نے اپنے ہاتھ کے ساتھ زمین کی طرف اشارہ کیا ''جو تنگ دست کو مہلت دے یا اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی تیز لو سے بچائے گا۔''(مسند احمد 327/1)﴿6﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک تاجر لوگوں سے قرضوں کا لین دین کیا کرتا تھا۔ قرضے وصول کرنے پر جو غلام اس نے مقرر کر رکھے تھے ان سے کہتا تھا کہ جب کسی تنگ دست کے پاس پہنچو تو اس سے درگزر کر دینا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگزر فرمائے گا۔ چنانچہ موت کے بعد جب وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرما دیا۔(بخاری :279/1، مسلم :18/2)﴿7﴾ سیدنا عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (میرے باپ) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی حدرد سے مسجد نبوی میں اپنے قرض کا تقاضا کیا۔ دونوں چلانے لگے۔ آپ ﷺ اپنے حجرہ میں تھے ان دونوں کی آوازیں سنیں تو آپ ﷺ حجرے کا پردہ اٹھا کر برآمد ہوئے اور کعب کو پکارا۔ کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: حاضر یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے اشارہ سے فرمایا: آدھا قرض چھوڑ دو۔ کعب کہنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے ابو حدرد سے فرمایا: اور اس کا قرض ادا کرو۔(تیسیر القرآن :234/1)

سوال3: اگر مال سود پر قرض نہ دیا جائے تو دولت میں اضافہ کیسے کیا جائے؟

جواب:﴿1﴾ اگر مال سود پر قرض نہ دیا جائے تو دولت میں اضافہ کے لیے افراد ذاتی جدوجہد کریں۔﴿2﴾ تجارت میں شراکت کر کے دولت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔﴿3﴾ اقتصادی ترقی، بڑی کمپنیوں کے shares سے جو براہ راست بازار میں حصص فروخت کرتے ہیں، ان کے توسط سے دولت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔﴿4﴾ ایسی رقومات سے جو امانتاً بینکوں میں جمع ہوں گی، بینک انہیں کاروبار میں لگا کر جو نفع حاصل کرے اور اپنا ایک مقرر منافع رکھنے کے بعد انہیں تقسیم کر کے دولت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾(281)

”اوراس دن سے ڈرو جس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اوران پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“(281)

سوال1: یہ آیت آخری وحی ہے، اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب:﴿1﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ آخری آیت تھی جس کے ساتھ سیدنا جبریل علیہ السلام نازل ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے البقرہ میں دوسواسی والی آیات میں رکھوایا۔(بخاری:4544)﴿2﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اکیس دن زندہ رہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اٹھارہ دن زندہ رہے۔(دلائل النبوۃ:137/7)﴿3﴾ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عطیہ اور مقاتل نے کہا قرآن میں یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔﴿4﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اکاسی دن زندہ رہے۔﴿5﴾ ابن جریج نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد نو دن زندہ رہے۔ مقاتل نے کہا: اس کے بعد سات دن زندہ رہے۔(زادالمسیر:289/1)

سوال2:﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ ”اوراس دن سے ڈرو جس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اوران پر ظلم نہیں کیا جائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کا تصور دلایا گیا ہے جس کی وجہ سے انسان کانپ اٹھتا ہے۔﴿2﴾ اس دن انسان سے اس کے اعمال کا بدلہ لیا جائے گا۔﴿3﴾﴿ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ ”پھر ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اوران پر ظلم نہیں کیا جائے گا“ سعید بن جبیر نے کہا﴿مَّا كَسَبَتْ﴾ یعنی: جو انہوں نے خیر یا شر میں سے کوئی عمل کیا۔(ابن ابی حاتم:554/2)﴿4﴾ اس دن کو جو مصیبت والا ہوگا، مشکل ہوگا، بندہ مؤمن کے دل میں اس کا خوف اجاگر کیا گیا ہے۔﴿5﴾ اس دن انسان سے اس کے اعمال کا بدلہ لیا جائے گا۔﴿6﴾ اسلام مومن کے دل میں ایک چوکیدار بٹھا دیتا ہے تاکہ اس کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہ رہے۔﴿7﴾ یہ آیت مبارکہ قرآن مجید کی ان آیات میں شامل ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئیں۔ اس پر احکام اور امر ونواہی کو ختم کیا گیا کیونکہ اس میں نیکی پر جزا کا وعدہ ہے، برائی پر سزا کی وعید ہے اور یہ بیان ہے کہ جس شخص کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والا ہے، جو اسے ہر چھوٹے بڑے، ظاہر اور پوشیدہ عمل کی جزا دے گا، اور وہ اس پر ذرا برابر ظلم نہیں کرے گا، اس یقین کے نتیجے میں اس کے دل میں رغبت و رہبت (شوق اور خوف) کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ جب تک دل میں یہ یقین جاگزیں نہ ہو، یہ چیز کسی طرح پیدا نہیں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتی۔(تفسیر سعدی:327/1)

رکوع نمبر 39

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيۡنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗى فَٱكۡتُبُوهُۚ وَلۡيَكۡتُب بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبُۢ بِٱلۡعَدۡلِۚ وَلَا يَأۡبَ كَاتِبٌ أَن يَكۡتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ ٱللَّهُۚ فَلۡيَكۡتُبۡ وَلۡيُمۡلِلِ ٱلَّذِي عَلَيۡهِ ٱلۡحَقُّ وَلۡيَتَّقِ ٱللَّهَ رَبَّهُۥ وَلَا يَبۡخَسۡ مِنۡهُ شَيۡـٔٗاۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِي عَلَيۡهِ ٱلۡحَقُّ سَفِيهًا أَوۡ ضَعِيفًا أَوۡ لَا يَسۡتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلۡيُمۡلِلۡ وَلِيُّهُۥ بِٱلۡعَدۡلِۚ وَٱسۡتَشۡهِدُواْ شَهِيدَيۡنِ مِن رِّجَالِكُمۡۖ فَإِن لَّمۡ يَكُونَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٞ وَٱمۡرَأَتَانِ مِمَّن تَرۡضَوۡنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحۡدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحۡدَىٰهُمَا ٱلۡأُخۡرَىٰۚ وَلَا يَأۡبَ ٱلشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُواْۚ وَلَا تَسۡـَٔمُوٓاْ أَن تَكۡتُبُوهُ صَغِيرًا أَوۡ كَبِيرًا إِلَىٰٓ أَجَلِهِۦۚ ذَٰلِكُمۡ أَقۡسَطُ عِندَ ٱللَّهِ وَأَقۡوَمُ لِلشَّهَٰدَةِ وَأَدۡنَىٰٓ أَلَّا تَرۡتَابُوٓاْ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً حَاضِرَةٗ تُدِيرُونَهَا بَيۡنَكُمۡ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ أَلَّا تَكۡتُبُوهَاۗ وَأَشۡهِدُوٓاْ إِذَا تَبَايَعۡتُمۡۚ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٞ وَلَا شَهِيدٞۚ وَإِن تَفۡعَلُواْ فَإِنَّهُۥ فُسُوقُۢ بِكُمۡۗ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱللَّهُۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٞ (282)﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم کسی مقررہ مدت تک باہم قرض کالین دین کروتو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے پر لازم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے اور کسی لکھنے والے کو لکھنے سے انکار بھی نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے (لکھنا) سکھایا پس لازم ہے کہ وہ لکھے اور لازم ہے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے حق (قرض) ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے جو اس کا رب ہے اور اس میں سے کچھ نہ کم کرے پھر جس شخص کے ذمے حق (قرض) ہو اگر وہ ناسمجھ یا کمزور ہو یا خود لکھوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کے مختار پر لازم ہے کہ انصاف کے ساتھ لکھوائے اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو تا کہ ان دونوں (عورتوں) میں سے ایک بھول جائے تو ان میں سے ایک کو دوسری یاد کرا دے اور گواہ انکار نہ کریں جب بھی انہیں گواہی کے لیے بلایا جائے اور تم اس سے نہ اکتاؤ کہ تم اسے لکھو، معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی مقررہ مدت تک۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ انصاف والا ہے اور گواہی کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو مگر یہ کہ تجارت نقد ہو جس کا لین دین کرتے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم اس کو نہ لکھو، اور جب تم آپس میں سودا کرو تو گواہ بنا لیا کرو اور کسی کاتب کو اور کسی گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً وہ تمہاری بڑی نافرمانی ہوگی اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘(282)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال1:﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم کسی مقررہ مدت تک باہم قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ یہ آیت قرض کے مسائل سے متعلق ہے اور آیت الدین کے نام سے جانی جاتی ہے۔سیدنا سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت آیت الدین ہے۔(تفسیر ابن کثیر:378/1)﴿2﴾ قرض سے مراد دو آدمیوں کے درمیان ادھار کا معاملہ ہے۔قرض کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب دو آدمیوں کے درمیان نقد معاملہ نہ ہو سکے اور جب لین دین کا معاملہ اسی وقت طے نہ ہو سکے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو قرض کے معاملے میں حکم دیا ہے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے معاملے کو ضبط تحریر میں لائیں تا کہ اس کی رقم اور میعاد پر گواہی رہے۔﴿4﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میعاد مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے۔(ابن کثیر:378/1) ﴿5﴾ اس آیت سے قرض کی تمام صورتوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔﴿6﴾ قرض کے معاملات کی مشروعیت میں حکمت ہے کہ لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہے اور نہ لکھنے کی صورت میں غلطی، بھول، اختلاف اور جھگڑا واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔(تفسیر سعدی:329/1)﴿7﴾ قرض کا معاملہ نقد معاملے کی بہ نسبت مختلف ہے کیونکہ نقد معاملہ لین دین ہو کر اسی وقت ختم ہو جاتا ہے اور ساری بات زبانی ہو تو ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں۔قرض کے معاملے میں ہر فریق معاملے کو اپنے مفاد کے مطابق واضح کرتا ہے۔قرض کے معاملے میں کوئی قطعی بنیاد نہیں ہوتی جس پر فیصلہ ہو سکے اسی وجہ سے قرض کے معاملے میں ادائیگی کے وقت شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔﴿8﴾﴿إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ''کسی مقررہ مدت تک'' مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مدت بالکل صاف اور متعین ہونی چاہئے گول اور مجمل نہ رہے'' جاڑوں کے زمانہ میں'' ''برسات کے موسم میں'' ''ربیع کی فصل میں'' ان مبہم مدتوں کے بجائے تعین وصراحت ہونی چاہئے کہ فلاں سنہ کے فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ۔(تفسیر ماجدی:510/1) ﴿9﴾﴿فَاكْتُبُوهُ﴾ ''تو اسے لکھ لیا کرو'' ابن جریج فرماتے ہیں: جو ادھار دے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے۔(جامع البیان:124/3)

سوال2: قرض لینے اور دینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا قانون ہے؟

جواب: قرض لینے اور دینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ ﴿1﴾ اگر قرض کی مدت مقرر ہے تو لین دین کا تحریر میں آنا ضروری ہے۔﴿2﴾ قرض کی تحریری دستاویز ایک تیسرا شخص تیار کرے گا، فریقین میں سے نہیں ہوگا۔﴿3﴾ املاء قرض دار کروائے گا۔﴿4﴾ اگر قرض دار ضعیف ہو یا کم سن تو اس کا ولی املاء کروائے گا۔﴿5﴾ قرض کے معاہدے پر دو افراد کو گواہ کر لیا جائے جن کی گواہی مقبول ہو۔

سوال3:﴿وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ﴾ ''اور لکھنے والے پر لازم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے'' سے کیا مراد ہے؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب:《1》"اور لکھنے والے پر لازم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے" سے مراد یہ ہے کہ کاتب تحریر میں کمی بیشی نہ کرے اور وہی بات لکھے جس میں دونوں کا اتفاق ہو۔《2》کاتب کو حکم ہے کہ وہ لکھے۔اسے عادل ہونا چاہیے تا کہ اس کی تحریر پر اعتماد کیا جاسکے۔《3》کاتب پر فرض ہے کہ فریقین کے درمیان انصاف سے کام لے۔وہ رشتہ داری اور دوستی کی وجہ سے کسی ایک فریق کی طرف مائل نہ ہو۔《4》کاتب کا ایسی تحریریں لکھنے کے طریق کار سے اور فریقین کے لیے جو چیز واجب ہے اور جس چیز سے تحریر قابل اعتماد بنتی ہے،ان سب امور سے باخبر ہونا ضروری ہے۔《5》جب کوئی ایسی تحریر موجود ہو،جس کی کتابت معروف عادل (قابل اعتماد) آدمی کے ہاتھ کی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔اگر چہ لکھنے والا اور گواہ فوت ہو چکے ہوں۔(تفسیر سعدی:329/1)

سوال4:《وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ》"اور کسی لکھنے والے کو لکھنے سے انکار بھی نہیں کرنا چاہئے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے (لکھنا) سکھایا پس لازم ہے کہ وہ لکھے" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》جب کاتب سے لکھنے کو کہا جائے تو وہ لکھے جس طرح اسے لکھنا نہیں آتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے سکھایا تو وہ ان کے لیے لکھے جو لکھنا نہیں جانتے۔《2》ابن جریج اور مجاہد کہتے ہیں کہ کاتب پر واجب ہے کہ وہ لکھے،انکار نہ کرے۔《3》لکھنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرض ہے۔اس کا معاوضہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔《4》لکھنے کا کام کاتب کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے ہاں نعمت کا شکر ہے۔《5》لکھنے والا عدل وانصاف سے لکھے گا۔

سوال5:《وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ》"اور لازم ہے کہ وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے حق (قرض) ہے" قرض دار کے املا کروانے میں کیا حکمت ہے؟

جواب:《1》کاتب کو حکم دیا گیا ہے کہ صرف وہی چیز لکھے جس کو وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے حق ہے۔《2》فریقین میں سے لکھوانے کی ذمہ داری اس کی ہے جس کے ذمے قرض ہے۔《3》اسے حکم ہے کہ پورا حق بیان کرے اس میں سے کچھ نہ چھپائے۔(تفسیر سعدی:329/1)《4》تحریر لکھوانا قرض دار کی طرف سے قرضے کا اعتراف ہے۔یہ اقرار زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔《5》جب قرض دار خود تحریری دستاویز لکھوائے گا تو زیادتی سے بچے گا۔《6》قرض دار کمزور پوزیشن میں ہوتا ہے اگر وہ خود تحریر نہ کروائے تو ہوسکتا ہے کہ قرض دینے والے کی مخالفت کی وہ جرأت نہ کر سکے۔《7》انسان کا اپنے بارے میں اقرار شرعی طور پر معتبر ہے۔《8》جس کے ذمے حق ہے اس پر حرام ہے کہ وہ ظاہری اچھائی،مقدار یا مدت میں کمی کرے۔

سوال6: قرض دار دستاویز میں کیا تحریر کروائے گا؟

جواب:《1》قرض کا اعتراف کرے گا۔《2》قرض کی مقدار لکھوائے گا۔《3》قرض کی طے شدہ شرائط لکھوائے گا۔《4》قرض کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مدت لکھوائے گا۔

سوال7:﴿ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ ’’اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے جو اس کا رب ہے اور اس میں سے کچھ نہ کم کرے‘‘ قرض دار کے لیے رب کی جانب سے کیا نصیحت ہے؟

جواب: قرض دار کے لیے رب کی جانب سے نصیحت ہے کہ وہ دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھے، گھٹائے بڑھائے نہیں اور نہ کوئی بات چھپائے۔

سوال8: اگر قرض دینے والا تحریر لکھوائے تو کیا زیادتیاں سامنے آسکتی ہیں؟

جواب:﴿1﴾ وہ قرض کی شرائط میں اضافہ کر سکتا ہے۔﴿2﴾ وہ قرض میں اضافہ کر سکتا ہے۔﴿3﴾ مدت مقررہ میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔﴿4﴾ اپنی مصلحت اور مفادات کے تحت کچھ شرائط لکھ سکتا ہے۔﴿5﴾ قرض دینے والے کی پوزیشن مضبوط ہوتی ہے اور قرض دار چونکہ ہر صورت میں سودا کرنا چاہتا ہے اپنی سخت ضرورت کی وجہ سے اس صورت میں قرض دینے والے کی جانب سے زیادتی ہو سکتی ہے۔

سوال9:﴿ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ﴾ ’’پھر جس شخص کے ذمے حق (قرض) ہو اگر وہ ناسمجھ یا کمزور ہو یا خود لکھوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کے مختار پر لازم ہے کہ انصاف کے ساتھ لکھوائے‘‘ قرض دار خود کب املا نہ کروائے؟

جواب:﴿1﴾ قرض دار خود املاء نہ کروائے جب قرض دار نادان ہو یعنی کم سن ہو، کم عقل ہو، ضعیف ہو، گونگا ہو یا بہت بوڑھا ہو یا احمق ہو مضمون لکھوانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوائے۔﴿2﴾ قرض دار کی سفاہت سے مراد ہے اپنے معاملات اچھی طرح طے نہ کر سکنا، ان پڑھ اور جاہل ہونا اور اچھے طریقے سے مالی تصرف نہ کر سکنا۔﴿3﴾ قرض دار کے ضعیف ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ عمر میں کم ہو، عقل میں کمزور ہو یا عمر بہت بڑی ہو یا زبان میں لکنت ہو۔﴿4﴾ جو عدل قرض دار پر واجب ہے وہ اس کے سرپرست پر بھی واجب ہے۔﴿5﴾ عدل شرط ہے کیونکہ فاسق عدل سے نہیں لکھوا سکتا۔﴿6﴾ اس سے مالی معاملات میں سرپرستی کا ثبوت ملتا ہے۔﴿7﴾ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سرپرست کے ذمے حق واجب نہیں ہوتا۔ بچے، کم عقل، مجنون اور کمزور کے ذمے واجب ہوتا ہے۔

سوال10:﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ ’’اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنالو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے تحریر کے ساتھ دو عادل مردوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا۔ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی ایک تو وہ کہ جس کے گھر بداخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت سے پہلے اسے سونپ دے، تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے۔ (تفسیر ابن کثیر: 381/1)﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دو عادل

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مردوں کو گواہ بنانے سے مراد ہے فضل اور دین والے۔(زاد المسیر :291/1)《3》اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لین دین کے معاملات میں گواہ بنانا مشروع ہے۔ یہ مشروعیت مندوب ہے۔《4》اگر تصرف کرنے والا یتیم کا سرپرست ہو یا کسی وقف کا نگران ہو یا ایسا معاملہ ہو جس کی حفاظت واجب ہو تو حق کو محفوظ رکھنے والی گواہی واجب ہو جائے گی۔(تفسیر سعدی:330/1)《5》بالغ غلام کی گواہی بھی مقبول ہے۔《6》غیر مسلم مرد ہوں یا عورت ان کی گواہی مقبول نہیں کیونکہ گواہی کے لیے عدل (نیک، قابل اعتماد) کی شرط ہے اور غیر مسلم ''عدل'' نہیں۔

سوال11:《فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ》'' پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ》یعنی دو مرد گواہی کے لئے اگر میسر نہ آئیں《فَرَجُلٌ》تو ایک مرد《وَّامۡرَاَتٰنِ》اور دو عورتیں۔《2》ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابلے میں رکھا گیا کیونکہ مرد کا حافظہ مضبوط ہوتا ہے۔《3》یہودی قانون میں گواہی صرف مردوں کی معتبر ہے اور عورت کی شہادت سرے سے قابل تسلیم نہیں، اسلام نے اسے یہ حق تو دیا ہے لیکن ساتھ ہی اپنے علم کامل اور تحقیق مطلق کی بنا پر عورت کی گواہی کا مرتبہ مرد کے مقابلہ میں نصف مانا ہے۔(تفسیر ماجدی:513/1)《4》حدیث سے ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا ثابت ہے۔《5》دو عورتیں جب ایک مرد گواہ کے برابر ہیں تو دو عورتوں اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہوگا۔(فتح القدیر)《6》اس آیت سے عورت کی گواہی کے بارے میں یہ پتہ چلتا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔《7》مرد کے بغیر صرف اکیلی عورت کی گواہی جائز نہیں سوائے ان معاملات کے جن کے بارے میں عورت کے علاوہ دوسرے نہیں جان سکتے۔

سوال12: اسلام نے عورت پر گواہی کی ذمہ داری کیوں نہیں ڈالی؟

جواب: عورت مرد کے مقابلے میں زود ورنج، زود مشتعل اور جلد بازی میں جذباتی فیصلہ کرنے والی ہے، نیز عقل اور دور اندیشی میں کمزور ہے۔ علمائے نفسیات وطبیعات بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:'' عورت کی جسمانی ساخت بچوں کی جسمانی ترکیب سے قریب تر ہوتی ہے، اس لیے عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وہ بچوں ہی کی طرح جلد متاثر اور منفعل ہو جاتی ہے۔ فرحت وکلفت، خوف ومسرت کے احساسات جلد ہی اس پر طاری ہو جاتے ہیں اور چونکہ اس میں عقلیت اور غور وفکر کی قوت کو زیادہ دخل نہیں ہوتا اس لیے جلد ہی یہ تاثرات اس سے زائل بھی ہو جاتے ہیں اور اکثر دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔ اس بنا پر عورت متلون اور غیر مستقل مزاج ہوتی ہے'' اور اشترا کی فلسفی کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:'' عورت کا وجدان مرد کے وجدان سے کمزور ہوتا ہے جتنی کہ اس کی عقل مرد کی عقل سے کم ہوتی ہے اس کے اخلاقی پیمانے بھی مرد سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے بالکل ضروری نہیں کہ جس کو وہ اچھا یا برا بتائے واقعی وہ اچھا یا برا ہو''۔(دائرۃ المعارف (عربی) فرید وجدی 596/8 بحوالہ ''معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں'' مؤلفہ مولانا برہان الدین) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کرتی رہا کرو اور کثرت سے استغفار کرتی رہا کرو کیونکہ میں نے دوزخ والوں میں سے زیادہ تر عورتوں کو دیکھا ہے۔'' ان عورتوں میں سے ایک عقل مند عورت نے عرض کیا کہ ہمارے کثرت سے دوزخ میں جانے کی وجہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم لعنت بہت کثرت سے کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم عورتوں سے بڑھ کر عقل اور دین میں کمزور اور سمجھ دار مردوں کی عقلوں پر غالب آنے والی نہیں دیکھیں'' اس عقل مند عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! عقل اور دین کا نقصان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عقل کی کمی تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ماہواری کے دنوں میں نہ تم نماز پڑھ سکتی ہو اور نہ ہی روزہ رکھ سکتی۔'' (صحیح مسلم:241)

سوال13: گواہی دینا حق ہے یا ذمہ داری؟

جواب: اسلام نے عورت پر گواہی کی ذمہ داری نہیں ڈالی کیونکہ گواہی دینا نہایت اہمیت کی حامل ذمہ داری ہے۔ اسی لئے گواہ کا عاقل و بالغ ہونا، عادل ہونا لوگوں کے درمیان قابل اعتبار ہونا اس کی لازمی شرائط میں سے ہے۔ ذمہ داریوں کی تقسیم ہمیشہ دائرہ کار کے اعتبار سے ہوتی ہے اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ کہیں تو اکیلی عورت کی گواہی بھی معتبر ہے اور کہیں دو عورتوں کی گواہی ناگزیر قرار دی گئی۔ ﴿1﴾ وہ معاملات جو عورتوں سے متعلق ہیں مثلاً ولادت، بکارت یعنی کنوارہ پن، بالغ یا نابالغ، لیڈی ڈاکٹر کی شہادت پر رخصت، بچہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ، حمل کی مدت کا تعین، زندہ پیدا ہونے والے کی صورت میں نماز جنازہ وغیرہ جیسے معاملات میں تنہا عورت کی گواہی قابل قبول ہے۔ فتح القدیر اور تفسیر روح المعانی میں اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔ امام زہری کہتے ہیں: سنت یہ رہی ہے کہ تنہا عورتوں کی گواہی ان معاملات میں جائز ہے جن سے عورتوں کے ماسوا کوئی واقف نہیں ہوتا یعنی پیدائش اور ان کے عیوب ان معاملات میں مرد کی گواہی کی تائید کی ضرورت نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ایسے معاملات میں جن پر مرد مطلع نہیں ہو پاتے، تنہا عورتوں کی گواہی کے قبول کرنے پر سب کا اتفاق ہے جس طرح حیض، ولادت اور استحاضہ عورتوں کے عیوب ہیں۔ (فتح الباری:5/328) ﴿2﴾ قرض کا لین دین، کاروبار اور خرید و فروخت کے معاملات وغیرہ معاشی امور مرد کی ذمہ داریوں سے متعلق ہیں۔ اس بارے میں اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ (صحیح بخاری:2658) نبی ﷺ کا ارشاد ہے: عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی ہے۔ (صحیح بخاری: کتاب الحیض) ﴿3﴾ حدود و قصاص سے متعلق معاملات مثلاً قتل، زنا، چوری، تہمت تراشی، ڈکیتی وغیرہ کے لئے عینی گواہ چاہئیں۔ اس کے لئے اسلامی مؤقف یہ ہے اگر دو مرد نہ ہوں تو دو عورتوں کا متبادل انتظام کیا جائے۔ لیکن دو مرد موجود ہیں تو عورت کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کا اصل دائرہ کار گھر ہے۔ عورت پڑھی لکھی بھی ہو، کچہری جانے سے گھبراتی ہے۔ چلی جائے تو جرح میں بسا اوقات بھول جاتی ہے یا غلط بات کہہ بیٹھتی ہے اور پھر حیض، نفاس، حمل، زچگی، رضاعت وغیرہ کے معاملات میں جو اس کی ذمہ داریاں ہیں اس کے اندر چڑچڑا پن اور جذباتی پن پیدا کر دیتے ہیں جب کہ گواہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لئے سوچ بچار، ٹھنڈے دل ودماغ سے حقائق کو بلا کم وکاست بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔عورت کی فطری ذمہ داریاں اس کے اندر جذباتی تلاطم پیدا کرتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے گواہی کا عمل متاثر ہوتا ہے۔﴿4﴾روایت حدیث کے حوالے سے تمام علماء اور فقہاء نے عورت کی گواہی پر اعتماد کیا ہے۔بعض احادیث کی سندوں میں کئی کئی خواتین موجود ہیں۔امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے یہ روایات قبول کی ہیں جو عورت پر اعتماد کی دلیل ہیں۔پھر حدیث کی روایت کو قبول یا رد کرنے کے معاملے میں عورتوں کی حدیث کے راویوں پر جرح کو قبول کیا ہے اور اس پر کسی راوی سے حدیث کی روایت کو قبول کرنے یا رد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔﴿5﴾عورت کی آدھی گواہی عین انصاف ہے۔عورت اور مرد کا مزاج، فطرت اور دائرہ کار الگ الگ ہیں۔عورت اپنے دائرہ کار کے اندر ہونے والے واقعات کا تو جزئیات سے مشاہدہ کرسکتی ہے لیکن جو معاملات مرد کے دائرہ کار سے متعلق ہیں یعنی گھر کے باہر کے معاملات اس میں اس کی عدم دلچسپی کی وجہ سے جزوی معاملات کو درست انداز میں نہ تو حافظے میں محفوظ رکھ سکتی ہے نہ اسے صحیح انداز میں بیان کرسکتی ہے۔ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر ہارڈنگ اپنی کتاب The Way of All Women میں یہ وضاحت کرتا ہے کہ عورت تفصیلی جزئیات یاد نہیں رکھ سکتی اور یاد رکھ لے تو صحت کے ساتھ بیان نہیں کرسکتی۔قرآن حکیم اس بارے میں کہتا ہے:﴿ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴾اور وہ جھگڑے میں بات واضح کرنے والی نہیں ہے۔(الزخرف:18)عورت کی اس کمزوری کی وجہ سے عدالت میں گواہی خراب ہوتی ہے۔اسی سے دو عورتوں کی شہادت کی حکمت پتہ چلتی ہے۔عورت کے مزاج، اس کی طبیعت اور اس کے فطری کاموں کے حوالے سے اس کو گواہی جیسی اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ کرنے کا یہ اسلامی مؤقف انصاف ہے کہ اپنے معاملات میں گواہی دے لو۔پوری گواہی ہے۔مرد نہ ملیں تو دوسرے معاملات میں بھی گواہی دے سکتی ہے۔اجازت ہے لیکن بوجھ نہیں ڈالا گیا۔(اسوۂ رسول ﷺ اور عورت کے بارے میں غلط فہمیاں) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مردوں کی نسبت عورتوں کا کمزور ہونا ایسے عام مشاہدے کی بات ہے جو کسی خاص دلیل کی محتاج نہیں۔(فتح الباری، الجنائز:233/3)

سوال14: گواہی کا کام مردوں کے سپرد کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: اسلامی معاشرے میں معاشی جدوجہد کی ذمہ داری عورت پر نہیں ہے اور عام طور پر خواتین حصول معاش میں مصروف نہیں ہوتیں۔ اسلامی معاشرے میں عورت کی ذمہ داریوں کی نوعیت مختلف ہے۔

سوال15: اسلامی معاشرے میں عورت کی ذمہ داری کیا ہے؟

جواب: انسانیت کے سب سے بڑے سرمائے یعنی بچوں کی تربیت اور پرورش کرنا۔بچے مستقبل کے نمائندے ہوتے ہیں۔

سوال16: ﴿ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ ﴾ ''ان لوگوں میں سے جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس سے مراد فضیلت والے اور دین والے ہیں۔﴿2﴾سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہادت درست نہیں خائن مرد کی، نہ خائن عورت کی، نہ اس شخص کی جس کو کوڑے مارے گئے ہوں، نہ کسی دشمن کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے (دشمن) بھائی کے خلاف، نہ قانع کی اپنے گھر والوں کے لیے، نہ اس شخص کی جس پر ولادت یا قرابت کا گمان کیا گیا ہو (یعنی باپ کی بیٹے کے لیے یا بیٹے کی باپ کے لیے یا کسی رشتہ دار کی رشتہ دار کے لیے)۔ (ترمذی)

سوال17: گواہی کے لیے گواہ کے اندر کون سی خصوصیات ہونی لازمی ہیں؟

جواب:﴿1﴾ عدل۔ ﴿2﴾ افراد معاشرہ میں اس کی گواہی قابل قبول ہو۔ ﴿3﴾ قرض کے دونوں فریق گواہوں پر راضی ہوں۔

سوال18:﴿ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ﴾ '' تاکہ ان دونوں (عورتوں) میں سے ایک بھول جائے تو ان میں سے ایک کو دوسری یاد کرادے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاددلادے: ﴿1﴾ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: '' مطلب یہ ہے کہ نسیان عورتوں کی طبیعتوں پر غالب ہے ان کے مزاج میں ٹھنڈک اور رطوبت کی کثرت کی وجہ سے اور دو عورتوں کا نسیان پر جمع ہونا عقلاً ایک عورت سے نسیان کے صدور سے زیادہ بعید ہے۔ اس لیے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام کیا گیا ہے تا کہ ایک عورت اگر بھول جائے تو دوسری اسے یاد کرادے۔ آیت کا مقصود یہی ہے۔'' (تفسیر کبیر: 113/7) ﴿2﴾ علامہ جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: '' جب ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دے دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ ان عورتوں میں ضبط کی کمی ہے۔ (اور عورت کے بھولنے کا امکان ہے) اس لیے فرمایا کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد کرادے۔'' (تفسیر قاسمی: 382) ﴿3﴾ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ گواہی دینے کے لئے عدالت میں آئیں۔ قاضی نے ان سے گواہی لینے کے بعد دوسری عورت سے کہا کہ اب تم بتاؤ تو انہوں نے کہا رک جائیے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ ایک بھولے تو دوسری یاد دلائے۔ جب میں بھولی ہی نہیں تو دوسری کیوں یاد دلائے۔ اسی سے پتہ لگتا ہے استثنا کی صورت حال ہوسکتی ہے۔ (اسوۂ رسول ﷺ اور عورت کے بارے میں غلط فہمیاں)

سوال19: عورت بھولتی کیوں ہے؟

جواب:﴿1﴾ عورت کو معاہدوں کا زیادہ تجربہ نہیں ہوتا اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ معاہدے کے حالات اور شرائط اس کے ذہن میں پوری طرح نہ بیٹھیں اور گواہی اچھی طرح نہ دے سکے۔ ﴿2﴾ عورت دباؤ قبول کرتی ہے، زیادہ حساس اور زیادہ جذباتی ہوتی ہے۔

سوال20:﴿ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ﴾ '' اور گواہ انکار نہ کریں جب بھی انہیں گواہی کے لیے بلایا جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: گواہوں کو جب گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں، گواہی کو قبول کریں۔ سیدنا زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' کیا میں تمہیں بہترین گواہوں کی خبر نہ دوں؟ یہ وہ ہیں جو گواہی کے طلب کرنے سے پہلے ہی گواہی دے دیں۔'' (صحیح مسلم: 4494)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال21: گواہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا پابندیاں ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ گواہی دینا فریضہ ہے حق کو واضح کرنے اور عدل کو قائم کرنے کے لیے۔ اس لیے گواہ دل کی خوشی اور شعور کی آمادگی کے ساتھ گواہی دیں۔ ﴿2﴾ گواہ نقصان کا احساس کیے بغیر بلا ہچکچاہٹ گواہی دیں۔ ﴿3﴾ مقدمے کے فریقین میں سے کسی پر احسان نہ کریں چاہے وہ ایک فریق کی طرف سے بلائے جائیں یا دونوں کی طرف سے۔

سوال22: ﴿وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ﴾ ''اور تم اس سے نہ اکتاؤ کہ تم اسے لکھو، معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی مقررہ مدت تک'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور تم اس سے نہ اکتاؤ کہ تم اسے لکھو، معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کی مقررہ مدت تک'' اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرض چھوٹے ہوں یا بڑے سب لکھنے چاہئیں۔ قرض کی مدت، اس کی شرائط اور قیود لکھنا ضروری ہے۔ ﴿2﴾ ﴿وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا﴾ اور تم اس سے نہ اکتاؤ کیونکہ اکتاہٹ کا اظہار کرنے سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا حکم انصاف پر مبنی ہے اس لیے لکھنے کی تاکید ہے کیونکہ تحریر سے گواہی مضبوط ہوجاتی ہے، انصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور گواہی درست رہتی ہے۔ ﴿4﴾ گواہ کے فوت ہونے یا غائب ہونے کی صورت میں تحریر کام آتی ہے اور دونوں فریق شک وشبہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ ﴿5﴾ انسان سستی تب کرتا ہے جب وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ کسی کام کے لیے کی جانے والی محنت اس کی قدر و قیمت سے زیادہ ہے تو اس وقت انسان وہ کام کرنے سے کتراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سستی سے بچانے کے لیے تحریر کے فوائد اور حکمتیں واضح کی ہیں تاکہ چھوٹے بڑے قرض کے معاملے میں دل کی خوشی اور آمادگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسان تحریر کا اہتمام کرے۔

سوال23: ﴿ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا﴾ ''یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ انصاف والا ہے اور گواہی کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ انصاف والا ہے'' قرض کی دستاویز بنوانا زیادہ انصاف والا معاملہ ہے۔ کسی معاملے میں زبانی گواہی کے مقابلے میں تحریری گواہی کے ساتھ انصاف زیادہ سہولت سے کیا جاسکتا ہے۔ ﴿2﴾ ﴿وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ﴾ ''اور گواہی کو زیادہ قائم رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کا لکھنے کا حکم زیادہ انصاف پر مبنی ہے جو گواہی کو مضبوط کردیتا ہے۔ تحریری شہادت سے گواہی مضبوط ہوجاتی ہے، بھولی ہوئی بات یاد آجاتی ہے اور شک جاتا رہتا ہے کیونکہ تحریر موجود ہے، گواہ کی وفات ہوسکتی ہے، وہ بھول سکتا ہے، وہ غائب ہوسکتا ہے جب کہ تحریری شہادت موجود ہونے کی وجہ سے جھگڑے سے بچا جاسکتا ہے۔ ﴿3﴾ ﴿وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا﴾ ''اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو'' قرض کے معاملے میں انسان کو شک لاحق ہوسکتے ہیں کبھی معاہدے میں شامل بیانات پر۔ کبھی دل کے اندر شک ابھرتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے دلوں میں شکوک آجاتے ہیں۔ کسی بھی معاملے میں شک ہوسکتا ہے۔ ﴿4﴾ اس سے یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ جسے گواہی میں شک ہو جائے اسے گواہی دینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔اس کے لیے یقین ضروری ہے۔(تفسیر سعدی: 331/1)《5》زبانی گواہی کا دارومدار حافظے پر ہوتا ہے اور تحریری گواہی میں چونکہ موقع پر فریقین کی رضامندی پر گواہوں کی تصدیق کا ریکارڈ ہوتا ہے اس لیے شک کی گنجائش کم ہو جاتی ہے۔

سوال24:《اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ》''مگر یہ کہ تجارت نقد ہو جس کا لین دین کرتے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم اس کو نہ لکھو اور جب تم آپس میں سودا کرو تو گواہ بنا لیا کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》معاملہ اگر نقد ہو تو اسے لکھنے کی ضرورت نہیں یعنی نہ لکھنے کی اجازت ہے۔《2》روزمرہ کے تجارتی لین دین کے لیے قانون میں رخصت ہے کیونکہ ہر کام میں تحریر کو لازم کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تجارتی اور کاروباری سرگرمیوں میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں اس لیے کہ روزمرہ کی تجارتی سرگرمیاں تیزی سے ہوتی ہیں اور مختصر وقت میں ہوتی ہیں۔《3》اسلام قانون زندگی کی بہتری کے لیے بناتا ہے۔وہ انسانی زندگی کے تمام حالات کے مطابق قانون بناتا ہے۔یہ قانون عملی ہے اس میں کوئی پیچیدگی نہیں،اس کی وجہ سے زندگی کے کاموں کی رفتار میں کمی نہیں آتی۔《4》《وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ》''اور جب تم آپس میں سودا کرو تو گواہ بنا لیا کرو'' نقد لین دین میں تحریر نہ کرنا تو جائز ہے تاہم اس میں گواہ بنانا مشروع ہے۔(تفسیر سعدی:331/1)《5》اس سے مراد ہے کہ جب تم میں سے کوئی ایک کوئی گھر یا باغ یا جانور خریدے تو اس تجارت پر گواہ کر لیا کرے۔(ایسر تفاسیر:151)《6》اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب آپ تجارت کرو تو اس پر گواہ کر لیا کرو خواہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔(جامع البیان:314/1)

سوال25:《وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ》''اور کسی کاتب کو اور کسی گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》《وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ》''اور کسی کاتب کو اور کسی گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔اس سے جھوٹی بات نہ لکھوائی جائے۔گواہ کو جھوٹی گواہی کے لیے مجبور نہ کیا جائے۔《2》گواہ کو نقصان پہنچانے سے مراد ہے کہ انہیں دور کے علاقے سے بلوایا جائے جس سے ان کی تجارت اور مصروفیات میں حرج ہو یا گواہ کو جھوٹی گواہی پر مجبور کیا جائے۔《3》کاتب اور گواہ کو مکمل تحفظ اسلامی ریاست کی جانب سے حاصل ہوتا ہے۔

سوال26: گواہی کا چھپانا کیسا فعل ہے؟

جواب:《1》گواہی چھپا کر انسان کے اندر مجرمانہ ذہنیت پروان چڑھتی ہے۔《2》انسان جب گواہی چھپاتا ہے تو معاملات میں انصاف کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے۔《3》انسان کا ضمیر یہ چاہتا ہے کہ حق کا اعتراف کرے اور ناحق کا اعلان کرے۔جو شخص مصلحتاً اپنی زبان بند رکھتا ہے وہ اپنے جرم پر خود گواہ بن جاتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال27:﴿وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ﴾ ”اور اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً وہ تمہاری بڑی نافرمانی ہوگی“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ”اور اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً وہ تمہاری بڑی نافرمانی ہوگی“ فسق کسی بھی انسان میں کم یا زیادہ موجود ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم فاسق ہو بلکہ یہ فرمایا کہ تمہارے اندر نافرمانی ہے۔﴿2﴾ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گواہ کا عادل یا فاسق ہونا معلوم نہ ہو تو اس کی گواہی بھی قبول نہیں حتیٰ کہ اس کے نیک ہونے کی تصدیق ہو جائے۔ (تفسیر سعدی:332/1)

سوال28: فسوق سے کیا مراد ہے؟

جواب: سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو سب سے بڑے گناہ نہ بتادوں، شرک اور والدین کی نافرمانی۔ نبی اقدس ﷺ اس وقت تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو اور جھوٹ بولنا، سن لو اور جھوٹی شہادت دینا، نبی ﷺ ان الفاظ کو بار بار فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا کہ کاش نبی ﷺ خاموش ہو جاتے۔ (تفسیر مظہری:93/2)

سوال29:﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ“ اللہ تعالیٰ سے اس کے احکامات کے بارے میں ڈر جاؤ۔ اس کے اوامر کو پورا کرو۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرو۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے نواہی سے اجتناب کرو۔ (ایسر التفاسیر)

سوال30:﴿وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تعلیم دی ہے تمہارے لیے واضح کیا ہے اس لیے اس کے حکم پر عمل کرو۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے قانون کی اطاعت کے لیے احساس دلایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیم ہے، یہ اس کا فضل ہے اس لیے اس پر بھروسہ رکھو۔

سوال31:﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے سے مومن کے ضمیر کو جگایا ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے قانون کی اطاعت کے لیے احساس دلایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیم ہے، اس کا فضل ہے اس لیے اس پر بھروسہ رکھو کہ وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ہی ایسا قانون دے سکتا ہے جو سب کے لیے مفید ہو۔

سوال32:﴿عَلِيْمٌ﴾ ”خوب جاننے والا“ اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے کا شعور کس مقصد کے تحت دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے قرض کے معاملے میں دی جانے والی ہدایات کو قبول کرنے کے لیے یہ شعور دلایا ہے کہ قانون تمہیں ایک علیم ہستی کی طرف سے سکھائے جا رہے ہیں اس لیے ان کو قبول کرلو۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنا خوف پیدا کرنے کے لیے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے تاکہ اس خوف کی وجہ سے اس کی ہدایت قبول کرلیں۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (283)﴾

''اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضے میں دیا گیا رہن لازم ہے پھر اگر تم میں سے کوئی کسی پر اعتبار کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائے گا تو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے۔''(283)

سوال1:﴿وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ﴾''اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو قبضے میں دیا گیا رہن لازم ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ'' اگر تم سفر میں ہو اور کاتب نہ پاؤ تو تحریر کی بجائے قرض دینے والے کے پاس کوئی چیز گروی رکھ کر اس کے قبضے میں دے دو۔ اگر تمھیں کاتب نہ ملے جو تحریر لکھ دے جس سے بات قابل اعتماد ہو جائے۔﴿2﴾﴿فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ﴾ تو رہن قبضے میں رکھ لیا کرو۔ قرض دینے والا اسے قبضے میں رکھے گا۔ یہ اس کے پاس ضمانت ہے کہ قرض واپس مل جائے گا۔ رہن کے ساتھ قبضے کی شرط ہے۔ بلا قبضہ کوئی رہن نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک مدت مقرر کر کے ادھار خریدا اور اپنے لوہے کی ایک زرہ اس کے پاس گروی رکھی۔ (بخاری:2068)﴿3﴾ اگر رہن رکھی ہوئی چیز پر قرض دینے والے کا قبضہ نہ ہو تو ضمانت نہیں ملتی۔﴿4﴾ اگر رہن رکھی ہوئی چیز کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو رہن رکھ کر قرض دینے والے کے قول کو قبول کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے رہن کو تحریر کے قائم مقام بنایا ہے۔﴿5﴾ رہن کا مقصد اعتماد اور اعتبار ہے۔ اس لیے سفر اور حضر دونوں میں جائز ہے۔ اس آیت میں سفر کا ذکر اس لیے ہے کہ سفر میں ہو سکتا ہے کہ کاتب نہ ملے۔﴿6﴾ رہن رکھنے کا حکم اس موقع کے لیے ہے جب قرض دینے والے کو تسلی نہ ہو۔

سوال2: رہن رکھی ہوئی چیز کا کیا حکم ہے؟

جواب: رہن رکھی ہوئی چیز سے قرض خواہ کو خود فائدہ اٹھانے کا حق نہیں۔ رہن لیے ہوئے گھر میں خود رہنا یا اسے کرائے پر دینا سود کھانا ہے۔ اگر جانور رہن ہے تو فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ وہ چارے کا معاوضہ ہو گا۔

سوال3:﴿فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ﴾'' پھر اگر تم میں سے کوئی کسی پر اعتبار کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾'' پھر اگر تم میں سے کوئی کسی پر اعتبار کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ تعالیٰ سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈرے جو اس کا رب ہے‘‘ اگر کوئی کسی کو امانت دار سمجھتا ہو اور اس کی امانت کا اعتبار ہو تو کتابت نہ کروانے اور گواہ نہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ جس پر اعتماد کیا گیا ہو اسے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر پوری امانت ادا کرنی چاہیے۔ قرض دینے والے کو اگر تسلی ہو تو وہ بغیر رہن کے معاملہ کر سکتا ہے، یعنی اگر تمہیں اعتبار ہے تو جس پر اعتبار ہے، امانت ادا کرے۔ ﴿2﴾ قرض لینے والے کو پورا قرض ادا کرنا چاہیے۔ ﴿3﴾ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا شعور دلا کر اپنی ذات سے ڈرایا ہے تاکہ قرض لینے والا احسن طریقے سے قرض ادا کر دیا ور نیکی کا احسن بدلہ دے۔

سوال4: رہن بالقبض Mortgage کا مقصد کیا ہے؟

جواب: قرض دینے والے کو اپنے قرض کی واپسی کا اطمینان ہو جائے۔

سوال5: ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ﴾ ’’اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائے گا تو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ ’’اور گواہی کو نہ چھپاؤ‘‘ شہادت نہ چھپاؤ یعنی امانت میں خیانت نہ کرو۔ گواہی چھپانا کبیرہ گناہ ہے۔ اس پر قرآن وحدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ صحیح گواہی دینے کی بڑی فضیلت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر وہ گواہ ہے جو گواہی طلب کرنے سے پہلے ہی خود گواہی کے لئے پیش ہو جائے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ) ﴿2﴾ گواہی چھپانے سے اس لیے روکا گیا کہ گواہی چھپانے والے کا دل گناہ گار ہوتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے یہاں دل کے گناہ گار ہونے کا خصوصی ذکر اس لیے کیا ہے کہ ’’کتمان‘‘ گواہی کو چھپانا دل کا فعل ہے۔ اور دل تمام اعضاء کا سردار ہے باقی اعضاء اسی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ دل درست رہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر یہ خراب ہو جائے تو سارا جسم فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ ﴿4﴾ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے سنا گیا، وہ کہتے تھے میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: سن لو! بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ درست ہوگا تو سارا بدن درست ہوگا اور جہاں وہ بگڑا، سارا بدن بگڑ گیا۔ سن لو! وہ ٹکڑا آدمی کا دل ہے۔‘‘ (صحیح بخاری:52)

سوال6: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ ’’اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دل کی گناہ گاری کو دور کرنے کے لیے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ وہ تمہارے دلوں کے حال کو جانتا ہے اگر دل گواہی چھپائے گا تو کسی اور کے علم میں تو نہیں آ سکتا لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ سخت حساب لینے والا ہے لہٰذا اپنے ہر عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔

سوال7: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ ’’اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے‘‘ یہ کہہ کر کس طرف توجہ دلائی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جارہی ہے؟

جواب:﴿1﴾ ’’اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے‘‘ یہ کہہ کر توجہ دلائی گئی ہے کہ اپنے معاملات کی اصلاح کرلو۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق چھپے ہوئے دل کے حالات پر بھی جزا سزا دے سکتا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ وہ تمہارے دلوں کے حال کو جانتا ہے۔ اگر دل گواہی چھپائے گا تو کسی اور کے علم میں تو نہیں آ سکتا لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اللہ تعالیٰ سخت حساب لینے والا ہے لہٰذا اپنے ہر عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔

رکوع نمبر 40

﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (284)﴾

’’جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے اور جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم وہ ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا، پھر وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔‘‘(284)

سوال1:﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ’’جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ’’جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ کا ہے‘‘ اسی نے تخلیق کیا اور اسی کی ملکیت ہے۔ (تفسیر بیضاوی 583/1:) ہر چیز اس کے قانون کی پابند ہے۔ ﴿2﴾ آسمانوں اور زمین کی ہر چھوٹی بڑی، کثیر اور قلیل چیز کا وہی مالک ہے اور انسان ہر وقت اپنے مالک کی نظر میں ہے اس کا ہر چھوٹا بڑا کام اس کے اندر ہو یا باہر اس کی نگرانی میں ہے۔ (جامع البیان 153/3:) ﴿3﴾ ہر چیز کی تدبیر وہی کرتا ہے، اس کو گھمانے پھرانے اور استعمال کے اختیارات اسی کے ہیں، اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں، کیونکہ وہ ہر چیز کا مدبر، مالک اور منتظم ہے۔ انسان کو بھی کائنات کی طرح پابند زندگی گزارنی ہے لیکن اپنے اختیار سے کیونکہ مالک نے ہر پوشیدہ اور ظاہری عمل کا حساب لینا ہے۔

سوال2: ﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ ’’اور جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم وہ ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو تخلیق کیا، وہی رزق دیتا ہے۔ ہر طرح کے انتظامات وہی کرتا ہے۔ سب اس کی ملکیت میں ہیں اس کے غلام ہیں۔ سب اپنی ذات کے لیے نہ نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا، نہ موت کا نہ زندگی کا، نہ موت کے بعد جی اٹھنے کا۔ اللہ تعالیٰ سب کا

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

رب ہے وہ اپنی حکمت سے جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔اس نے کچھ کام کرنے کا حکم دیا کچھ سے روکا ہے اس لیے وہ پوشیدہ اور ظاہر سب کا حساب لے گا۔﴿2﴾﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ ﴾"اور جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم وہ ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ" مجاہد نے کہا: یقین اور شک میں سے ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا۔(الدرالمنثور:663/1)﴿3﴾ جو چیز بھی دل میں قرار پکڑے اور اعمال سے ظاہر ہو مثلاً کینہ حسد وغیرہ ،اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا ۔﴿4﴾﴿ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴾ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اسے جو سینے چھپاتے ہیں۔(غافر:19)﴿5﴾ وہ خالق و مالک سب کچھ جانتا ہے،اسے کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا ہر وقت علم ہے،اسے ظاہر و باطن کی ہر وقت خبر ہے یہاں تک کہ انسان کے دل میں جو وسوسے آتے ہیں ان کو بھی وہ خوب جانتا ہے:﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ اور بلا شبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم ان کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ (ق:16)﴿6﴾ اس کی رحمت ہے کہ صرف ان وسوسوں اور ارادوں پر وہ مؤاخذہ کرتا ہے جن کو دل میں پختہ کر لیا جائے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تمہیں نہیں پکڑتا،وہ اس کی وجہ سے تمہیں پکڑتا ہے جو تمہارے دلوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت بردبار ہے۔(البقرہ:225)﴿7﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دل میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے البتہ ان پر گرفت ہوگی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار زبان سے کیا جائے۔"(صحیح بخاری)﴿8﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو اور اگر اس برائی کو وہ میرے خوف سے چھوڑ دے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھو اور اگر بندہ کوئی نیکی کرنا چاہے تو اس کے لئے ارادہ پر ہی ایک نیکی لکھو اور اگر وہ اس نیکی کو کرلے تو اس جیسی دس نیکیاں اس کے لیے لکھو۔(صحیح بخاری:7501)﴿9﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ﷺ! کبھی کبھی تو ہمارے دل میں ایسے وسوسے اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گزرتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا واقعی تم اسی طرح پاتے ہو(یعنی گناہ سمجھتے ہو)؟انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:"یہ صریح ایمان ہے۔"(صحیح مسلم:340)﴿10﴾ برائی کا پختہ ارادہ کرنا گناہ ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمان تلواروں کے ساتھ ملتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: قاتل کا جہنمی ہونا تو ٹھیک ہے لیکن مقتول کیوں جہنمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا"وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا خواہش مند تھا۔"اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دل کا پختہ ارادہ قابل گرفت ہے۔

سوال3: اس آیت کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا طرز عمل تھا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت (یعنی اگر تم نے اپنے دل کی باتوں کو ظاہر کیا اسے پوشیدہ رکھا سب پر مواخذہ ہوگا) نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہ چیز سخت حیرانی اور پریشانی کا باعث ہوئی۔ چنانچہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر گھٹنوں کے بل گر گئے اور عرض کیا آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور ہم اس حکم کی کہاں طاقت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اسی طرح کہنا چاہتے ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے تم سے پہلے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی، بلکہ یہ کہو ہم نے سنا اور اطاعت کی پروردگار ہم آپ سے اپنے گناہوں کی معافی کے طلب گار ہیں اور آپ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ جملہ دہرایا اور اس سے ان کی زبانیں تر ہوگئیں تو حق تعالیٰ نے اس کے بعد ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ﴾ آیت نازل فرمائی۔ جب اس پر سب نے گواہی دے دی تو اللہ تعالیٰ نے پہلے حکم کو منسوخ کر کے یہ آیت ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ نازل فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک انسان کو اس کی طاقت کے بقدر مکلّف بناتا ہے۔ امام مسلم وغیرہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی)

سوال4: اللہ تعالیٰ نے آخرت کے محاسبے کا خوف دلایا ہے، اس کا مقصد کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ محاسبے کا مقصد اصلاح ہے۔ آج کے کاموں کا حساب لیں تاکہ اس کی تیاری ہو۔ ﴿2﴾ انسان کی اصلاح اس تصور سے ہی ممکن ہے کہ جو میں چھپاؤں جو میں ظاہر کردوں سب کا حساب اللہ تعالیٰ نے لینا ہے۔ ﴿3﴾ اگر انسان محاسبے کا تصور چھوڑ دے تو اس کے لیے گناہ کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ ﴿4﴾ محاسبے کی روح اخلاص ہے۔ ﴿5﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محاسبے کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی باغ کی طرف گزرتے اور چڑیوں کو چہچہاتے ہوئے دیکھتے تو سرد آہ کھینچ کر فرماتے: ''پرندو! تمہیں مبارک ہو جہاں چاہتے ہو چرتے چگتے ہو، جس درخت کے سائے میں چاہتے ہو بیٹھ رہتے ہو اور قیامت میں تم سے کوئی حساب کتاب نہ ہوگا، کاش ابوبکر بھی تمہاری ہی طرح ہوتا۔'' ﴿6﴾ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حسرت سے آہ بھرتے اور کہتے کہ کاش میں پرندہ ہوتا اور آخرت کے حساب سے بچ جاتا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو محاسبے کا اتنا خوف تھا کہ ایک بار کہنے لگے: ''علی رضی اللہ عنہ! میں تو صرف اتنا ہی چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن مجھے نہ میری نیکیوں کا اجر ملے اور نہ گناہوں کے عوض میری پکڑ ہو، میرے لیے یہی بڑی کامیابی ہے۔'' ﴿7﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اندیشۂ آخرت کا یہ حال تھا کہ فرماتے: ''اگر مجھے دوزخ وجنت کے متعلق اختیار دے دیا جائے کہ ان میں سے اپنے لیے جس کو چاہو پسند کرلو، یا راکھ ہوجاؤ تو میں راکھ ہو جانا پسند کروں گا تاکہ مجھ سے میرے اعمال کے متعلق کچھ جواب وسوال نہ ہو۔'' آخرت کے خوف سے اکثر کہا کرتے تھے: ''کاش ہم گھاس ہوتے۔''

سوال5: ﴿فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ﴾ ''پھر وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا'' کی وضاحت کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾﴿ **فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ** ﴾''پھر وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا'' اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جو کچھ وہ چاہتا ہے اس میں رحمت اور عدل ہے۔اس کے عدل میں سے ہے کہ وہ نیکیاں کرنے والوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے۔وہ اپنے فضل سے ایک نیکی کا بدلہ دس گنا دیتا ہے۔﴿2﴾﴿ **وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ** ﴾''اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا'' اللہ تعالیٰ کے عدل میں سے ہے کہ وہ گناہ گار کو اس کے گناہ کے مطابق جزا دیتا ہے اور اس کے گناہ کا بدلہ نہیں بڑھاتا۔﴿3﴾﴿ **فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ** ﴾''پھر وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا'' جن کے پاس مغفرت کے اسباب موجود ہوں گے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا۔﴿4﴾﴿ **وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ** ﴾''اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا'' انسان کو ان گناہوں پر اللہ تعالیٰ عذاب دیں گے جن کی مغفرت کے اسباب اسے حاصل نہیں ہوں گے۔﴿5﴾سیدنا صفوان بن محرز رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا:''آپ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے؟''انہوں نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:''قیامت کے دن ایک مومن اپنے رب کے قریب کیا جائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت کا پردہ ڈال دے گا۔پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کروایا جائے گا،پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو (گناہوں کو) جانتا ہے؟ وہ عرض کرے گا: اے رب! میں جانتا ہوں (اقرار کرتا ہوں) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دنیا میں بھی میں نے تیرے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن بھی میں ان تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں۔پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور کفار و منافقین کو علی الاعلان لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا اور پکارا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا۔''(صحیح مسلم:7015)

سوال6:﴿ **وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** ﴾''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے قانون سازی کے اختتام پر اپنی ملکیت اور قادر مطلق ہونے کا کیسے احساس دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین پر اپنی ملکیت سے اپنے قدیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو مالک ہے اختیار اسی کا،فیصلے اسی کے ہیں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے دلوں کے معاملات کے چھپانے اور ظاہر کرنے پر اپنی قدرت کا شعور دلایا ہے کہ ظاہر کرو یا چھپاؤ وہ قادرِ مطلق تم سے حساب لے لے گا۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور عذاب دینے کے اختیار سے اپنے قدیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ فیصلے اس کے ہیں جس کو چاہے معاف کر دے جس کو چاہے عذاب دے دے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین پر اپنی ملکیت سے اپنے قدیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ کوئی چیز اس کے بس سے باہر نہیں بلکہ تمام مخلوقات اس کے غلبہ،مشیت،تقدیر اور جزا و سزا کے قوانین کے ماتحت ہیں۔(تفسیر سعدی:334/1)

﴿ **اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ**

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۚ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (285) ﴾

''رسول ایمان لایا ہے اس پر جو اس کے رب کی جناب سے اس کی طرف نازل کیا گیا ہے اور مومن بھی، سب ہی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں، اس کے رسولوں میں سے ہم کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ اور انہوں نے کہا: ''ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی، ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی جانب لوٹ کر جانا ہے۔'' (285)

سوال1: سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتوں کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (معراج کے لئے) سیر کرائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا جو کہ چھٹے آسمان میں واقع ہے۔ زمین سے اوپر چڑھنے والی چیز اور اوپر سے نیچے آنے والی چیز یہاں آ کر رک جاتی ہے۔ پھر اسے لے جایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴾ جب کہ سدرہ (بیری) کو ڈھانپ رہا تھا وہ جو ڈھانپ رہا تھا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یعنی سونے کے پتنگے۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں: (الف) پانچ نمازیں۔ (ب) سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں۔ (ج) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہر ایک ایسے آدمی کو بخش دیا گیا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔ (صحیح مسلم:431) ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان سیدنا جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اوپر سے ایک آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا۔ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ دروازہ آسمان کا ہے جسے صرف آج کے دن کھولا گیا ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔'' پھر اس سے ایک فرشتہ اترا، سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ فرشتہ جو زمین کی طرف اترا ہے، یہ آج سے پہلے کبھی نہیں اترا۔'' اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو نوروں کی خوش خبری ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے: ایک سورۃ الفاتحہ اور دوسرے سورۃ البقرہ کی آخری آیات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مطابق دیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم:1877) ﴿3﴾ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورہ بقرہ کی دو آخری آیتیں رات میں پڑھ لیں وہ اسے ہر آفت سے بچانے کے لئے کافی ہو جائیں گی۔ (بخاری:5009) ﴿4﴾ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھے بغیر سو جائے۔ یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرش تلے کے خزانہ سے دیے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر:385/1) ﴿5﴾ ابن مردویہ میں ہے کہ ''ہمیں لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئیں ہیں: میں سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیتیں عرش تلے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں جو نہ میرے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی۔'' (تفسیر ابن کثیر، جلد1:385)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال2: ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''رسول ایمان لایا ہے اس پر جو اس کے رب کی جناب سے اس کی طرف نازل کیا گیا ہے اور مومن بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ ﴾ ''رسول ایمان لایا ہے'' رسول کا ایمان اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔ اگرچہ نفس ایمان میں رسول ﷺ اور سب مسلمان شریک ہیں لیکن درجات ایمان کے اعتبار سے ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایمان علم، مشاہدہ اور سماع کی بناء پر تھا اور دوسروں کا ایمان غیب پر۔ ﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوا، انہوں نے براہ راست وحی قبول کی۔ اس لیے وہ وحی پر یقین کے جس درجے میں تھے باقی مومن نہیں ہو سکتے۔ ﴿3﴾ ﴿ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ ﴾ ''اس پر جو اس کے رب کی جناب سے اس کی طرف نازل کیا گیا ہے'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی وحی پر ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتے کے ذریعے اسے نازل کیا ہے۔ ﴿4﴾ ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ اور مومن ایمان لائے ہیں۔ رسول کے ایمان اور ایک عام انسان کے ایمان کی حقیقت اور کیفیت میں زمین آسمان کا فرق ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صفت ایمان میں شریک کر کے اعزاز عطا فرمایا ہے۔

سوال3: ایمان کسے کہتے ہیں؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا مَا الْإِيْمَانُ ؟ ایمان سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ، وَرُسُلِهِ، وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ، اور اس کے فرشتوں کے وجود پر، اور اس (اللہ تعالیٰ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر، اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ۔'' (صحیح بخاری:50)

سوال4: ﴿ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''سب ہی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر'' اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے اس کی تمام صفات کمال و جمال پر ایمان لانا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے بتائی ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال وجلال پر اجمالاً اور تفصیلاً ایمان لانا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تشبیہ، تمثیل، تعطیل اور تمام نقص والی صفات سے پاک ماننا۔ ﴿4﴾ ﴿ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ ﴾ ''اور اس کے فرشتوں پر'' فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا کیا ہے اور انہیں اپنے احکامات کی مکمل اطاعت اور ان کو نافذ کرنے کی پوری قوت عطا کی ہے اور وہ کبھی اپنے کاموں سے نہیں تھکتے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور نبی ﷺ کی احادیث میں جن فرشتوں کے ناموں اور ان کی جن صفات اور جن افعال کا ذکر کیا ہے ان پر پختہ اعتقاد رکھا جائے۔ (جنت کا راستہ) ﴿5﴾ ﴿ وَكُتُبِهٖ ﴾ ''اور اس کی کتابوں پر'' اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے مراد اس کے احکام اور فرمودات کے وہ مجموعے ہیں جو ہر زمانے کے نبی اور رسول پر نازل ہوئے اور اکٹھا ترتیب پا کر آسمانی کتابوں کے نام سے دنیا میں آتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہے۔(ابوبکر الجزائری،عقیدۃ المؤمن:280)《6》اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ اس کی تصدیق کرنا کہ تمام کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی ہیں اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کے ذریعے کلام فرمایا ہے۔(جنت کا راستہ)اللہ تعالیٰ کی کتابیں انسان کی ہدایت کے لیے اتاری گئی ہیں۔ان کتابوں میں موجود تمام خبروں اور احکامات پر ایمان رکھنا بھی اسی میں شامل ہے۔

《7》《وَرُسُلِهٖ》''اور اس کے رسولوں پر'' رسولوں پر ایمان لانے سے مراد یہ پختہ یقین رکھنا ہے کہ:(الف)اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے اپنا پیغام پہچانے کے لیے کچھ بندوں کو چن لیا۔کسی نہ کسی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔(ب)سارے رسولوں کی دعوت کی اصل بنیاد توحید تھی۔سب اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کی دعوت دیتے رہے اور غیر اللہ کی عبادت سے روکتے رہے۔(ج)سارے رسول سچے، امانت دار، متقی اور ہدایت کا راستہ دکھانے والے تھے۔(د)رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات اپنی امتوں کو پہنچانے میں نہ کچھ چھپایا، نہ اضافہ کیا، نہ کمی کی۔(و)سارے رسول صراط مستقیم پر چلنے والے تھے۔(ہ)اللہ تعالیٰ نے رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور بعض کے درجات بلند کئے۔(جنت کا راستہ)

سوال5: فرشتوں پر ایمان لانے کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: 《1》انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ رب پر ایمان لانے میں انسان اور فرشتے شریک ہیں۔《2》فرشتوں پر ایمان کی وجہ سے انسان میں یہ شعور پیدا ہوتا ہے کہ کائنات میں پھیلے ہوئے بہت سے مومنین ہیں جو نظر نہیں آتے لیکن اس کے دوست ہیں۔《3》انسان تسکین محسوس کرتا ہے کہ فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔《4》انسان کو یقین آتا ہے کہ ہر نیکی کے کام میں فرشتے معاون اور مددگار ہیں۔ 《5》فرشتوں پر ایمان ایک لطیف اور ہر دم ساتھ رہنے والے ساتھی کا شعور ہے۔《6》کائنات کے بارے میں انسانی شعور کو وسعت ملتی ہے۔

سوال6: 《لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ》''اس کے رسولوں میں سے ہم کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: 《1》مقاتل بن حیان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ جو کچھ رسول لے کر آئے ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور نہ ہم انہیں جھٹلاتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:576/2)《2》مومن یہود و نصاریٰ کی طرح یہ نہیں کہتے کہ بعض پر ایمان رکھیں گے اور بعض کا کفر کریں گے۔(تفسیر ثعالبی:557/1)

سوال7: 《وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا》''اور انہوں نے کہا: ''ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: 《1》''اور انہوں نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی'' اطاعت سے مراد عملی حوالگی ہے۔ایمان والے اللہ تعالیٰ کی بات سنتے ہیں اور ہر حکم مانتے ہیں۔اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے اس کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔《2》《سَمِعْنَا》کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارے میں مقاتل بن حیان کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو حکم قرآن (مجید) میں آیا ہم اس کو سنتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:2/576) ﴿3﴾ انہوں نے کہا﴿ اَطَعْنَا ﴾ جو کچھ ہمیں رسول سے پہنچا ہم نے اسے سنا، سمجھا اور اس پر تدبر کیا۔ جو کچھ ہمیں اوامر و نواہی میں سے پہنچا ہم نے اس کی دل سے اطاعت کی۔ (تفسیر مراغی:1/442)

سوال8:﴿ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا ﴾ ''ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾﴿ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا ﴾ ''ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں اے ہمارے رب'' سے مراد ہے ہمارے گناہ اس طرح ڈھانپ دے کہ دنیا میں ہماری رسوائی نہ ہو اور آخرت میں کمال کے مرتبے تک پہنچنے کے راستے کی رکاوٹ نہ ہو۔ (تفسیر مراغی:1/442) ﴿2﴾ بندے سے اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس لیے ہمیشہ مغفرت کی ضرورت رہتی ہے۔

سوال9: انسان کب اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ انسان اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار تب ہوتا ہے جب وہ یقین رکھتا ہے کہ میرے اندر کوتاہیاں ہیں، مجھ سے غلطیاں ہو جاتی ہیں، مجھ سے اپنے فرائض پورے طور پر ادا نہیں ہوتے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ وہ اس کی غلطیوں کو معاف کر دے اور اس کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں۔ ﴿2﴾ انسان اللہ تعالیٰ سے معافی کا طلب گار تب ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی بات سنتا ہے اور اطاعت کرتا ہے۔ ﴿3﴾ جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ ﴿4﴾ جب اسے یہ یقین آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی قوت بچانے والی نہیں۔ ﴿5﴾ جب اسے یہ یقین آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ ﴿6﴾ جب اسے یقین آ جاتا ہے کہ اسے اپنے ہر معاملے کی اللہ تعالیٰ کو جواب دہی کرنی ہے۔ ﴿7﴾ جب اسے یقین آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہوگا اور کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ ﴿8﴾ جب اسے یہ یقین آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف اس کی مغفرت بچا سکتی ہے پھر وہ معافی کا طلب گار ہوتا ہے۔

سوال10:﴿ وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴾ ''اور تیری ہی جانب لوٹ کر جانا ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور تیری ہی جانب لوٹ کر جانا ہے'' سے مراد قیامت کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہے۔ ﴿1﴾ اس یقین کے ساتھ بندہ نیکی کے راستے کو تلاش کرتا ہے اور اس پر چلتا ہے۔ ﴿2﴾ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع فرمان ہو جاتا ہے۔ ﴿3﴾ اس کو دنیا میں مشقت ملے یا راحت، اسے فائدہ ہو یا نقصان، وہ کچھ کھو رہا ہو یا پا رہا ہو اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اصل جزا آخرت کے دن ملے گی جہاں وہ امتحان میں کامیاب ہو جائے گا۔ ﴿4﴾ بندے کا عزم پختہ ہو جاتا ہے۔ وہ حق کے راستے سے نہیں ہٹنا چاہے پوری دنیا مخالف ہو جائے۔

سوال11: اس آیت میں اسلامی عقیدہ ''بعث بعد الموت'' کی وضاحت ملتی ہے یہ عقیدہ انسان کو کیا دیتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ عقیدہ ''بعث بعد الموت'' انسان کا بحیثیت انسان اعتراف کرواتا ہے۔ (الف) ایک طرف اسے حیوانات سے، جمادات سے مقام بلند دیتا ہے۔ (ب) دوسری طرف فرشتوں اور شیطانوں سے بھی الگ تشخص دیتا ہے۔ ﴿2﴾ عقیدہ ''بعث بعد الموت'' انسان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مختلف رجحانات، میلانات اوراس کی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے، ایسے فرائض عائد کرتا ہے جن کو انسان ادا کر سکے۔﴿3﴾ عقیدہ ’’بعث بعدالموت‘‘انسان کے فرائض اوراس کی صلاحیتوں اورطاقت کے درمیان بہترین توازن قائم کرتا ہے۔﴿4﴾عقیدہ ’’بعث بعدالموت‘‘انسان کے جسمانی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔﴿5﴾ عقلی تقاضوں کا خیال رکھتا ہے۔﴿6﴾انسان کی روحانی دنیا کو بھی آباد رکھتا ہے۔﴿7﴾ عقیدہ ’’بعث بعدالموت‘‘انسان کو آزادی عطا کرتا ہے کہ وہ جو راستہ چاہے اختیار کر لے۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (286)﴾

’’اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق، اس کے لیے ہے جو اس نے نیکی کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے برائی کمائی، اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا، اے ہمارے رب! اور ہم پر ویسا ہی بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا، جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور تو ہم سے نہ اٹھوا جس کی ہم میں طاقت ہی نہیں، اور ہم سے درگزر فرما اور تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا مولیٰ ہے، چنانچہ کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔‘‘(286)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آیت (وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ) کے متعلق بتلایا کہ اس آیت کو اس کے بعد کی آیت (لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا) نے منسوخ کر دیا ہے۔(صحیح بخاری، کتاب التفسیر:4546)

سوال2: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ’’اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ محمد بن کعب القرظی نے ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ کے بارے میں کہا: اس سے مراد ہے کہ وہ اس عمل کے مکلف نہیں ہیں جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے۔(تفسیر ابن ابی حاتم:2/578)﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ سو جتنی تم استطاعت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔(التغابن:16)﴿3﴾ ﴿وُسْعَهَا﴾ سے مراد اس کی طاقت ہے۔

سوال3: ’’اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق‘‘ اس کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق‘‘ کے اثر سے انسان یہ سوچتا ہے کہ اس کا رب رحیم ہے، اس نے جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں وہ عادلانہ ہیں، جو آزمائشیں ڈالی ہیں وہ بھی میری طاقت کے مطابق ہیں اور قیامت کے دن بھی ٹھیک انصاف ہوگا۔﴿2﴾ ’’اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا‘‘ اس پر یقین کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فرائض پر تنگی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

محسوس نہیں کرتا۔《3》اس یقین کی وجہ سے مومن ذمہ داریوں کو بوجھ نہیں سمجھتا۔《4》اس یقین کی وجہ سے ایمان والے کا دل اطمینان سے بھر جاتا ہے۔《5》اس کی وجہ سے مومن یقین رکھتا ہے کہ اگر میرے اندر یہ فرائض ادا کرنے کی طاقت نہ ہوتی تو وہ یہ فرائض عائد ہی نہ کرتا۔《6》جب بھی یہ یقین رکھنے والا انسان تھکتا ہے یا کمزوری محسوس کرتا ہے یا فرائض بھاری ہونے لگتے ہیں تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی ذاتی کمزوری ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے زیادہ بوجھ نہیں ہے۔《7》ایمان والا اس یقین کی وجہ سے اپنے عزم، اپنے ارادے کو نئے سرے سے تازہ کرتا ہے۔《8》ایمان والا اس یقین کی وجہ سے اپنی کمزوریوں کو دور کرتا ہے اور اپنے فرائض ادا کرنے کے لیے پختہ ارادہ کر لیتا ہے۔《9》یہ یقین مومن کی ہمت بندھاتا ہے اور اس کے ارادے میں قوت پیدا کرتا ہے۔

سوال4:《**لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ**》''اس کے لیے ہے جو اس نے نیکی کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے برائی کمائی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اس کے لیے ہے جو اس نے نیکی کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے برائی کمائی''《**لَهَا مَا كَسَبَتْ**》میں کسب سے مراد خیر ہے۔(جامع البیان:163/3)《2》《**وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ**》میں ''اکتساب'' سے مراد شر ہے۔یعنی جو اس نے برائی کمائی اسی پر ہے۔جیسا کہ رب العزت کا ارشاد ہے۔《**وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ**》اور کوئی جان نہیں کماتی (گناہ) مگر اسی پر ہے (وبال) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی، پھر تمہارے رب کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے، چنانچہ وہ تمہیں اس کے بارے میں بتائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔(الانعام:164)《3》''اس کے لیے ہے جو اس نے نیکی کمائی اور اسی پر ہے جو اس نے برائی کمائی'' سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے کمایا، سزا صرف اس جرم کی ملے گی جو کسی نے خود کیا ہوگا۔《4》کسی شخص کو وہاں کسی مدد اور سفارش کی امید نہ ہوگی۔《5》ہر شخص اپنا نامہ اعمال اپنے رب کے سامنے خود لے کر جائے گا۔《6》ہر شخص بحیثیت ایک فرد کے اپنے رب کے سامنے ہوگا۔

سوال5: ''ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا'' اس یقین کے مومن کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:《1》اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہونے پر یقین جب مومن کے دل کے اندر راسخ ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔کسی دوسرے انسان کی وجہ سے ان حقوق کی ادائیگی میں کمی نہیں کرتا نہ ہی ان کو چھوڑتا ہے۔《2》اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہونے پر یقین کی وجہ سے ایک مومن یہ سوچتا ہے کہ اگر کوئی گمراہ کر دے، دھوکہ دے دے، مجبور کر دے اور میں اللہ تعالیٰ کے حق میں کمی کر دوں تو قیامت کے دن ان سارے انسانوں میں سے کوئی میرے کام نہیں آئے گا نہ مدافعت کر سکیں گے، نہ سفارش کر سکیں گے، نہ میرا بوجھ اتار سکیں گے۔《3》اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی کے یقین کی وجہ سے مومن معاشرے میں اپنی اجتماعی ذمہ داریاں پوری کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں پوری طرح سے فکر مند ہوتا ہے۔《4》اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہونے پر یقین کی وجہ سے مومن اپنے مال اور اپنی دولت سے اجتماعی ذمہ داریاں پوری کرتا ہے۔《5》اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہونے پر یقین کی وجہ سے مومن دوسروں کو تو اصوا بالحق کرنے کے لیے اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا ہے۔《6》اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہونے پر یقین کی وجہ سے مومن اجتماعی معاملات کے حوالے سے بھی اپنی کارکردگیوں اور کوتاہیوں کے بارے میں یہ یقین رکھتا ہے کہ اعمال نامہ میں درج ہوں گی، ان کا حساب کتاب ہوگا، ان پر جزا سزا ملے گی۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے: اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا۔

سوال 6:﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ ''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ یہ کہیں ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑنا۔ (زاد المسیر :297/1)《2》جب سیدنا جبریل علیہ السلام نبی ﷺ سے یہ کہہ رہے تھے: ''اے ہمارے ربّ! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑنا'' تو نبی ﷺ جواب میں کہہ رہے تھے: آمین رب العالمین۔ (الدر المنثور:668/1)《3》﴿اِنْ نَّسِيْنَآ﴾ سے یہ مراد ہے کہ اگر وہ چیز ہمیں بھول جائے جو ہم پر فرض کی گئی ہو۔ (جامع البیان:164/3)《4》﴿اَخْطَاْنَا﴾ سے یہ مراد ہے کہ انسان ایک جائز کام کا ارادہ کرے لیکن اس سے کام اس انداز سے ہو جائے جو جائز نہ ہو۔《5》رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت سے خطا اور نسیان پر کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا جب تک انہوں نے ایسے کاموں کو برا سمجھا۔'' (طبرانی)《6》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان چیزوں کے بارے میں درگزر فرما دیا ہے جو ان کے نفسوں میں آ جائیں جب تک کہ ان پر عمل نہ کریں یا زبان سے نہ کہیں۔ (مسلم:75/1)

سوال 7: نسیان (بھول) اور خطا (غلطی) میں کیا فرق ہے؟

جواب:《1》بھول اور غلطی میں فرق یہ ہے کہ نسیان (بھول) کا مطلب ہوتا ہے مامور کام کا دل سے فراموش ہو جانا اور بھول جانے کی وجہ سے اس عمل کا چھوٹ جانا۔ خطا (غلطی) یہ ہوتی ہے کہ انسان ایک جائز کام کا ارادہ کرے لیکن اس سے کام اس انداز سے واقع ہو جائے جو جائز نہیں۔《2》اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحمت اور احسان فرماتے ہوئے اس سے واقع ہونے والے یہ دونوں طرح کے کام معاف فرما دیئے۔《3》اس اصول کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ جو شخص چھینے ہوئے یا ناپاک کپڑے پہن کر نماز پڑھے، بدن پر سے نجاست دور کرنا بھول گیا ہو یا نماز کے دوران بھول کر کسی سے بات کر لے یا روزے کے دوران بھول کر کچھ کھا لے یا احرام کے دوران بھول کر کوئی ممنوع کام کر لے بشرطیکہ اس میں کسی جان دار کی ہلاکت شامل نہ ہو تو اس کی یہ غلطیاں معاف ہیں۔《4》اسی طرح اگر ایک کام نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہو پھر بھول کر وہ کام کر لے۔ اس طرح اگر غلطی سے کسی کی جان یا مال کا نقصان کر بیٹھے تو اس کو گناہ نہیں ہوگا۔ نقصان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پورا کرنے کے لیے ادائیگی کرنے کا تعلق نقصان کرنے سے ہے (ارادہ یا بھول وغیرہ سے نہیں) اس طرح جن موقعوں پر (بسم اللہ) پڑھنا واجب ہے اگر وہاں (بسم اللہ) پڑھنا بھول جائے تو کام درست سمجھا جائے گا۔ (تفسیر سعدی:336/1)

سوال 8: غلطی پر مومن کے لیے صحیح طریقہ کار کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان سے بھول چوک، غلطیاں اور خطائیں ہوسکتی ہیں۔ جان بوجھ کر انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرے تو معافی کی گنجائش ہے۔ ﴿2﴾ غلطی پر مومن کے لیے صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ اپنے رب سے فوراً معافی مانگ لے۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرنا معافی کی شرائط میں سے ہے۔

سوال 9: ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِنَا﴾ ''اے ہمارے رب! اور ہم پر ویسا ہی بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا، جو ہم سے پہلے تھے'' یہ دعا انسان کی زبان پر کب آتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اے ہمارے رب! اور ہم پر ویسا ہی بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا، جو ہم سے پہلے تھے'' یہ دعا انسان کی زبان پر تب آتی ہے جب وہ ذمہ دار بن جاتا ہے۔ جب وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ امت مسلمہ پر تمام رسولوں کی رسالت کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ جب وہ پچھلی قوموں کے حالات جان لیتا ہے کہ انہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی اس کی پاداش میں ان پر کیا کیا بوجھ ڈال دیئے گئے تب وہ یہ دعا کرتا ہے کہ ''اے ہمارے رب! اور ہم پر ویسا ہی بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا، جو ہم سے پہلے تھے۔'' ﴿2﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اِصْرًا عہد وعدہ کے معنی میں ہے۔ (بخاری: کتاب التفسیر) ﴿3﴾ ابن زید نے کہا ﴿إِصْرًا﴾ ایسا گناہ ہے جس کا نہ کفارہ ہے نہ توبہ۔ (المحرر الوجیز:394/1) ﴿4﴾ ﴿كَمَا حَمَلْتَهُۥ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِنَا﴾ ''جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا، جو ہم سے پہلے تھے'' مقاتل بن حیان نے کہا جیسے یہود و نصاریٰ پر بوجھ ڈالا تو وہ ہلاک ہوگئے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم:580/2) ﴿5﴾ جیسے بنی اسرائیل پر واجب تھا کہ جب ان کے کپڑے پر نجاست لگ جائے تو وہ اسے قطع کر دیں گے۔ (تفسیر مراغی:445/1) اس سے مشکل احکام مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمالی اور اس امت پر طہارت اور عبادت کے مسائل میں ایسی نرمی فرمادی جو کسی اور امت پر نہیں فرمائی تھی۔ (تفسیر سعدی:336/1)

سوال 10: پہلی امتوں پر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے کیا کیا بوجھ ڈالے گئے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ بنی اسرائیل پر بعض قسم کی پاکیزہ غذائیں حرام کر دی گئیں۔ ﴿2﴾ جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان پر سب ناخن والے جانور حرام کر دیے گئے۔ ﴿3﴾ گائے اور بکری کی چربی بھی حرام کر دی گئی۔ ﴿4﴾ انہیں بچھڑا پوجنے کی سزا کے طور پر ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم ملا۔ ﴿5﴾ ان پر سبت کے دن شکار کو حرام کیا گیا۔ اسی لیے اہل ایمان کو دعا سکھائی گئی کہ ''اے ہمارے رب! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالنا جس طرح کا بوجھ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔''

سوال 11: اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر سے انسان کی غلامی کو کیسے ختم کرنے کی کوشش کی ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر سے انسان کی غلامی کو انبیاء کے ذریعے سے ختم کرنے کی کوشش کی ہے اور نبی ﷺ کی بعثت کا مقصد یہی تھا کہ وہ اہل ایمان اور پوری انسانیت سے وہ بوجھ اتار دیں جو انسانیت پر ڈالے گئے تھے۔﴿2﴾رسول اللہ ﷺ کا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ساری غلامیوں سے چھڑا کر ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ کی بندگی کے ذریعے پوری انسانیت کے لیے آزادی کا راستہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔﴿4﴾انسان کو مذہبی پروہتوں، کاہنوں اور پیشواؤں کی غلامی سے آزاد کرنے کی کوشش کی ہے۔﴿5﴾انسان کو اوہام وخرافات سے آزاد کرنے کی کوشش کی ہے۔﴿6﴾انسان کو رسم ورواج کے بندھنوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی ہے۔﴿7﴾انسان کو خواہشات اور مرغوبات کی غلامی سے آزاد کرنے کی کوشش کی ہے۔﴿8﴾ایسی غلامیاں جنہوں نے انسان کی کمر توڑ کر رکھ دی ،جس کی وجہ سے انسان کا سر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں دوسرے جباروں کے سامنے جھکتا تھا ان ساری غلامیوں سے آزاد کروانے کی کوشش کی ہے۔

سوال12:﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾"اے ہمارے رب! اور تو ہم سے نہ اٹھوا جس کی ہم میں طاقت ہی نہیں" سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾﴿وَلَا تُحَمِّلْنَا﴾ سے مراد سزائیں، آزمائشیں اور مشقت والے احکامات ہیں۔ابن عباس اور قتادہ نے کہا: طاقت سے مراد وسعت ہے۔(زاد المسیر:296/1)﴿2﴾اے ہمارے رب! ہمیں آسان احکامات دینا اور ہمیں ایسے احکامات نہ دینا جن کو بجالانا ہمارے بس میں نہ ہو۔(تفسیر مراغی:445/1)﴿3﴾"اے ہمارے رب! اور تو ہم سے نہ اٹھوا جس کی ہم میں طاقت ہی نہیں" اس دعا سے ایمان والوں کے شعور کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے ہیں۔مومن کو یہ خوف لاحق نظر آتا ہے کہ کہیں اپنی غلطیوں کی وجہ سے دوبارہ اس غلامی میں نہ چلے جائیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اہل ایمان کے اندر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا ارادہ نکل گیا ہے۔﴿4﴾اس دعا سے مکمل سپردگی کا اظہار ہوتا ہے۔﴿5﴾اس دعا سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مومن اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر مالک کو مہربان سمجھتا ہے۔﴿6﴾اس دعا سے مومن کے پختہ ارادے کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اطاعت کرے گا لیکن احکامات ماننے میں غلطی نہ ہو یہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔

سوال13:﴿وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا﴾"اور ہم سے درگزر فرما اور تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما" کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾﴿وَاعْفُ عَنَّا﴾ سے مراد ہے کہ ہمارے گناہ مٹا دے۔(تفسیر بیضاوی:588/1)﴿2﴾ راغب نے کہا" العفو" سے مراد ہے عقوبت کو ترک کر کے گناہ کا ازالہ کرنا۔(بحر المحیط:766/2)﴿3﴾﴿وَاغْفِرْ لَنَا﴾ سے مراد ہے ہمارے عیوب ڈھانپ دے اور مؤاخذہ کر کے ہمیں رسوا نہ کرنا۔(تفسیر بیضاوی:588/1)﴿4﴾﴿وَارْحَمْنَا﴾ سے مراد ہے ہمارے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں اور ہم پر فضل فرمائیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

(تفسیر بیضاوی:588/1)《5》بزرگوں کا قول ہے کہ گناہ گار کو تین باتوں کی ضرورت ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کی معافی تا کہ عذاب سے نجات پائے، دوسرے پردہ پوشی تا کہ رسوائی سے بچے، تیسرے عصمت کی تا کہ دوسری بار گناہ میں مبتلا نہ ہو، اس پر بھی جناب باری نے قبولیت کا اعلان کیا۔(تفسیر ابن کثیر:386/1)

سوال14:《اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ》''تو ہی ہمارا مولیٰ ہے چنانچہ کافرلوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》《اَنْتَ مَوْلٰىنَا》سے مراد ہے آپ ہمارے امور میں ہمارے مددگار ہیں، ہماری حفاظت کرنے والے، ہمارے ولی ہیں۔(تفسیر خازن:221/1)《2》سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ احد کے موقع پر ابوسفیان نے کہا: ''ہبل بلند رہے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا جواب دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کیا جواب دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو، اللہ تعالیٰ سب سے بلند اور بزرگ و برتر ہے۔ ابوسفیان نے کہا: ہمارے پاس عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کا جواب دو'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''کیا جواب دیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو، اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی نہیں۔(صحیح بخاری:4043)《3》ایمان والے مولیٰ کا مضبوط سہارا تھام کر جاہلیت کی ہر علامت، ہر بت، ہر محبت اور ہر رغبت کو توڑ کر ایک اللہ تعالیٰ کے سائے میں جاتے ہیں۔《اَنْتَ مَوْلٰىنَا》تو ہی ہمارا مولا ہے۔ ہماری زندگی، ہماری نمازیں، ہماری قربانیاں، ہماری موت سب آپ کے لیے ہے۔ یہ مومن کا اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق ہے۔《4》اللہ تعالیٰ سے ایک مومن کی دعا ہے کہ اے اللہ تیرے دین کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس کا بول بالا کرنا چاہتے ہیں۔ اہل کفر کے ساتھ مقابلہ ہے۔ آپ ہی کے لیے جینا ہے آپ ہی کے لیے مرنا ہے آپ ہماری مدد فرمائیں۔《5》یعنی تو ہمارا رب، ہمارا بادشاہ اور ہمارا معبود ہے۔ جب سے تو نے ہمیں پیدا فرمایا تیری مدد اور توفیق ہمیں حاصل رہی ہے تیری نعمتیں ہر وقت مسلسل ہمیں مل رہی ہیں پھر تو نے ہم پر ایک عظیم احسان کیا کہ اسلام کی نعمت عطا فرما دی۔ باقی سب نعمتیں اس کے تابع ہیں۔ اس لیے اے ہمارے مالک اور ہمارے مولیٰ ہم تجھ سے اس نعمت کی تکمیل کا سوال کرتے ہیں کہ ان کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما جنہوں نے تیرے ساتھ کفر کیا، تیرے نبیوں کا انکار کیا، تیرا دین ماننے والوں سے مقابلہ کیا، تیرے احکامات کو پس پشت ڈالا۔ لہٰذا دلیل و برہان اور شمشیر و سناں کے ساتھ ہماری مدد فرما۔ ہمیں زمین میں شوکت عطا فرما، ان کو ذلیل کر دے۔ ہمیں ایسا ایمان اور ایسے اعمال نصیب فرما، جن کی برکت سے فتح حاصل ہوتی ہے۔(تفسیر سعدی:336,337/1)